رجسٹرڈ نمبر اے ۱۰۸

معارف

مجلس دار المصنفین کا علمی ماہوار رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

جنوری سنہ ۱۹۲۷ء

قیمت للعہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

فہرست کتبخانہ تجارتی دار المصنفین اعظم گڈھ

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم، حصہ اوّل طبع دوم تقطیع ۲۰×۳۰ حالات نبوی ولادت تا ختم غزوات قیمت باختلاف کاغذ سے للعہ، للعہ

ایضاً حصہ دوم، کارنامہ نبوی تکمیل شریعت، تاریخ احکام، وفات اخلاق وشمائل وغیرہ طبع اول قیمت قسم اعلیٰ تقطیع کلان عہ

ایضاً حصہ دوم، طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد قیمت صہ، بیجر

ایضاً حصہ سوم، تقطیع کلان قسم اول عہ، قسم سوم سے،

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت مطبوعہ معارف پریس، قیمت، للعہ

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات مطبوعہ معارف پریس، بیجر

الغزالی، امام غزالی کی سوانحعمری اور ان کا فلسفہ بیجر

سیرۃ النعمان، امام ابو حنیفہ کی سوانحعمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل، بیجر

سوانح مولانا روم مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحعمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ عیہ

رسائل شبلی مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ قیمت عہ

مقالات شبلی مولانا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ عہ

شعر العجم حصہ اول، شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری کا آغاز، قدماء کا دور، سے،

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور، عجہ

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور، عجہ

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو سے،

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ، صوفیانہ اور اخلاق شاعری پر تبصرہ، عجہ

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی میں ریویو، ۸ر

موازنہ انیس و دبیر، مرثیہ کی تاریخ اردو میں اصول تنقید اور فصاحت و بلاغت کی تشریح اور میر انیس کی شاعری کا اس معیار سے موازنہ قیمت سے، بیجر

سفرنامہ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ

مضامین عالمگیر شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات قیمت باختلاف کاغذ طبع بیجر عہ، ۸ر

علم الکلام، مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اس کی عہد بعہد کی ترقیات اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ

الکلام مولانا کی مشہور تصنیف جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے اور عقائد اور مذہبی مسائل کو واضح کیا ہے طبع سوم مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ

دائرۃ المعارف

یعنی

معارف اعظم گڈہ

کی

اٹھارہویں جلد

از

جولائی ۱۹۲۶ء تا دسمبر ۱۹۲۶ء

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڈہ

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ	نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۶	شوکت، سید شوکت حسین صاحب علیگ	۲۲۸	۱۱	ممتاز، جناب خواجہ محمد ممتاز صاحب	۰
۷	شوق، جناب محمد حسین صاحب بچھرایونی	۲۲۹		تلمیذ حضرت داغ مرحوم	
۸	صدق، جناب عبد الحق جائسی	۳۹۲	۱۲	ولی، میر ولی اللہ صاحب وکیل ایبٹ آباد	۲۲۷
۹	ضیا، جناب ضیاء احمد صاحب ایم اے	۳۱۰	۱۳	یوسف، جناب یوسف صاحب وتغلا بنگلور	۱۵۳
۱۰	حضرت گرامی	۶۹			

فہرست مضامین

جلد ہژدہم جولائی سنہ ۱۹۲۶ء - دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء

فہرست مضمون نگارانِ معارف

جلد ہشتم و ہژدہم جولائی سنہ ۱۹۲۶ء تا دسمبر سنہ ۱۹۲۶ء

بہ ترتیب حروف تہجی

نمبر شمار	اسمائے گرامی	صفحہ
۱	مولوی ابو الجلال صاحب ندوی	۴۲، ۷۱۰، ۸۵، ۴۴۶، ۳۱۴، ۸، ۳۴۱، ۳۸۵، ۳۹۷، ۳۹۹، ۴۸
۲	قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی،	۱۸۵
۳	مولوی اکرام الحق صاحب سلیم بی اے،	۴۴۷
۴	جناب تمکین کاظمی حیدرآباد دکن	۲۶۱، ۳۷۷
۵	سید ریاست علی ندوی رفیق دار المصنفین	۳۳، ۵۸، ۹۱، ۹۵-۱۲۸، ۲۸، ۱۰۸، ۱۴۰، ۱۴۴، ۱۶۴، ۱۸۵-۲۱۹، ۲۳۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۴۷۳، ۴۷۵، ۴۸
۶	مولانا سید سلیمان صاحب ندوی،	۱۶۲، ۲۴۲، ۲۵۱، ۲۰۲، ۳۲۳، ۳۸۰، ۴۰۲، ۴۰۹، ۴۸
۷	جناب ضیاء احمد صاحب ایم اے ریسرچ اسکالر الہ آباد یونیورسٹی	۱۲۲، ۱۹۵، ۲۹۰، ۳۴۰، ۴۲۲، ۴۸
۸	"طالب العلم" مقیم مکہ معظمہ	۲۷۵، ۳۵۷، ۴۲۲، ۴۸
۹	مولانا عبد السلام صاحب ندوی	۷۵، ۱۱۵، ۱۸۵، ۱۹۶، ۲۱۹، ۲۴۱، ۲۴۳، ۳۰۵، ۳۰۷، ۳۱۸، ۳۰۸، ۶۲
۱۰	مولانا عبد الماجد صاحب بی اے دریابادی	
۱۱	مولانا سید مظفر الدین صاحب ندوی ایم اے لکچرار ڈھاکہ یونیورسٹی	۴۵
۱۲	مولوی سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے	۲۳۰، ۲۹۵، ۳۹۷
۱۳	مولوی سید ہاشم صاحب ندوی رکن دائرۃ المعارف	۳۴۲، ۴۶۸
	شعراء	
۱	اثر، جناب اثر صہبائی	۳۹۳
۲	امجد، مولانا سید احمد حسین صاحب	۶۹
۳	ترمذی، مولوی سراج الحسن صاحب وکیل ہائیکورٹ حیدرآباد	۱۵۲
۴	تسکین، جناب محمد یسین صاحب قریشی	۳۱۱
۵	سلیم مولوی وحید الدین صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد	۶۹-۱۵۱

مجلد نوزدہم | ماہ جمادی الثانی و رجب ۱۳۴۵ھ مطابق جنوری ۱۹۲۷ء | عدد اوّل

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

یہ انگریزی سال کا نیا مہینہ ہے، سال نو کی آمد پر خوش ہونا اس ظاہری دنیا کے رسم و رواج مین داخل ہے، ہم بھی اس رسم و رواج کے مطابق خوش ہین کہ ہم نے زندگی کا ایک اور سال پایا، معارف کا پہلا پرچہ رمضان سنہ ۱۳۳۴ھ مطابق جولائی سنہ ۱۹۱۶ء مین شایع ہوا تھا اور یہ وہ وقت تھا جب دنیا مین جنگ و جدل کے شرارے اڑ رہے تھے، کاغذ کی گرانی اور سامان طبع کی نایابی نے پرانے پرانے مطبعون کے دیوالے نکال دیئے تھے، لیکن معارف نے پوری دلیری سے ان مشکلات کا مقابلہ کیا، اور کامیابی حاصل کی،

معارف کی عمر کا یہ بارہوان سال ہے، بارہ سال کا زمانہ کوئی بڑی مدت نہین ہے، تاہم ان بارہ برسون مین اردو رسائل کی دنیا مین کافی انقلاب اور تغیر ہوگیا ہے، معارف جب نکلا تھا تو زمانہ (کانپور) الناظر (لکھنو) نقاد (آگرہ) اور مخزن (لاہور) کے سوا کوئی قابلِ ذکر رسالہ موجود نہ تھا، اور ان مین سے الناظر کے سوا بقیہ تمام رسائل کا سرمایہ تمامتر ادبیات تھا، سنجیدہ، ٹھوس علمی اور محققانہ مضامین کی ملک مین نہ مانگ تھی نہ درآمد تھی، معارف اس غیر مطلوبہ سامان کو لیکر جب بازار مین آیا تو خلاف توقع قدردانون نے اس کو پسند کیا اور ہاتھون ہاتھ لیا،

اردو مین رسائل کی تاریخ جب لکھی جائیگی تو اس کے چند دور بھی قرار دیئے جائین گے، ہماری رائے مین پہلا دور تہذیب الاخلاق سے معارف (علی گڈہ) تک ہوگا، دوسرا دور معارف (علی گڈہ) سے مخزن تک

تیسرا الندوہ سے شروع ہوگا، اور چوتھے کا آغاز شاید معارف اعظم گڈہ سے ہوا ان مین سے ہر دور کا رسالہ اپنے نمونہ پر متعدد رسالوں اور صحیفون کے وجود کا باعث ہوا ہے، اب اس وقت بحمد اللہ ملک کے کئی گوشون سے اردو کے اچھے اچھے، اور مفید اور دلکش رسالے نکل رہے ہین اور نکلتے جاتے ہین، اور ادبیات اردو خصوصاً ادب لطیف کی خدمتون سے اردو پاک ہو رہی ہے، اور اب ایک نئے دور کا آغاز ہو چکا ہے یا ہو رہا ہے،

عین اسوقت جب ہم اردو رسالون کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈال رہے ہین، اردو کا وہ سب سے پرانا رسالہ اور اس کا وہ اڈیٹر یاد آتا ہے جس نے سال کے آخری مہینہ کی آخری تاریخون مین ہماری دنیا کو الوداع کہا یعنی مولانا عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی اڈیٹر دلگداز جو ہمارے انشا پردازون مین سب سے پرانے اور کہنہ انشا پرداز تھے اکسٹھ برس کی عمر مین بعارضۂ فالج وفات پائی، مرحوم نے اپنی عزت اور شہرت تنہا خود اپنے قلم سے حاصل کی تھی، وہ اپنی شہرت کے لیے کسی اور نامور ہستی سے انتساب کے ممنون نہ تھے، انھون نے اپنے تمام معاصرین مین سب سے زیادہ اپنی زبان کی خدمت کی فرصت پائی، ہمارے خیال مین ۱۸۸۲ء سے انھون نے اپنے کام کا آغاز کیا، اور جو اخیر زمانہ وفات دسمبر ۱۹۲۶ء تک قائم رہا، بیچ بیچ مین کبھی کبھی حیدرآباد کے قیام کی مصروفیتین پیش آجاتی تھین، تاہم ان کا تسلسل کبھی ٹوٹنے نہ پایا ۴۴ برس کا عہد خدمت ان کے کسی معاصر کو میسر نہ آیا، پھر ان کے ادبی اور علمی خدمات کی گونا گونی، اور کثرت بھی ان کا خاص امتیاز ہے، اور یہ کہنا بھی سچ ہو کہ انھین کی تصنیفات نے اردو مین سیکڑون انشا پرداز پیدا کیے، اور ملک مین تاریخ کا مذاق پیدا کیا اور سنجیدہ تصنیفات کے لیے حسن قبول کا راستہ صاف کیا،

مولانا کا شرف نیاز ۱۹۰۲ء مین مجھے حاصل ہوا، اور یاد آتا ہے کہ وہ اس وقت حیدرآباد سے واپس آئے تھے، اور اتحاد اور پردۂ عصمت نکالنا شروع کیا تھا، وہ عربی زبان کے مستند عالم تھے، بچپن مین وہ اپنے نانا کے ساتھ واجد علی شاہ کے مٹیا برج مین رہے تھے، اور اس طرح جب ہوش سنبھالا تو اپنے کو سخنوران اردو کی آغوش مین

پایا، لکھنؤ آکر عربی علوم کی باقاعدہ تعلیم مولانا عبدالحی صاحب مرحوم فرنگی محلی کے حلقۂ درس مین پائی تھی، اور حدیث کی تعلیم دہلی جاکر مولانا سید نذیر حسین محدث سے حاصل کی تھی، اسی لیے مولانا کا میلان زیادہ تر اہل حدیث کے مسلک کی طرف تھا، اور عقائد مین سخت اور غالی اشعری تھے، اور امام ابوالحسن اشعری سے ان کو خاص عقیدت تھی، عربی کیساتھ ان کو انگریزی سے بھی واقفیت تھی، اور کسی قدر فرنچ سے بھی آشنا تھے، یورپ کی بھی سیر کر آئے تھے، واپسی مین جب وہ جبرالٹر (جبل طارق) سے گذرے ہین تو مسلمان مورخ کی آنکھون کے سامنے اندلس (اسپین) کی تصویر کھنچ گئی، وطن پہنچکر سب سے پہلے اسکی یاد مین آنسو گرائے، اور اسپین پر ایک پر درد مضمون لکھا، جو اس زمانہ مین بہت مقبول ہوا تھا،

——— •~•~• ———

بظاہر وہ صرف ایک ناولسٹ یا فسانہ نگار تھے، اور اسی حیثیت سے لوگ ان کو زیادہ تر جانتے ہین، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ عربی علم ادب، محاضرات اور تاریخ کے بھی ماہر تھے، ان کے مضامین کا ماخذ اغانی کی ضخیم جلدین ہوتی تھین، اور وہ ان کو نہایت پسند تھین، وہ روایتون مین تنقید اور جانچ پرتال نہین کیا کرتے تھے، درحقیقت یہ ہے کہ انکو اپنے موضوع کے لحاظ سے اسکی ضرورت بھی نہ تھی، انکی تصنیفات مین منصور موہنا، درگیش نندنی، فتح اسپین، مقدس نازنین، ملک العزیز ورجنا، فردوس برین، اور فلورا فلورنڈا مشہور ناول ہین، تاریخون مین تاریخ سندھ اور تاریخ سسلی، اور سوانحعمریون مین خاتم المرسلین، ابوبکر شبلی، جنید بغدادی، انکی مشہور تالیفات ہین، مرحوم گو شاعر تھے شرر تخلص تھا، مگر غیر مقفی اشعار کے نمونون کے علاوہ آغاز شباب کے بعد کبھی انھون نے اپنا کوئی کلام شائع نہین کیا، مولانا کا آخری علمی کارنامہ تاریخ اسلام ہے، جسکو وہ جامعۂ عثمانیہ کی فرمائش سے لکھ رہے تھے، اور کچھ حصے اس کے لکھ بھی چکے تھے،

——— •~• ———

مرحوم اخلاق کے لحاظ سے نہایت باوضع، خاکسار، پابند اوقات، اور ملنسار تھے، چھوٹون سے ملنے مین اور انکی عزت و تعظیم اور ان کے کامون کی قدرشناسی مین کبھی کوتاہی نہین کرتے تھے، چوک مین منشی نثار حسین صاحب ایڈیٹر پیام یار اور خواجہ عشرت کی دکان پر انکی شام کی نشست انکی وضعداری کی دلیل تھی، ان کی کتابون کی بڑی

تنگ تھی، اور تمام مطبع والے بے پوچھے گچھے ان کی کتابین چھاپتے رہے، مگر انھون نے کبھی باز پرس نہ کی، مرحوم رات کو جاگ کر کام کرنے کے عادی تھے، اور رات کا کھانا ایک بجے کھا کرتے تھے، انکی موت نے ۱۹۲۶ء سے شروع ہونے والے عہد علمی کا خاتمہ کر دیا،

دلگداز جوان کا خاص رسالہ تھا جسمین وہ زیادہ تر تاریخی مضامین مسلسل شایع کیا کرتے تھے، اس کا آخری نمبر جو ان کے قلم سے نکلا وہ دسمبر ۱۹۲۶ء کا ہے، یہ دلگداز کی چھبیسوین جلد کا آخری نمبر ہے، لیکن اسکی اشاعت کا زمانہ ۴۰ برس سے بھی زیادہ ہے، حیدرآباد کی اقامت کے زمانہ مین اسکی اشاعت مین ناغہ ہو جاتا تھا، دلگداز کے علاوہ بھی اور رسالے بھی اپنے نام سے انھون نے نکالے ہین، موجودہ پردہ کے خلاف **پردۂ عصمت** انھون نے نکالا اس سے پہلے انھین نے مسلمانون مین ہندو مسلم اتحاد کی باقاعدہ تحریک کی اور اسکے لیے **اتحاد** نکالا، کچھ دنون کے لیے **تصوف** کا بھی ایک رسالہ نکالا تھا جسکا نام اس وقت یاد نہین آتا، مہذب نام ایک اور صحیفہ نکالا تھا، بہرحال، وہ جو کچھ تھے، ہماری زبان کے نامور مصنف، ہندوستان کا فخر اور لکھنؤ کی آبرو تھے، ان کے فانی جسم نے مفارقت کی مگر ان کی ابدی زندگی، انشاء اللہ ہمیشہ قائم اور باقی رہے گی،

ابھی شرر اردو کے ماتم سے ہم فارغ نہین ہوئے تھے کہ نظم اردو کے پرانے استاد، عظیم آباد کے مشہور باکمال شاعر میر علی محمد شاد کی موت کی خبر آئی، ۸ جنوری ۱۹۲۷ء کو غالباً ۸۲ برس کی عمر مین اپنے وطن عظیم آباد پٹنہ مین وفات پائی، ساٹھ برس سے زیادہ کی مشق سخن تھی، لاکھون شعر ان کے نتائج فکر ہین، میر اور انیس کے مقلد اور متبع تھے، اس دور مین وہ پورب مین زبان اردو کے تنہا استاد رہ گئے تھے، ہموطنی کے باوجود کبھی ان کی ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا، البتہ تحریری نیاز ایک مدت سے حاصل تھا، ادھر انکی علالت کا سلسلہ چند ماہ سے جاری تھا، کچھ دنون سے ہوش و حواس بھی بجا نہ تھے، تاہم یہ شعر برابر ورد زبان تھا،

آخر ہے عمرِ عشق مین دل بھی ہے، جان بھی

ؔ دِلِ زار باش ختم ہے یہ امتحان بھی

مرحوم کی تصنیفات مین دیوان اور کلام منظوم کے علاوہ نوائے وطن وغیرہ نثر کتابین بھی ہین، مرحوم کا ایک طویل والا نامہ بھی میرے پاس رکھا ہے، جسمین نئی تصنیفات کی پوری کیفیت لکھی ہے، افسوس کہ انکا پورا کلام کوششون کے باوجود بھی یکجا ہوکر طبع نہ ہوسکا، جو کام کہ انکی غایت احتیاط کی بنا پر انکی زندگی مین نہ ہوسکا تھا، شاید آپ ان کے مرنے کے بعد انجام کو پہنچ جائے، اپنے طرز کے وہ تنہا مالک تھے، اور زمانہ کا رنگ دیکھکر توقع نہین کہ اس طرز کا سخنور پھر پیدا ہو سکے،

---

۱۰ دسمبر ۲۶ء کو جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کا جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی صدر الصدور امور مذہبی سرکار نظام صدر جلسہ تھے، ممدوح نے اس موقع پر جو دلگداز تقریر فرمائی وہ حد درجہ مؤثر تھی، علیگڈہ کے جس علمی حجرہ (مولانا لطف اللہ صاحب کا مسکن) کی یاد انھون نے فرمائی جو گو بظاہر نہایت تنگ تھا، تاہم اسکے فیض و برکات کے دریا کا پاٹ مین سے بخارا تک وسیع تھا، وہ خواب تھا جو وہ دیکھ چکے، اب تو ہماری درسگاہون کی تعمیری وسعت گو مین سے بخارا تک ہو لیکن انکی علمی تنگی اس حجرہ سے بھی کہین زیادہ ہوگی، یہی پہلی رونق اور شان و شکوہ سب کچھ ہے، مگر روح کا فقدان ہے، مردہ لاش کو قاقم و سنجاف اوڑھاکر اسکی پر رونق اور پر شکوہ شکل و صورت مین ہم محو تماشا ہین۔

تاہم یہ سنکر خوشی ہوئی کہ جامعہ عثمانیہ ترقی کے منازل طے کرتی جاتی ہے، اس کے دار التالیف و ترجمہ نے تین سو سے زیادہ کتابین جامعہ کے نصاب کے لیے تالیف اور ترجمہ کی ہین، برٹش گورنمنٹ نے بھی اسکی سند کو ایک حیثیت سے قبول کیا ہے، یورپ کی بعض یونیورسٹیون نے بھی اسکی اسناد کو تسلیم کیا ہے، اور اسکی انگریزی ادب کیساتھ

علوم وفنون کی مادری زبان مین تعلیم کی کامیاب کوشش اب ہندوستان کی دوسری یونیورسٹیون کو بھی انقلاب
پر مجبور کر رہی ہے، لکھنؤ یونیورسٹی اور مسلم یونیورسٹی کے مقررین اسناد کی تقریرین اس متوقع انقلاب کی پیشینگوئی کررہی ہین

مسلم یونیورسٹی کے جدید انتخاب نے کسی قدر انقلاب پیدا کیا ہے، صاحبزادہ آفتاب احمد خان صاحب کی
جگہ پر نواب مزمل اللہ خان وائس چانسلر مقرر ہوئے ہین، بقیہ عہدہ دار اپنی جگہ پر ہین، صاحبزادہ صاحب اپنی مزمن
علالت کے سبب سے اپنے عہدہ کے فرائض انجام دینے سے گو ایک حد تک معذور رہے، مگر جیسا کہ ان کے شائع کردہ
پمفلٹون سے واضح ہوتا ہے، انھون نے یونیورسٹی کی بے قاعدگیون کو درست کرنے مین خاصی کوشش کی، لیکن
غالباً رفقائے کار کی ہمدردی اور اعانت ان کے شامل حال نہ ہوسکی اور یہی ان کی ناکامی کی بڑی وجہ ہے،
نواب صاحب کا عہد دعا ہے کہ کشاکشون سے محفوظ رہے، اور اس تعلیمگاہ کی ترقی کا سامان پیدا کرے، وہ
مشرقی الخیال ہین شاید کہ وہ مشرقی علوم کے ساتھ انصاف برت سکین، جدید انتخاب مین یونیورسٹی کورٹ
مین علماء اور علوم مشرقیہ کے ماہرین مین سے نو نئے ارکان کا انتخاب عمل مین آیا ہے جنمین سے ایک معارف
کا ہیچ باطن و بلند بانگ اڈیٹر بھی ہے

دسمبر کے آخری ہفتہ مین اسلامی مجالس کے تمام سالانہ اجلاس دہلی مین منعقد ہوئے، تنظیم، تبلیغ، ایجوکیشنل
کانفرنس، سود مند کانفرنس، مسلم لیگ، اردو کانفرنس، سب کے مراسم افتتاح عمل مین آئے، سنا ہے کہ ایجوکیشنل
کانفرنس کے متعلق جو کچھ اتنے سالون سے کہا جا رہا تھا اسکا ارباب کانفرنس کو بھی اسسال کے اجلاس مین برای العین
مشاہدہ ہوگیا، یعنی یہ کہ کانفرنس کا تبلیغی دور ختم ہوگیا، اور اب اسکی زندگی صرف عملی دور کیساتھ قائم رہ سکتی ہے، اسی
خیال سے منتخب اشخاص کا ایک تعلیمی بورڈ جسکا ایک ممبر خود اڈیٹر معارف بھی بنایا گیا ہے، اسلیے قائم ہوا ہے کہ وہ
مسلمانون کے تعلیمی مسائل پر غور کرے، اور اپنے نتائج وتحقیقات کو وقتاً فوقتاً شائع کرے، اور ان کو مناسب مشورون

اور تجویزون کی شکل مین تعلیمی انسٹیٹیوشنون اور حکام تعلیم کے سامنے پیش کرے، لیکن ہماری پیشینگوئی یہ ہے کہ نہ یہ بورڈ کبھی جمع ہوگا اور نہ کوئی کام کرے گا کیونکہ ہم مین نہ کوئی ولولۂ عمل ہے، اور نہ کوئی ہماری منزل مقصود ہے ہماری بیماری ڈاکٹرون کے اجتماع اور مشورون سے بہت آگے بڑھ گئی ہے، اور آدمیون کے بجاے ایک آدمی درکار ہے ایک آدمی جو سب کچھ اپنی غرض و مقصد پر فدا کرکے عملاً کچھ کر دکھاے،

اردو کی ترقی کے لیے ضرورت ہے کہ ملک کے بڑے بڑے شہرون سے لیکر چھوٹے چھوٹے گاؤن تک اردو کتب خانون کا جال بچھا دیا جاے ہندی کے حامی یہی کر رہے ہین، اور ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپلٹی ان کے لیے ہر طرح کفیل ہے، اردو کے حامیون کو ان سے زیادہ محنت کی ضرورت ہے، اور مسرت ہے کہ لوگون مین اس کا احساس ہو رہا ہے، ریاست بہاولپور کے ایک مقام سنجر پور سے سید مبارک شاہ صاحب جیلانی مطلع کرتے ہین، کہ انھون نے وہان ایک جیلانی لائبریری قائم کی ہے، ایک ہزار روپیہ اس کے لیے جمع ہوا ہے، ہمین امید ہے کہ ریاست بہاولپور کے روشنخیال حکام ادھر توجہ فرمائین گے، اور اگر یہ کوئی چلتی ہوئی چیز ہے تو اسکی اعانت سے دریغ نہ فرمائین گے، کہ اس کا وجود خود ریاست کی نیکنامی کی بڑی دلیل ہوگی، شاہ صاحب نے اسکی خواہش کی ہے کہ مصنفین اور مؤلفین اپنی کتابین ہدیۃً کتبخانہ کو عنایت فرمائین، اگر اس مستور الحال طبقہ مین کوئی بلند ہمت ایسا ہو تو یقیناً اسکو اپنی فیاضی سے اس لائبریری کے کارکنون اور مشتاقون کو ممنون بنانا چاہیئے،
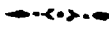
ڈاکٹر کیتکر صاحب چیف اڈیٹر مرہٹی انسائیکلوپیڈیا نے میرے نام ایک طویل خط لکھا ہے جسمین سوانح نبوی کے متعلق اپنے اس فیصلہ کی جو اخبارات مین شائع ہو چکا ہے اطلاع دی ہے اور ساتھ ہی یہ خواہش کی ہے کہ چونکہ اس انسائیکلوپیڈیا کے ترجمے ہندوستان کی دوسری زبانون مین ہو رہے ہین، اسلیے اسکے اردو ترجمہ کا کام دار المصنفین یا کوئی اردو کی انجمن اپنے ہاتھ مین لے، یہ خط اور اسپر گفتگو اور بحث ہم آیندہ نمبر کے لیے اٹھا

ہیں، ساتھ ہی ناظرین کو یہ بھی خبر دینا چاہتے ہیں کہ ہمارے فاضل دوست پروفیسر نواب علی ایم اے (بڑودہ کالج) نے انگریزی میں سرور عالم صلعم کے سوانح مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے، اور تصحیح کے سلسلہ میں لکھنے شروع کیے ہیں، اور اب تک اس کے چار جز لکھے جا چکے ہیں،

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

دار المصنفین نے ایسے ارکان کے لیے قوم میں اپیل کی تھی جو عشہ سالانہ ادا کریں، اسکے معاوضہ میں وہ اپنا ماہوار رسالہ معارف اور سال کی تمام مطبوعات انکی خدمت میں نذر کریگا، الحمد للہ کہ قوم کے متعدد افراد نے اس دعوت کو قبول کیا، اور اس وقت تک پچاس ممبر بن چکے ہیں، جنھوں کے چندے وصول ہو چکے ہیں، اور بعض نے بھیجنے کی اطلاع دی ہے جنھوں نے وی پی مانگے ہیں، ہم کو امید ہے کہ ممبروں کی مطلوبہ تعداد بہت جلد پوری ہو جائے گی، شائقین علم کو چاہیئے کہ درخواستوں کے بھیجنے میں جلدی کریں تاکہ معارف نئے سال سے مکمل ان کو مل سکے، اور کتابوں کے پہلے اڈیشن کے چھپنے میں انکی تعداد کا لحاظ رکھا جائے آیندہ ہم اپنے تمام ممبروں کے نام شائع کرینگے جنھوں نے علم کی آواز پر لبیک کہا ہے،

خطبات مدراس

اڈیٹر معارف نے پچھلے سال مدراس میں سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر جو آٹھ خطبے (لکچر) دیئے تھے، وہ نہایت اہتمام سے عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہیں، چھپنے سے پہلے اس کے نصف آرڈر آ چکے ہیں، یہ اس لائق ہیں، کہ مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں میں ہدیۃً تقسیم کئے جائیں، ضخامت ۱۷۰ صفحے قیمت عہر،

"منیجر"

مقالات

پھر واقدی

امام زہری پر الزام

پروفیسر گولیم (درہم یونیورسٹی انگلینڈ)

کا خط

بنام اڈیٹر اسلامک ریویو ووکنگ

جناب من!

مین اسلامک ریویو کا باقاعدہ اور مستقل پڑھنے والا ہون، فاضل سید سلیمان صاحب ندوی کے مضمون[1] سے جو واقدی پر شائع ہوا ہے، مجھے نہایت دلچسپی ہوئی، کیا مین یہ درخواست کرسکتا ہون کہ آپ میرے اس خط کو مزید آگاہی کیلئے شائع کردین، جو حسب ذیل سوالات پر مشتمل ہے،

اوّل وہ کیا اصول ہے جسکی بناپر واقدی کی صداقت رد کیجاتی ہے، مہربانی کرکے مجھے یہ کہنے دیجئے کہ مین مذہبی گروہون کے اس حق کے خلاف لڑنا نہین چاہتا کہ وہ ان تحریرون کو جو میرے نزدیک لائق قبول نہ ہون مستند ماننے سے انکار کردین، بلکہ مین وہ اصول جاننا چاہتا ہون جو کسی مصنف کے رد وقبول پر حاوی ہے، مین یقیناً جرح وتعدیل کے عظیم الشان لٹریچر، اور مناولہ وغیرہ کے مسائل سے واقف ہون، لیکن واقدی ایک مورخ تھا، دینیات کا مصنف (عقیدۃً وعیناً) نہ تھا، اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ وہ نیک اور ولی نما بخاری کی موت سے ۵۰ سال پہلے وفات پاچکا تھا،

یہ بھی آپکے خیال سے دور رہا ہوگا کہ وہ سندین جو واقدی کی نسبت عمدہ رائین ظاہر کرتی ہین وہ اُنسے جو انکی تنقیص کرتی ہین ایک نسل مقدم ہین،

---

[1] دیکھو معارف جنوری سنہ ۱۹۲۶ء جواب پروفیسر مارگولیتھ،

پھر آپکے فاضل مضمون نگار نے لکھا ہے کہ "ہمکو واقدی کو معتبر ثابت کرنے کیلئے ایک انشاپرداز، ایک جغرافیہ دان، یا ایک مورخ کی شہادت منزل تک نہین پہنچا سکتی ہے" مگر سوال یہ ہے کہ کیون نہین پہنچا سکتی ہے، اور ہم کیون ابتدائے اسلام کے ممتاز مصنفون، جغرافیہ دانون اور مورخون کے فیصلون کو اس عجلت کیساتھ چھوڑ دین، کیا واقدی کی تصنیف اسی طرح ان اشخاص کو اپنی رائے زنی کے لیے دعوت نہین دیتی، اور کیا اسکا فیصلہ صرف مذہبی علما (تھیالوجین) کی رایون سے ہوگا،

یہ نہ سمجھیے کہ مین یہ سوالات مناظرہ کے لیے کر رہا ہون، بلکہ زیادہ تر مین یہ سوالات اپنی زیر تالیف روایات اسلام کے چوتھے باب کے متعلق معلومات تلاش کرنے کیلئے کر رہا ہون، میرے خیال مین ابو حاتم کا واقدی کی نسبت بری رائے ظاہر کرنا در حقیقت موضوع سے خارج ہے، پھر ابراہیم حربی نے واقدی کے طرز تحریر یعنی ہر واقعہ کی الگ الگ سند لکھنے بغیر روایت کی مدافعت کی ہے، یہ ایسا طرز تحریر ہے جو یاد رہے کہ واقدی کی وفات کی ایک نسل بعد تک کم وقعت نہ تھا، کیونکہ زہری اور ابن اسحاق ان دونون نے بھی ایسا ہی کیا، آپکے فاضل مضمون نگار نے یہ جواب دیا ہے کہ زہری اور ابن اسحق کی سطح واقدی سے بلند تر ہے، لیکن کیا مین یہ پوچھ سکتا ہون کہ کیون؟ مین جانتا ہون کہ علمائے مذہب (تھیالوجینس) کی نظر مین انکی زیادہ وقعت ہے، لیکن مغازی مین انکی وقعت کیون زیادہ ہے؟ کیا یہ فراموش کر دیا گیا ہے کہ زہری نے خود اقرار کیا ہے کہ انھون نے دباؤ سے مجبور ہو کر جھوٹی حدیثین بنائی ہین، اکرھنا علیہ ھٰؤلاء الامراء (اسپر ہمکو ان بادشاہون نے مجبور کیا) پھر بہت سے مصنفین نے صحیحین کی حدیثین بھی رد کر دی ہین، اور نیز یہ کہ بخاری کے راویون مین سے ایک ابوہریرہ بھی ہین، جو روایت کرتے ہین کہ چاند پھٹ گیا تھا (شق القمر)، اس بنا پر کوئی اس خیال سے باز نہین رہ سکتا کہ کوئی قوی سبب اس کا نہین ہے کہ واقدی کو بخاری کے فیصلہ کی بنا پر رد کر دیا جائے،

اسلام کے ایک سچے طالب علم ہونے کی حیثیت سے مین نہایت مشکور ہونگا کہ اگر سید صاحب یا کوئی دوسرا فاضل مجھکو وہ اصول بتائے جسکی بنا پر کسی ابتدائی مسلمان کی شہادت قبول یا رد کیگئی ہے،

آپ میرے ساتھ اتفاق کرینگے کہ جب کسی شخص کے خود معاصرین اسکو اعلیٰ سند تسلیم کرین تو یہ مشکل مناسب ہوگا کہ بعد کی نسل کے علمائے مذہب (تھیالوجینس) کی بلا دلیل رایون کی بنا پر اسکو جھوٹا لکھکر بدنام کیا جائے،

آپکا مخلص
الفرڈ گیوم
پروفیسر عربی، ڈرہم یونیورسٹی، انگلینڈ

الجواب

از سید سلیمان ندوی

پروفیسر موصوف کے ان سوالات کو پڑھکر سب سے پہلے اس بات کی خوشی ہوتی ہے کہ ہمارے فاضل مستشرقین کی علمی تحقیق کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے، ایک زمانہ تھا کہ سیرۂ نبوی لکھنے کے لیے تنہا ابو الفدا ایک ماخذ ان کے سامنے تھا، اس کے بعد واقدی، اور پھر ابن سعد اور ابن اسحاق کی باری آئی، یہان تک پروفیسر مارگولیتھ نے اس کا سب سے بڑا ماخذ حدیث کو قرار دیا، اور خصوصاً ابن حنبل کی ضخیم جلدون کو، لیکن ابھی تک اسکی کسر تھی کہ انھون نے کسی واقعہ کی تنقید مین اصولِ روایت سے کام نہین لیا، مگر کیا پروفیسر گولیم کے ان سوالات سے یہ خوشخبری نہین معلوم ہوتی کہ وہ اب ہمارے ان اصول وضوابط کو سمجھنا چاہتے ہین، جنپر اسلام کی ابتدائی روایتون کی تنقید کی اصلی بنیاد قائم کی،

دنیا مین صرف مسلمان ہی وہ قوم ہے، جس نے واقعات و روایات کی تنقید و تصحیح کیلئے اصول وضوابط قائم کئے اور اس سلسلہ مین اصول حدیث، اسماء الرجال، علم الجرح والتعدیل، اختلاف الحدیث اور اسناد وغیرہ متعدد فنون کی بنیاد ڈالی، اوسی کیساتھ درایت کے اصول، اور نقد کے قوانین بنائے، اور ان پر صدہا کتابین لکھین، اور وہ ہماری مشرقی درسگاہون کے نصاب تعلیم کا ایک جز ہین، اور محض عربی زبان کی ادبی واقفیت ان مشکلات کی گرہ کشائی نہین کر سکتی،

مسلمانون مین اس فن کی نظر سے واقعات کی تنقید دو پہلوون سے کیجاتی ہے جنمین سے ایک اصولِ روایت اور دوسرا اصولِ درایت ہے، روایت کے مختصر اصول یہ ہین کہ شروع سے آخر تک واقعہ کے ناقل اور راوی معتبر اور ثقہ ہون، پہلا راوی یا خود واقعہ کے وقت موجود اور اس کا عینی شاہد ہو، یا کسی شریکِ واقعہ اور عینی شاہد سے اس نے خود سنا ہو، یا اس کے متعلق یہ تجربہ سے ثابت ہو کہ وہ ہمیشہ عینی شاہدون سے سن ہی کر اس قسم کی روایتین کیا کرتا ہے، پھر یہ کہ ہر راوی یہ اقرار کرے کہ اس نے خود دوسرے راوی یعنی اپنے پیشرو راوی سے یہ سنا ہے، یا یہ ثابت ہو کہ وہ اس سے عمر مین ایکدفعہ بھی کم از کم ملا ہے، یا یہ کہ وہ دونون کم از کم ایک زمانہ مین موجود تھے، اور ایک کی دوسرے سے سماعت ممکن ہے، اول سے اخیر تک سند کی کڑی متصل اور ملی ہو، کہین سے ٹوٹی نہ ہو، یعنی بیچ کا راوی کوئی نامعلوم نہ ہو،

درایت کے مختصر اصول یہ ہین کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے وہ دیگر مستند تاریخی بیانات کے مخالف تو نہین ہے، کسی دوسری صحیح تر سند سے اسکے خلاف کوئی ایسی شہادت تو موجود نہین ہے جو اسکی تکذیب کرتی ہو، راوی نے مطلب سمجھنے مین تو کوئی غلطی نہین کی ہے، راوی نے کوئی ادھوری بات تو نقل نہین کی ہے، اسلام کے مسلمۂ عقائد اور معروف اصول کے خلاف تو نہین ہے،

یہ اس فن کی مختصر وضاحت ہین جنپر اسلام کی ابتدائی تاریخ و احکام کی نقل و روایت کی بنیاد قائم ہے، اسلام کے ابتدائی مصنفین نے خواہ وہ علمائے حدیث ہون، علمائے مغازی ہون، یا علمائے تاریخ ہون انھین اصول کی پیروی جہانتک زیادہ کی ہے وہین تک انکی تصنیفات امت کے نزدیک زیادہ قابلِ قبول ہوئی ہین، اسی بناپر امام بخاری کی جامع صحیح کا پھر امام مسلم نیشاپوری کی کتاب کا پھر علی الترتیب اسی طرح حدیث کی دوسری کتابون کا ترتیبی درجہ ہے،

امام بخاری نے اپنی کتاب مین کوئی ایسی روایت متن کتاب مین نقل نہین کی جسمین کے ہر ایک راوی نے دوسرے راوی سے اپنی ملاقات اور سماعت کا اقرار نہین کیا ہے، امام مسلم نے ایسے راویون کی روایتین بھی قبول کر لی ہین جنکی باہمی ملاقات اور سماعت کا کوئی ثبوت نہو، اور صرف اتنا ثابت ہو کہ وہ دونون ایک عہد اور ایک زمانہ مین موجود تھے، اس بناپر ہر منصف مزاج یہ یقین کریگا کہ روایات اور وقائع کے تمام دفتر مین صحیح بخاری سے بڑھکر کوئی کتاب نہین، اور اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ صحیح مسلم کا درجہ صحیح بخاری کے بعد کیون قرار دیا گیا ہے، دوسری کتابون کے مصنفین نے اپنا اصول یہ قرار دیا ہے کہ وہ ہر اس واقعہ کو قبول کرتے ہین جسکی نسبت علما کا یہ فیصلہ ہے کہ وہ موضوع، جھوٹا اور بنایا ہوا نہین ہے، اور ہر اس راوی کو قبول کرتے ہین جسکو علما نے جھوٹا، کاذب، اور دروغگو نہین کہا ہے، نیچے درجے کے مصنفین نے اس اصول کو بھی برقرار نہین رکھا ہے، بلکہ ہر جھوٹی سچی روایت کو قبول کرکے اپنی کتاب مین بھر دیا ہے، اس لیے اسی ترتیب سے انکی کتابون کے بھی اہل فن نے درجے مقرر کر دیے ہین،

جو کتابین مغازی اور سیرۃ پر لکھی گئی ہین، ان مین ان اصولون کا عموماً بہت کم لحاظ رکھا گیا ہے، تاہم ان اصولون کی پابندی، اور خود مصنفین کی ذاتی حیثیت کی بناپر مغازی کی کتابون مین سے سب سے اول امام زہری کی مغازی کو جگہ دی گئی تھی، اور اسکی عدم موجودگی مین ان کے شاگردون مین سے موسیٰ بن عقبہ کی مغازی کا رتبہ ہے، اور اسکے بعد انکے ہمدرس محمد بن اسحاق کا درجہ ہے، اور واقدی کیلئے اس بار مین وہی جگہ رکھی گئی ہے جو اسی کم رتبہ کسی حدیث کی کتاب کے مصنف کا پایہ محدثین مین ہے،

پروفیسر صاحب کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علمائے اسلام کی جماعتی یا فنی واقعی تقسیم سے ناآشنا ہیں، اور یقیناً کسی بیرونی قوم کے افراد کو دوسری قوم کے مذہب، علوم اور زبانوں کی اصطلاحات کا سمجھنا اس بنا پر مشکل ہوتا ہے کہ وہ بچپن سے اس ماحول سے باہر رہے ہیں، اور ان کی واقفیت کا ذریعہ محض کتابیں ہیں، اور ان چیزوں کے پوری طرح سمجھنے میں اس قوم کی زبان کی محض ادبی واقفیت پوری معین نہیں ثابت ہوتی، اسلئے لامحالہ وہ شخص دوسری قوم کی اصطلاحات، خیالات اور ماحول کو اپنی قومی اصطلاحات، خیالات اور ماحول کے مطابق کرکے سمجھتا ہے،

ہمارے پروفیسر صاحب نے اپنے خط میں دو قسم کے علما کے نام لیے ہیں، ایک کو وہ تھیالوجین یعنی علمائے الٰہیات، اور دوسرے کو مورخین اور اصحاب مغازی کہتے ہیں، لیکن اسلام میں یہ کوئی تقسیم نہیں ہے، اور ہمارے یہاں علمائے الٰہیات، عام علماء سے کوئی الگ نہیں ہیں، یہاں پر علماء کی تقسیم تھیالوجی (الٰہیات) کی بنا پر نہیں ہے، بلکہ "روایت" کی بنا پر ہے، اسلیے وہ تمام اشخاص جو کسی قسم کی نقل و روایت کرتے ہیں، ایک جنس میں داخل ہیں، اور ان کا نام "علمائے نقل" ہے، اور دوسرے "علمائے عقل" ہیں جنکا یہاں کوئی تعلق نہیں، علمائے نقل یعنی وہ تمام اشخاص جو کسی حکم یا واقعہ کو نقل اور روایت کرتے ہیں، انکے اس حکم یا واقعہ کی جنسیت کی بنا پر مختلف نام ہیں، مثلاً وہ اشخاص جو آنحضرت صلعم اور عہد اول کے ہر قسم کے احکام و واقعات کی نقل و روایت کی خدمت انجام دیں، وہ محدثین کہلاتے ہیں، اور جو صرف آنحضرت صلعم کے سوانح ذاتی اور واقعات اور اخلاق کا ذکر کریں، وہ **اصحاب سیرۃ** ہیں، اور جو آپکے صرف اخلاق و عادات کو نقل کریں، وہ **اصحاب شمائل** ہیں، اور جو صرف غزوات اور ان کے متعلقات کو بیان کریں، وہ **اصحاب المغازی** ہیں، بہرحال محدث، یا صاحب سیرۃ، یا صاحب شمائل یا صاحب المغازی یہ کل کے کل گو مضامین متعلقہ کی حیثیت سے الگ الگ ناموں سے موسوم ہیں، لیکن روایت کی حیثیت سے ان سب کا ایک ہی درجہ ہے یعنی یہ سب اصحاب روایت اور علمائے نقل ہیں، اور تمام اصحاب روایت اور علمائے نقل ایک ہی ترازو کے پلہ میں تولے جائیں گے،

اس بنا پر جو شخص بھی اسلامی روایات کا کوئی ٹکڑا بھی کسی سے نقل کرکے بیان کرے گا خواہ وہ دینی احکام و فرائض سے متعلق ہو، خواہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی ذات گرامی سے منسوب ہو، خواہ وہ غزوات اور لڑائیوں کے بارہ میں ہو، خواہ وہ آپکے اخلاق و عادات سے تعلق رکھتا ہو، اس کیلئے اس بات کے ثبوت کی ضرورت ہے، کہ درحقیقت یہ ایسا ہی ہے، عقل انسانی

میں پچھلی نسلوں یا غائب اشخاص کو اس قسم یا واقعہ کا علم صرف روایت ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے، اور یہی ایک ذریعہ ایک انسان کے ہاتھ میں ایک سے دوسرے تک بات کے پہنچانے کا ہے اور تمام دنیا کے وقائع اور حوادث کے علم کا مدار صرف تاریخ پر ہے

اسلامی اور غیر اسلامی روایات میں فنی حیثیت سے یہی سب سے بڑا امتیازی فرق ہے کہ غیر مسلم قوموں نے اپنے انبیاء اور ہادیوں کے اقوال اور افعال کی روایتوں کی جانچ اور پڑتال کے متعلق کوئی اصول مدون نہیں کیا ہے، اور مسلمانوں نے اس کے لیے بہت سے اصول مدون اور منضبط کئے ہیں اور اسی معیار پر وہ ہر سچی اور جھوٹی روایت کو پرکھتے ہیں، مثلاً یہ صحیح ہے کہ ہمارے عیسائی بھائیوں کے یہاں ان چار مشہور انجیلوں کے علاوہ اور بہت سی انجیلیں ہیں، اگر انھوں نے چار کو مسلم مان کر بقیہ کو جعلی اور ناقابل تسلیم قرار دیا، مگر ہمیں وہ اصول نہیں معلوم جن کی بنا پر اس کا [illegible] سچ اور جعلی میں فرق کیا جا سکے، لیکن مسلمانوں کے پاس اس کے جانچنے کے لیے وہ فن ہے جس کا نام اصول ہے اور جس کی متعدد شاخیں ہیں،

آج تنقیدی تاریخ کے فن نے یورپ میں بے انتہا ترقی کی ہے، اور ابن خلدون کے بانی فلسفۂ تاریخ نے یورپ جا کر عظیم الشان برگ و بار پیدا کیا ہے، اور اس امر پر بڑا زور صرف کیا جاتا ہے کہ اس تاریخ کا فلاں واقعہ فطرت، مقتضائے عہد اور اس زمانہ کے ماحول کے لحاظ سے ممکن بھی ہے یا نہیں؟ غرض درایت کے نقطۂ نظر سے کوئی پہلو جدید یورپ کے نقاد مورخین کی محققانہ نگاہ سے اوجھل نہیں ہونے پاتا، لیکن یہ پہلو کہ اس واقعہ کو کس نے دیکھا؟ کس سے سنا؟ ہم تک کس واسطے سے پہنچا؟ کبھی معرض بحث میں نہیں آیا، آج یورپ میں مقننین اور عدالتوں نے حوادث اور واقعات میں شہادت کی حیثیت کو جو اہمیت دی ہے، وہ مخفی نہیں ہے، اور شاہدوں اور گواہوں کی وقعت، پوزیشن، اخلاق، ان کی شہادت اور سچائی کو ہر طرح سے جانچنے کی انتہائی کوششیں کیجاتی ہیں، پھر یہ کیا ظلم ہے کہ موجودہ واقعات کی تحقیق کے سلسلہ میں تو شاہدوں اور گواہوں کے متعلق یہ احتیاط برتی جائے اور گذشتہ واقعات کے قبول و رد میں اس کے بالمقابل شہادت کے تمام اصول کو بالائے طاق رکھدیا جائے، اور سچے اور جھوٹے میں کوئی تفریق نہ کیجائے، نہ اسکی تلاش اور جستجو کیجائے،

حدیث و روایت بھی دنیا کے ہزاروں علوم و فنون میں سے ایک فن ہے، ہر علم و فن کی طرف جو لوگ منسوب ہیں یا جو کسی علم و فن کی آگاہی اور واقفیت کے مدعی ہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ ان سب کا درجہ برابر نہیں ہوتا، بہت سے ان میں

محض فن کے آشنا اور اس علم کے محض ابجد خوان اور حرف شناس ہین، دوسرون کی حالت ان سے بہتر ہوتی ہے، بعض کا درجہ بہت بلند ہوتا ہے، اور چند ان مین سے ایسے باکمال بھی ہوتے ہین، جو اس علم یا فن کے محقق اس کو ترقی دینے والے، اس کے تمام حقائق و اسرار کے کامل ماہر ہوتے ہین، اور اس کا فیصلہ کہ اس کو اس علم یا فن مین نقص یا کمال کا کونسا درجہ حاصل ہے، اس علم و فن کے متعلق اس کے کارنامے، اس کے معصر و ہم پیشہ فضلار کی رائین، اور اس زمانہ کے قبول عام کی نگاہین اسکو نمایان کر دیتی ہین، اور بالآخر ان کو اس علم و فن کا معیاری درجہ اور رتبہ حاصل ہو جاتا ہے، ہر عہد اور ہر زمانہ مین علم و فن کی ہر شاخ مین اسکی ہزارون مثالین گذر چکی ہین، اور گذر رہی ہین، گذشتہ اور موجودہ علمار اور مصنفین کے اعتبار، استناد، اور صحت نقل کا پیمانہ اسی معیار پر قائم ہے،

یہی اصول اسلامی روایات کے حاملین، اور ابتدائی مسلمان مصنفین کے فرق مراتب اور امتیازات مین قائم ہے، اور جسکی بنا پر مالک، بخاری، مسلم، ترمذی، ابو داؤد، نسائی، ابن حنبل، ابن ماجہ، ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد، ابن ہشام، طبری، اور کلبی، وغیرہ ابتدائی مسلمان مصنفین کی کتابون مین مراتب اور درجات ہین،

ہر علم و فن کے مسائل کے متعلق اسی کے جاننے والون اور محققون کی رائے معتبر ہو سکتی ہے، ایک عالم لغت کی رائے کیمسٹری کے کسی مسئلہ کی نسبت، یا ایک جغرافیہ دان کی رائے طب کے متعلق، ایک ادیب کی رائے مابعد الطبعیات کے بارہ مین، یا ایک محدث کی رائے ہیئت کے کسی مسئلہ کے فیصلہ مین بالکل بیہودہ ہے، مسلمان علمار اور حکمار مین اسکی مثالین ڈھونڈھیے، ابو تمام حریری سے ریاضیات کی نسبت، اور موسیٰ خوارزمی سے مقامات کی نسبت سوال بیکار ہوگا، ابو علی سینا سے حدیث کی تحقیق اور امام بخاری سے طبعیات کے مسائل حل نہین کئے جا سکتے، اس بنا پر بالکل صاف ہے کہ حدیث و روایت نبوی کی تحقیق مین ایک انشا پرداز، جغرافیہ دان، اور محاضرات نویس کی رائے کیون معتبر نہین، جس طرح گبن کا کام نیوٹن سے نہین لیا جا سکتا، اسی طرح ابن حجر کا کام یاقوت سے نہین لیا جا سکتا، اور نہ یاقوت کا کام ابن حجر سے لیا جا سکتا ہے، اس لیے یہ کہنا بالکل سچ ہے کہ ہمکو واقدی کو معتبر ثابت کرنے کے لیے ایک انشا پرداز، ایک جغرافیہ دان اور ایک مورخ (یاقوت مورخ نہین سوانح نگار تھا) کی شہادت منزل تک نہین پہنچا سکتی، اس کے فیصلہ مین یہ صحیح نہین ہے کہ تھیالوجین (عالم الٰہیات) اور غیر تھیالوجین کے تعصب کی دیوار حائل ہے، بلکہ فن کی واقفیت اور تحقیق کی دیوار حائل ہے، کسی شہر کی جائے وقوع اور اس کے نام کی صحت کے بارے مین، ابن خردازبہ، مقدسی،

مسعودی، ادریسی اور یاقوت جغرافیہ دانانِ اسلام کی جو رائے ہوگی اس کے مقابلہ مین، امام بخاری، امام مسلم، امام احمد بن حنبل، خطابی، اور ابن حجر کی رائے قابلِ تسلیم ہوگی، یہ بالکل ایک طبعی مسئلہ ہے، اسلیے آپکی یہ حیرت کہ ہم کیون ابتدائے اسلام کے ممتاز مصنفون جغرافیہ دانون، دونون کے فیصلون کو اس عجلت کیساتھ ٹھکراتے ہین، کیا واقدی کی تصنیف اسی طرح ان اشخاص کو اپنی رائے زنی کے لیے دعوت نہین دیتی اور کیا اس کا فیصلہ صرف مذہبی علمار (یعنیا گوئیبس) کی رایون سے ہوگا؟" دور ہوجائے گی،

اب مین آپکے اس سوال پر آتا ہون، کہ وہ کیا اصول ہین جنکی بنا پر واقدی کی صداقت دیکھی جاتی ہے، وہ اصول عرض کرنا چاہتا ہون جو کسی مصنف کے رد و قبول پر حاوی ہے، پہلے گذر چکا ہے کہ ہر علم و فن کے فضلار اور محققین کے کارنامے، معاصر شہادتین، اس علم و فن کیساتھ اس کا شغف و شوق اور کاوش و تحقیق، ان کے مرتبہ اور درجہ کو متعین کر دیتی ہے، اور ایک آشنائے فنِ معانی، مدعی محض، آشنا، عالم، فاضل، اور محقق کامل کے متفاوت درجون کی تعیین کر دیتی ہے، یہی حال سلسلۂ روایت اور اسناد کے واقفون، عالمون، اور محققون کے رتبون اور درجون کی تعیین اور تشخیص کا ہے، امام بخاری کے سامنے بغداد مین روایات کے دس متفرق سلسلے باہم الٹ پھیر کر امتحاناً پیش کئے جاتے ہین، وہ بہ ترتیب ان سلسلون کو اپنی اپنی جگہ رکھکر پیش کر دیتے ہین، اور علما کا مجمع ان کی حیرت انگیز یادداشت اور حافظہ کو دیکھکر دنگ رہجاتا ہے، اس بنا پر اس فن مین امام بخاری کا جو درجہ ہوگا وہ اس واقفی کا نہین ہو سکتا جس کو اپنی کسی روایت کی پوری سند بھی نہین معلوم،

اول نفس مصنفین کو لیجیے، فضل و کمال، دیانت و تقوی، حفظ و یادداشت، فہم و استنباط کے لحاظ سے ان مین بہت کچھ فرق ہوتا ہے، پھر آپکو معلوم ہے کہ کم از کم ایک دو نسل تک اسلامی روایات کا بڑا حصہ زبانی کتاب کے سبقون کی طرح رٹکر یاد کیا جاتا تھا، اسلیے راویون کی قوتِ حافظہ کا امتحان بھی ضروری تھا،

اب اسلامی فنِ روایت کے اصول کی بنا پر کسی مصنف کی کتاب مین کسی واقعہ کے مستند طور سے درج ہونے اور اس کے معتبر ہونے کے لیے یہ ضروری ہے، کہ:-

۱- مصنف خود معتبر ثقہ، دیانتدار، اور صادق القول اور اپنی روایتون کے تمام سلسلون سے واقف ہو اور اپنے راویون کے انتخاب مین اس نے پوری کوشش کی ہو اور کامیابی حاصل کی ہو،

۲- اسکی ہر روایت کا سلسلۂ سند ہو،

۳- اسکی روایت کا ابتدائی راوی واقعہ کا عینی شاہد ہو یا کسی عینی شاہد سے اس کے سننے کا کافی ثبوت ہو،

۴- واقعہ کے شاہد عینی سے لیکر مصنف تک ہر دور کے راوی کی کڑی موجود ہو،

۵- ہر دور کے راوی کی نسبت یہ بھی معلوم ہو کہ وہ ثقہ معتبر اور صادق تھا،

۶- ہر دور کے راوی کی نسبت یہ ثابت ہو کہ اس نے اپنے پیشرو سے سنا ہے، اور یا کم از کم یہ کہ یہ دونوں ایک زمانہ میں موجود تھے،

یہ چند اصول ہیں جو ایک ایسے مختصر مضمون کی چند سطروں میں بیان کئے جا سکتے ہیں اس معیار پر ہم بخاری اور واقدی کی روایتوں کو جانچتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بخاری کے تمام معاصرین بالاتفاق اسکو ثقہ معتبر صادق، متدین اور روایت کے اشخاص اور رجال کا سب سے بڑا پرکھنے والا کہتے ہیں، اور دوسرے کے اکثر معاصرین اسکو جھوٹا، کاذب اور دروغگو اور روایت کے اشخاص و رجال سے اسکو نابلد محض کہتے ہیں، نتیجہ ظاہر ہے،

اب ان دونوں کے راویوں کا حال دیکھتے ہیں تو پاتے ہیں، کہ بخاری اپنی ہر روایت کے شروع سے اخیر تک راویوں کو نام بنام گناتے ہیں، اور ان میں سے اسکے ہر دور کا راوی اپنے زمانہ کا مشہور و معروف، متدین، راستباز، اور معتبر تھا دوسری طرف واقدی کے یہاں سرے سے یہی معلوم نہیں کہ اس نے واقعہ کو کس سے سنا؟ اس نے کس سے کہا، اور اسکا شاہد عینی کون تھا؟ ہر منصف مزاج روایت کے دونوں مصنفوں کے بیانات کے رد و قبول کا بآسانی فیصلہ کر سکتا ہے،

واقدی نے اگر کہیں کہیں ایک دو راویوں کے نام لکھے بھی ہیں تو وہ غیر مشہور، نامعتبر، یا مجہول ہیں، اور بخاری کا ہر راوی اپنی جگہ پر معاصرین میں مسلم الثبوت اور اہل فن کے نزدیک مستند رہا ہے، پھر نفس واقعہ اور اسکی تفصیلات کو دیکھئے تو ثابت ہوتا ہے کہ بخاری کے بیان کی تصدیق دوسری معاصر و مماثل روایتوں کی تائید سے بھی ہوتی ہے، اور واقدی کے خاص بیان کی تائید کسی معاصر سے نہیں ملتی، اس قسم کی متعدد مثالیں جب دو مصنفوں میں ملینگی تو ضرور ایک کو مستند اور دوسرے کو غیر مستند قرار دیا جائیگا، یہ اصول ہے جسکی بنا پر ایک مصنف کو قبول، اور دوسرے کو رد کیا جاتا ہے،۔

جس طرح دوسرے علوم و فنون کے ممتاز و مستند محققین ہر زمانہ میں ہوتے رہتے ہیں، اسی طرح اسلامی

علم روایت کے ممتاز و مستند محققین ہر دور میں گذرتے رہتے ہیں جنکا تدین جنکی ثقاہت جنکا علم و فضل خود ان کے کارناموں
علمی کاوشوں، ان کی زندگیوں کے سوانح اور ان کے معاصرین کی شہادتوں سے ثابت ہے، جنھوں نے اپنی پوری زندگی
اور زندگی کا ہر لمحہ روایتوں کی تحقیق، راویوں کی چھان بین، رجال کی تلاش و تفتیش میں بسر کیا، اور ان کے عہد کے انسانوں نے
انکے تدین تحقیق اور فضل و کمال پر بھروسہ کیا، انکی تحقیقات اور بیانات ان عہد کے راویوں کے متعلق معیار قرار پائے،
اور چونکہ مختلف اشخاص کے متعلق ان کے مختلف واقف کاروں کے تجربے کبھی کبھی مختلف بھی ہوتے ہیں اسلیے
راویوں کے متعلق مختلف رائیں بھی ہیں، ان راویوں کی صحت کا معیار خود ان صاحب رائے کا فضل و کمال ہے اور
یہ اختلاف رائے خود علم اسماء الرجال کی صداقت کی دلیل ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ واقعی مختلف اشخاص کے ذاتی
تجربوں پر قائم ہے، اگر ان میں بجائے اختلاف کے یکسانی ہوتی تو بلا تفریق اشخاص کے متعلق نقد و جرح کی غیر فطری مثال ہوتی
دوسرے اس سے شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ ایک جعلی، بناوٹی اور فرضی مجموعہ ہے، اس بنا پر کسی راوی کے متعلق اگر مختلف
ناقدین کی مختلف رائیں ہوں تو ان رایوں میں سے کسی ایک پہلو کی ترجیح کے حسب ذیل اصول ہیں،

۱- معاصر ناقدین کی اکثریت کدھر ہے؟

۲- مختلف رتبوں کے ناقدوں میں سے اعلیٰ درجہ کے مستند ناقدین کس طرف ہیں؟

۳- عام ناقدین کی اکثریت کس طرف مائل ہے؟

کسی راوی کے متعلق، متاخر عہد کے غیر معاصر ناقد جب اپنی رائے دیتے ہیں تو اسکی بنا حسب ذیل چیزوں پر ہوتی ہے،

۱- راوی کی موجودہ روایات کے ذخیرہ کی نوعیت کیا ہے، اور زیادہ تر اس میں معروف یا منکر کس قسم کی باتیں ملتی ہیں

۲- دوسرے مستند لوگوں کے بیانات سے اس کا بیان کہاں تک موافق یا مخالف ہے،

۳- اس مختلف فیہ راوی کے معاصر فضلاء کی رائیں اسکے متعلق کیا ہیں، اور اگر وہ مختلف ہیں تو ان میں مشہور و معروف ناقدین کدھر ہیں، یا ان کی کثیر تعداد کس جانب ہے،

۴- متاخر ناقد نے گو خود اس راوی کو نہیں جانچا مگر اس کے متعلق اس نے اپنے شیوخ کی زبان سے سنا جو اس راوی کے معاصر تھے،

اس تفصیل سے واضح ہوگا کہ واقدی کے متعلق پچاس برس بعد امام بخاری کیونکر اپنی رائے ظاہر کرسکتے ہین؟

واقدی کے متعلق ابوحاتم رازی کی رائے موضوع سے خارج ہے، ابوحاتم کا منشا یہ ہے کہ واقدی کے ہمعصر محدثین اور فضلاے روایت نے دیکھا کہ واقدی مدینہ کے نامعلوم، اور غیر معروف راوی، جنکے حالات سے واقفیت نہین، ان سے روایت کیا کرتا ہے، اور ایسی روایتین کرتا ہے جو منکر ہین یعنی کسی ثقہ اور معتبر راوی کے بیان سے انکی تائید و تصدیق نہین ہوتی، اور نہ جنکو ہم جانتے ہین، اب ایسی حالت مین یہ اشتباہ ہوسکتا تھا، کہ ممکن ہے کہ یہ منکر اور غیر مصدقہ روایتین خود واقدی نے گھڑلی ہون، اور دوسرے غیر معروف شیوخ کی طرف ان کو منسوب کردیا ہو، یا یہ کہ یہ جھوٹی روایتین انھین غیر معروف شیوخ کی ساختہ ہون، اور واقدی نادانستگی مین ان کو لیکر بیان کیا کرتا ہے، تشکیک کے ان دونون پہلوؤن مین سے ایک کی تعیین واقدی کے ہمعصر فضلا نے اس طرح کی کہ دیکھا کہ وہ مشہور و معروف اساتذہ جو اس قسم کی منکر روایتین ہرگز نہین کرتے، اور نہ انھون نے کی، واقدی ان سے بھی اس قسم کی روایتین علانیہ انکی طرف نسبت کرکے کیا کرتا ہے، اس سے معلوم ہوگیا کہ ان لغو و مہمل، اور غیر مصدق روایتون کے گھڑنے کا کارخانہ خود اسی کے گھر مین قائم تھا،

کیا یہ موضوع بحث سے خارج رائے ہے؟

ابراہیم حربی جنھون نے واقدی کی حمایت کی ہے، اور کہا ہے کہ:۔

"مفصل سند کے بغیر روایت کرنا اگر جرم ہے تو امام زہری اور محمد بن اسحاق بھی اس سے بری نہین"

مین نے اپنے گذشتہ مضمون مین اس کے دو جواب دیئے ہین،

۱۔ زہری اور ابن اسحاق واقدی سے بہت زیادہ بلند ہین، اسلیے ان کی بلا سند بات بھی واقدی کی بے سند بات سے زیادہ وقیع ہے کہ واقدی کا جعل ساز ہونا ثابت تھا، اور وہ دونون اس الزام سے قطعًا بری ہین، اور خصوصًا زہری تو امام الائمہ ہین، اور ابن اسحاق گو ان سے بہت کم رتبہ ہین تاہم واقدی سے تو ان کا پایہ بلند ہے،

۲۔ زہری اور ابن اسحاق نے ایسی بے سند بات کی کہین کہین مختلف سندون کو ایک جگہ ملا کر روایت کی ہے، بقیہ ہر جگہ انھون نے اپنی ہر بات اور ہر روایت کی الگ الگ سندین ذکر کی ہین، اور واقدی نے یہ کیا ہے کہ ایک جگہ

کتاب کے آغاز مین سو پچاس آدمیون کے نام اکٹھے کرکے باقی پوری کتاب بلا سند ایک کہانی اور ایک قصہ کی طرح سنا دی ہے، اسلیے ان مین عظیم الشان فرق ہے،

علاوہ ازین اگر زہری اور ابن اسحاق نے واقدی ہی کی طرح کوئی بے سند روایت کردی ہے تو اس روایت کا درجہ بھی واقدی ہی کی روایت کے قریب قریب ہوگا، گو زہری اور واقدی کے ذاتی امتیاز اور فضل و کمال کا جو فرق ہے وہ اب بھی محسوس ہوگا، اور یہی وجہ ہے کہ مغازی کی کتابون کا درجہ احادیث کی کتابون سے نہایت فروتر ہے، واقدی ہی کی مغازی کی تخصیص نہین، مغازی کی ہر کتاب احادیث کی کتابون کے مقابلہ مین کم رتبہ ہے،

پھر آپ میری نسبت کہتے ہین کہ آپکے مضمون نگار نے یہ جواب دیا ہے کہ زہری اور ابن اسحاق کی سطح واقدی سے بلند ہے، لیکن کیا مین یہ پوچھ سکتا ہون، کہ کیون؟" آپ یقیناً پوچھ سکتے ہین، یہ سطح کا نشیب و فراز اسلیے ہے کہ امام زہری کا کوئی جھوٹ ثابت نہین ہے، محمد بن اسحاق بھی اس الزام سے بری رہے ہین گو ان پر بے احتیاطی کے اور الزامات ثابت ہوئین اور واقدی کی نسبت ان کے معاصرین کا بار بار یہ تجربہ ہوا ہے، کہ وہ جھوٹی اور گھڑ کر اور بے احتیاطی سے روایت کیا کرتا تھا، زہری ہمیشہ ایسے راویون سے اپنی روایتین کرتے ہین، جو اپنے عہد کے مشہور و معروف و ثقہ تھے، اور محمد بن اسحاق ان سے کم درجہ، اور واقدی بالکل غیر معروف اور مجہول ہین، اور اس بنا پر ہر علم اور ہر فن کے واقفکارون اور ماہرون نے تفاوت مدارج کی نسبت ہر زمانہ کے علماء فیصلہ کیا کرتے ہین، اسی طرح زہری، اور ابن اسحاق اور واقدی کی سطح کی بلندی اور پستی کا فیصلہ بھی انھین نے کیا ہے، تاہم سند کے لحاظ سے زہری کی بھی ہر قسم کی روایتین یکسان نہین ہین، اور ان کی بے سند روایتین مستند روایت کے مقابلہ مین چھوڑ دیجائے گی، یا کم سمجھی جائیگی،

آپ کہتے ہین کہ مین جانتا ہون کہ علماے مذہب (فقہا و محدثین) مین انکی (زہری اور ابن اسحاق کی) وقعت زیادہ ہے، لیکن مغازی مین ان کی وقعت کیون زیادہ ہے؟ اول عرض یہ ہے کہ زہری تو بلاشبہہ ہر صنف روایت مین باعتبار روایت و استناد کے بلند ترین درجہ پر ہین، مگر ابن اسحاق کا یہ حال نہین ہے، وہ صرف مغازی مین مقبول ہین، احکام مین دوسرے معتبر لوگون کے مقابلہ مین انکی کوئی وقعت نہین ہے، بہرحال آپ کا یہ سوال ہے کہ مغازی مین زہری

،ور ابن اسحاق کی وقعت واقدی سے کیون زیادہ ہے؟ کئی دفعہ عرض ہو چکا، کہ اسلامی اصولِ روایت مین مغازی اور غیر مغازی کا کوئی فرق نہین ہے، ہر وہ شخص جو آنحضرت صلعم کے متعلق کوئی بات نقل کرتا ہو اسکو انہی مقررہ اصول پر جانچا جائیگا، خواہ وہ لڑائیون کا حال ہو یا اخلاق کا بیان ہو یا کسی مذہبی حکم کا ذکر ہو، گو یہ سچ ہے کہ محدثین نے عملاً جانچ پڑتال کی وہ سختی اور شدت مغازی اور فضائل کے باب مین اتنی نہین کی جو احکام کے باب مین کی، اور اس کا انھون نے علانیہ اقرار کیا ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ مغازی اور فضائل مین کثرت سے لوگون نے فضول اور لغو روایتین شامل کر دی ہین، اور فن کے ناآشناؤن مین وہ مقبول ہین، اور عوام مین دلپسند ہین،

واقدی کی مدافعت مین تین باتین کہی گئی ہین،

۱- واقدی کی وفات سے ایک نسل بعد کا طریقۂ روایت یا طرزِ تحریر (یعنی حذفِ اسناد یا خلطِ اسناد کا طریقہ) قابلِ اعتراض نہ تھا،

۲- امام زہری اور ابن اسحاق نے بھی ایسا ہی کیا ہو پھر وہ کیون واقدی کے مقابلہ مین معتبر اور مقبول ہین؟

۳- امام بخاری پر بھی لوگون نے جرحین کی ہین، پھر وہ کیون غیر معتبر نہین، اور ان کو اس کے بعد کیا حق رہتا ہے کہ وہ واقدی پر معترض ہون،

گو مین اپنے سابقہ بیانات مین ضمناً ان سوالات کا جواب دے چکا ہون مگر براہِ راست بھی دیدینا چاہتا ہون

۱- یہ صحیح نہین ہو کہ واقدی کی ایک نسل بعد تک یہ طرزِ تحریر یا طریقۂ روایت قابلِ اعتراض نہ تھا، جن لوگون نے واقدی کے اس طرز پر اعتراض کیا ہو وہ اس کے معاصر ہی تھے، اس سے ثابت ہوا کہ خود اس کے عہد مین یہ طرز ناپسندیدہ تھا، زہری اور ابن اسحاق کے طرزِ عمل سے اس پر استدلال کرنا صحیح نہین ہو، جیسا کہ پہلے بھی کہا جا چکا ہو اور آگے پھر لکھتا ہون

۲- زہری نے کہین کہین ساری روایتون مین دس پانچ جگہ ایسا کیا ہو، ابن اسحاق نے اس سے زیادہ ایسا کیا ہے لیکن واقدی نے اپنی پوری کی پوری کتاب اسی طرز پر لکھ ڈالی ہے، اسلیے اگر زہری اور ابن اسحاق کی صرف چند روایتین جو اس طرز پر ہین، قابلِ اعتراض ہین، تو واقدی کی پوری کتاب قابلِ اعتراض ہے، واقدی نے جہان جہان

سندین لکھی ہین، ان کو کہین ایک جگہ بھی اصل اخیر شاہد عینی تک پہنچانے کی کوشش نہین کی ہے، یہان تک کہ زہری کی روایتون کا بھی اس نے یہی حال کیا ہے،

زہری باوجودیکہ امام الائمہ اور تمام محدثین کے شیخ اعظم ہین تاہم ان کی مرفوع و متصل روایتون کا جو مرتبہ ہے، وہ ان کے مراسیل اور بلاغات کا نہین ہے، اور وہ بھی اسی طرح کم وقعت ہین، جس طرح دوسرون کی غیر مرفوع اور غیر متصل روایتین، صرف اتنا فرق ہوگا کہ چونکہ زہری بذات خود معتبر ہین، اور واقدی جھوٹا، کاذب اور جعل ساز ہے، اسلئے زہری کی بے سند روایت کا اعتبار واقدی کی بے سند روایت سے زیادہ ہوگا، اور یہ وہی فرق ہے جو ایک صادق البیان مورخ اور ایک گپ ہانکنے والے مصنف مین تمام دنیا کرتی ہے،

۴- امام بخاری پر دارقطنی وغیرہ نے بیشک اعتراضات کیے ہین لیکن وہ اعتراضات صرف فضل و کمال کی نمایش کیلیے محض اصطلاحی اور لفظی (ٹکنیکل) ہین، واقعی نہین ہین، اسی لیے وہ اعتراضات علماء کے نزدیک ناقابل قبول ٹھیرے اور ابن حجر نے مقدمہ مین ان مین سے ایک ایک اعتراض کو رد کر دیا ہے، علاوہ ازین کسی نے یہ جرأت نہین کی ہے کہ واقدی کی طرح بخاری کو جھوٹا اور دروغگو کہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ بخاری کے چند راویون کی معتبری اور نامعتبری پر بعض لوگون کو اعتراضات ہین، اس کا نتیجہ یہی نکلے گا کہ ان معترضین کے نزدیک بخاری کی وہ روایتین قابل اعتراض ہونگی، مگر اس سے یہ لازم نہین آئیگا کہ بخاری کی ہزارہا روایتین دفعۃً معیار سے گر جائین، برخلاف واقدی کے اسکی ہر غیر مصدق روایت پایۂ اعتبار سے ساقط، اور نامعتبر ہے،

بخاری کو ضعیف ثابت کرنے کے لیے آپ نے لکھا ہے کہ اس کے راویون مین سے ایک ابوہریرہ ہین جنھون نے شق القمر جیسا واقعہ نقل کیا ہے، یہ طرز استدلال تو صحیح نہین ورنہ دنیا کے ہر مذہب کا مجموعۂ روایت ناقابل تسلیم ہو جائیگا، خواہ وہ نبوت کے ستارہ کا طلوع ہونا، کسی کی موت کے وقت دنیا جہان کا تین دن تک اندھیرا ہو جانا ہو، اور اس کے علاوہ سیکڑون ہزارون معجزات ہین، چاند کا پھٹنا، یا پانی پر چلنا عقلاً ممکن ہے یا نہین؟ اور روٹی اور مچھلی کے چند ٹکڑے سیکڑون انسانون کو بیک وقت سیر کر سکتے ہین یا نہین؟ اسکی بحث کا یہ موقع نہین، مین نے اپنی سیرۃ نبوی کی تیسری جلد مین اسپر کافی بحث کی ہے، اور

ہیوم کے فلسفہ (معجزات) سے متفق ہوں، کہ معجزات ممکن ہیں بشرطیکہ ان کا ثبوت قطعی شہادت سے ہو سکے، لیکن یہ مباحث اس موقع کے لیے موزون نہیں ہیں، بہرحال آپ بھی ہم سے متفق ہونگے کہ کسی راوی کے سچے یا جھوٹے ہونے کا یہ معیار نہیں کہ اس نے کسی معجزہ کی روایت کی ہے یا نہیں کی ہے، کہ اسکے وقوع اور عدم وقوع اور امکان یا عدم امکان میں ہم سب متفق نہیں ہیں۔

اب میں آگے بڑھکر یہ دعویٰ کرتا ہوں کہ ابو ہریرہ نے شق قمر کی روایت قطعاً نہیں کی ہے اور نہ بخاری میں انکی یہ روایت مذکور ہے، شق قمر کے راوی صحابہ میں عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، جبیر بن مطعم، علی بن ابی طالب اور حذیفہ بن یمان وغیرہ ہیں، ابو ہریرہ اس واقعہ کے تقریباً آٹھ برس بعد مسلمان ہوکر اپنے وطن سے مدینہ آئے ہیں، اس بارہ میں ان کا کوئی بیان بخاری میں قطعاً نہیں ہے، اور نہ کسی دوسری کتاب میں میری نظر سے گذرا ہے۔

اس الزام کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے کہ "امام زہری نے خود اقرار کیا ہے کہ انھوں نے دباؤ سے مجبور ہو کر جھوٹی حدیثیں بنائی ہیں" اور میں یہ کہنے کی ہمت نہیں پاتا کہ انگلینڈ کی ایک بڑی یونیورسٹی کا عربی پروفیسر ایک معمولی عربی عبارت کے سمجھنے میں قصداً غلطی کرتا ہے، یا وہ اضطراراً غلطی پر مجبور ہے، خوش قسمتی سے اس نے وہ عبارت بھی نقل کر دی ہے جس کے یہ معنی اس نے یہ سمجھے ہیں کہ زہری نے خود اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے بادشاہوں کے دباؤ سے جھوٹی حدیثیں بنائی ہیں، اصل عبارت یہ ہے:

اکرهنا علیه هؤلاء الامراء — بادشاہوں نے ہم کو اس پر مجبور کیا،

اب فوراً سوال ہوتا ہے کہ کس امر پر مجبور کیا؟ اس کا مشار الیہ اس منقولہ عبارت میں موجود نہیں، اسلیے جان کر یہ عبارت بالاتفاق کیگئی ہے، ہم یہاں سے اس کا بقیہ ٹکڑا بھی نقل کر کے فقرہ کو مکمل کیا جائے،

عن عبد الرزاق عن معمر عن الزهري قال	عبدالرزاق معمر سے اور معمر زہری سے روایت کرتے
كنا نكره كتاب العلم حتى اكرهنا عليه هؤلاء الامراء	ہیں کہ زہری کہتے ہیں کہ ہم لوگ علم (حدیث) کو لکھنا ناپسند
فرأينا ان لا نمنعه احدا من المسلمين	کرتے تھے، یہاں تک کہ ہم کو بادشاہوں نے (یعنی
(ابن سعد جزء ۲ قسم ثانی صفحہ ۱۳۵)	خلفائے بنو امیہ نے) اس کے لکھنے پر مجبور کیا، اور اب ہم یہ سمجھے [illegible]

یہی عبارت مختصر جامع بیان العلم لابن عبد البر (صفحہ ۶۳ مصر) تقیید العلم ابن جوزی اور تہذیب التہذیب وغیرہ میں ہے۔

اس کا تعلق اس مسئلہ سے ہے کہ بعض علما حدیث کے لکھنے سے منع کرتے تھے، اور وہ شدت سے پرہیز کرتے تھے مگر سلاطین بنو امیہ نے فرمائش کر کے محدثین کو مجبور کر دیا کہ وہ احادیث کو اوراق میں لکھیں اور ان کے تحریری مجموعے ترتیب دیں اور آخر امام زہری کو بھی اسکی مصلحت معلوم ہوئی، اور انہوں نے اسکی تعمیل کی، چنانچہ ان کے ترتیب دیئے ہوئے احادیث کے مجموعے ولید کے خزانہ سے اس کے قتل کے بعد برآمد ہوئے (ابن سعد ۲-۲-۱۳۶) غور کیجئے کہاں زہری کا یہ اقرار کہ انھوں نے سلاطین کی فرمائش سے احادیث کے مجموعے مرتب کئے، اور کہاں یہ اقرار کہ سلاطین کے مجبور کرنے سے انھوں نے حدیثیں وضع کیں اور گھڑیں"! اللہ اکبر!

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

فاضل پروفیسر کا یہ کہنا کہ "وہ سندیں جو واقدی کی نسبت عمدہ رائیں ظاہر کرتی ہیں، وہ ان سے جو اسکی تنقیص کرتی ہیں ایک نسل مقدم ہیں" تحقیق پر مبنی نہیں بلکہ فقط واقدی کیساتھ حسن ظن پر مبنی ہے، واقدی کے موافقین اور مخالفین دونوں میں اس کے ہمعصر اور اس کے بعد کے لوگ داخل ہیں، مزید ثبوت کے لیے ذیل میں دونوں کی ولادت اور وفات کی تاریخیں لکھدی جاتی ہیں، چونکہ واقدی کے موافقین اس کے مخالفین کے مقابلہ میں کم درجہ لوگ ہیں، اسلیے انکی اکثر ولادت کی تاریخیں کم از کم مجھکو نہ مل سکیں،

۱- محمد بن عمر الواقدی

سنہ ولادت	سنہ وفات
سنہ ۱۳۰ھ	سنہ ۲۰۷ھ

۲- موافقین واقدی،

نام	سال ولادت	سال وفات	نام	سال ولادت	سال وفات
۱- عبدالعزیز بن محمد دراوردی	×	سنہ ۱۸۶ھ	۲- یزید بن ہارون	سنہ ۱۱۷ھ (شاید)	سنہ ۲۰۶ھ
۳- ابوعبید قاسم بن سلام	سنہ ۱۵۰ھ (شاید)	سنہ ۲۲۴ھ	۴- مصعب بن عبداللہ الزبیری	سنہ ۱۵۶ھ (شاید)	سنہ ۲۳۶ھ

نام	سال ولادت	سال وفات	نام	سال ولادت	سال وفات
۵- محمد بن عبداللہ بن نمیر	×	۲۳۴ھ	۸- یعقوب بن شیبہ	×	۲۶۴ھ
۶- محمد بن اسحاق سیبی	×	۲۳۶ھ	۹- محمد بن اسحاق الصنعانی	×	۲۷۰ھ
۷- عباس عنبری	×	۲۴۶ھ	۱۰- ابراہیم الحربی	×	۲۸۰ھ

۲- مخالفین واقدی

نام	سال ولادت	سال وفات	نام	سال ولادت	سال وفات
۱- امام شافعی	۱۵۰ھ	۲۰۴ھ	۹- جوزجانی (ابراہیم بن یعقوب)	×	۲۵۶ھ
۲- یحیی بن معین	۱۵۸ھ	۲۳۳ھ	۱۰- ابوزرعہ رازی	۲۰۰ھ	۲۶۴ھ
۳- احمد بن حنبل	۱۶۰ھ	۲۴۱ھ	۱۱- ابوداؤد سجستانی	۲۰۲ھ	۲۷۵ھ
۴- علی بن المدینی	۱۶۱ھ	۲۳۴ھ	۱۲- امام نسائی	۲۱۵ھ	۳۰۳ھ
۵- اسحاق بن راہویہ	۱۶۱ھ	۲۳۸ھ	۱۳- ابوبشر دولابی	۲۲۴ھ	۳۱۰ھ
۶- محمد بن بشار بندار	۱۶۷ھ	۲۵۲ھ	۱۴- ابن عدی	۲۷۷ھ	۳۶۵ھ
۷- ابوحاتم رازی	۱۹۵ھ	۲۷۷ھ	۱۵ دارقطنی	۳۰۶ھ	۳۸۵ھ
۸- امام بخاری	۱۹۴ھ	۲۵۶ھ			

امام بخاری کی وفات کا واقدی کی وفات کے پچاس برس بعد واقع ہونا ان دونون کی معاصرت کی نفی کی کوئی دلیل نہین، معاصرت کا حساب دونون کی زندگیون کے کم وبیش ایکٹھا ہونے سے لگایا جاتا ہے نہ موت سے، واقدی نے ۲۰۷ھ مین وفات پائی اور امام بخاری ۱۹۴ھ مین پیدا ہوئے ہین، اسلیے وہ اس وقت ۱۳ برس کے طالب علم تھے؛ اور واقدی کے ذاتی طور سے ملنے والے اور جاننے والے تمام درسگاہون مین موجود تھے، امام بخاری نے اپنی کتاب تاریخ صغیر مین جو کچھ لکھا ہے اس کا مطلب ہے، انھون نے واقدی کے متعلق لکھا ہے (ص ۲۲۰- الہ آباد) ترکوہ یعنی لوگون نے اس کو چھوڑ دیا ہے یہ تمام

کہ یہی لوگ ہو سکتے ہیں جو امام بخاری سے پہلے کے تھے یا انکے ہمعصر تھے، یہی ہوتے ہیں یہ چھوڑنے والے خود واقدی کے معاصرین ہونگے اور دوسری صورت میں کچھ معاصر ہونگے، اور کچھ معاصرین سننے والے ہونگے اس سے ثابت ہوا کہ بخاری کے مرنے سے واقدی کا پچاس برس پہلے مرجانا، بخاری کی واقدی سے عدم واقفیت کی دلیل نہیں ہو سکتی، خصوصًا جب کہ یہ معلوم ہو گا کہ وہ بچپن سے تحصیل علم میں مصروف ہو گئے تھے اور واقدی کی وفات کے دو برس بعد ہی وہ عرب جانے کے بعد عراق پہنچ چکے تھے،

بہرحال موافقین کی ولادت کی تاریخیں چونکہ اکثر معدوم ہیں، جیسے واقدی المتولد ۱۳۰ھ اور المتوفی ۲۰۷ھ کے عہد تک کا حال پورے یقین سے نہیں معلوم ہو سکتا، تاہم مخالفین کی تاریخوں کی نظیر سامنے رکھکر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۲۵۰ھ تک جن لوگوں نے وفات پائی ہے، انہوں نے واقدی کا زمانہ پایا ہے، اس لحاظ سے موافقین میں سے نمبر ۷ تک یعنی عباس عنبر تک انکے معاصرین میں ہیں، اور تین متاخرین،

مخالفین میں امام شافعی المتولد ۱۵۰ھ یحیی بن معین المتولد ۱۵۸ھ احمد بن حنبل المتولد ۱۶۴ھ علی بن المدینی المتولد ۱۶۱ھ اسحاق بن راہویہ المتولد ۱۶۱ھ بندار المتولد ۱۶۷ھ جیسے جلیل القدر ائمہ فن ہیں جنھوں نے ان کی معاصری کا زمانہ پایا ہے اور کم از کم ۲۰ برس سے ۴۰ برس تک اس سے انکی معاصرت قائم رہی ہے، واقدی کی وفات کے وقت امام بخاری کی عمر ۱۳ برس کی تھی، جیسا کہ ابھی کہا گیا، ابو حاتم رازی کی عمر اس وقت ۱۲ برس کی اور ابو زرعہ رازی کی عمر ۶ برس کی تھی، اور اس وقت واقدی کا چرچا ان کے حلقوں میں کافی موجود ہو گا جنمیں جا کر وہ بیٹھے، بقیہ اشخاص کی رائیں ذاتی تجربہ پر نہیں بلکہ واقدی کے مجموعوں، اور اپنے ان شیوخ کی آرا پر مبنی ہیں جنھوں نے واقدی کو خود دیکھا تھا، یا واقدی کے دیکھنے والوں کو دیکھا تھا، البتہ ابو بشر دولابی، ابن عدی اور دارقطنی کی رائیں اس کے متعلق اسکے معاصر جمہور علما اور بعد کے اکابر کے اتفاقی فیصلہ پر مبنی ہیں، اسلیے واقدی کے معاملہ کے متعلق یہ اصول صحیح نہ ہو گا کہ جب کسی شخص کے خود معاصرین اسکو علمی سند تسلیم کریں تو بمشکل مناسب ہو گا کہ بعد کی نسل کے ہتھیا تو پھر کی بلا دلیل رایوں کی بنا پر اس کو جھوٹا کہکر بدنام کیا جائے۔

واقدی کے مخالفین اور موافقین کی جیسی ترازو کا فیصلہ دو اور پاسنگ سے بھی ہو سکتا ہے، ایک ان کے

فضل وکمال، جمہور اہل عصر میں ان کے اعتبار و استناد، اور انکی شہرت اور عزت کی بنا پر، چنانچہ آپ خود فیصلہ کر سکتے ہین، کہ بحیثیت ایک سچے طالب العلم اسلام کے ان دو جماعتون مین سے آپ سب سے زیادہ کس سے واقف ہین، اور اسلامی لٹریچر مین کس کے نام کو اہمیت اور کس کی رائے کو وقعت حاصل ہو، امام شافعی امام بخاری علی بن مدینی، ابن حنبل، ابن معین اور ابن راہویہ کو یا دراوردی، زبیری، مسیبی، یزید بن ہارون اور عنبری کو؟

دوسرا ترجیحی معیار یہ ہے کہ واقدی کا ابتدائی زمانہ گو مدینہ مین گذرا، لیکن انکی عمر کا بڑا حصہ بغداد مین بسر ہوا، اور وہین اس کو شہرت حاصل ہوئی، اس بنا پر ان ائمہ کی رائے کو ترجیح حاصل ہے جو بغداد اور عراق مین عموماً سکونت رکھتے تھے، یا اکثر آتے جاتے تھے، اس حیثیت سے ان دونون جماعتون کا یہ حال ہے، کہ دراوردی مدینہ مین رہے ۱۸۶ھ مین وفات پائی اور بغداد آ کر واقدی مین جو خاص انقلاب ہوا اور جو انکی موت سے کم از کم ۲۲ برس بعد تک رہا، اسکی واقفیت سے وہ قطعاً محروم رہے، ابو سلیمان کی رائے واقدی کی صرف مدنی زندگی تک محدود ہے، بقیہ مین ایک زبیری البتہ بغداد مین رہتے تھے، ابن نمیر کوفہ مین اور یزید بن ہارون واسط مین رہتے تھے، مگر مخالفین کو دیکھو کہ ان مین بیشتر اصحاب یا بغداد ہی مین رہتے تھے یا بہت دنون تک مدینہ اور بغداد دونون مین رہے تھے، چنانچہ احمد بن حنبل، اور یحیی بن معین خاص بغداد کے تھے، علی بن مدینی مدینہ اور بصرہ مین تھے، بندار بصرہ اور بغداد مین سکونت رکھتے تھے، اسحاق بن راہویہ عراق ہی مین سکونت پذیر تھے، امام شافعی مدینہ مین رہے اور بغداد بھی آتے رہے، نتیجہ صاف ظاہر ہے،

نفسیات جذبات

از

جناب محمد عبد الولی صاحب بی ۔ اے (عثمانیہ) حیدرآباد دکن

کوئی مہذب سوسائٹی، کوئی اعلیٰ بزم محبت، کوئی نا منصفانہ معرکہ، کوئی ظالمانہ رزم، کوئی مذہبی اجتماع، کوئی معاشری مناقشہ ایسا نہیں جنمین جذبات کی کارفرمائی نہ ہو۔ جہان تک زندگی کا تعلق ہے، جذبات کی ہمہ گیری سے مفر کی راہ نہیں، زندگی کے ہر دور مین، عمر کی ہر منزل مین ایام زیست کے ہر لمحہ مین جذبات کا استیلا رقائم رہتا ہے، تاہم جب کبھی ہم جذبات کا لفظ بولتے یا سنتے ہین تو بجائے اس کے کہ کوئی خاص مفہوم ہماری سمجھ مین آئے، غم و غصہ، خوف و خوشی، اُمید و بیم، شادی و راحت کی مختلف و متفاوت صورتین ہمارے آئینۂ ذہن پر منعکس ہوتی ہین، لیکن اتنا ضرور ہے کہ جذبات کی انھین مختلف و متفاوت صورتون مین سے ہر ایک مین کوئی نہ کوئی بات مشترک ہے جس کے سبب سے ان سبھون پر ایک ہی صورت سے جذبات کا اطلاق ہوتا ہے،

(Introspection) مشاہدۂ باطن کی روسے ہم کہہ سکتے ہین کہ جذبہ "ذہن کی حالت اختلال کا نام ہے"، مگر جو تعریف مشاہدۂ خارجی کی روسے کیجائے وہ شاید زیادہ بہتر ہوگی، کیونکہ کسی جذبہ مثلاً غصہ کو لین، اور اسکی ماہیت پر غور کرین تو معلوم ہوگا کہ وہ بہ نسبت ذہنی حالت کے زیادہ تر کسی فرد کی جسمانی حالت ہوگی، اسلیے ذہنی حالت کے بجائے فرد کی جسمی حالت کہی جائے، تو جذبہ کی تعریف نسبتہً بہتر ہوگی، خلاصہ یہ ہے کہ "جذبہ فرد کی ایسی ہی حالت اختلال کا نام ہے جس کا شعور ہوتا ہے"، یہ تو نہین ہوسکتا کہ کوئی شخص حالت غضب مین ہو اور اس حالت کو معلوم

ر سکے، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ فرد کی عضوی حالت مین اختلال ہو، اور اسکی ذہنی حالت بلا کسی خلل کے مطمئن رہے

جذبہ، غم و غصہ، خوف و خوشی کے عمل و احساس دونون موقعون پر استعمال ہوتا ہے، اسکی وسعت
معمولی طور پر زیادہ ہے، مدرکہ شعور کی ادنی صورتون سے لیکر تخیل و تصوریت کی اعلی فعلیتون تک جذبہ
اصل صورت ایک ہی ہے، اس خصوص مین کیا بچہ! کیا جوان! کیا بوڑھا! سب برابر ہین مثلاً بچہ کھلونے
توڑ دینے سے چلا اوٹھیگا، جوان آدمی گالی کھا کر غضبناک ہوگا، اور سن رسیدہ انسان اپنی بات تسلیم
کرنے پر بگڑ بیٹھیگا، یہان تک کہ بڑے بڑے اولیا، اوتار، مرتاض، و زہاد، بھی کلیۃً غضب سے خالی
تھے، اسی طرح غصہ کی تحریک کے کئی مختلف اسباب ہو سکتے ہین، لیکن عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ خواہ
ی قسم کی رکاوٹ یا مخالفت ہو غصہ پیدا کرے گی، مثلاً کتے یا کسی اور جانور کے بچہ کو چھیڑنا یا کھاتے
وقت خلل انداز ہونا یا اسکی دم پکڑ کر کھینچنا غصہ پیدا کرے گا، غرض غصہ کے محرکات عام ہوتے ہین، کوئی
اس قسم ان محرکات کی نہین ہوتی، اور جذبی کردار بھی جنہین جذبات پیاپے ظاہر ہوتے ہین، اپنی
نوعیت مین عام ہوتا ہے، غضب ناک کتے کے کردار مین عموماً اس کے جسم کا خاص انداز، دانتون کا
باہر نکالنا، پے در پے بھونکنا، اور کاٹنے کے لئے دوڑنا، یہی باتین دیکھی جاتی ہین،

جذبی حالات کی دو حالتین (... Origin) ہین جنہین امتیاز پیدا کرنا نہایت ضروری
ہے، کبھی تو مقررہ ادراکات یا خیالات جذبہ کا باعث ہون گے جیسا کہ اچھی خبر خوشی کا جذبہ طاری
کرتی ہے، اس کے برخلاف کبھی عضوی تغیرات جذبہ پیدا کرتے ہین مثلاً الکحل یا کسی دوسری دوا
کے استعمال سے ایک جذبی حالت انسان پر طاری ہوتی ہے اور پھر انسان کا مزاج تندرستی کے لحاظ
سے بدلتا رہتا ہے، ایک قوی و تندرست آدمی کی جو خوشگوار زندگی ہو سکتی ہے وہ ایک کمزور
دائم المرض شخص کی ہرگز نہین ہو سکتی، یہ ایک عام واقعہ ہے کہ معمولی سی بات پر بیمار آدمی چراغ پا ہوتا
ہے اور صحیح و تندرست آدمی پر اس بات کا کوئی اثر نہین پڑتا،

جذبہ اور کیفیت جذبی مین بھی فرق کرنا چاہیئے، جذبہ تو کسی مقررہ موضوع سے متعلق ہوتا ہے، لیکن، عام حالتِ بیقراری مین جو جذبی کیفیت نیند کی خرابی کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے ظاہر ہوتی ہے کوئی متعین موضوع نہیں رکھتی، بلکہ ایک موضوع سے دوسرے پر گذرتی رہتی ہے، اکثر اوقات آپنے دیکھا ہوگا کہ وہ شخص جو صبح سویرے بدمزگی سے اٹھتا ہو سر پیش آنے والی بات سے، ہر وقوع ہونے والی شئے سے مشتعل ہوتا رہیگا، اسی طرح ایک جذبی کیفیت خواہ اصلیت کچھ ہی ہو ایک دفعہ مشتعل ہونے کے بعد باقی رہتی ہے، اور ہر پیش ہونے والے موضوع پر بھڑک جاتی ہے، جذبہ کی ایک اور ماہیت بھی ہے جسکو صورت اضافی ([illegible]) کہاجاتا ہے،

اوپر جن جذبات کا ذکر کیا گیا ہے وہ محض عام عضوی تغیرات کی وجہ سے یا مقررہ ادراکات یا خیالات کے باعث وجود پذیر تھے، ان کے علاوہ بعض جذبات اور ہین جو عام حالات اور مواقع کی بنا پر پیدا ہوتے ہین، یہ جذبات عموماً ثانوی درجہ کے مظاہر ہین، اور خاص خاص میلانات کے سبب سے ظاہر ہوتے ہین، مثلاً کسی کتے کے منہ سے ہڈی چھین لیجائے تو اس کے غصہ کا اظہار مخصوص بھوک کی جھنجھلاہٹ کا پتہ دیتا ہے، اسی طرح کتیا کا اپنے پلون کی چھیڑخانی پر غضبناک ہونا بچون کی پرورش اور حفاظت کے میلان، کو ظاہر کرتا ہے،

جذبہ کی اہم ترین ماہیت، جسمانی تغیرات ہین جو جذبہ کی حالت مین ظاہر ہوتے ہین اور جذبہ کا نہایت ہی لازمی وضروری جزو ہین، انھی جسمانی تغیرات پر جیمس اور لینگ دو بڑے ماہرین نفسیات نے اپنے اپنے نظریون کی بنیاد قائم کی ہے، ہمارا ہر روز کا تجربہ جو فہم عام (Common sense) کے بالکل مطابق ہے، یہی بتاتا ہے کہ اگر کوئی شخص کھڑا کانپ رہا ہے تو اس وجہ سے کہ وہ خائف ہے، اگر کوئی آنسو بہا رہا ہے تو اسلیے کہ وہ غمزدہ ہے لیکن مسٹر جیمس اس ترتیبِ واقعات کو بدل کر یہ کہتے ہین کہ حقیقت مین ایسا نہین ہوتا بلکہ یون سمجھنا چاہیئے کہ " اگر ہم خوفزدہ ہین تو اس لیے کہ

کانپ ہی ہین اور اگر غمزدہ ہین تو اسلیے کہ رو رہے ہین؟ مسٹر جیمس کا یہ قول بظاہر ناظرین کو نہایت ہی مستبعد اور بعید از قیاس معلوم ہوگا مگر ذرا غور اور تامل سے دیکھین تو معلوم ہوگا کہ جذبہ مین ایک ذہنی حالت فوراً دوسری ذہنی حالت سے متاثر نہین ہوسکتی اسلئے ان دونون حالتون کے مابین جسمانی تغیرات ضروری طور سے واقع ہونے چاہئین، اس سے جیمس کی مراد یہ ہے کہ خوف کھانے کی شعوری حالت کانپنے اور تھرانے کے احساسات (Sensations) سے مرکب ہوتی ہے، جسمین دیگر عضلات اور غدودی جوابات کے احساسات بھی بھی شامل ہوتے ہین، یون سمجھئے کہ کسی خطرہ کی محض واقفیت جبتک کہ وہ کپکپی اور اسی قسم کی دوسری علامتین پیدا نہ کرے اور اس کے (Sensation) احساسات معلوم نہ ہون خوف کی اصلی حالت نہین ہوتی بغیر ان جسمانی حالات اور تغیرات کے جو کسی جذبہ کا رد عمل (Reaction) پیدا کرنے والے خارجی واقعہ کے ادراک کے بعد ہونگے، خوف زدگی بلا کسی جذبہ کے ایک زرد بیرنگ واقفیت رہجائیگی فرض کیجیے کہ اس حالت مین اگر کوئی شخص کہین جنگل مین زندہ شیر دیکھ پائے تو یہی مناسب سمجھیگا کہ کسی طرف بھاگ جائے اور اگر کسی نے بے حرمتی کی ہو تو انتقام کا منصوبہ باندھے، لیکن فی الحقیقت ان افعال مین نہ تو کوئی گھبراہٹ ہوگی اور نہ کسی قسم کا غضب ہی دیکھا جائے گا"

گو نظریۂ جیمس اپنی جگہ پر کتنا ہی عسیر الفہم کیون نہ ہو، مگر اتنا صحیح ہے کہ اسنے تمام دنیائے نفسیات مین کھلبلی مچادی ہے، بعض تو اس کے سرے سے منکر ہین، بعض نیم رضامند ہین، اور بعض آمادۂ تسلیم ہین اور فی زماننا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اکثریت اسکو مانتی جاتی ہے، جیمس کے اس نظریہ پر جو مختلف اعتراضات کئے گئے ہین حقیقت یہ ہے کہ وہ یا تو بالکل سطحی ہین، یا غلطی پر مبنی ہین اور ان کی جواب دہی مین کوئی دشواری نہین، ہم ان اعتراضات کو جوابات کے ساتھ ساتھ ذیل مین قلمبند کرتے ہین،

پہلا اعتراض یہ کیا گیا ہو کہ گو جذبہ کی حالت مین اختلالِ جسمانی ظاہر ہوتا ہے لیکن جسمانی اختلال کو کسی طرح بھی جذبہ نہین کہہ سکتے کیونکہ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہر پتھر جو پانی مین گرتا ہے اسین

یقیناً تموج پیدا کرتا ہے اور وہ تموج اس کے گرنے کیساتھ ہی ظاہر ہوتا ہے، اور ان دونون واقعات کے مابین ایک لمحہ کا وقفہ بھی نہین ہوتا، تاہم پتھر کو کبھی تموج نہین کہہ سکتے اور نہ تموج کو پتھر کہہ سکتے ہین، اس اعتراض کے متعلق اتنا کہدینا کافی ہے کہ جیمس یہ کبھی نہین کہتا کہ جسمانی اختلال ہی جذبہ ہے بلکہ اس کا کہنا صرف اتنا ہے کہ اختلال جسمانی صورت جذبہ کا ایک اہم جزو ہے، اور بس، پس اس اعتراض کی کمزوری ظاہر ہے،

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر جذبہ اختلال جسمانی کا شعور ہے، تو پھر کیون ایک ہی جذبہ مختلف افراد مین مختلف طور پر اور مختلف حالات مین ایک ہی فرد پر مختلف صورتون سے ظاہر ہوتا ہے، مثلاً جب خوف کا جذبہ طاری ہوتا ہے، بعض یکایک چلا اٹھتے ہین، بعض اٹھ کھڑے ہوتے ہین اور بعض لوگون کو سکتہ ہو جاتا ہے، اور بعض رو پڑتے ہین۔ اسکی جواب وہی کی دو صورتین ہونگی،

(۱) پہلی تو یہ کہ خوف (سکتہ ہونے، کھڑے ہو جانے، رونے یا چلانے) کی صورتون مین سے ہر ایک مین ایک ہی احساس نہین رکھتا، کیونکہ جسمانی اختلال کی نوعیت بھی چلانے کی صورت مین اس صورت سے مختلف ہوگی جو بھاگ جانے یا رو پڑنے کی صورت مین ہوتی ہے، علی ہذا خوف سے زرد پڑ جانے کی صورت سکتہ کے عالم سے متمائز ہوگی،

(ب) دوسری یہ ہے کہ بفرض محال اگر خوف کی مختلف مثالون مین سے ہر ایک مین لازمی طور سے ایک ہی احساس یا کیفیت پائی جائے تو اس کے لیے اختلال جسمانی کا ایک ایسا اندرونی حصہ (Core) اس سے قبل فرض کرنا ہوگا جو تمام حالتون مین جزو مشترک کی حیثیت سے رہتا ہے، اور ہر کامل جذبہ کی حالت مین ایک ہی اختلال جسمانی پیدا کرتا ہے مگر یہ فرض سرے سے بے بنیاد و غیر ثابت ہے،

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ مختلف و متفاوت جذبات اکثر ایک صورت مین ظاہر ہوتے ہین جنکی نظریۂ جیمس کے ذریعہ توجیہہ نہین ہو سکتی، جس طرح انسان وفور غم سے رو پڑتا ہے اسی طرح انتہائی خوشی مین آنسو بہا تا ہے، بعض لوگ حالتِ خوف کی طرح غصہ مین بھی زرد پڑ جاتے ہین، اور جہان کثرتِ غم کی وجہ سے

مرگ مفاجات بھی دیکھی جاتی ہے، وہاں شادی مرگ بھی ایک نمایان حقیقت رکھتی ہے"۔ اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ جہاں جذبی کیفیتیں فی الحقیقت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں، اور ان کے مظاہر میں گونا گونی دیکھی جاتی ہے، یہ اختلافات اختلال عضوی کے اندرونی حصہ کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں جو مختلف حالات میں مختلف ہوتا ہے، اور جن صورتوں میں ایک جذبہ کا جسمانی اختلال دوسرے جذبہ کے جسمانی اختلال سے مطابق ہوتا ہے، جو اکثر حالتوں میں حقیقۃً دیکھا جاتا ہے، وہاں اس بات کا یاد رکھنا ضروری ہے کہ وہ یکسانی اور مطابقت ظاہری ہوتی ہے، اندرونی نہیں ہوتی، جس کی بنا پر ہر فرد انسان بخوبی جان سکتا ہے کہ وہ انتہائی قہر و غضب کی حالت میں ہے یا کسی رنج و محن میں، یعنی یہ کیفیت کسی دشمن کے در پے تضحیک ہونے کی وجہ سے ہے، یا کسی عزیز کے انتقال پر ملال کے باعث، اس کے علاوہ بظاہر دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اندرونی جواب (Internal Response) غصہ اور خوف کی ہر دو حالتوں میں (اگر وہ حالتیں قوی اور زبردست ہوں) ایک ہی ہوتا ہے، لیکن اگر تہ کی بات پہچانیں تو معلوم ہوگا کہ خوف کسی خطرہ سے بچنے کا تہیہ ہے اور غصہ کسی پر جھپٹنے یا حملہ کرنے کا، اس میں شک نہیں کہ عضوی حالات ہر دو صورتوں میں بالکل مشابہ ہیں لیکن تیاری ایک حالت کی دوسری حالت کے مقابلہ میں بالکل مختلف ہوتی ہے، چنانچہ غصہ کی عضوی حالت کبھی بچاؤ کا میلان نہیں پیدا کر سکتی، اور نہ خوف کی عضوی حالت لڑائی کے میلان کا باعث ہوتی ہے، کیونکہ یہ دونوں میلانات باوجود عضوی حالات کی مشابہت کے اس قدر مختلف ہیں کہ یہ خطرناک یا موضوع مخالف کے درک کیساتھ ہی مشتعل ہو جاتے ہیں اور ان کی تمیز میں پہلا جواب (Response) وہ ہوتا ہے جو ہماری طرف سے کسی خوفناک شے مثلاً یا کسی وحشی درندہ کو دیکھنے کے بعد دیا جاتا ہے، دوسرا جواب وہ ہے جو خوفناک محل کی واقفیت کے بعد دیا جاتا ہے، تیسرا جواب بچاؤ کی تیاری ہے، چوتھا جواب فوری بچاؤ نہ ہونے کی صورت میں اس استعدادی رد اعمال (Preparatory Reaction) بیرونی منظری حرکات اور ان حرکتو

جو بچاؤ کی تحت میں اختیار کئے گئے ہوں مرکب ہوتا ہے، پانچواں جواب شعوری اختلال کی حالت ہے جس میں تمام استعدادی ردِ اعمال کے حسیات بھی شامل ہیں، چھٹا جواب تعین کے ساتھ بچاؤ کا ردعمل ہے اور ساتواں یعنی آخری جواب اطمینان و رہائی کا ہوتا ہے۔

چوتھا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ بعض دفعہ کسی جذبہ کا ظہور اختلال جسمانی سے پہلے ہوتا ہے اور قبل اس کے کہ اختلال جسمانی رفع ہو جذبہ خود کافور ہو جاتا ہے، اگر کسی شخص پر کتا اچانک حملہ کر بیٹھے تو اس شخص میں بظاہر اختلال جسمانی سے پہلے گھبراہٹ پیدا ہوگی اور جب وہ یہ دیکھے گا کہ کتا اسکی ذات تک پہنچنے سے قاصر ہے، تو خوف فوراً دل سے جاتا رہے گا، مگر جسمانی گھبراہٹ کچھ دیر ضرور باقی رہے گی۔ نظریۂ جیمس کی رو سے اس کا جواب بھی دو طرح سے دیا جا سکتا ہے،

ا۔ پہلے تو یہ کہ بعض بنیادی اندرونی عضوی تغیرات، بیرونی جسمی مظاہر (Manifestation) سے قبل ظاہر ہوتے ہیں اور خوف کے ابتدائی ظہور کی خبر دیتے ہیں اور یہی اندرونی تغیرات اس واقفیت کے بعد کہ موجودہ حالت میں کتے کا نقصان پہنچانا بالکل بعید از قیاس ہے رک جاتے ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوف ہوا ہو جاتا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ جب تک زیادہ سے زیادہ جسمانی اختلال غائب نہ ہو لے خوف حقیقت میں غائب نہیں ہوتا، گو خوف کی کیفیت بدل جاتی ہے مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ خوف باقی رہتا ہے، اکثر صورتوں میں یہ بات درپیش ہوتی ہے کہ خوف کسی اور جذبہ کو اپنا قائم مقام بناتا ہے، جو جذبۂ حمانیت ہے اور جو اپنے دورے میں بعض خاص عضوی تغیرات اور اختلافاتِ تنفس وغیرہ کے ہمراہ ہوتا ہے۔

پانچواں اعتراض جن لوگوں نے جیمس کے نظریہ کی مخالفت میں کیا ہے اس کی بنیادی غلطی یہی ہے کہ انھوں نے جذبہ کو تہیج سے خلط ملط کر دیا ہے، ان کے نزدیک خوف "خطرہ سے بچاؤ کی خواہش" اور غصہ "محرکِ غضب پر حملہ کی خواہش ہے"، ان کے اذعان میں جذبہ ایک قسم کی پرخلل جسمانی حالت نہیں، بلکہ محض ایک میلان یا تہیج ([illegible]) کسی فعل یا نتیجہ کی طرف ہے جس کو وہ

اندرونی شعور کی صورت تصور کرتے ہین، لیکن یہ خیال صریحی غلط ہے اس لیے کہ بچاؤ کا میلان تو خطرہ کے ادراک کے ساتھ ہی ظاہر ہوتا ہے، وہ نہ تو کسی کے پھریری لینے پر منحصر ہوتا ہے اور نہ بخوف ہونے پر، چنانچہ ہم بعض اوقات قبل اسکے کہ خوف کی کپکپی محسوس کرین، دفعیہ رد اعمال کر بیٹھتے ہین، اور ان کے بعد کہین خوف طاری ہوتا ہے اور کانپنے لگتے ہین، بعض وہمی آدمی تو بلا وجہ خائف ہوتے ہین، پھر بعد مین اپنے خوف کو کسی نہ کسی غیر متعلق چیز سے ضرور منسوب کر دیتے ہین، اگر کوئی ڈراؤنی تصویر یا تیرہ کا ہندسہ جو عوام کے نزدیک منحوس ہے، ان کے سامنے آجائے تو ان کے قیاس مین جذبۂ خوف کی علت تامہ ہوگا،

لہذا اگر محض خوف کا جذبہ خطرہ سے بچاؤ کا تہیج ہے، تو ہمارا خطرہ کی واقفیت سے پہلے اپنا تحفظ اور بچاؤ کرنا بالکل بے معنی اور لغو ہوگا، اس کے علاوہ علم النفس نے حال ہی مین جذبہ اور تہیج مین نمایان فرق قائم کیا ہے، شعوری نقطۂ نظر سے کہا جاتا ہے کہ "جذبہ ایک طرح کا احساس ہے" اور تہیج "کچھ کرنے کی خواہش"، پھر کرداری نقطۂ نظر سے بیان کیا جاتا ہے کہ "جذبہ ایک عضوی حالت ہے" اور تہیج "مراکز عصبی کی کسی رد عمل کی طرف تیاری"، ماسوا اس کے تہیج ایک شعوری سیلان ہے، چونکہ جذبہ اور تہیجات اکثر ساتھ ساتھ موجود ہوتے ہین، اسلیے بعض ماہرین نفسیات کو دھوکا ہوا، ورنہ دونون کی نوعیت مین بہت بڑا فرق ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ اب تک جتنے اعتراضات بھی جیمس کے نظریہ کی مخالفت مین وارد کئے گئے ہین یا تو ان کی جواب دہی کسی نہ کسی طرح ہو سکتی ہے، یا وہ کوئی ایسی اہمیت نہین رکھتے جس کے لیے جواب دینے کی زحمت گوارا کیجا دے، چونکہ عموماً جس طرح سیاہی، سفیدی کو یا ظلمت نور کو نمایان کرتی ہے، کوئی اور شے واضح نہین کر سکتی، اسلیے ہمنے نظریۂ جیمس کے اعتراضی و جوابی ہر دو پہلو ایک ساتھ دکھائے ہین، مگر ان اعتراضات سے باز آنے پر بھی چند ایسے واقعات ہمارے پیش نظر ہین جنسے کوئی ماہر نفسیات (Psychologist) قطع نظر نہین کر سکتا، کہا جاتا ہے کہ اسٹرسیلس (Strumpell's) نامی ایک شخص تھا جس کے ایک بیٹے کے جلد

آلاتِ حس بجز ایک آنکھ اور کان کے ایامِ طفولیت ہی سے بیکار تھے، اسلیے خوبی کا مکمل احساس اس کے
لیے تقریب قریب مفقود تھا، اور تقریباً تمام احساسی ہیجات ناپید ہو چکے تھے تاہم وہ غم اور شرمندگی
کے جذبات کا اظہار کرنے پر قادر تھا، اب یہان پر دو باتون کا امکان ہو سکتا ہے، یا تو وہ چند ردِ
اعمال سے جو ایک آنکھ اور کان سے متعلق تھے سطحی طور پر (SUPERFICIALLY) گذرتا تھا
یا یہ کہ حقیقت مین اس پر جذبات بھی طاری ہوتے تھے، مگر اس قسم کی مثالون مین آخری صورت کی
بہت کم توقع کیجاتی ہے، کیونکہ جب تک خوبی کا احساس پیدائش ہی سے مکمل نہ ہو محض گذشتہ تجربات
کا کافی حافظہ اگر کسی فرد پر اصلی جذبہ طاری کر سکتا ہے تو وہ جذبہ نہایت ہی کمزور ہوگا، اس کے علاوہ
ایک اور عالمِ نفسیات مسٹر شیرنگٹن نامی نے کتون پر نفسیاتی تجربے کیے تھے جسمین انھون نے جسمانی
قطع و برید سے بھی کام لیا تھا، یعنی ان کتون کے نخاع (SPINAL CORD) ٹھیک
(MEDULLA) نخاع مستطیل کے نیچے تک کاٹ دیئے تھے اسی طرح معدہ، احشا اور دل کو علیحدہ کرنے
کے بعد بھی احساسی ہیجات غائب نہ تھے اور ان کتون کے سر اور آگے کے آلاتِ حس سے جذباتی
مظاہر نمایان ہوتے تھے، اسلیے مسٹر شیرنگٹن کا یہ خیال ہے کہ عضوی کارروائی جذبی شعور کا کوئی لازمی
جزو نہین، لیکن ہمارے نزدیک ان کا یہ خیال صحیح نہین ہے، کیونکہ نہ معلوم نخاع اور دیگر اعصاب کی
قطع و برید سے کتنا جذبی جسم قطع ہوتا ہے اور کتنا باقی رہتا ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ریڑھ دار
حیوانات کیون بعض جبلّی ردِّ اعمال سے بالکل محروم سمجھے جائین، جنکی فعلیت کے لئے نخاع کے کاٹ
دیئے جانے کے بعد بھی آنکھ، ناک، منھ، کان جبڑا وغیرہ تجربہ کی حالت مین صحیح و سالم رہتے ہین، اور وہ
دماغ کو ہیجات پہنچا سکتے ہین، ہیکلس اور ہولمز (HEACLES & HOLMES) کے تجربی نتائج بھی
ہمارے خیال کی تائید کرتے ہین، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ سریرہ (THALMUS) جذبات
کے مظاہر مین لازمی طور سے متعلق ہوتی ہے اور یہ کہ غلاف (CORTER) اس پر حکم امتناع

تا اثر رکھتا ہے، اکثر علمائے نفسیات کا اس پر اتفاق ہے کہ ابتدائی جذبات صرف غصہ، خوشی، تجسس، شہوت، امید و بیم ہین جو کبھی تجربہ سے اکتساب نہین کئے جا سکتے بلکہ صرف خلقی ساخت یا اندرونی بناوٹ کے سبب سے ظاہر ہوتے ہین یا وہ محض ذہنی حالتین ہین یا کردار مین داخل ہونے کی وجہ سے جبلتون کے مشابہ ہین غرض جذبہ وہ شعوری حالت ہے جس کے ضروری خصوصیات بعض عضوی تغیرات اور اندرونی حرکی جلدی تجربات ہین،

ایک فرق جذبی اور جبلی کردار مین یہ پیدا کیا جا سکتا ہے کہ جذبہ اندرونی جوابات (INTERNAL RESPONSES) پر مشتمل ہوتا ہے، اور جبلت باہر کی طرف راجع ہوتی ہے، یا کم سے کم جبلی افعال کو کسی بیرونی مقصد پر محمول کرتی ہے، جذبہ و جبلت دونون صورتون مین جزو مشترک ایک بنیادی ابتدائی تہیج اور ناقابل مدافعت حقیقت ہوتی ہے، اس کے علاوہ کئی ابتدائی جذبات (PRELIMINARY EMOTIONS) خاص خاص جبلتون سے پیوستہ ہین، خوف کا جذبہ خطرہ سے بچاؤ کی جبلت سے، غصہ کا لڑائی کی جبلت سے، شہوت کا رجولیت کی جبلت سے ملا ہوا ہوتا ہے، اور اسی طرح جذبہ تجسس تفتیشی جبلت کا جوڑ ہے، جہان کہین جذبہ ہوتا ہے وہین فعل کی طرف ایک میلان پایا جاتا ہے، جو کسی اتمامی نتیجہ پر پہنچاتا ہے،

ڈاکٹر میکڈوگل نے اپنی کتاب نفسیات مین یہ بھی ظاہر کیا ہے کہ:۔

ابتدائی جذبہ محض جبلت کی ایک احساسی (EFFECTIVE) صورت ہے اور یہ کہ ہر جبلت اپنا مخصوص جذبہ اور ایک خاص کیفیت رکھتی ہے لیکن کسی جذبہ کو جبلت کے عمل کی احساسی صورت سے مطابق کرنے مین ابھی تک تین اہم حقائق غیر واضح ہین جنکی نظریہ میکڈوگل کے لحاظ سے کوئی توجیہ نہین کی جا سکتی

(الف) پہلے تو یہ ہے کہ جبلت بغیر کسی جذبہ کو مشتعل کئے خود مشتعل ہو سکتی ہے، اور کردار کو بھی مشتعل کر سکتی ہے جو اسکی خصوصیت ہے،

(ب) دوسرے یہ ہے کہ ایک جذبہ کی تحت مین صرف ایک ہی جبلت نہ ہوگی بلکہ کئی جبلتین ہونگی

(ج) تیسری بات یہ ہے کہ بعض دفعہ ایک ہی جبلت مختلف جذبات کے نقاعات مین مرتب نظر آئے گی،

پہلی صورت مین وہ سادہ جبلّتین جو کھڑے رہنے، چلنے وغیرہ مین کام آتی ہین، خارجی حیثیت سے کسی جذبہ سے ملی ہوئی نہین ہوتین اور نہ کسی جذبہ کا اشتعال ان کے ہمراہ ہوتا ہے گو جس طرح نقل و حرکات کے اندرونی میلانات اپنے تہیجات رکھتے ہین اسی طرح جبلتین بھی اپنے مخصوص تہیجات رکھتی ہین، اور جب ہم شاخ در شاخ جبلّتین جو ابتدائی جذبہ کے مماثل نظر آتی ہین، غور سے دیکھتے ہین تو ان مین ایک یا دوسری جبلّت جذبہ سے بطور خفتی کے ملی ہوئی ہوتی ہے چنانچہ لڑنے کی مختلف جبلتین جانورون کے غصہ سے پیوستہ ہوتی ہین

اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ جبلّتین بعض دفعہ مشتعل ہوتی ہین تو بغیر جذبات کو ابھارنے کے خصوصی کردار کو اشتعال دیتی ہین، مثلاً جب ہمارا کسی وحشت ناک مقام پر گذر ہوتا ہے تو بعض دفعہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہم خود بخود خوف کا مقابلہ کرتے ہین، تیزی، دلچسپی، و طمانیت سے پر سکوت حرکات کو عمل مین لاتے ہین اور آخر مین یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام وحشت سے بلا کسی تاثر جذبہ کے چلتے پھرتے نظر آئے، یہ اکثر بات ہے کہ ہم اکثر گذشتہ وحشت انگیز واقعات کا خیال کر کے جذبہ محسوس کرتے ہین، یہی نہین بلکہ بعض موقعون پر تو بغیر کسی جذبہ کے لڑ بھی سکتے ہین، در اصل ہوتا یہ ہے کہ چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے دوڑنے بھاگنے کی حالت مین چونکہ حرکات جلد جلد صادر ہوتے ہین اسلیے ہمین جذبہ معلوم کرنے کا کوئی موقع ہی نہین ملتا، اس کے برخلاف حالت سکون مین ہم انتہائی جذبہ معلوم کرتے ہین مثلاً کسی ایسے مقام پر جہان سے ہماری رہائی کا خیال ہی نہین ہو سکتا بے انتہا خوف ہم پر طاری ہو جاتا ہے، کسی جبلّت کی بازداشت وہ شے ہے جو اکثر اوقات اس کے ساتھ والے جذبہ کو بار بار ابھارتی ہے اس لیے ہم عموماً جبلی کردار کے واقع ہونے سے قبل ہی زیادہ جذبہ محسوس کرتے ہین، غرض ایک جبلت کے آغاز عمل کے لیے یا کم سے کم اس کے شعوری ہونے کے لیے

جذبہ کی کوئی ضرورت نہیں، صرف تہیج کی ضرورت ہے، جس کے بغیر عمل جبلت محض ایک اضطراری مرکب ردِ عمل ہوگا،

دوسری صورت میں اگر کوئی جبلت مشتعل ہو تو بغیر بعض جبلتوں کے اشتعال یا دوسرے اندرونی میلانات کی مدد کے جذبہ ناقابلِ اشتعال ہوگا، مگر وہی جذبہ اپنے نظام میں جبلتوں کی ایک نوع کو شامل کرلیگا، مثلاً خوف کے جذبہ میں تحفظ و فرار کی دونوں جبلتیں داخل ہوتی ہیں کبھی تو یہ جبلتیں ایک دوسرے کے بعد برابر مشتعل ہوتی ہیں، اور کبھی ایک ہوتی ہے تو دوسری نہیں ہوتی، نظریۂ میکڈگل کی رو سے ہر ایک مختلف جبلت کو ایک مختلف جذبہ رکھنا چاہئے تھا، لیکن ہم تحفظ و فرار ہر دو صورتوں میں وہی خوف کا جذبہ معلوم کرتے ہیں، ہمیں اس سے انکار نہیں کہ خوف بھاگنے اور دبکنے کی صورت میں گو دو جدا جدا احساس رکھتا ہے مگر بہر حال ابتدائی جذبہ تو ایک ہی ہے،

تیسری صورت میں بعض دفعہ ایک ہی جبلت مختلف جذبات کے نظامات سے ملی ہوئی ہوتی ہے، یعنی بالفاظ دیگر جبلت جو ایک جگہ مترتب ہو یہ کوئی ضروری نہیں کہ دوسری جگہ ظاہر نہ ہو، جس طرح ایک ہی قسم کی عادتیں مختلف نظامات میں کارآمد ہوتی ہیں اور جسطرح ایک ہی قسم کے جذبات مختلف حواس (SENTIMENTS) کے موضوع بنتے ہیں اسی طرح ایک ہی قسم کی جبلتیں بیٹھنے، اٹھنے، چلنے، بھاگنے کے کئی نظاموں کے لیے رابد ہیں، علیٰ ہذا القیاس پرواز کی جبلت پرندوں میں نہ صرف خوف کے جذبہ سے ظاہر ہوگی بلکہ جنسیت یا بھوک کے جذبہ سے بھی مشتعل ہوسکتی ہے، لڑائی کی جبلت کو ر غصہ کی صورت میں کھیل اور خوشی کی جبلت سے پیوستہ نظر آتی ہے چنانچہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ کتے کھیلتے کھیلتے آپس میں کاٹنے لگتے ہیں، پھر ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہیں اور انجام کار بھاگ پڑتے ہیں، ماسوا اگر جبلت کے لیے تہیج موجود ہو تو جذبہ ہمیشہ فعلیت کے ساتھ ساتھ موجود نہیں ہوتا اور نہ وہ اپنی خاص کیفیت کے اظہار کے لیے جبلت کا عمل کرتا ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ عموماً جذبہ معہ اپنے نظام کے بہ نسبت جبلت معہ اسکے تہیج کے زیادہ وسیع ہوتا ہے، اسکے علاوہ جذبی نظام مین اکتسابی میلانات کی ایک تعداد کو بھی داخل سمجھنا چاہیئے جو اختلافات کی وجہ سے مترتب ہوتی ہے، خوف کے نظام مین پرواز اور تحفظ ذات کے میلانات کے سوائے اور میلانات بھی شامل ہین، جس کا تجربہ ہر شخص کرسکتا ہے، مگر باوجود ان تمام میلانات کے جذبۂ خوف کی ابتدائی صورت بہرحال وہی ہوتی ہے، جذبہ کا کام یہ نہین ہے کہ کسی خاص قسم کے اردار کو بروئے کار لانے پر مجبور کرنے بلکہ مناسب انتخاب کرنے پر مصر ہو،

بہرکیف جب ہم یہ خیال نہین کرسکتے ہین کہ کسی جبلت کا عمل ہمیشہ کسی نہ کسی جذبہ سے ملا ہوا ہوتا ہے، اور وہ حرکات اضطراری جو ایک جسمی تہیج کے بعد ہوتے ہین دیگر انتخابی افعال اضطراری سے علٰحدہ ہوتے ہین تو پہلی قسم کے حرکات کو جبلت سے محدود اور دوسری قسم کے افعال کو جذبہ سے موصوف کرنا چاہیئے،

بعض عضوی حالتین ایسی بھی ہین جو جذبات سے ظاہری مشابہت رکھتی ہین جنکی مثالین بھوک پیاس ہوسکتی ہین، زیادہ سے زیادہ ان کو "پر خلل جسمی حالتین" کہا جاسکتا ہے، یا "حد اعتدال سے متجاوز بے چین شوری جسمی حالتین" بھی سمجھی جاسکتی ہین، لیکن حقیقت مین بھوک پیاس نہ تو جذبات ہوتے ہین، اور نہ ان کو جذبات کہا جاتا ہے، جس کے دو اہم وجوہ ہین، پہلے تو یہ کہ بھوک اور پیاس اسلیے دو جدا جدا حس ہین کہ وہ صرف ایک ایک مقام یعنی معدہ اور حلق سے متعلق ہین، لیکن جذبہ کی حالت مین کسی عضو کی کوئی تخصیص نہین ہوتی جب کبھی ہم پر کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو ہم سراسر مغلوب ہوتے ہین، بلا شبہہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جذبات کا مقام دل ہے، مگر اس کے حقیقی معنی صرف اتنے ہین کہ جذبات سب سے زیادہ دل مین محسوس ہوتے ہین، اور سچ پوچھیے تو تکان کے احساسات کی طرح جذبات کا سرے سے کوئی مقام ہی نہین،

دوسری وجہ یہ ہے کہ بھوک پیاس ہر دو عضوی حالتین کسی اندرونی جسمی عمل و کارروائی کا نتیجہ ہوتی ہین، اس کے برخلاف جذبہ کا محرک عموماً کوئی ایسی بیرونی شے ہوتی ہے جسکا جسم کی اندرونی حالت سے کوئی

تعلق نہین ہوتا مثلاً اگر کوئی شخص اپنی معمولی حالت مین ہو اور کوئی دوسرا شخص اس کی عزت پر حملہ کردے تو وہ حملہ عصب سمعی (AUDITORY NERVE) دماغ، ادنی مراکز (LOWER CENTRES) واعصاب حرکیہ (MOTOR NERVES) سے گذرتا ہوا اندر کی طرف آتا ہے اور فوراً جذبہ طاری کردیتا ہے، گو اس مین شک نہین کہ جذبہ کی عضوی حالت بھی دماغ کے ذریعہ مشتعل ہوتی ہے مگر عموماً دماغ کسی خارجی ہیج (STIMULUS) ہی سے مشتعل ہوتا ہے،

یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حالت غضب مین کتے، بلی کا عمل انہضام رک جاتا ہے، اور حال کے علمائے نفسیات نے تو ہر جاندار کے متعلق یہی رائے قائم کی ہے کیونکہ جذبہ کی حالت مین کیا انسان، کیا حیوان، سب کی حالت بدل جاتی ہے، اور دل معمول سے زیادہ دھڑکنے لگتا ہے، اور پیٹ کی حرکات غیر معمولی طور پر تیز ہو جاتی ہین، غرض یہ سب باتین اس امر کا کافی ثبوت ہین کہ جذبہ ایک عضوی حالت ہے؟

مسلمان

اور

سیر و سیاحت

از جناب محمد شاکر صاحب بی اے، محمڈن کالج مدراس،

کہتے ہیں کہ مدراس کے لوگ اردو نہیں جانتے، اسی کی تکذیب کے لیے آج یہ مضمون شائع کیا جاتا ہے، محمد شاکر صاحب طالب علم مدرسۂ اعظم (محمڈن کالج) مدراس نے یہ مضمون اکتوبر ۲۵ء میں اپنے کالج کی اردو سوسائٹی میں پڑھا تھا، یہ مضمون بہت معمولی سی اصلاح کے بعد شائع کیا جاتا ہے، معنویات سے زیادہ ہم کو اسکی اشاعت سے نوجوانان مدراس کی ہمت افزائی کرنا ہے،

(معارف)

ہمارے اسلاف کو سیر و سیاحت سے جو شغف اور جس طرح وہ سفر کی منزلون کو طے کرتے تھے، آج ہم ان کا تخیل بھی نہین کر سکتے، جناب مولانا شیروانی اپنی کتاب علماے سلف مین تحریر فرماتے ہین:-

"موجودہ حالت دیکھ کر مشکل سے باور آسکتا ہے کہ کبھی ہم مین بھی ایسے لوگ تھے جو علم کی دھن مین براعظم اور سمندر کاٹ کر ڈالنا ایک بات سمجھتے تھے، جو ایک کتاب کی خاطر صدہا میل پیادہ پا جاتے اور جو صرف نباتات کے حالات تحقیق کرنے ملکون ملکون پھرتے، اگر ان کے دلون مین وہ جوش اور دماغون مین وہ ولولہ نہ ہوتا تو ہم کو ابن بیطار اور سید شریف نصیب نہ ہوتے"!

غور کیجئے کہ اس زمانہ مین ایک شخص کے لیے ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہنچنا آسان بات نہ تھی، (ذرا موجودہ زمانہ کی سہولتون کو پیش نظر رکھیے) اگلے زمانہ مین سفر کو آسان کرنے کے لیے نہ تو

خشکی مین ریل تھی اور نہ دریا مین اسٹیمر، اس زمانہ مین مسافرون کو طرح طرح کی صعوبتین اٹھانی پڑتی تھیں، خشکی پر وہ سفر کرتے تو قافلون کے ہمراہ اور تاجرون کے ساتھ، صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی کے صدمے انھین سہنے پڑتے، ریگستان مین تشنگی کی آفتین اٹھانی پڑتین، اور ہفتون بلکہ مہینون کے بعد منزل مقصود تک پہنچتے، جب کبھی وہ بحری سفر پر آمادہ ہوتے تو ان کی مشکلون مین کمی نہ ہوتی، اس زمانہ مین بحری سفر کرنے والے عموماً تاجرون کے جہازون پر روانہ ہوتے تھے، جہاز آج کل کے دخانی جہاز نہ تھے، بخلاف اس کے مسافرون کو یہ معلوم تھا کہ بہ نسبت بری سفرون کے بحری سفر بدترین چیز ہے، انھین دریا مین محض ہوا کے بھروسہ پر سفر کرنا پڑتا تھا، بدقسمتی سے طوفان شروع ہوتا تو جہاز اور تمام مسافر غرق ہو جاتے تھے، اس لحاظ سے بحری سفر کرنے والے اپنی جان جوکھون مین ڈالتے تھے، ایک مقام سے دوسرے مقام تک خیریت کیساتھ پہنچنے کی امید تک نہ رہتی تھی، سفر مین ہمیشہ ان کے دلون پر امید و بیم کی گھنگھور گھٹا چھائی ہوئی رہتی تھی،

سفر کی ایسی ایسی صعوبتون کا لحاظ کرتے ہوئے سامعین اس کے مشتاق ہون گے کہ آخر وہ کیا اسباب تھے جنھون نے ہمارے اسلاف کو بری اور بحری سفرون پر آمادہ کیا، اس کے بہت سے اسباب ہین، لیکن سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ ہر مسلمان دائرۂ اسلام مین رہ کر احکام خداوندی اور رسول آخرالزمان ؐ کے اقوال پر عمل کرنا اپنا فریضہ سمجھتا تھا، خدائے تعالیٰ کے جو احکام قرآن مین درج ہین، ان مین جہان دینداروں کے متعلق متفرق جگہ متفرق امور پر خدائے تعالیٰ نے پند و نصیحت کی ہے، وہان قل سیروا فی الارض، کی آیت بھی موجود ہے جس کے معنی ہین کہ چلو سیر کرو زمین مین، اس سے ثابت ہوا کہ مسلمانون مین سیر و سیاحت دینی عزت حاصل کرنے کا ایک زبردست ذریعہ تھا، ہمارے اسلاف جو خدا اور رسول کے سچے معتقد تھے، ان لوگون نے سیر و سیاحت کو ایک مذہبی فرض قرار دیا اور سمجھا کہ اس کا ادا کرنا ایک ضروری بات ہے، سیر و سیاحت کی بدولت دینی عزت حاصل کرنے کے اور اسباب بھی تھے، خدائے تعالیٰ نے جس مقدس

کتاب میں قل سیروا فی الارض فرمایا اسی میں کئی جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حج کرو،

لہذا تقدس حاصل کرنے کے لیے جو صاحب تمول ہوتے تھے وہ طرح طرح کے مصائب اٹھاکر اس فرض سے سبکدوش ہوتے تھے علاوہ ازین ہر مسلمان کی رگون مین اسلام کا خون اس قدر جوش زن تھا، کہ وہ اپنی روشنی سے دوسرون کو بھی فائدہ پہنچانے کے لیے اپنی نفس پر مصیبتین گوارا کرکے سفر کرتا، اور ان لوگون کو جو اسلام سے بالکل ناواقف تھے ترغیب دلاکر راہ مستقیم پر لانے سے دریغ نہ کرتا، احکام خداوندی فرمانِ رسولؐ، اور تبلیغ اسلام نے مسلمانون مین ایک جوش پیدا کر دیا تھا جس کی وجہ سے ہر مسلمان سیرو سیاحت کا دیوانہ رہتا تھا،

قطع نظر ان دینی اسباب کے اور دنیاوی وجوہ بھی تھے جو مسلمانون کو اپنے ارادون مین اور بھی مضبوط کر رہے تھے، تاریخ نے بتایا ہے کہ اگلی سلطنتون نے بھی اپنا تسلط جمانے کا ذریعہ تجارت کو قرار دیا تھا، اور ایک انسان کو تاجر بننے کے لیے سفر ہی زبردست ذریعہ ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے کہ "سفر وسیلۂ ظفر ہے" مسلمانون نے دنیا مین دولتمند اور فارغ البال ہونے کے لیے سفر اختیار کیا جسکی بدولت وہ تجارت ہی مین نہین بلکہ صنعت و حرفت علم اور عمل غرض ہر ممکن میدان مین یادگار زمانہ رہ گئے،

لیکن ہمارے اسلاف نے محض تجارت کیلئے ہی سفر اختیار نہین کیا بلکہ تحصیلِ علم اور اشاعتِ اسلام ان کے اعلیٰ ترین مقاصد تھے،

جب اسلام کا آفتاب نصف النہار پر پہنچ چکا اور اس کو حکمرانِ عرب و عجم کا رتبہ حاصل ہوگیا تو اس وقت بہت سے لوگون کے دل اسلام کے نور سے منور ہو چکے تھے، چنانچہ براعظم ایشیا مین، براعظم یورپ مین، براعظم افریقہ مین، اور جزائر مالدیپ، سوماٹرا، جاوا، طوکا، بورنیو، سیبلیز، فلپائن، نرولو، نیوگنی، کریٹ، ملایا، اور ملاکا مین، اسلام کا آفتاب کسی نہ کسی زمانہ مین طلوع ہوا، اس میدان مین چند بزرگ افراد جنھون نے دینی و دنیوی عزت حاصل کرنے کی غرض سے سیاحت کی، ان کا ذکر کرنا اور

ان کے کارنامون پر سرسری نظر ڈالنا ضروری ہے، تاریخ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ مسلمان تاجرون نے لوگون کو دعوت اسلام دی، دسوین صدی عیسوی سے جزائر ملایا مین مسلمانون کا دخل ہوا، غرض تاجران عرب کے علاوہ جنوبی ہند سے بھی داعیان اسلام ملایا کے جزیرون مین پہنچے، ہندوستان کے ساحل کورومنڈل، اور ملیبار مین شافعی مسلمانون کی آبادی، اور جزائر ملایا مین شافعیون کا موجود رہنا صاف ظاہر کرتا ہے کہ ان ہی تاجرون کی بدولت ان لوگون نے اسلام کی تعلیم پائی ہوگی، یہ لوگ وہان جاکر بسے وہان کی عورتون سے شادیان کین اور مسلمانون کی تعداد بڑھائی، دیگر جزائر مثلاً فیلپائین، سماٹرا وغیرہ مین تاجرون نے اپنی جانفشانی سے اسلام کی خدمت ادا کی، چودھوین صدی عیسوی مین شریف مکہ نے کچھ لوگون کو روانہ کیا کہ سماٹرا کے باشندون کو مشرف بہ اسلام کرین، ان کے رہنما شیخ اسمٰعیل تھے، ان کی وجہ سے جزیرۂ سوماٹرا کے مختلف شہرون مثلاً پاسوری، آردو، لمبری، وغیرہ مین اسلام پھیلا، ملک عرب کے مشہور عالم شیخ عبد اللہ نے اپنی سیر و سیاحت کے زمانہ مین جزیرہ نمائے ملایا کی کیدا ریاست مین پہنچکر اس کے باشندون کو گمراہی مین پایا، آخرکار انھین راہ راست پر لائے، جزیرہ مدورا، جاوا اور زولو کے اسلامی ہیرو جنکے نام ابدالاباد تک زندہ رہینگے، وہ حاجی پردا، مولانا ملک ابراہیم اور تاجر سید علی تھے، تاجرون اور حاجیون کے علاوہ مذہب کی اشاعت کرنے والون مین مولوی، معلم، واعظ اور فقیہ بھی ہوتے تھے،

سیر و سیاحت کے میدان مین تاجرون اور حاجیون وغیرہ کے علاوہ جنکی بدولت دنیا کے بعض قطعات مین اسلام پھیلا، اور دیگر افراد بھی یادگار زمانہ ہین، اشاعت اسلام کے علاوہ لوگون نے طالب العلمانہ اور سیاحانہ سفر کئے، جنھین دو گروہ ہین، ایک وہ لوگ ہین جنھون نے مذہبی تعلیم مثلاً حدیث و فقہ پڑھنے کے لیے دور دراز کا سفر کیا،

علمائے سلف نے احادیث نبویہ کے حاصل کرنے کے لیے اپنے اوپر ایسی ایسی صعوبتین اٹھائین کہ جنکے بیان سے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہین، چنانچہ حضرت امام مالک نے حضرت سعید بن المسیب

تابعی سے روایت کی ہے کہ مین ایک ایک حدیث کی خاطر شب و روز پیادہ پا چلا ہون، صحیح بخاری کے مصنف امام بخاری کو چودہ سال کی عمر مین ان کا شوق اپنے پیارے وطن سے نکال لایا، ان کی والدہ اور خواہر ساتھ مین نگران تھین، بخارا سے مصر تک سارے ممالک کی انھون نے سیر کی، ملک اسپین کے محدث ابن حبان نے علم حدیث، عراق، حجاز اور یمن پہنچکر ان مقامات کے بزرگون سے حاصل کیا، ان کے حالات سے ان کا قطعی طور پر کسی راستہ سے سفر کرنا معلوم نہین ہوتا لیکن قیاس سے اتنا اندازہ تو لگا سکتے ہین کہ اگر انھون نے بحری سفر کیا ہو تو بحیرۂ روم اور بحر احمر وغیرہ طے کیا ہوگا،

یہ سنکر اور تعجب ہوگا کہ حافظ ابن طاہر مقدسی نے جتنے سفر طلب حدیث مین کئے اون مین انھون نے ہر قسم کی تکلیف گوارا فرمائی، سفر پیادہ پا کرتے اور کتابون کا پشتارہ پشت پر ہوتا تھا، صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی کا اثر کبھی یہان تک پہنچتا کہ ان کے پیشاب مین خون آنے لگتا، لیکن پھر بھی انھون نے گوہر مقصود کو ہاتھ سے نہ جانے دیا، وہ مقامات جہان آپ تشریف لیگئے علی الترتیب یہ ہین:- بغداد، مکہ مکرمہ، جزیرہ تنیس، دمشق، حلب، جزیرہ، اصفہان، نیشاپور، ہرات، رحبہ، لوقان، مدینہ طیبہ، نہاوند، ہمدان، واسط، ساوہ، اسد آباد، انبار، اسفرائن، آمل، اہواز، بسطام، جرجان، استرآباد، بوسنج، البصرہ، رے، شیراز، قزوین، کوفہ وغیرہ جو کل تمام ملک ایران، ترکستان، عراق عرب، لبنان، ملک شام وغیرہ پر مشتمل ہے،

اس گروہ سے بالکل علحدہ ایک اور گروہ ان لوگون کا تھا جنھون نے دنیا کی عزت و عظمت اور اپنے وسعت خیالات کے لیے دور دراز جا کر کچھ نہ کچھ حاصل کیا، ان مین مشہور و معروف "کتاب الہند" کے مصنف ابو ریحان البیرونی گذرے ہین، ان کی ولادت ۳۶۲ھ؁ ۹۷۳ء؁ ملک خوارزم مین ہوئی، بچپن سے انھین علم کا شوق تھا چنانچہ علم ریاضی، نجوم، اور حکمت وغیرہ جانتے تھے، لیکن ان کی پیاس اس سے بجھ نہ سکی اور اس تحصیل کردہ علم پر انھون نے ہرگز قناعت نہ کی، حالانکہ شہر غزنی مین ایک مستند منجم مانے جاتے تھے، ان کی زندگی کا بہترین حصہ افغانستان مین گذرا، اس کے بعد ہندوستان پہنچکر ملتان اور پنجاب

ین چندے مقیم رہے، اس ملک ہندوستان کے باشندون کے میل جول سے انھون نے سمجھا کہ برہمن بڑے
لسفہ دان، منجم اور محاسب ہین، اس کے علم نے انکی طبیعت مین تعصب تو پیدا نہین کیا بلکہ جس کسی مین جو چیز
ا خصلت بھلی پائی اس کے شیدائی ہوگئے، چنانچہ عالمانہ حیثیت سے انھون نے ہندو مذہب اور زرتشت
ن
ذہب مین نہایت عمدہ طریقہ پر امتیاز کیا ہے، وہ بھگوت گیتا کے فریفتہ تھے انھون نے اہل ہند کو علوم یونان
سے آگاہ کیا اور یہان سے غزنی واپس ہونے کے بعد اپنے عزیز سفر دن کی یادگار کتاب الہند جسمین ہندوستان
کے حالات متعلق بہ نجوم، مذہب، فلسفہ، ادب تاریخ اور رسوم وغیرہ ہین، لکھی، اس کے علاوہ ایک کتاب
القانون المسعودی فی الہیئۃ والنجوم لکھی، ایک اور کتاب اپنی زبان مین تصنیف کی جسمین ہندوستان
کے جغرافیائی معلومات کا انکشاف ہے، اگر وہ ہندوستان کے سفر سے محروم رہتے تو یہ مفید کتابین میسر
ہوتین، اور اس کا نام بھی صفحۂ روزگار پر اس قدر مشہور نہ ہوتا،

اس کے بعد طالب العلمانہ سفر مین ابن بیطار ایک باشندۂ ملاکا جس کا سلسلۂ نسب اسی جزیرہ
کے مشہور خاندان البیطار سے جا ملتا ہے، گذرا ہے جو چھٹی صدی ہجری مین علم نباتات کا ایک مشہور محقق
تھا، ابتدائے عمر مین اسکی تعلیم ابو العباس کے زیر سایہ رہی، یکتائے عصر ابن بیطار نے اپنے وسعت معلومات
کے لیے بیس سال کی عمر مین اپنے وطن سے نکل کر شمالی افریقہ، مراکو، الجیریہ اور ٹیونس کی سیاحت کی، ازان
بعد اس کا قیام مصر مین رہا جہان صیغۂ علم نباتات کا عہدہ دار بھی مقرر ہوا شاہ نجم الدین کی حوصلہ افزائی نے
سے دمشق مین رہنے دیا، اس نے اپنی جان کاہ کوششون سے ملک شام اور ایشیائے کوچک مین تحقیقات
کی، اس کا ایک خوش نصیب شاگرد ابن ابی اصیبعہ نامی دمشق اور اس کے جوار مین جڑی بوٹی کی شناخت
کرنے کے وقت ہمیشہ ساتھ رہتا تھا، اگر اس مین سیر و سیاحت کی روح نہ رہتی تو ملاکا سے باہر کیون قدم
دھرتا، اُسنے اپنی تحقیقات کو جو سفر مین حاصل ہوئین، ایک تصنیف الجامع فی الادویۃ المفردات والاغذاء مین
مین جمع کیا، اس کے مرنے کے بعد کئی لوگون نے اس تصنیف سے فائدہ اٹھایا،

ہی تحصیل علم کا شوق تھا جس نے کتاب الخطط والآثار کے مصنف المقریزی کو سیاحِ مصر کا خطاب دیا، اس نے مصائب اٹھا کر اپنے معلومات کو بڑھایا جس کے ملک مصر کے چپہ چپہ کی پیداوار کا بیان کیا ہے جس سے اس کے بعد والون کو بہت کچھ مدد ملی،

طالب العلمانہ سفر کرنے والون مین چند ایسے افراد بھی تھے جنھین علم جغرافیہ سے خاص الفت تھی، ان مین ابن خورداذبہ اور ابن حوقل مشہور ہین، ابن خرداذبہ ملک فارس مین تیسری صدی ہجری مین پیدا ہوا، زندگی کے پہلے حصہ مین جو عموماً تعلیم و تربیت مین صرف ہوتا ہے، اس نے علم جغرافیہ کو نہایت دلبستگی کے ساتھ حاصل کیا حالانکہ علم موسیقی مین بھی ایک حد تک دستگاہ حاصل تھی، شہر الجبال علاقہ میڈیا مین صاحب البرید والخبر یعنی ڈاک کا افسر اعلیٰ تھا، لیکن پھر بھی علم کا شوق اس کو چین سے رہنے نہ دیتا تھا، چنانچہ نزدیک و دور کا سفر کیا اور خاندان عباسیہ کے ایک شہزادہ کے کہنے پر ۲۳۲ھ کے قریب کتاب المسالک والممالک لکھی، اس سے آیندہ جغرافیہ دانون مثلاً مقدسی وغیرہ نے بہت فائدہ اٹھایا،

ابن حوقل ملک عرب کے رہنے والے تھے، الجیہانی اور دیگر اشخاص کی تصانیف پڑھ کر اس کے دل مین سیر و سیاحت کی آرزو پیدا ہوئی، بعض کہتے ہین کہ وہ تاجر تھا اور بعضون کا یہ خیال ہے کہ وہ بنی فاطمہ کی طرف سے جاسوس مقرر ہوا تھا، اس بحث سے قطع نظر کرتے ہوئے اتنا تو کہہ سکتے ہین کہ اس نے دیگر ممالک اور ان کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے اور بذریعہ تجارت روپیہ کمانے کے لیے اسلامی مشرقی و مغربی ممالک کی سیر کی، اس کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۳۳۱ھ مین بغداد سے نکلا اور اثنائے سفر مین ۳۴۰ھ کے قریب ایک مشہور بزرگ الاصطخری سے ملاقات ہوئی،

اسی کی حوصلہ افزائی تھی جسکی وجہ سے اس نے مختلف نقشون کو درست کیا اور ان مین اضافہ بھی کیا، اسکی تصنیف المسالک والممالک، جو ۳۶۶ھ مین مرتب ہوئی، وہ اس کے سفرون کا ثمرہ ہے جسکی بدولت اس کا نام ہنوز جغرافیائے دنیا مین زندہ ہے، اس کے حوصلہ افزا و رہنما الاصطخری نے جو اس میدان کا ایک

مشہور شہسوار تھا، اپنے مختلف سفروں کے ذریعہ نہایت وسیع خیالات حاصل کئے، اور اس فانی دنیا میں ایک تصنیف جو کتاب الاقالیم کے نام سے مشہور ہے، چھوڑ گیا،

ان داعیان اسلام، حاجیان بیت الحرام، اور طالبان علوم سے علاوہ بعض شایقین ایسے بھی تھے جنکے سر میں سفر کا سودا ابھرا ہوا رہتا تھا، ان کا مقصد سفر اپنے معلومات کو وسیع کرنا ہی نہیں بلکہ خدا کی وسیع کائنات کے متفرق اور قابل دید مناظر تک ہو آنا تھا، ان افراد سے بھی اسلامی و غیر اسلامی دنیا کو مختلف فائدے حاصل ہوئے، ان میں سب سے پہلے ابوالحسین احمد بن جبیر الکنانی باشندۂ ہسپانیہ ہے، یہ گورنر غرناطہ کا سکرٹری تھا، حج کی غرض سے ۱۱۸۳ء میں غرناطہ سے نکل کر بری اور بحری سفر طے کرتا ہوا مقام اسکندریہ پہنچا، یہاں آکر دیکھا کہ عیسائیوں نے راستہ بند کر دیا ہے، چونکہ وہ صلیبی جنگوں کا زمانہ تھا، جب مسلمانوں اور عیسائیوں میں انتہا درجہ کا نفاق پیدا ہوگیا تھا، اسلیے قاہرہ، قوص اور جدہ سے ہوتا ہوا داخل مدینہ ہوا، وہاں سے اس نے کوفہ، بغداد، موصل، حلب اور دمشق کی سیر کرتے ہوئے جزیرۂ صقلیہ (سسلی) کی سرزمین پر قدم رکھا، یہاں چند سے قیام رہا، اسکے بعد غرناطہ واپس ہوگیا، ۱۱۸۹ء میں اس نے دوبارہ مشرقی ممالک کی سیر کی، اس کے سفرنامہ سے جزیرۂ صقلیہ[1] کے حالات ظاہر ہونے کے علاوہ فاتح یروشلم یعنی سلطان صلاح الدین اور حاکم ولیم کے حالات پورے معلوم ہوتے ہیں،

ابن جبیر کے شاگرد رشید الشرتیشی کے بیانوں سے ظاہر ہے کہ اس نے ممالک مصر، عرب، عراق عرب اور شام کی سیاحت کی تھی، اس کے حالات سفر دوسرے لوگوں کے دلوں میں جوش سیاحت اور ذوق سفر پیدا کرنے میں اعلیٰ ترین درجہ رکھتے ہیں، کیونکہ اس میں قابل دید مقامات مثلاً عرب میں مسجد نبوی، شہر مدینہ، بیت الحرام، عراق عرب میں کوفہ، بغداد وغیرہ، ملک شام میں دمشق و حلب وغیرہ اور سرزمین مصر میں قاہرہ اور اس کے عجائبات کا ذکر نہایت وسیع طور پر کیا گیا ہے،

[1] معارف:۔ وہ صقلیہ (سسلی) اس سے پہلے جاچکا تھا کہ وہ راہ میں بحر روم کے جہازوں کا ضروری بندر تھا،

کیا یہ قابلِ تحسین بات نہین کہ ملک غرناطہ کا رہنے والا ایک مسلمان سیاحت کے نشہ سے ایسا سرشار
ہوا کہ ہزارہا میل طے کرنے کے بعد بھی اسکی پیاس نہین بجھی، ایک دفعہ کے سفر نے اس کے دماغ مین وہ سودا
پیدا کیا کہ دوبارہ سیر و سیاحت کیلئے آمادہ ہوا،

متاخرین مین العبدری اور البلوی بھی مشہور سیاح گذرے ہین، العبدری جو حاحہ (اندلس) کا باشندہ تھا سنہ ۶۸۸ھ
مین عازمِ مدینہ ہوا، تاجرون کے جہاز مین وہ دریائی سفر کرتا ہوا اسکندریہ داخل ہوا، پھر وہان سے مکہ اور مدینہ
ہوتا ہوا فلسطین آکر چندے مقیم رہا اور پھر مصر ہوتا ہوا اپنے ملک کو واپس ہو گیا،

دوسرا سیاح البلوی جو قنتوریہ کا باشندہ تھا سنہ ۷۳۶ھ مین اسپین سے اسکندریہ گیا، القاہرہ کے عجائبات دیکھے،
چندے یروشلم مین رہا اور پھر ملک شام سے عربستان پہنچا، اگرچہ علمی لیاقت اس درجہ کی نہ تھی کہ وہ مستند
مصنف بن سکے، لیکن پھر بھی اپنے سفرون اور مشاہدون کو اس نے ایک کتاب تاج المفرق فی تحلیۃ
علماء المشرق مین لکھا،

انھین سیاحون مین دو زبردست سیاح سعدی شیرازی اور ابن بطوطہ گذرے ہین، شیخ سعدی
کو سیر و سیاحت کا خاص چسکا تھا، چنانچہ ان کی تصنیف گلستان سے پایا جاتا ہے، کہ انھون نے ہندوستان
کی سیر کی تھی، بعضون کا خیال یہ بھی ہے کہ وہ امیر خسرو کے زمانہ مین ان کی ملاقات کے لیے تشریف لائے
تھے لیکن یہ قرینِ قیاس نہین کیونکہ خسرو کے ابتدائی زمانہ مین یہ بہت ضعیف ہو گئے تھے، ان کی دوسری
تصنیف بوستان سے ثابت ہے کہ انھون نے سومنات سے نکلکر ایک بار مغربی ہندوستان کا دورہ
کیا اور وہان سے بحرِ ہند اور بحرِ عرب سے گذرتے ہوئے یمن اور حجاز مین داخل ہوئے، انھون نے ایک
دو نہین بلکہ چودہ حج کئے اور سب کے سب پیادہ پا، اس سے اندازہ لگا سکتے ہین کہ انھین اثنائے سفر مین کیسی
کیسی صعوبتین اٹھانی پڑی ہونگی، حیات سعدی مین تحریر ہے کہ انھون نے ایشیائے کوچک، بربر، حبش،
مصر، شام، فلسطین، آرمینیا، عرب، جملہ ممالکِ ایران، اکثر ممالکِ توران، ہندوستان، اردو بار، دیلم، کاشغر،

بصرہ، بغداد سے چین اور سد سکندری تک کی سیر کی تھی، اس کے علاوہ انھون نے دریا مین بھی سفر کیا چنانچہ خلیج فارس، بحر عمان، بحر ہند، بحر عرب، بحر قلزم اور بحر روم مین ان کا دریائی سفر کرنا انکی تصنیفات کے ناظرین سے پوشیدہ نہین،

سعدی کے بعد ہندوستان کے سیاحون مین جہان پیما ابن بطوطہ جو باشندۂ مراکش تھا گذرا ہے، ہمارے مسلمان سیاحون مین اس کا درجہ بہت بڑا ہے، چونکہ اس نے مختلف ممالک کی بارہا سیر کی، اور بعد مین اپنے سفرون کے اختتام پر اس نے اپنے حالاتِ سفر لکھے، اس کے زمانہ مین اسلام ہر شعبۂ زندگی مین کمال پیدا کر چکا تھا، اور مسلمانون کی طرزِ زندگی غیر اقوام کے لیے قابلِ رشک تھی، چنانچہ ۷۲۵ھ مین جبکہ اس کی عمر بائیس سال کی تھی وطن کو چھوڑا، شمالی افریقہ سے گذرتا ہوا مصر داخل ہوا، ملک شام و فلسطین سے ہوتا ہوا شہر مکہ پہنچا، وہان سے عراق، فارس اور موصل کی سیر کی، واپسی مین پھر دوسرے دفعہ حج کا شرف حاصل کیا، اور ۷۲۸ھ اور ۷۳۰ھ مین اسکا قیام مکہ مین ہی رہا، اس کا دوسرا سفر جنوبی عربستان، اور مشرقی افریقہ کے ممالک مین رہا، مصر سے ایشیائے کوچک پہنچکر کریمیا سے ہوتا ہوا قسطنطنیہ پہنچا، وہان سے خوارزم بخارا، اور افغانستان سے گذرتا ہوا ہزارہا میل کا کٹھن سفر لق و دق میدانون مین طے کیا اور سرزمین ہندوستان مین جو ان دنون مین زرخیز ملک کہلاتا تھا قدم رکھا اسکی قابلیت پر نظر کرتے ہوئے محمد تغلق بادشاہِ ہندوستان نے اس کو قضا کے عہدہ پر مامور کیا، لیکن سفر کا شوق اس بلا کا تھا کہ اس نے اس کو یہان چین سے رہنے نہ دیا، آخر موقع پا کر عازمِ ملک چین ہوا، لیکن راستہ مین مالدیپ ٹھہر کر وہان ڈیڑھ سال تک کسی ایک خدمت کو انجام دیتا رہا، اس قلیل عرصہ کے بعد پھر سفر کی تیاری کی، سرندیپ، بنگال، سماٹرا سے ہوتا ہوا ملک چین پہنچا، وہان سے ۷۴۸ھ مین واپس عرب ہو کر تیسری دفعہ حج کا شرف حاصل کیا، اس کے بعد اس نے اپنی تیسری سیاحت شروع کی، فارس، شام، عراق عرب سے گذرتا ہوا مصر پہنچا وہان سے عرب پہنچکر چوتھی دفعہ بیت الحرام وغیرہ کی زیارت کی، پھر شمالی افریقہ سے

...پہنچا، ۷۵۰ھ مین غرناطہ کی بھی سیر کی، اس کا آخری اور چوتھا سفر ۷۵۳ھ مین شروع ہوکر ۷۵۴ھ مین
...وقت جب یہ مراکو واپس ہوا ختم ہوا اور یہین اس نے مشہور و معروف کتاب تحفۃ النظار فی غرائب
...مصار و عجائب الاسفار لکھی اور آخر مراکو ہی مین ۷۷۹ھ مین اس جہان پیما ابن بطوطہ کا انتقال ہوا،

آٹھوین صدی ہجری تک ان سیاحون کے علاوہ اور بہت سے سیاح مثلاً ابن واضح، مسعودی
...سعید اندلسی، ہمدانی، یاقوت حموی وغیرہ گذرے ہین، ابن بطوطہ کے زمانہ تک اسلامی ممالک مین
...ور تجارت کا زیادہ شوق تھا، حتی کہ ابن بطوطہ نے اپنے مختلف سفرون مین غرناطہ مین ہندیون سے
ہندوستان مین غرناطہ و چین والون سے ملاقات کی، اہل علم اور صوفی لوگ بھی اس زمانہ مین چین سے
...ب تک اور سیلون سے بلغار تک علم طریقت کی تلاش مین پھرتے تھے، دسوین صدی ہجری سے
...کی گھٹا چھانی شروع ہوگئی، چونکہ کیپ آف گڈ ہوپ کے راہ ہند کے انکشاف نے مسلمانون کو
تجارت سے محروم کیا، اسیلیے زمانہ مابعد مین مسلمانون مین سیر و سیاحت کا چسکا باقی نہ رہا،

اس کے علاوہ اور بہت سے اسباب ہین جنکا ذکر یہان چندان ضرورت نہین، غرض چند صدیون [illegible]
...ر یورپ کا دور شروع ہوا، اس کے بعد بھی مسلمانون مین سیاح اگر کثیر تعداد مین نہین تو چند گذرے
چنانچہ زمانہ حال مین مولانا شبلی نعمانی کا طالب العلمانہ سفر بھی یادگار زمانہ رہ گیا، ان کا سفرنامہ بھی
...فرنگ کی کتابون سے کم نہین، شبلی نعمانی جیسے علامہ نے ہمارے متاخرین کے سفرون اور اسلام کی
...ارون پر نظر کرکے نہایت حسرت کیساتھ کہا ہے، ؎

در موسم گل گریہ بہ گلستان نہ رسیدیم — از دست ندادیم تماشائے خزان را

مولانا شبلی کے بعد ہندوستانیون مین سے عبدالرحمن امرتسری، منشی محبوب عالم وغیرہ نے سیاحت
...ن ادا کیا ہے،

اب ہمارے لیے ہمارے اسلاف کے کارنامے داستانون کی حیثیت رکھتے ہین، جیسا کہ

مولانا شیروانی نے فرمایا ہے "ہمیں اپنے بزرگون کی سیر و سیاحت کا خیال کر کے آجکل کے زمانہ مین مشکل سے باور آتا ہے کہ ہم مین بھی ایسے یادگار زمانہ گذرے ہون گے اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ہم مین نہ وہ جوش رہا اور نہ وہ ولولہ ورنہ ہم ایسی عزیز بضاعت کو جو حقیقی معنون مین وسیلۂ ظفر ہے کیون ہاتھ سے جانے دیتے۔ مسلمانون کی سیر و سیاحت کے متعلق سعدی ہند اپنے مسدس مین نہایت درد انگیز طور پر فرماتے ہین:-

سدا ان کو مرغوب سیر و سفر تھا ہر اک بر اعظم مین ان کا گذر تھا
تمام ان کا چھانا ہوا بحر و بر تھا جو لنکا مین ڈیرا تو بربر مین گھر تھا
وہ گنتے تھے یکسان وطن اور سفر کو
گھر اپنا سمجھتے تھے ہر دشت و در کو

جہان کو ہے یاد ان کی رفتار اب تک کہ نقش قدم ہین نمودار اب تک
ملایا مین ہین ان کے آثار اب تک انھین رو رہا ہے ملیبار اب تک
ہمالہ کو ہین واقعات ان کے ازبر
نشان ان کے باقی ہین جبرالٹر پر

ایک نئی اثری تحقیق،

بیانگ شانگ کا چنپا

سنتال پرگنہ مین

از مولوی ابو عمر زکریا صاحب بھاگلپوری

دنیا کا ایک ایک ذرہ کتاب عبرت کا ایک کھلا باب ہے، انسان کو گوش شنوا چشم بینا چاہئے، سیروا فی الارض فانظروا الخ دنیا مین کتنی قومین آئین، بسین اور نکل گئین، جنکے پتے نہین، کچھ سطح حجر پر، لوح خاک پر، صفحۂ قرطاس پر، اپنی یاد دلا رہی ہین، کچھ ویران کھنڈرون سے اہل نظر کو پکار پکار کر اپنی گم گشتہ شوکت، موجودہ افسوس ناک نکبت پر آٹھ آٹھ آنسو رلا رہی ہین،

تلک آثارنا تدل علینا

فانظروا بعدنا الی الآثار

دنیا کا بہترین شہر بابل جسکو عروس البلاد کہتے تھے، جسکے تمدن نے دنیا کی آنکھون کو خیرہ کر رکھا تھا، اب صرف خاک کا تودہ ہے، لیکن یورپ کے اہل اثر انھین کو کھود کھود کر تاریخ کا نیا باب مرتب کر رہے ہین، آریہ ورت کی زمین جب آباد تھی، یہان بھی ایک تمدن تھا، علم و حکمت کا چشمہ ابلتا تھا، ویدانت کی نہرین چلتی تھین، بدھ کی تعلیم جو تمام دنیا مین پھیل جا رہی تھی، اس کا مرکز مگدھ تھا، جو اب بہار کے نام سے مشہور ہے، پالی زبان مین وہار خانقاہون کو کہتے ہین، چونکہ اس صوبہ مین بدھون کی خانقاہین بکثرت پھیلی ہوئی تھین، جہان ہر طرح کے علم و حکمت کی تعلیم ملا کرتی تھی، اس کا دار الخلافہ چنپا تھا، جو نہایت ہی خوبصورت اور آباد شہر تھا، مستحکم عمارات، خوش منظر تالاب، دلکش باغات شہر کے

حسن کو دو بالا کر رہے تھے، چھٹی صدی عیسوی مین چین کا مشہور سیاح ہوانگ شوانگ جب ہندوستان آیا تو نالندہ کے پنج سالہ قیام کے بعد چنپا کی زلف گرہ گیر نے اس کو کچھ دنون کے لیے اپنا اسیر کر لیا تھا، اپنے سفرنامہ مین جسکو اکسفورڈ یونیورسٹی نے اصلی چینی زبان مین شائع کیا ہے، بڑی تعریف لکھی ہے، افسوس اس خوبصورت شہر کو برہمنون کے حاسدانہ عروج و معاندانہ خروج نے اس طرح جلا کر تباہ و برباد کر ڈالا کہ اب اس کے وجود کا کہین پتہ تک نہین ملتا، یورپین مورخون کا خیال ہے کہ وہ مقام بھاگلپور اسٹیشن کے مغربی سمت مین تین میل کی مسافت پر واقع ہے، جہان اب چنپا نگر نام کی ایک چھوٹی سی بستی بسی ہوئی ہے، اتمام تاریخ ہند کے مورخون نے، ہوانگ شوانگ کے سفرنامہ کے شارح نے بھاگلپور کے چنپا نگر کو چنپا لکھا ہے، بدھسٹ انڈیا کے مصنف رہیس ڈیوڈ نے بھی بھاگلپور کے چنپا نگر کو چنپا لکھا ہے، اور ساتھ ہی ساتھ ضلع پورنیہ کا ایک گاؤن جس کا نام چنپا نگر ہے مستزاد کر دیا ہے، مگر بھاگلپور پر سب کا اتفاق ہے، مین نے سب جگہ کی تحقیق کی کہین سے کوئی چیز مثلاً اینٹ، کتبہ، مورتی، یا کوئی کھنڈر اب تک ایسا نہین نکلا جس سے کسی عمارت یا آبادی کا پتہ لگ سکتا، ہزارون جگہ زمین کھود دی جاتی ہے، کھیتون مین ہل چلتے ہین، زمین کے پیٹ مین کچھ نہین کہ اگل سکے، ہستنا پور (دہلی) ہین، پاٹلی پتر (پٹنہ) مین بہت کچھ اُن کے کھنڈرات دعوے کی تائید کر رہے ہین، مگر چنپا کی تائید مین مورخین یورپ کی کوئی مجوزہ زمین نہین کہتی کہ تلک آثارنا تدل علینا، جہان جائیے سکوت کامل سکوت، تو کیا چنپا سے مایوس ہو جانا چاہیے، کیا چنپا ایک فرضی معشوقہ تھی، جسکی نوحہ خوانی تاریخ کی اوراق آجتک کر رہے ہیں؟ نہین! نہین! آپ مایوس نہ ہون! آپ کو اس کا سراغ کسی مورخ کے ورق سے نہین ملسکتا، آپ آئیے، مین اسکی سیر کراتا ہون، مین کانگریس کی طرف سے کاؤنسل کے ووٹ فراہم کرنے کے لیے سنتال پرگنہ کا دورہ کرتا ہوا ۱۰ نومبر ۱۹۲۶ء کو گڈہ سب ڈیویژن مین ۲۰، ۲۲ میل کی مسافت پر ایک چھوٹے سے گاؤن مین گذرا،

یہان والے اس چھوٹے سے گاؤن کو چنپا کہتے ہین، یہ ایک اونچی ٹیلہ نما زمین پر واقع ہے، یہ

ریجی زمین ۷-۸ میل تک پھیلی ہوئی ہے، جہان دو تین گاؤن اور کھیت ہی کھیت آباد ہین، یہان کثرت سے بڑے بڑے قدیم تالاب پائے جاتے ہین، جنکی قدامت کا پتہ کوئی بتا نہین سکتا، بتوفیق الٰہی میرے دل مین خیال گذرا کہ ممکن ہے یہ وہی جگہ ہو جہان چھنپا بسا ہوا تھا، اس کا سراغ لگانا چاہیئے مین نے گاؤن والون سے اس کے کھنڈرون کے متعلق دریافت کیا، گاؤن والون نے بیک زبان کہا۔ یہان جب زمین کھودی جاتی ہے، یا ہل چلایا جاتا ہے، تو بکثرت بڑی بڑی اینٹین، جو دو انچ دبیز اور ایک فٹ مربع کی ہوتی ہین، جیسی اس وقت نالندہ کے کھنڈرون سے برآمد ہو رہی ہین، ملتی ہین" ان اینٹون سے یہان کے رہنے والون نے اپنے مکانون کی دیوارین بنائی ہین، پرانے سکے نکلتے ہین، بدھ ساخت کے بڑے بڑے بت نکل رہے ہین، کچھ مٹی کے ظروف بھی نکلتے ہین، چند مکانات بھی نکلے جنمین چھوٹے چھوٹے بہت سے کمرے تھے مین نے انھین دیکھین جو کھیتون مین پڑی ہین، کوسون تک اینٹون کے آثار پائے جاتے ہین، مینے بطور یادگار ایک اینٹ بھی ساتھ رکھ لی ہے، جو واقعی نہایت قدیم اور بدھ ساخت کی ہے، جو اب نالندہ سے برآمد ہو رہی ہے، اگر محکمۂ آثار قدیمہ ادھر توجہ کرے تو تاریخ کے اندر ایک نادر اور مفید اضافہ ہو جائے گا، مین اپیل کرتا ہون کہ محکمۂ آثار قدیمہ جلد ادھر توجہ کرے تاکہ یہ کھنڈر زمانہ کے دست و برد سے محفوظ رہ جائے، اگر میری مدد کی ضرورت ہوئی تو مین ہر طرح کی مدد کے لیے طیار رہون وقت دونگا، ساتھ جاؤنگا، شریکِ کار رہونگا، واقعی یہ وہی چھنپا ہے، اس مین کوئی شک نہین، یہان کی مورتیان، اینٹین اپنی اگلی پرعظمت تاریخ یاد دلا رہی ہین،

چمن کے تخت پر اک دن شہ گل کا تجمل تھا ہزارون بلبلون کی فوج تھی اک شور تھا غل تھا

خزان کے دن جو دیکھا کچھ نہ تھا جز خار حسرت وان بتاتا باغبان رو رو یہان غنچہ یہان گل تھا

شرعِ اسلام
اور
قدیم رُومن لا،

ازمولوی حفیظ اللہ صاحب بی اے ال ال بی منصف تعلقہ کلاکرتی (نظم)

کچھ عرصہ ہوا مین نے الہ آباد لا جرنل مین ایک مضمون مندرجۂ بالا عنوان پر دیکھا تھا
یونیورسٹی کے ایک مسلمان بیرسٹر پروفیسر (READER) کے قلم سے تھا، اوس مضمو
کرنے کی کوشش کیگئی تھی کہ شرع اسلامی کا بیشتر حصہ رومن لا (RCMA LAW
اگرچہ دلائل ضعیف تھے اور مجھ ایسا جاہل شخص اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کی اہمیت نہین رکھ
مندرجۂ بالا سے بہتون کے دلون مین شکوک پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، اسلئے مندرجۂ ذیل
ناظرین کرنے کی جرأت کرتا ہون، اور توقع کرتا ہون کہ ذی علم حضرات جو عربی و انگریزی
مین کمال رکھتے ہین مسئلۂ زیر بحث پر روشنی ڈالین گے، ساتھ ہی ساتھ مین امید کرتا ہو
دوست پروفیسر صاحب میری اس تحریر سے برا نہ مانین گے، اور اگر ان کے مضمون کا حوا
کہین غلطی کی ہے تو مجھے مطلع و معاف فرمائین گے، کیونکہ ان کا مضمون اس وقت میر
نہین ہے محض یاد سے کام لے رہا ہون،

صاحب موصوف کے دلائل کی بنیاد محض اس مماثلت پر ہے جو احکام شرعی اور
پائی جاتی ہے، انکی متعدد مثالین بتا کر صاحب موصوف نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ چونکہ ا

بہت بعد کے ہیں؛ اسلیے یہ مماثلت اس بات کا ثبوت ہے کہ شرع شریف کے احکام رومی قانون سے اخذ کیے گئے ہیں، ان کا بیان ہے کہ جب مسلم فاتحین رومی سلطنت ورومی تمدن سے دوچار ہوئے اور رومی قوانین سے روشناس ہوئے تو انھون نے آہستہ آہستہ ان قوانین کے مطابق شرعی احکام ڈھالنے شروع کیے، امام ابوحنیفہ وغیرہ نے جو احکام مستنبط کیے ہیں، وہ انھین قوانین کا نتیجہ ہین،

صاحب موصوف اس امر کو تسلیم کرتے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بہت بعد مسلمان رومی قوانین سے روشناس ہوئے، اس سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ احکام قرآن وحدیث رومن لا کے ممنون نہین ہین، لیکن میرے معزز دوست نے ان مثالون مین جنکی مماثلت کی بنا پر یہ نتیجہ نکالا ہے کہ احکام شرعی رومن لا سے ماخوذ ہین، احکام وراثت کی ایک مثال پیش کی ہے، اور بتایا ہے کہ اسلام کا قانون وراثت (JUSTINIAN) جسٹینین کے CODE (ضابطہ) سے بہت ملتا جلتا ہے، لیکن یہ غور کرنے کی بات ہے کہ وراثت وترکہ کے احکام خود قرآن پاک مین مندرج ہین، اور ایسے زمانہ مین نازل ہوئے تھے کہ مسلمان اس وقت رومی قوانین سے بالکل ناواقف تھے، پھر محض مماثلت کی بنا پر یہ کہدینا کہ شرعی احکام رومن لا سے مستخرج ہوے ہین کس قدر خطرناک ہے، اس مثال سے تو نعوذ باللہ یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ قرآنی احکام کسی دنیاوی قانون کے ممنون ہین، ایک مسلم کی تحریر سے ایسے نتیجہ کا شائبہ بھی مجھے اچھا نہین معلوم ہوتا، محض مماثلت (ANALOGY) سے نتائج اخذ کرنا ضعیف ترین طرز استدلال ہے، دنیا کے تمام مذاہب وقوانین مین بہت سے جرائم مشترک ہین، لیکن اس سے تو یہ نہین کہا جاسکتا کہ ان مین جو سب سے قدیم مذہب یا قانون ہے، اسی سے بقیہ سب ماخوذ ہین، اس مماثلت کا سبب خود فطرت انسانی ہے،

علاوہ ازین فقہانے جو مسائل استخراج کیے ہین، وہ سب نص قرآنی اور احادیث سے کیے ہین

اور خود پروفیسر صاحب کو تسلیم ہے کہ احادیث و قرآن پاک کے نزول کے وقت مسلمان رومی قانون سے ناآشنا تھے، پھر ان کے دلائل اسیوقت قبول کئے جاسکتے ہین جب یہ ثابت کر دیا جائے کہ احکام شرعی قرآن کریم یا احادیث سے مستخرج نہین ہوئے ہین، یا پروفیسر صاحب ان احادیث کو جنسے یہ احکام اخذ کئے گئے ہین، بعد کی موضوع کردہ ثابت کردین، ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین،

آخر مین پروفیسر صاحب نے مضمون مذکور الصدر مین یہ تحریر فرمایا ہو کہ مولانا شبلی نے اس سے انکار کیا ہے کہ شرعی احکام رومن لا سے ماخوذ ہین، لیکن پروفیسر صاحب نے مولانا کے دلائل کو رد کرنے کے بجائے یہ تحریر فرماکر اپنے ناظرین کو تسلی دی ہے کہ مولانا انگریزی سے بے بہرہ تھے اور اس وجہ سے صحیح نتیجہ پر نہین پہنچ سکے، اس کے متعلق مین نہایت ادب کیساتھ پروفیسر صاحب کی خدمت مین عرض کرونگا کہ اگر مولانا انگریزی سے بے بہرہ ہونے کی وجہ سے غلط نتیجہ پر پہنچے ہین، تو کہین آپ عربی سے ناواقف ہونے کی وجہ سے غلطی مین مبتلا نہ ہون، مولانا مرحوم گو خود انگریزی بہت کم جانتے تھے لیکن وہ انگریزی کتابون کا ترجمہ انگریزی دانون سے سنا کرتے تھے، اور انگریزی کتابون سے مضامین اور انگریزون کے اعتراضات سے کافی واقفیت رکھتے تھے، سیرت نبوی کے ملاحظہ سے یہ حقیقت ظاہر ہو سکتی ہے،

افسوس ہے کہ الہ آباد کا لاجرنل کا مضمون اس وقت میرے پیش نظر نہین ہے، کہ مین مزید تفصیل سے بحث کرسکون لیکن میری ان چند سطرون سے غالبًا دوسرے حضرات اس موضوع پر تفصیلی بحث کرنے کی ضرورت محسوس فرمائین گے؛

خطبات مدراس

اڈیٹر معارف نے پچھلے سال مدراس مین سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤن پر جو آٹھ خطبے (لکچر) دیئے تھے، وہ نہایت اہتمام سے عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہین، چھپنے سے پہلے اسکے نصف آڈر آچکے ہین، یہ اس لائق ہین، کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیۃً تقسیم کیے جائین، ضخامت ۱۶۰ صفحے قیمت ۱۲؍ "مینجر"

تلخیص و تبصرہ

الشعر الجاہلی،

ہندوستان کی طرح مصر مین بھی نوجوانون کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا ہے جس کی زبان، قلم، دل، دماغ اور عقل وفہم پر یورپ کے خیرہ کن تمدن اور ہوشربا علمی کاوشون کا استیلا ہوگیا ہے، یورپ کے بعض مستشرقین جو ہر شے کو تشکیکی نظر سے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہین، انھون نے ایک مضحکہ خیز نظریہ پیش کیا ہے کہ عربون کے مایہ ناز شعرائے جاہلی کی طرف جو دوادین یا اشعار منسوب ہین، انکی طرف تاریخی حیثیت سے ان کا استناد صحیح نہین،

غالبًا اسی نظریہ کو اساس بناکر جامعہ مصر کے پروفیسر ڈاکٹر طہ حسین نے ایک کتاب "الشعر الجاہلی" کے نام سے شائع کی ہے، جو ان چند خطبات کا مجموعہ ہے، جسکو مؤلف نے جامعہ مصر کے طلبہ کے سامنے دیا تھا، لیکن اس کتاب مین صرف اسی نظریہ سے بحث نہین بلکہ اسی سلسلہ مین کعبہ کی حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھ سے بنا، اور حضرت اسمٰعیلؑ کی حجاز مین سکونت کے واقعات سے بھی انحراف کیا ہے،

اس بنا پر علمائے مصر کے درمیان اس کتاب سے بڑی برہمی پیدا ہوگئی ہے، لیکن انھون نے صرف مؤلف کی تفسیق و تکفیر پر اکتفا نہین کیا ہے بلکہ مصر کے اخبارات ورسائل مین تاریخی وعلمی نقطۂ نظر سے بھی اس کے مدلل اور مسکت جوابات شائع ہورہے ہین؛ یون تو مصر کے متعدد علماء نے مختلف رسائل مین اس کے جوابات دیے اور متعدد مشہور اہل قلم اصحاب نے اس کے جواب مین مستقل کتابین لکھی ہین،

مؤلف کا اصل دعوٰی یہ ہے کہ قبائل عرب کی زبانین ایک دوسرے سے مختلف تھین اس لئے

شعرائے جاہلی کے اشعار کی زبان بھی مختلف ہونا چاہئے، لیکن اس کے برخلاف سب کی زبان ایک ہے، اسلئے ان کی طرف ان دواوین کا انتساب صحیح نہیں ہے، اس کے علاوہ بعض شعراء کی شخصیت، ان کے تراجم کی صحت اور حضرت اسمعیلؑ و حضرت ابراہیمؑ اور بنائے کعبہ وغیرہ کے سلسلہ مین جو حقایق تاریخی ہین، انکی واقعیت سے بھی مؤلف کو انکار ہے،

چنانچہ اس نے ایک فصل "شعر جاہلی اور زبان" کے عنوان سے قائم کی ہے جس مین کہتا ہے "روات کا عام اتفاق ہے کہ عدنانیون اور قحطانیون کی زبان ایک دوسرے سے مختلف تھی، چنانچہ ابو عمرو بن ابی العلا کا مقولہ ہے کہ "حمیر کی زبان ہماری زبان کے مثل نہین" اور اس کے علاوہ اثری تحقیقات مین بھی بہت سے ایسے نقوش و نصوص ملے ہین، جو ان دونون کی زبانون کو ایک دوسرے سے اس طرح مختلف ثابت کرتے ہین جیسے کہ زبان عربی اور سامی زبانون مین سے کسی ایک مین تفاوت ہو سکتا ہے، لیکن باوجود اس کے قحطانی و عدنانی شعرائے جاہلی کے جو اشعار موجود ہین، ان کی زبان ایک دوسرے سے مختلف ہونے کے بجائے بالکل قرآن کی زبان ہے، اسلئے یہ یقینی ہے کہ ان شعراء کے دواوین و اشعار کا صرف انتساب غلط ہے بلکہ یہ سب اسلام کے بعد کی چیزین ہین"

مؤلف نے کہان کی بات کہان پہنچا دی، کلام عرب کے اختلافات سے کون ناواقف ہے، وہ اختلاف کہین ایک آدھ کلمہ، ایک دو حرف، یا طریقۂ اعراب اور بلکہ یون سمجھو کہ صرف طریقۂ ادا مین ہے، اور یہی معنی ابو عمر کے جملہ کے ہین، نہ کہ ایسی مغایرت جیسی کہ عربی اور کسی سامی زبان مین ہے، مؤلف اثری تحقیقات کا حوالہ دیتا ہے، لیکن اگر واقعی ایسی مغایرت تھی اور اس کے ثبوت مین نقوش اور نصوص موجود ہین تو صرف حوالہ کافی نہین، ان کو پیش کرنا چاہئے تھا، بلکہ اسکی ضرورت تھی کہ زبان کی اس مغایرت کے زمانہ کی تعیین بھی کیجاتی، کیونکہ شعرائے جاہلی کے جو دواوین موجود ہین، وہ بعثت نبوی سے دو یا زیادہ سے زیادہ تین صدی پیشتر کے ہین، اور جیسا کہ معلوم ہے اور خود مؤلف نے بھی اقرار

گیا ہے کہ عربون مین بیت الحرام کے حج کا طریقہ بعثت نبوی ﷺ کے دو تین صدی پیشتر سے رائج تھا، اور اس وقت سے جزیرۂ عرب کے تمام قبائل اطراف وجوانب سے مکہ معظمہ کو حج کے لیے آتے تھے جن سے قحطانی مستثنیٰ نہین ہین، دوسری بھی معلوم ہے کہ عراق، نجد، شام، حجاز اور یمن وغیرہ مین عدنانیون اور قحطانیون کی آمد و رفت ہوتی رہتی تھی، ان مین باہم کبھی اخوت و مودت کے تعلقات ہوتے تھے، کبھی لڑائیان ہوتی تھین، اور تجارتی معاملات کا سلسلہ تو ہمیشہ جاری رہا، جنکے ثبوت خود مؤلف کے قول کے مطابق شعرائے جاہلی کے کلام مین موجود ہین، تو پھر ان قبائل کے اس قدر شدید اختلاط کے باوجود کیونکر ممکن ہے کہ ان مین کوئی ایسا اتحاد لسانی موجود نہ تھا جس سے ان دونون کے شبانہ روز کے تعلقات استوار تھے، ورنہ اگر ان کی زبانون مین باہمی ایسی مغایرت ہوتی جیسے کسی سامی زبان کی ہو سکتی ہے تو پھر وہ دوسری زبان ظہور اسلام کے بعد دفعۃً کیونکر اس طرح فنا ہو گئی کہ عربی ادبیات مین اس کا کوئی نام و نشان تک موجود نہین، اور علاوہ ازین اس شدید مغایرت لسانی کے باوجود وہ ظہور اسلام کے ساتھ قرآن پاک کو کیونکر سمجھ سکے، اور اگر نزول قرآن کے وقت ان کی زبان زندہ ہوتی تو اس کا اثر قرآن کی زبان پر یقینی طور پر پڑتا، جبکہ قرآن پاک کے مخاطب مخصوص طور پر وہ بھی تھے،

ہان اگر مؤلف زمانہ کی تعیین کرتا اور مغایرت لسانی کو بعثت نبوی ﷺ سے بیس صدی پیشتر سے منسوب کرتا تو اس نظریہ کے معقول ہونے پر بحث کیجا سکتی تھی، اسلئے کہ عدنانی بنو اسمعیلؑ ہین، اور یہ یقینی تھا کہ انکی آمد کے وقت انکی زبان قحطانیون سے بالکل مختلف ہوگی، لیکن جب یثرب کے یہود جو بالکل آخر زمانہ مین عرب مین آئے، بعثت نبوی ﷺ سے پہلے ایسے ہی فصیح اللسان تھے جیسے خود عرب، تو عدنانی بیس صدی گذرنے پر جبکہ انھون نے جزیرہ مین با اقتدار زندگی گذاری اور ان کے تجارتی، جنگی اور دینی تعلقات سارے عرب سے ہو گئے تھے، پھر قحطانیون اور عدنانیون مین یہ اتحاد لسانی کیونکر نہ ہوتا،

کعبہ کو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمعیلؑ سے جو نسبت حاصل ہے، اس کے متعلق مؤلف کا خیال ہے

کہ یہ سب جزیرہ عرب میں یہودیوں کے شائع کردہ مزخرفات ہیں جنکی تاریخی حیثیت سے کوئی اصلیت نہیں،

لیکن یہودیوں کا حجاز سے علاقہ زیادہ سے زیادہ ساتویں صدی سے پیشتر کا ثابت ہوا ہے، جس کا خود مؤلف کو بھی اعتراف ہے، اور معلوم ہے کہ بعثت نبوی ساتوی صدی کے اوائل میں ہوئی ہے، تو اس قدر قلیل مدت میں اسلام سے پیشتر ہی "یہودیوں کے یہ مزخرفات" جزیرہ عرب کے تمام عربوں کے درمیان ایک حقیقت ثابتہ اور عقیدۂ دینیہ کیونکر قرار پا گئے؟ اور یہ فرض اس عقلی بنا پر کو اس وقت نظر انداز کیا جا سکتا تھا، جب مؤلف اپنے دعویٰ کی کوئی دلیل یا معقول توجیہ پیش کر سکتا، لیکن بغیر کسی دلیل اور معقول توجیہ کے مؤلف کا نظریہ عقلی گمراہی کے علاوہ اور کس چیز سے تعبیر کیا جا سکتا ہے؟؛

مؤلف نے اشعار کے انتساب پر طویل بحث کی ہے، اور سیاست، مذہب، قصص اور قبیلہ کی باہم عصبیت کو اس کا سبب قرار دیا ہے، اور خود رواۃ کی بعض تصریحوں سے اس کو پایہ ثبوت تک پہنچایا ہے، حقیقت یہ ہے کہ مؤلف کی یہی ایک بحث ہے جو نہ صرف قابلِ اعتنا بلکہ قابلِ قبول بھی ہے، لیکن مؤلف کے طرز بیان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شعرائے جاہلی کے تمام کلام کو موضوع قرار دے رہا ہے، مگر پھر یہ بھی دیکھو کہ آگے چلکر وہ خود اس تعمیم پر قائم نہیں رہتا، اور اس کو اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ حکم اکثر اشعار جاہلی پر صادق آتا ہے، صرف اشعار کی ایک قلیل تعداد ایسی ہے جس کے انتساب کو صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے، لیکن سخت افسوس یہ ہے کہ مؤلف نے کم از کم ان اشعار میں سے چند نمونے بھی پیش نہیں کئے جنکا استناد اس کے نزدیک صحیح ہے، تاکہ پڑھنے والا اعدانی اور قحطانی شعراء کے کلام میں کوئی امتیاز قائم کر سکتا، اور اسکی روشنی میں کلام عرب کا مطالعہ کرکے مؤلف کے نظریہ پر غور کرتا،

علاوہ ازیں مؤلف نے کسی شاعر کے صرف ایک دو شعر کے غیر مستند ہو جانے سے اس کے تمام اشعار پر یہی حکم لگا دیا ہے، اور اسی طرح بعض شعراء کے تراجم میں بعض مبالغہ آمیز روایت کی آمیزش کی بنا پر اس نے سرے سے ان کی شخصیت ہی سے انکار کر دیا ہے، کیا یہ طرز عمل اصول درایت کے

اظ سے صحیح قرار پا سکتا ہے!

حقیقت یہ ہے کہ اس تمام سلسلۂ بحث و تحیص مین پہلے یہ غور کر لینا چاہیئے تھا کہ اگر فی الواقع شعرائے جاہلی کی طرف اشعار غلط طور پر منسوب کئے گئے ہین تو جن شعرا کی طرف یہ انتساب ہوا ہے کم از کم عرب انکو اس انتساب سے پہلے جانتے ہون گے اور ان کے کلام بھی ان مین رائج ہون گے تو اگر کوئی جعل تھا تو نقل کو اصل سے ملانے کے لیے جعلی اشعار اسی انداز پر بنا تا جس پر پہلے سے اشعار موجود تھے، ورنہ اصل و نقل مین کیا تطابق ہوتا، اسلیے اگر واقعی اشعار وضع کئے گیے تو بھی اس امر پر سب سے بڑی دلیل ہے کہ شعرائے جاہلی کی زبان ایک دوسرے سے مختلف نتھی ورنہ یہ وضع کردہ اشعار کی زبان بھی یقینی مختلف ہوتی، اور اگر ایسا نہیں تو پھر یہ کون باور کر سکتا ہو کہ پہلے اس قدر کثیر شعرا کے نام وضع کئے گئے پھر ان کی شاعری کے لحاظ سے ان کے مختلف طبقات قائم کئے گئے، اور اسی تناسب سے اشعار وضع کئے گئے، کہ ایک شاعر کا مخصوص رنگ دوسرے کے کلام سے ممتاز نظر آ ئے،؟

اس کتاب کے بہت کم نسخے شائع ہوئے تھے کہ وزارت معارف مصر نے تمام نسخے خرید کر اسکی اشاعت ملتوی کر دی اور اب اس کا مقدمہ مصر کی عدالت مین پیش ہے،

ہندوستانی تاریخی کمیشن کا اجلاس لکھنو،

آج سے نو سال پہلے کلکتہ کے بعض تاریخ دوست اصحاب نے ان کاغذات کو جو حکومت ہند و بنگالہ کے محافظ خانون مین محفوظ ہین، اور جن سے ایک بڑی حد تک نہ صرف ہندوستان کی صحیح تاریخ مرتب ہو سکتی ہے، بلکہ بہت سے راز جواب تک مصلحۃً یا کسی دوسری وجہ سے پردۂ خفا مین ہین ظاہر ہو سکتے ہین) دیکھ کر یہ طے کیا تھا کہ ان کاغذات اور دوسرے اسی قسم کے ذخائر سے مضامین اور کتابین مرتب کیجائیں اور حکومت ہند محقق مورخین کو ان کاغذات کے استعمال کی اجازت دے، چنانچہ اسی وقت

ان لوگون نے سرکاری منظوری کے ساتھ" ہندوستانی تاریخی کمیشن" نام ایک انجمن قائم کرکے اُدھر ایوان کا کوجو سرکاری اعلیٰ عہدہ کی ذمہ داری کیساتھ رسالہ بنگال پاسٹ و پریزنٹ (BENGAL PAST PRESENT) کے ایڈیٹر کی حیثیت سے خاص تاریخی وادبی شہرت رکھتے ہین اس کا صدر اور نواب زادہ عبد العلی صاحب ایم، اے، کو جو اس محافظ خانہ کے ذمہ دار افسر ہین، اس کا ناظم مقرر کیا گیا، اور مورخینِ ہند نے اس کا اولین اجلاس کلکتہ ہی مین مقرر کرکے اس کو مستقل مفید مجلس بنا دیا، اس وقت سے اس کمیشن کے سالانہ اجلاس ہندوستان کے مختلف تاریخی شہرون مین ہوتے رہے ہین اور اب اس سال اس کا نوان سالانہ جلسہ اودھ کے دار السلطنت اور ایک حد تک اسلامی تمدن کے مرکز لکھنؤ مین گذشتہ دسمبر ۱۶، ۱۷، ۱۸ کو ہوتا رہا، اس کے ساتھ ہی سرکاری اہم کاغذات اور ذاتی تصاویر، تاریخی اسناد، دستاویزات و رسکون کی نمایش بھی کیگئی،

مستقل صدر کی عدم موجودگی مین خیال تھا کہ حکومتِ ہند کے قائم مقام رکنِ تعلیم اس سالانہ جلسہ کی صدارت کرین گے، لیکن انکے وقت پر نہ پہنچنے کی وجہ سے، یہ عزت ہندوستان کے مستند مورخ، جامعۂ کلکتہ کے وائس چانسلر اور مشہور مصنف بابو جدوناتھ سرکار ایم، اے، آر، پی، ایس کے حصہ مین آئی، انتخابِ صدر کے بعد وزیرِ تعلیمات صوبہ متحدہ نے گورنر صوبہ کی طرف سے عدم شرکت کی معافی کا پیغام پڑھا اور اودھ کے سرکاری کاغذات کے غدر کے وقت تلف ہونے اور بعد ازان نذرِ آتش ہو جانے پر اظہار افسوس کیا، اور بتایا کہ یہان دیوانی کے کاغذات ۱۸ وین صدی کے آخر سے اور مال کے کاغذات انیسوین صدی کے آغاز سے شروع ہوتے ہین، اور پانچ سال سے مسٹر ابو محمد ایم، اے ان کے مطالعہ و ترتیب مین مشغول ہین، اسکے علاوہ لکھنؤ اور الہ آباد کے جدید و قدیم جامعون مین بھی جو تاریخی کام ہو رہے ہین ان کا حوالہ دیا، اس پیغام کے خاتمہ پر مختصر لیکن دلچسپ افتتاحی صدارتی تقریر ہوئی اور پھر ۱ بجے تک مختلف اشخاص نے اپنے مضامین پڑھے، ۱۲ بجے تاریخی نمائش کا جس کے کامیاب بنانے مین نہ صرف ناظم صاحب ممدوح بلکہ مقامی رؤسا

تاریخ دوست اصحاب نے حصہ لیا تھا، رسمی افتتاح کیا گیا، اس افتتاح کے بعد پہلے دن کا اجلاس ختم ہوا، اور ۱۰ کو اجلاس کیساتھ ہی ساتھ دعوتون اور تاریخی مقامات کی سیر کا سلسلہ بھی جاری رہا،

کمیشن کے سہ روزہ اجلاس مین جو مضامین پڑھے گئے ان مین قابل ذکر یہ ہین :-

(۱) سرایون کاٹن، مینائے ڈی بوائن،

(۲) بابو جدو ناتھ سرکار سترہوین و اٹھارہوین صدی کے مرہٹون کے خاندانی کاغذات

(۳) جے بجے کاٹن، دلیم نائٹن کی مشہور کتاب ایک مشرقی حکمران کی خانگی زندگی۔ (جو نواب نصیر الدین کے حالات پر مشتمل ہے)

(۴) ڈاکٹر شفاعت احمد خان، علیہ ہندوستان پر نئی روشنی (یہ مضمون کمپنی کے صدر دفتر کے کاغذات ۱۱ دسمبر ۱۶۶۸ء سے ۱۶۷۲ء تک کے مطالعہ پر مبنی ہے)

(۵) پروفیسر جے، سی، سنہا، لارڈ کارنواس کے زمانہ مین کمپنی کی بنگال مین تجارت

(۶) پروفیسر سی، ایس سرینواس آچاری، برامحل کے کاغذات مین ابی ڈوپلے کا تذکرہ،

(۷) پادری ایچ، ہیراس ایس، جے، بمبئی بہانگیر اور پرتگالی،

(۸) پروفیسر جے، این، سمادار، پٹنہ ۱۶۶۴ء مین تسخیر و بتاس کے متعلق بعض مزید معلومات

(۹) پروفیسر ایچ، سی، سنہا ہندوستان مین محدود ذمہ داری کا اولین بینک،

(۱۰) پروفیسر قانون گو، شہزادہ داراشکوہ اور مرزا راجہ جے سنگھ کچھواہہ،

(۱۱) رائے رام پرشاد چندا کلکتہ عجائب خانہ مین منڈلا منج کا تاریخی حصہ،

(۱۲) مسٹر سروپ جے سیٹھ ۵۰ ق م مین ہندوستانیون کی آرمینا مین آبادی،

(۱۳) مسٹر برجندر ناتھ بنرجی، راجا رادھا کانت دیب کی ملکی خدمات،

(۱۴) مسٹر ہیڈ ورنگ، سیواجی کے متعلق پرتگالیون کی حکمت عملی،

(۱۵) نواب زادہ ایم عبد العلی صاحب شجاع الدولہ،

اجلاس کی کارروائی اور مضامین کی فہرست دیکھ کر جو تکلیف وہ احساس ایک علم دوست مسلمان کے دل مین پیدا ہوتا ہے، وہ اس مجلس مین مسلمانون کی عدم شرکت ہے اگرچہ دوران اجلاس مین مسلم کلب، اور امام باڑہ حسین آباد مین متعدد اشخاص کی دعوت مسلمانون کی طرف سے ہوئی، لیکن وہ علمی دلچسپی سے زیادہ ذاتی نمائش کا پہلو لیے ہوئے تھی، ہم کو امید تھی کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نہین تو کم از کم علی گڈھ کے اراکین تاریخ مین سے کوئی صاحب ضرور اس مین شرکت کرین گے، لیکن اس عنصر کا ایک عام فقدان ہے، کیا مسلمان اسی طرح دوسری قومون کا ہر شعبۂ حیات مین مقابلہ کرنا چاہتے ہین، بہت ممکن تھا کہ وہ اس مجلس مین شریک ہو کر اوران غلط بیانون کی تردید پر جو مصدقہ صورت اختیار کرتے جاتے ہین مضامین پڑھکر ان کی اصلاح کرتے، اور اس طرح تردیدی مواد کا ذخیرہ بھی ہمارے سامنے آجاتا، لیکن ہم خود کچھ نہین کرتے اور جب کوئی دوسرا اپنے نقطۂ خیال سے ہمارے خلاف کچھ لکھتا ہے تو اس کے خلاف ایک بیکار شورش برپا کر دیتے ہین،

"ن"

حضرت لقمان کی شخصیت

حضرت لقمان عربون کے درمیان ایک صاحب ایمان، اور اہل حکمت کی حیثیت سے روشناس ہین اور اسی حیثیت سے قرآن مجید نے بھی انکو پیش کیا ہے، اوران کے عمدہ نصائح کا تذکرہ کیا ہے، لیکن تاریخی حیثیت سے انکی شخصیت کی تعیین اور انکی قومیت کے متعلق سخت اختلاف ہے، بعض انکو خالص عرب بعض حبشی اور بعض یونانی سمجھتے ہین، جو لوگ انکو عرب مانتے ہین، وہ بھی انکے سلسلۂ نسب کے بیان مین مختلف ہین،

جامع ازہر کے ایک عالم نے المنار مصر کے گذشتہ پرچہ مین حضرت لقمان کی شخصیت پر ایک مضمون لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ توراۃ مین بلعام بن باعور کے نام سے جس غیر اسرائیلی حکیم کا تذکرہ ہے درحقیقت وہی عربون کا لقمان ہے، عالم موصوف اسی سلسلہ مین لکھتے ہین کہ:۔

"بلعام بن باعور توراۃ مین کفار کے قبیلہ کے ایک حکیم کی حیثیت سے مذکور ہے، جسکو اسکے قبیلہ کے لوگ بنی اسرائیل کو بد دعا دینے کیلئے بلاتے ہین، وہ آتا ہے اور بد دعا نہین کرتا، توراۃ مین ہے کہ وہ خدا کی اجازت سے آتا ہے اور جب وہ آچکتا ہے تو خدا اسکے غضب نے برانگیختہ ہوتا ہے بہرحال

بلعام بن باعور، عربون کا لقمان بن باعور حکیم ہے،

اس نظریہ کی تائید پیرس کی جمعیۃ شرقیہ کے سرگرم رکن ڈاکٹر جی ڈرنبرگ بھی کرتے ہین، اور اپنی دلیل مین بیان کرتے ہین کہ اول تو لقمان اور بلعام نسب مین دونون باعور سے منسوب ہین، دوسرے ایک قدیم کتاب مین جسکا مصنف "انوخ" ہے، تصریح موجود ہے کہ "لقمان" اور "بلعام" ایک ہی مسمی کے دو اسم ہین یعنی بلعام وہی فلسفی ہے، جسکو عرب لقمان کہتے ہین، لغوی حیثیت سے دیکھو تو "بلع" اور "لقم" دونون کے ایک معنی نکلتے ہین، بلع عبرانی مین اسی معنی مین آتا ہے،

ڈاکٹر جی ڈرنبرگ کے اس نظریہ کو قابل قبول سمجھنے مین تاریخی نقطۂ نظر سے اس کے تسلیم کرنے مین کوئی امر مانع نہین، لیکن اس مین جو پیچیدگی ہے وہ یہ ہے کہ اگر لقمان اور بلعام دونون ایک ہی شخص کے دو نام ہین، تو پھر بلعام کو توراۃ مین کفار کی جماعت کا ایک فلسفی بتانا اور قرآن میں لقمان کو ایک مومن کامل اور حکیم کہنا کیا معنی رکھتا ہے، ہماری تفسیرون مین بلعام کے متعلق جو روایات ہین وہ تمامتر "اسرائیلیات" یعنی یہودیون کی وہ روایتین ہین جنکو انھون نے اسلام لانے کے بعد اپنے قدیم مذہبی معلومات کی بنا پر علمائے اسلام کے سامنے بیان کیا، اس لیے اسلامی نقطۂ نظر سے ان روایات کی کوئی وقعت نہین، کیونکہ وہ سب یہودیون کے مزخرفات سے ملو ہین، اس کے بعد توراۃ اور قرآن پاک کے اختلاف کو سامنے لاؤ تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ محرف توراۃ مین بلعام کے متعلق جو کچھ ہے اسکی تصدیق ہمارے لیے ضروری نہین ہے، کیونکہ توراۃ اور قرآن مجید مین یہ اختلاف صرف لقمان ہی کے متعلق نہین بلکہ ان دونون کے سوا اور دیگر انبیاؑ کے مقدس حالات اور اخلاقیات کے متعلق بھی شدید اختلافات ہین، مثلاً حضرت داؤد، حضرت سلیمانؑ، حضرت لوط علیہم السلام وغیرہ انبیائے کرامؑ کے متعلق توراۃ اور قرآن پاک مین اسی قسم کے اختلافات ہین، حضرت داؤد اور سلیمانؑ توراۃ کے رو سے پیغمبر نہین سمجھے جاتے اور قرآن ان کو پیغمبر قرار دیتا ہے، حضرت لوط کو توراۃ مجرم اور

قرآن ان کو معصوم ٹھیراتا ہے، اسی طرح بلعام کے کافر ہونے کے متعلق بھی توراۃ مین جو کچھ ہے وہ خود اپنے بیان کے تضاد کے سبب سے ناقابلِ اعتبار ہے، ایک جگہ تو اس کا خدا کی اجازت سے آنا، اور پھر آنے پر خدا کا اس پر عتاب کرنا متضاد ہے، اور پھر جب وہ خدا کے حکم سے آتا جاتا ہے اور فرشتے اس کو نظر آتے ہین تو وہ کافر کیونکر ہوگا، اسی بنا پر خود عیسائی علمار نے بلعام کے متعلق توراۃ کے مضطرب، متبائن اور ایک دوسرے سے متضاد بیانات سے عاجز آکر توراۃ کی تمام تصریحات کی تکذیب کی ہے، ایسی حالت مین تورات کے یہ مضطرب بیانات قرآن مجید کے بیان کی صداقت پر کیونکر اثر ڈال سکتے ہین، جو اس کو ایک کامل مومن اور موحد حکیم ٹھیراتا ہے،

اسلیے اس نئی تحقیق کی بنا پر بلعام اور لقمان ایک ہی مسمّی کے دو اسم کہے جا سکتے ہین اور اسکے ساتھ یہ تصریح بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ وہ ایک مومن کامل حکیم تھے، نہ کہ کافر،

ساتوین صدی کی ایک اسلامی گھڑی،

قاہرہ کتب خانۂ تیموریہ مین تاریخ کی ایک کتاب کے بعض اجزار ہین، جسکے ناقص ہونے کے باعث ابھی تک نہ اس کے مصنف کا پتہ چلا ہے اور نہ اس کتاب کا نام معلوم ہو سکا ہے، ان اجزار سے صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ عام عرب مورخین کے اصول ترتیب کتاب کی طرح اسکی ترتیب بھی سنین پر ہے، کیونکہ ان اجزار مین ۶۲۶ھ سے ۷۰۰ھ تک کے مسلسل واقعات موجود ہین،

انھین اجزار مین حوادث ۶۳۳ھ کے ذیل مین ایک مدرسہ طبنیہ اور شفاخانہ کی عمارت کی تکمیل کے حالات درج ہین جسکو خلیفہ مستنصر عباسی نے مدرسۂ مستنصریہ کے سامنے بنوایا تھا، مدرسہ طبیہ کی عمارت کے سلسلہ مین مصنف نے ایک گھڑی کے حالات بھی لکھے ہین جس سے عربون کی صناعی کا پتہ چلتا ہے، اس مین مذکور ہے کہ :-

"اس سال یعنی ۶۳۳ھ مین اس ایوان کی تعمیر پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی جو مدرسہ مستنصریہ کے سامنے بن رہا تھا، اس ایوان مین ایک بلند اسٹیج بنایا گیا ہے جسپر اطبا کی نشست ہوتی ہے اور اس کے قریب طلبہ کی نشست گاہ ہے تاکہ وہ اطبا، کی تشخیص امراض وغیرہ سے مستفید ہوسکین،

اسی اسٹیج کی دیوار پر ایک دائرہ ہے جس مین آسمان کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور اس مصنوعی آسمان مین چند نہایت خوشنما محرابین بنائی گئی ہین جنمین دروازے لگے ہوئے ہین اور دائرے کے وسط مین سونے کے دو باز بنائے ہین جو سونے کے دو طشت مین کھڑے ہوئے ہین، اور ان مصنوعی بازون کے پیچھے پیتل کے دو گولے ہین جو سامنے سے نظر نہین آتے،

ایک گھنٹہ گذرنے پر پیتل کے دونون گولے بازون کے منہ مین آتے ہین اور پھر ان کے منہ سے سونے کے طشت مین گرتے ہین اور ان کے گرنے کے ساتھ محرابون مین سے ایک کا دروازہ کھل جاتا ہے، اور اس کے بعد وہ گولے اپنی جگہ پر چلے جاتے ہین، اور اسی طرح ایک ایک گھنٹہ پر ایک ایک دروازہ کھل جاتا ہے،

اور نیز طلوع آفتاب کے ساتھ اس دائرے کے لاجوردی آسمان مین سونے کے چند ہلال نمودار ہوتے ہین، جو آفتاب کی گردش کے ساتھ گردش کرتے ہین، اور اس کے غروب ہوتے ہی وہ بھی غائب ہوجاتے ہین،

اور جب رات آجاتی ہے تو پھر چند چاند نکلتے ہین جنکے پیچھے ہلکی سی روشنی ہوتی ہے، اور جیسے جیسے وقت گذرتا ہے، ان مین سے ایک چاند کی روشنی بڑھتی جاتی ہے یہان تک کہ وہ ایک گھنٹہ مین ماہ کامل بنجاتا ہے، اسی ترتیب سے یہ سلسلہ طلوع آفتاب تک جاری رہتا ہے، اور اس طرح یہ گھڑی شبانہ روز کے اوقات بتاتی رہتی ہے

نور الدین علی بن ثعلب ساعاتی (گھڑی ساز) المولود ۶۰۰ھ اس گھڑی کا نگران تھا، جو تمام عمر اسی خدمت پر مامور رہا، یہانتک کہ ۶۸۳ھ مین وفات پائی"

"لہ"

اخبارِ علمیہ

عراق مین مجمع علمی کا قیام، عراق مین وزارت معارف کی طرف سے دس ہزار روپیے کے سرمایہ سے ایک علمی انجمن "المجمع العلمی العربي" کے نام سے قائم ہوئی ہے، جو عراق مین تصنیف و تالیف کے ذریعہ علمی خدمات انجام دیگی، اس مجمع کے صدر مشہور شاعر السید الرصافی ہین، اور رفقاے مجمع مین سے انستاس الکرملی شیخ طہ الراوی اور ساطع بک الحصری وغیرہ ہین،

نباتات کے اسمار کا ایک لغت، ڈاکٹر احمد عیسیٰ بک نے "المعجم فیما خفی من اسمار النبات و استعجم" کے نام سے ایک لغت تیار کیا ہے جس مین ہر قسم کے نباتات کے نام جمع کئے ہین، اس لغت مین تقریباً چار ہزار نباتات کے نام ہین، ترتیب یون ہے کہ وسط مین نبات کا لاطینی نام ہے اور اس لاطینی نام کے بائین طرف اسکی کوئی مخصوص علامت بتائی گئی ہے، پھر اسی طرف اس کا فرانسیسی نام ہے، اور پھر انگریزی نام درج ہے، اور پھر لاطینی نام کے دائین طرف اس کا عربی یا معرب نام لکھا گیا ہے، کتاب پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی ہے اور عنقریب مصر کی وزارتِ معارف کی طرف سے شائع ہونے والی ہے،

حکومت بیزنطی کے آثار، برنش میوزیم نے ایک وفد ترکی کو روانہ کیا ہے تاکہ قسطنطنیہ مین حکومت بیزنطی کے آثار قدیمہ کی جستجو کرے، یہ وفد "سلطان احمد کے میدان" مین کام کرے گا، جہان حکومت بیزنطی کے بہت سے آثار کے ملنے کی توقع ہے، حکومت ترکیہ نے اس وفد کو سال بھر تک اس میدان مین کام کرنے کی اجازت دی ہے،

پھانسی کی سزا کی منسوخی، موسیولینی پر متعدد مرتبہ قاتلانہ حملہ ہونے کے باعث اٹلی مین یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ پھانسی کی سزا جو اٹلی مین مدت سے منسوخ ہو چکی ہے، پھر نافذ کر دیجائے اس سلسلہ مین ذیل کا نقشہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا جس سے معلوم ہوگا کہ کس ملک مین کب یہ سزا منسوخ ہوئی،

نام ملک	سنہ تنسیخ	نام ملک	سنہ تنسیخ
پرتگال	سنہ ۱۸۶۷ء	ہالینڈ	سنہ ۱۸۷۰ء
اٹلی	سنہ ۱۸۸۱ء	ناروے	سنہ ۱۹۰۲ء
روس	سنہ ۱۹۰۳ء	آسٹریا	سنہ ۱۹۱۹ء
سویڈن	سنہ ۱۹۲۱ء		

ان ممالک کے علاوہ رومانیہ، سوئٹزرلینڈ اور ولایات متحدہ امریکہ مین سے آٹھ ولایتون مین بھی اس سزا کی تنسیخ ہو چکی ہے،

ان کے علاوہ بعض ممالک ایسے ہین جہان اسکی تنسیخ نہین ہوئی لیکن وہان مدت سے اس پر عملدرآمد نہین ہوا ہے مثلاً فنلینڈ مین سنہ ۱۸۱۶ء سے سنہ ۱۹۱۸ء تک اور ڈنمارک مین سنہ ۱۸۹۲ء سے اب تک کسی کو پھانسی نہین دیگئی، اور اسی طرح بلجیم مین بھی تقریباً ۸۰ برس سے اب تک کوئی شخص پھانسی کے تختہ پر نہین چڑھایا گیا ہے،
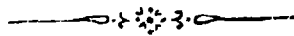
تیرنے والا ہوائی جہاز، جرمنی مین ایک ایسا ہوائی جہاز تیار ہوا ہے جس مین طاقت پرواز کے ساتھ سمندرون مین تیرنے کی بھی صلاحیت موجود ہے، اب تک بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ ہوائی جہازون کی قوت بیکران سمندرون کے اوپر پرواز کرتے ہوئے ختم ہو جاتی تھی جسکی وجہ سے وہ اوپر سے گر پڑتے تھے، جس سے ان کی بربادی کے علاوہ مسافرون کی جانین تلف ہوتی تھین،

لیکن اس جدید اختراع سے خاص سہولت یہ ہوگئی کہ جب انکی قوتِ پرواز کمزور ہوجائے گی تو ان کو ہوا سے اوتار کر سطحِ سمندر پر ڈال دینگے اور ان میں تیرنے کی قوت ہونے کی وجہ سے ان کی مسافت کے طے کرنے میں بھی تعویق نہ ہوگی،

امریکہ مین موٹرون کی کثرت، امریکہ مین موٹرون کی کثرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہان ان پر صرف آٹھ مہینہ مین اس قدر کثیر رقم صرف ہوتی ہے جس قدر حکومت برطانیہ عظمی نے جنگ عظیم کے دوران مین مختلف ممالک سے قرضے لیے تھے،

نیوزیلینڈ مین درندے کیون نہین ہوتے، یہ عجب اتفاق ہے کہ نیوزیلینڈ مین درندون کا سرے سے وجود نہین ہے حالانکہ بالکل اس کے قریب ہی آسٹریلیا مین وہ بہ کثرت پائے جاتے ہین، اسکی توجیہ یہ کیجاتی ہے کہ یہ مقام دنیا کے براعظمون مین حیوانات کے پیدا ہونے سے پیشتر ہی اُن سے جدا ہوگیا اسلیے یہان کسی قسم کے حیوان کا وجود نہ تھا، اسکے بعد ان براعظمون سے پرندے اڑکر یہان پہنچے جنکے پوٹون مین نباتات کے بیج تھے، یا یہ ممکن ہے کہ وہ بیج ان کے پنجون مین لگے رہ گئے ہون، اور یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سمندر نے اپنی موجون کے ذریعہ سے نباتات کے دانے اس مقام مین ڈال دئے ہون لیکن درندون کے پہنچنے کی کوئی صورت نہ نکل سکی، اسلیے ابھی تک یہ ملک ان سے خالی ہے،

آفتاب کی حرارت، ڈاکٹر چالڑ امریکہ کے ماہرینِ فلکیات مین نہایت بلند شخصیت رکھتے ہین، جنکی سی سالہ جد و جہد حرارتِ آفتاب کے متعلق بہت کچھ معلومات بہم پہنچا چکی ہے، اب ان کا مقصد ہے کہ آفتاب کی حرارت کے متعلق انتہائی کد و کاوش سے جزوی سے جزوی معلومات

مات یکجا کرین، چنانچہ اس مقصد مین کامیاب ہونے کے لیے امریکہ کی جمعیۃ جغرافیہ وطنیہ نے لاتعداد عطا کئے ہین، تاکہ ان سے مغربی افریقہ کے جنوبی حصہ مین ایک رصدگاہ قائم کیجا ہے جو کلیفورنیا اور کی رصدگاہون کو حرارتِ آفتاب کے متعلق روزانہ قیاسات و معلومات حاصل کرنے مین مدد دے سکے، پھر جب کافی سرمایہ جمع ہو جائے گا تو نصف کرۂ شرقی کے شمال مین اسی مقصد کیلئے ایک اور رصدگاہ قائم کی جائے گی،

جامع خاصکی کی محراب، بغداد مین جامع خاصکی نام ایک جامع مسجد تھی جسکی ایک محراب اب تک موجود ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ یہ نہایت قدیم اسلامی عربی تعمیر کی یادگار ہے، یہ طے ہو گیا تھا کہ اس محراب کو صندوق مین رکھکر لندن کے عجائب خانہ مین بھیجدیا جائے، مگر خیر گذری کہ بروقت عرب قدرشناسون کے شور و غل نے اس فتنہ کا خاتمہ کر دیا، اور اب یہ محراب عربی عجائب خانۂ بغداد مین ہے،

کتبخانۂ حیدریہ، عراق کی وزارت اوقاف نے یہ طے کیا ہے کہ نجف اشرف مین ایک کتبخانہ قائم کیا جائے، جس کا نام حضرت علی مرتضیٰؓ کے لقب حیدر کی مناسبت سے حیدریہ رکھا جائے، اس وقت حضرت علی مرتضیٰؓ کے مشہد مین جو کتابین موجود ہین، وہ بھی اسی کتب خانہ مین شامل کر دیجائینگی،

اسلامی فنون کی نمائش، قاہرہ (مصر) کے بعض پرجوش مسلمان یہ تجویز کر رہے ہین کہ مصر مین اسلامی ہنر و فن و صنعت کی ایک نمائشگاہ قائم کیجائے، یہ نمائشگاہ غالباً توزان پاشا کے محل واقع میدان باب الحدید مین قائم ہوگی، امیر یوسف کمال اس تحریک کے اصل بانی اور کارفرما ہین،

نیل الاوطار، فقہ اسلامی کی مشہور کتاب نیل الاوطار کے طبع ثانی کی اطلاع معارف مین پہلے شایع ہو چکی ہے، گذشتہ ماہ مین اسکی آٹھوین اور آخرین جلد بھی طبع ہوگئی، اور اسی پر کتاب بھی ختم ہوگئی، آخر مین شیخ محمد منیر دمشقی نے اصل متن منتقی اور اسکے مصنف مجدالدین ابن تیمیہ اور نیل الاوطار اور اسکے مصنف قاضی شوکانی کے حالات لکھکر اضافہ کئے ہین،

"م"

بَابُ التَّقْرِيظِ وَالْاِنْتِقَادِ

اردو کے نئے رسالے،

گذشتہ شش ماہی اردو صحافت مین دو قابل الذکر خصوصیتون کی وجہ سے ممتاز ہے، (۱) نسوانی رسائل کا اجرار اور (۲) دور دراز صوبون مین مختلف متعدد رسائل کی اشاعت،

یون تو تقریبًا ربع صدی پہلے ہی سے ہندوستان مین نسوانی طبقہ کے لیے مسلمانون مین مخصوص پرچے نکلنے لگے تھے، اور شیخ عبد اللہ صاحب وکیل علی گڈہ نے خاتون کے ذریعہ ان کا معیار بلند تر بھی کر دیا تھا، لیکن عام فقدان تعلیم اور شریف خواتین کے "ذوق مضمون نگاری" کو پرانی وضع کے خلاف سمجھنے کی وجہ سے ان کو وہ ترقی، اعلیٰ مرتبہ اور حلقہ ترکی وسعت نصیب نہین ہوئی جو اب بست و پنج سالہ مغربی تعلیم اس کے اثرات اور نتائج کی بنا پر حاصل ہو رہی ہے، اس وقت بھی تہذیب النسوان، ظل السلطان، پردہ نشین، عصمت وغیرہ بحمد اللہ اپنی زندگی قائم رکھے ہوئے ہین،

لیکن اب تک جتنے زنانہ اخبار یا رسائل شائع ہوتے تھے، ان مین زیادہ تر مردون کے ہاتھ ہوتے تھے، مگر گذشتہ دو سالون سے جو رسالے نکل رہے ہین، ان کی یہی ایک خصوصیت نہین ہے کہ ان کی ذمہ دار کارکن ہستیان علمی حیثیت سے ملند مرتبہ ہین، بلکہ ان کا تعلق بھی اسی جنس لطیف سے ہے، اور اس طرح وہ اگر اپنی بہنون کے خیالات کو بہتر سمجھتی ہین تو ان کے مطالبات کو بھی پورے زور کیساتھ پیش کر سکتی ہین، چنانچہ گذشتہ سال جو دو رسالے، سہیلی، اور سرتاج، علی الترتیب امرتسر و ملتان سے نکلنا شروع ہوئے تھے، انھون نے پنجاب صوبہ متحدہ اور بہار تک مین اپنے رفقا پیدا کر لئے ہین، ان مین سے اس سال سب سے پہلے شائع ہونیوالا رسالہ نور جہان ہے، یہ رسالہ پنجاب کے مشہور اہل قلم مولوی محمد عبد اللہ مہاس کی زیر ہدایت محترمہ سعادت

سلطان صاحبہ کی زیر ادارت جنوری ۱۹۲۷ء سے جاری کیا گیا ہے، مضامین بلند پایہ، مفید اور دلچسپ ہوتے ہیں،
اس رسالہ نے نصاب تعلیم نسوان کا تشنہ بحث موضوع چھیڑ کر ایک اہم مسئلہ کو ملک و قوم کے سامنے پیش کر دیا
ہے، اسکی سالانہ قیمت قسم اوّل ۵ر اور دوم سے ۳ر ہے، پتہ منیجر نور جہان امرتسر،

اس کے بعد جو رسالہ ہم تک پہنچا، وہ جناب لیڈی ڈاکٹر بیگم عبد الغفور کا حرم ہے، یہ رسالہ ایک تجربہ کار
و واقف حال ہاتھوں میں رہنے کی وجہ سے عام فہم، مفید، اور مطابق ضرورت مضامین کے لیے نمایاں ہے، خوش قسمتی
سے جناب لیڈی ڈاکٹر صاحبہ اور ان کے رفیق حیات دونون صاحب ذوق ہین، اسلئے پرچہ کو مفید عام بنانے کی
پوری کوشش میں مصروف ہین، جناب عبد الغفور صاحب نے رسالہ کے آخر مین ڈاکٹر براؤن انجانی کے ان خطبات
کا ترجمہ دیا ہے جو اونھون نے فٹز پٹرک خطبات (FITZ PATRICKLECTURE) ۱۹۲۰-۱۹۱۹ء
کے طور پر دیئے تھے اور جنپر معارف میں ایک مبسوط مضمون بھی شائع ہو چکا ہے، حجم ۴۸ صفحے، لکھائی چھپائی
بری نہین، قیمت سالانہ تین روپئے ہے، اس کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس سے جو فائدہ ہوگا وہ غریب اور
بیمار عورتون کے علاج پر صرف کیا جائے گا، پتہ ڈاکٹر بیگم عبد الغفور محلہ تکمان چلی بھیت،

سب سے کمسن زنانہ رسالہ عفت ہے جو صوبہ بہار کے ایک گاؤن گوڑگوانوان سے گذشتہ ماہ سے شائع
ہونا شروع ہوا ہے، عفت، اگرچہ نا تجربہ کار ہاتھون مین ہے، لیکن جس جوش، خلوص اور عزم و ارادہ
کے ساتھ نکلا ہے، اس کو دیکھتے ہوئے اس کی کامیابی کے ہم متوقع
ہین، زیب النساء چھپرہ کی چند ماہ زندگی کے خاتمہ کے بعد عفت کا نکلنا صوبہ بہار و بنگال کے لیے یقیناً ایک
بڑی کمی کی طرف پہلا تکمیلی قدم ہے، اسکی مرتبہ جناب صالحہ خاتون صاحبہ ہین، قیمت سالانہ تین روپیے، پتہ
منیجر عفت آستانہ گورگوانوان، ڈاکخانہ کھگول، (پٹنہ)

اسی سلسلہ مین انجمن خواتین دکن کے رسالہ کا تذکرہ شاید بے محل نہ ہوگا، بیگم صاحبہ سر امین جنگ بہادر
اسکی اڈیٹرس ہین، بیگم صاحبہ کا نام متعدد کتابون کی مصنفہ ہونے کے سبب سے تعلیم یافتہ خواتین ہند مین

خاص طور سے نمایان ہی، یورپ کے دوران مباحث مین اپنے طبقہ کے جذبات، مرتبہ اور حقوق کے متعلق
عام مجالس مین جس خوبی سے اظہار فرمایا اس سے اکثر اخبار بین اصحاب واقف ہونگے، ہم خوش ہین کہ بہار
کی ایک محترمہ خاتون، دکن مین اس عام شکایت کی جو بہار کی مسلم خواتین کے متعلق ہے، تلافی کر رہی ہین
پتہ :- مینیجر النسا، تالاب ما نصاحب صغرا منزل حیدرآباد دکن،

گذشتہ سال اردو کے متعدد رسالے نکلے اور ان مین سے اکثر رسائل پر جون کے نمبر مین تنقید کر دی گئی تھی، عام
طور سے یہ تمام رسائل ایک ہی طرح کے ہین، اور اگر سہیل اس سال شائع ہونا شروع نہ ہوتا تو یہ سال اعلیٰ
رسائل کے لحاظ سے بالکل ہی خالی ہوتا، ان رسائل کے مقاصد مین وہی ہمہ گیری ہے، اور اگر ایک کا سرورق دوسرے
پہ لگا دیا جائے تو کوئی فرق نہ ہو گا، البتہ جیسا کہ ہم نے ابتدا ہی مین بتایا ہے، ان مین سے متعدد رسائل صوبۂ
بمبئی اور ایک صوبہ برما سے نکلنے کی وجہ سے مستحقِ توجہ ہین، صوبہ بمبئی مین چند اردو دوست اصحابِ علم کی بدولت
اردو کی توسیع و ترویج کی عام کوشش ہو رہی ہے، اور وہان کا تعلیمی محکمہ بھی اس مین حصہ لے رہا ہے، عہد
ترکِ موالات مین خلافت وغیرہ کے متعلق جو لٹریچر بمبئی سے شائع ہوتا رہا وہ چونکہ عموماً اردو ہی مین ہوتا تھا
اس لئے اردو کو بالواسطہ اس چیز نے بھی وہان قوت بخشی، زبان " کاٹھیاوار کا پہلا علمی و ادبی ماہوار رسالہ
ہے، اس کے اڈیٹر عبدالرحمن صاحب خوشتر ہین، اردو دانانِ کاٹھیاوار کا یہ پہلا عملی قدم ہے، مضامین سے اعلیٰ
علمی ذوق کا پتہ چلتا ہے، امید ہے کہ کاٹھیاوار اپنے شایانِ شان ترقی اس رسالہ کو بخشنے مین کامیاب ہوگا
ضخامت ۴۰ صفحے سالانہ چندہ للعہ، پتہ :- مینیجر زبان، منگرول، (کاٹھیاوار)

دوسرا رسالہ خاص شہر بمبئی سے نکلتا ہے، اقتباس ۴۰ صفحات کا رسالہ ہے، جناب شبیر بدایونی
زیری اڈیٹر، ہین، مضامین تاریخی و ادبی ہوتے ہین، لیکن ان کا زیادہ تر حصہ ترجمہ ہوتا ہے، ایک
ثلث سے زیادہ اوراق وقفِ نظم ہین، معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد بنی امیہ کو برا بھلا کہنا بھی ہے،
کہ صرف ایک جولائی نمبر مین کامل ایک جزو اسی قسم کے تراجم پر وقف کیا گیا ہے، ایک عنوان ہے

امیر معاویہ کے دربار میں" اور "کے خلاف حق گو عورتوں کے بیانات" حالانکہ یہ واقعات مولانا حالی مرحوم نے اپنے ایک مضمون "خواتین اسلام" شائع شدہ معارف علی گڈھ میں آج سے تیس بتیس برس پہلے لکھدیئے تھے، اسی طرح اقتباس کے دوسرے مضامین میں بھی اس قسم کی چیزیں ملتی ہیں حق کے اظہار میں ایسا اسلوب بیان اختیار کرنا مناسب نہیں جو فائدہ کے بجائے مزید افتراق کا موجب بنے، سالانہ قیمت للعہ پتہ دفتر اقتباس قادر بلڈنگ بمبئی۔

اسی تجارتی شہر سے تجارت نام ایک اور صحیفہ جناب قاضی محمد عطاء اللہ صاحب ندوی مالک حجازی پریس کے زیر ادارت نکلنا شروع ہوا ہے جس میں عام مضامین کے ساتھ بمبئی کی مناسبت سے تجارتی مضامین ومعاملات اور خبروں کا خاص اہتمام ہے، قیمت پتہ: منیجر تجارت بھنڈی بازار بمبئی ۹ سینٹر سے

ادبستان نام ایک ادبی رسالہ بھی نکلنا شروع ہوا ہے، "انجمن معین الادب کا علمی وادبی ماہوار رسالہ" ہے، مضامین ادبی، دلچسپ بھی ہیں، افسانے بھی دلچسپ ہیں، انتخاب بھی برا نہیں، نظم کا بھی حصہ ہے، کاش "ذوق سلیم" کو اس سے زیادہ بلند تر اور سنجیدہ ومتین بنانے کی امکانی کوشش کیجاتی، اس کے ساتھ ہر مہینہ کے پرچہ میں عام مذاق کی تصاویر بھی ہوتی ہیں، حجم ۲ جزو سالانہ قیمت للعہ پتہ دفتر ادبستان ۱۲۳ داور مین روڈ بمبئی۔

برما کے دور دراز صوبہ سے بھی اردو کی آواز سنائی دیتی ہے، جناب محمد عبد الغفار خان نے مانڈلے سے ایک علمی وادبی ماہوار، قابل توجہ تحفہ شائع کرنا شروع کیا ہے، مضامین قابل شکایت نہیں ہیں، اور ہم کو امید ہے کہ تحفہ نے اگر موجودہ معیار ہی قائم رکھا تو برما میں کم از کم احساس علم پیدا کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائے گا، رسالہ ۲ جزو کا ہے، برما کے لحاظ سے طباعت بھی بری نہیں، اگرچہ ہماری آنکھیں اس سے بہت بہتر دیکھنے کی متمنی ہیں، قیمت سالانہ للعہ، پتہ: منیجر تحفہ بی، روڈ، مانڈلے، برما،

حکومت برطانیہ کے دوسرے بڑے شہر کلکتہ کے افق مشرقی سے ایک درخشاں آفتاب طلوع ہونا شروع ہوا ہے، بنگال وبہار کی زمین اردو صحافت کے لیے جس قدر بنجر رہے، ان کو دیکھتے ہوئے،

اس رسالہ کے مفید مضامین حسن ترتیب، دلچسپ افسانے اور علمی معلومات کا ذخیرہ لائق تحسین ہے، "ہمارے پانچ قومی شعراء" کا کشت زعفران مضمون بہت ہی اچھا ہے، اور گو گمنام چھپا ہے، مگر "عطار" کی لب کشائی سے بے نیاز ہے؛ "مشرقی ہندوستان" کے اردو دان اصحاب سے ہم اسکی ہمت افزائی کی سفارش کرینگے؛ لکھائی چھپائی قابل شکایت نہیں، ہر ماہ متعدد سادہ اور رنگین تصاویر بھی ہوتی ہیں، حجم ۷۰ صفحات قیمت عہ، پتہ:- منیجر آفتاب نمبر ۱ بابو گنگادھر لین، کلکتہ،

بنگال کے بعد صوبۂ بہار کے ضلع چھپرہ سے بابا خلیل احمد داس صاحب نے جو سنسکرت کے عالم ہیں تبلیغی سلسلہ میں ایک ماہوار رسالہ مصلح شائع کرنا شروع کیا ہے، ہم کو اس کے صرف "نمونہ" کا پرچہ ملا ہے؛ اس میں یجروید کے بعض منتروں کا ترجمہ اور دوسرے اختلافی مباحث پر مضامین ہیں، جہانتک معلوم ہوتا ہے وہ اس کے ذریعہ ویدوں کا اردو ترجمہ شائع کرنا چاہتے ہیں، اگر ایک مستند ترجمہ ہو جائے تو بڑی بات ہو، سالانہ قیمت سے، پتہ:- سیوان ضلع چھپرہ،

گذشتہ ماہ سے دہلی سے الکامل نامی ایک رسالہ بھی شائع ہونا شروع ہوا، اب تک ہم کو اس کا صرف ایک نمبر ملا، متنوع مضامین کا مجموعہ ہے، ابو علی صاحب آزاد بہاری اس کے اڈیٹر ہیں، سالانہ قیمت عہ پتہ:- دفتر چشمۂ کامل دہلی،

"اسوۂ حسنہ" لاہور کا رسالہ اور خود اپنی زبان میں "مذہبی، اصلاحی، تبلیغی، معاشرتی مضامین کا دلچسپ مخزن" ہے چنانچہ ہر موضوع پر ایک دو صفحے ہوتے ہیں، لکھائی چھپائی معمولی، ضخامت ۴۰ صفحے، قیمت سالانہ عہ، پتہ:- منیجر اسوۂ حسنہ امرتنگ لاہور،

گذشتہ دو مہینوں میں دو اردو کے رسالے بیدار اور الاکرام بھی نکلنا شروع ہوئے ہیں، اول الذکر قصاب برادری کا وکیل اور مؤخر الذکر مومن برادری کا حامی ہے، ان کے اب تک صرف دو نمبر موصول ہوئے ہیں، دونوں رسالے اپنی برادریوں کی اصلاح و ترقی اور ضروریات کے مطابق مضامین شائع کرتے ہیں،

ہم پیشہ وار قومیت کے اسلام مین حامی نہین، اسلیے کہ اس سے ایک طرف اسلام کے اتحاد کا شیرازہ پراگندہ ہونے کا اور دوسری طرف ہندوؤن کی طرح مسلمانون مین بھی ذات پات کے تعصبات کی بنیاد پڑنے کا اندیشہ ہے، ان دو باتون کے تحفظ اور بچاؤ کے ساتھ اگر یہ رسالے کامیابی حاصل کرین تو نہایت مبارک، بیدار بڑی تقطیع کے ۲۰ صفحات پر شائع ہوتا ہے لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے، قیمت سالانہ عہ، پتہ:- منیجر رسالہ بیدار جوالاپور ضلع سہارنپور، الاکرام پندرہ روزہ ہے، اور ۲۰ صفحات پر شائع ہوتا ہے، سالانہ سے، پتہ:- ناظم الاکرام سوہ سرائے ضلع پٹنہ،

حمایت اسلام لاہور کا ماہوار رسالہ اب ہفتہ وار اخبار کی صورت مین بدل گیا ہے، اس مین زیادہ تر انجمن مذکور کے مقاصد ہی کے متعلق مضامین ہوتے ہین، اور ساتھ ہی اسلام اور دیگر مسائل اسلامی پر بھی تحریرین اور شذرات شائع ہوتے رہتے ہین، حمایت اسلام نہ صرف پنجاب کی بلکہ کل ہندوستان کی اسلامی انجمنون مین سب سے زیادہ عملی اور کامیاب ہے، اگر باہمی تخالف ونفاق سے اس کا دامن پاک ہوتا تو اور زیادہ اسکی ترقی کی امیدین تھین، جہان تک اخبار کا تعلق ہے اسکی پالیسی روادارانہ ہے، اور شخصی جھگڑون سے پاک ہے اور خوش سلیقگی سے مرتب کیا جاتا ہے، اقتباسات بھی دلچسپ ہوتے ہین، مذہبی رنگ غالب ہے، قیمت سالانہ سے، پتہ دفتر انجمن حمایت اسلام لاہور،

لکھنؤ کا النجم پہلے اخباری صورت مین تھا، اب کچھ دنون سے پندرہ روزہ رسالہ کی شکل مین بدل گیا ہے، اہلسنت کا واحد رسالہ ہے جو اہل تشیع کے دس پندرہ اخبارات و رسائل کے مقابل مین سینہ سپر رہتا ہے، مولانا عبد الشکور صاحب جو اسکے اڈیٹر ہین شیعہ و سنی کے اختلافی مسائل کے سوال و جواب و مناظرہ مین کافی دستگاہ رکھتے ہین، اور جو چیز انکی قابل تعریف ہے وہ یہ ہے کہ وہ جوابات مین عام مناظرین کی طرح کبھی اپنے دامن کو ابتذال اور سب و شتم سے آلودہ نہین کرتے، موصوف نے اہلسنت سے اپیل کی ہے کہ وہ کم از کم دو ہزار اسکے خریدار پیدا کرین تو یہ رسالہ اپنے خدمات پوری طرح بجا لائے، النجم مین صوری تغیر کے ساتھ ایک معنوی تغیر یہ بھی ہوا ہے کہ وہ اہل تشیع کے ساتھ آریہ سماجی لٹریچر کا بھی جواب دینے لگا ہے قیمت سالانہ للعہ، دفتر النجم لکھنؤ،

"ن"

مطبوعات جدیدہ

خلق عظیم، بعثت نبوی کی غایت مکارم اخلاق کی تکمیل تھی، اسلیے کتب احادیث صرف عبادات و معاملات کے ابواب کا مجموعہ نہین، بلکہ وہ اخلاقی تعلیمات کا ایک گرانمایہ سرمایہ بھی ہین جنمین روح اسلام کی حقیقی جلوہ ریزی ہے، جناب مولوی میرولی اللہ صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل ایبٹ آباد کی یہ دینی و ملی خدمت مستحق صد آفرین ہے، کہ انھون نے بعثت لاتمم مکارم الاخلاق کی صحیح تصویر "خلق عظیم" مین پیش کرکے اسلام کی حقیقی تعلیمات کو دنیا کے سامنے نمایان کیا ہے، "خلق عظیم" مین اخلاقیات کے ۴۰ ابواب قائم کئے گیے ہین، اور ہر باب کے ذیل مین اسکی مناسبت سے پہلے آیۂ کریمہ نقل کی ہے، پھر مختلف کتب احادیث سے صحیح حدیثین حوالہ کے ساتھ مع ترجمہ جمع کی ہین، اور جن احادیث کی تشریح کی ضرورت سمجھی انکی تشریح بھی کردی ہے، ضخامت ۱۵۰ صفحے، لکھائی چھپائی، اور کاغذ عمدہ، اور قیمت ۱۲؍ ہے، منیجر دار الاشاعت بادۂ ناب ایبٹ آباد کے پتہ سے مل سکتی ہے،

تاریخ السلف، جناب مولوی خواجہ سید عبد الباری صاحب معنی نے نہایت محنت، کوشش اور جانفشانی سے حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدینؒ کے سوانح حیات "تاریخ السلف" کے نام سے لکھے ہین، حضرت سلطان الہند کے حالات زندگی بہت سے تذکرون مین ہین اور ان کے علاوہ آپکے حالات پر مستقل کتابین بھی لکھی گئی ہین، لیکن ان کے بیانات ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد ہین، اسلیے مؤلف تاریخ السلف نے کتاب کے ایک بڑے حصہ مین ان تذکرون اور سوانح عمریون مین سے ہر ایک پر علحدہ علحدہ ناقدانہ نظر ڈالی ہے، اور سب کے رطب و یابس کو سامنے رکھدینے کی کوشش کی ہے، حالات کا حصہ ہے، جسکی ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ حضرت خواجہؒ کے مقدس سوانح کی بہت سی

تاریخین اور سنین دریافت کئے گئے ہین اور مختلف روایات مین باہم تطبیق یا ترجیح کی کوشش کیگئی ہے، ضخامت ۱۵۶ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی ہے، جناب مولف سے آستانہ عالیہ اجمیر کے پتہ سے ملسکتی ہے،

بچون کا قاعدہ، جناب سجاد مرزا صاحب ایم اے رکنتب ؟صدر مہتمم تعلیمات صوبہ گلبرگہ نے چھوٹے بچون کی تعلیم کے لیے جدید اصول تعلیم کے مطابق یہ بچون کا قاعدہ مرتب کیا ہے جس سے امید ہے کہ بہت کم وقت مین بچے اردو پڑھنے کی صلاحیت پیدا کر لین گے، رسالہ مین کل بائیس سبق مین اور ہر سبق کی ابتدا مین اس کے طریقۂ تعلیم کے متعلق معلم کو ہدایتین دیگئی ہین، ان معنوی خوبیون کے ساتھ اس کے ظاہری محاسن یعنی کاغذ اور طباعت وکتابت کی خوشنمائی بھی بچون کے حسب حال ہے، دی حیدرآباد بک ڈپو چادر گھاٹ حیدرآباد دکن کے پتہ سے ملسکتی ہے،

نقشۂ مقامات مقدسہ و عالم اسلام، جناب عبدالرحمن بن ابراہیم صاحب فلیتے والے نے مقامات مقدسہ اور موجودہ عالم اسلام کا ایک خوبصورت نقشہ مرتب کیا ہے جس مین تمام عالم اسلام کو جدا جدا رنگ مین نمایان کرکے ان کے بری وبحری راستے مع ریلوے لائن وغیرہ کے نہایت وضاحت سے بتائے گئے ہین، یہ نقشہ ۴۰×۳۰ انچ کی تقطیع پر سفید اور عمدہ چکنے کاغذ پر بہترین لکھائی چھپائی کے ساتھ شائع کیا گیا ہے، قیمت غیر مجلد عہ، مجلد ؏ پتہ:- مولوی شرف الدین الکتبی واولادہ تاجران کتب معرفت بھنڈی بازار بمبئی نمبر ۹،

تبصیر بجواب اشتہار تنویر، اہل تشیع آیہ الیوم اکملت الخ کی شان نزول کے سلسلہ مین جو حدیث موضوع روایت کرتے ہین اس پر زیر تبصرہ رسالہ مین عالمانہ شان تحقیق سے بحث کیگئی ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۴۵ صفحے، کاغذ اچھا اور لکھائی چھپائی معمولی ہے، پتہ:- انجمن اہلحدیث سیالکوٹ۔

بچون کی دیکھ بھال، جناب مجیب الدین صاحب ایل ایم پی نے ایک رسالہ مین یورپ کے جدید علم طب کی ہدایات کی روشنی مین بچون کی پرورش اور نگہداشت کے طریقے ان کے روز پیدایش سے

پانچ چھ برس کی عمر تک کے لیے بتائے ہیں، اس رسالہ کو "بچوں کی دیکھ بھال" کے نام سے چھوٹی تقطیع کے ۲۶ صفحون میں شائع کیا ہے، قیمت ۸ر

المصباح، علامہ تقی الدین احمد بن علی المقریزی متوفی ۸۴۵ھ کا ایک رسالہ "تجرید التوحید" ہے، جس میں اسلام کے مسائلِ توحید کو شرح و بسط سے بیان کیا گیا ہے، جناب مولنا محمد صاحب بہاری نے اسی رسالہ کا اردو ترجمہ "المصباح" کے نام سے شائع کیا ہے، ترجمہ صاف سلیس اور روان ہے، لیکن افسوس ہے کہ جناب مترجم نے رسالہ کے بعض بکر مضامین حذف کر دیئے ہیں جس سے اگرچہ نفس مطلب اور مفہوم میں کوئی کمی پیدا نہیں ہوئی، لیکن اس سے اصل رسالہ ناقص رہ گیا ہے، ضخامت ۴۴ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت ۲ر پتہ:- منیجر صاحب کشکول بک ایجنسی ڈاکخانہ مہندرو پٹنہ،

سیرۃ ازواج النبی حصہ اوّل، مولانا حکیم ابوالبرکات عبدالرؤف صاحب داناپوری نے امہات المومنین کے مختصر سوانح حالات مرتب کرنا شروع کئے ہیں جس کا پہلا حصہ حضرت ام المومنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے مختصر سوانحِ زندگی کے متعلق شائع ہوا ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۲ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، قیمت ۳ر پتہ:- جناب عبدالرشید خانصاحب مالک کمالی پریس نمبر ۱/۲ اسمٰعیل مدرلین کلکتہ،

نفحۂ عنبریہ، جناب مولانا عبدالشکور صاحب اڈیٹر النجم لکھنؤ نے اس نام سے آنحضرت صلعم کے احوال مبارکہ میں ایک مختصر کتاب لکھی ہے، جسمین اختصار کے ساتھ تمام حالات پیدائش سے وفات تک مع غزوات کے سب آگئے ہیں، یہ مختصر رسالہ اس لائق ہے کہ عورتوں اور بچوں اور عام مسلمانوں کے مطالعہ میں رہے، قیمت ۸/۱ر، پتہ: دفتر النجم پاٹانالہ لکھنؤ،

وید کیا چیز ہے، پنڈت سیتہ دیوجی کا یہ رسالہ بھی ویدک تحقیقات کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس میں وید کے لفظ کی کیا تعریف ہے؟ وید کے لفظ کی کیا حقیقت ہے؟ ویدوں کے بنانے والے کون ہیں؟ وید کہاں سے نکلے؟ وید کیوں بنائے گئے؟ وید سے کیا فائدہ؟ وید کے دیوتا کہاں رہتے ہیں؟ وغیرہ "سوالات" کے جوابات ہندوؤں کی مستند کتابوں سے دیئے گئے ہیں اور اختلافات کا منبع دکھایا گیا ہے، قیمت درج نہیں، پتہ:- دفتر دھرم دیواکر، کاشی بنارس،

ری کے سوانح حیات اور مجددانہ کارنامے طبع دوم

عہ

لسند حصہ اوّل، شروع سے آج تک کے اُردو شعرا

دوان کے ہر قسم کے کلام کی تنقید اور اصناف شاعری

ت اور ہر صنف پر مستقل نقد قیمت للعہ

را لسند حصہ دوم، اس مین اُردو شاعری کے

م انواع و اصناف پر تاریخی اور ادبی حیثیت سے مفصل

کیا گیا ہے، قیمت للعہ

رت نسوانی، عورت کے فطری قوی پر ایک

لیانہ بحث قیمت عہ

مولوی عبد الباری ندوی،

ے اور اس کا فلسفہ، مشہور فلاسفر برکلے کے

ت زندگی اور اس کے فلسفہ کی تشریح مجلد عہ

ر مجلد عہ

دی علم انسانی، مادیت کی تردید مین برکلے کی

کتاب پرنسپلس آف ہیومن نالج کا نہایت فہمیدہ

یدہ ترجمہ جسمین حیات انسانی پر بحث کرکے مادیت

ال کیا ہے، مجلد عہ، غیر مجلد عہ

مولوی عبد الماجد بی اے

ی بحر المحبت، شیخ مصحفی کی ایک نایاب

سوانح مصحفی قیمت ۱۲ر

بات، جذبات انسانی کی نفسیاتی تشریح

عہ

اسلام، اسلامی تصوف کا عطر اور عہد بعید

کے ایک ایک امام تصوف کی سوانحعمری اور ان کی

تصانیف کے حقایق کا بیان قیمت عہ

پیام امن، موسیو رچرڈ پال ایک فرانسیسی مصنف کے

خیالات در بارۂ امن عالم و اخوت انسانی و خون آشامی

دول یورپ کی ترجمانی ہے، اس کے بعد مولوی صاحب مرحوم

کا تبصرہ ہے جس مین انھین مسائل پر انجیل اور قرآن کی تعلیمات

کی تفصیل ہے، اردو مین بالکل نئے خیالات ہین، ۱۹۰ صفحے

قیمت عہ

مکالمات برکلے، مشہور فلاسفر برکلے کے ڈائلاگس

کا ترجمہ جس مین مکالمہ کی صورت مین برکلے نے مادیت کا ابطال

کیا ہے قیمت باختلاف کاغذ طبع دوم عہ و عہ

مولوی سعید صاحب انصاری

تفسیر ابو مسلم اصفہانی عربی، معتزلہ کی مفقود اور

نادر الوجود عقلی تفسیر قرآن کے اجزا جو نہایت دیدہ ریزی

سے امام رازی کی تفسیر کبیر سے جمع کئے گئے ہین عمدہ ٹائپ

مین چھپی ہے قیمت عہ

سیر الصحابیات، ازواج مطہرات، بنات طاہرات

اور عام صحابیات کی سوانحعمریان اور انکے علمی اور اخلاقی کارنامے قیمت عہ

سیر الانصار حصہ اول، انصار کرام کی مستند سوانحعمریان

اور ان کے اخلاقی اور مذہبی کارنامے، عہ

ایضاً حصہ دوم، انصار کرام کے بقیہ حالات اور ان کے

اخلاقی اور مذہبی کارنامے، عہ

مولوی محمد یونس مرحوم فرنگی محلی،

روح الاجتماع، موسیو لیبان کی کتاب اجتماعات انسانی

کے اصول نفسیہ، کا اردو ترجمہ جس میں انسانی جماعت کے اخلاق پبلک، ہیئتاؤں کی خصوصیات اور جماعتوں کے بننے اور بگڑنے کے قوانین ضمنی بیان کئے گئے ہیں صفحہ ۴۴۴، ۶،

ابن رشد، مشہور مسلمان اندلسی حکیم جو مسلمانوں میں ارسطو کے فلسفہ کا بہترین شارح سمجھا جاتا ہے، اور جس کی تعلیمات مدتوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی تھیں اس کے سوانح اور اس کے فلسفہ پر تبصرہ اور اسی ضمن میں مسلمانوں کے علم کلام و فلسفہ پر بھی ریویو، اور یورپ میں اسلامی علوم کی اشاعت کی تاریخ اور فلسفہ جدیدہ و قدیمہ کا موازنہ بھی آگیا ہے، ابن رشد کے متعلق اتنا بڑا ذخیرۂ معلومات کسی مشرقی زبان میں کیا کسی مغربی زبان میں بھی نہیں مل سکتا،

ضخامت ۴۰۰ صفحے، قیمت ۲ روپیہ

پروفیسر سید نواب علی، ایم، اے،

معارج الدین، جدید علم کلام پر ایک محققانہ تصنیف، فلسفہ جدیدہ اور مذہب کی باہمی تطبیق پر بہترین تبصرہ،

تاریخ صحف سماوی، توراۃ انجیل اور قرآن مجید کی جمع و ترتیب کی تاریخ کا باہمی موازنہ اور مخالفین اسلام کے اعتراضات کا جواب، قیمت

شمع سخن، پروفیسر صاحب کی اخلاقی نظموں کا مجموعہ قیمت

مفتی انوار الحق صاحب ناظم تعلیمات بھوپال

حقایق اسلام، اسلامی مسائل کی فلسفیانہ عقلی تشریح، اعلی

حسب ذیل قلمی اور نادر کتابیں معرض فروخت میں ہیں

شائقین علم جس کتاب کو پسند فرمائیں، اس کی قیمت کے متعلق مشتہر سے خط و کتابت کریں،

نام کتاب	نام مصنف	علم	زبان	سنہ کتابت نسخہ	مختصر حالات
صور الافلاک	حسین بن عمر،	فلکیات	عربی	سنہ ۱۲۲۱ھ	مصنف کے وقت میں مصنف کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخہ سے مقابلہ کیا گیا ہے تو سو برس زائد کا لکھا ہوا ہے ستاروں کی تصویریں ہر ایک بیان میں ہیں اس کتاب کی نظیر نہیں مل سکتی ہے لاجواب ہے، اب تک شائع نہیں ہوئی ہے
کلیات حکیم ہمام،	حکیم ہمام،	دیوان	فارسی	دست خط مصنف	یہ کتاب خود مصنف کی بیاض جو [illegible] ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اور شہنشاہ اکبر کے دربار میں رحل زرین پر رکھکر پڑھی جاتی تھی، ثبوت کتاب میں موجود ہے، اب تک شائع نہیں ہوئی ہے،
دیوان حسان،	حضرت حسان بن ثابت	دیوان	عربی	سنہ ۱۱۳۲ھ	کتاب خوشخط خط پاکیزہ ہے بہت قدر ہے،

نام کتاب	نام مصنف	علم	زبان	سنہ کتابت نسخہ	مختصر حالات
مرصاد العباد،	مولانا نجم الدین رازی	تصوف	فارسی	سنہ ۶۲۶ھ	مصنف کے زمانہ کی لکھی ہوئی کتاب ہے، سات سو برس سے زائد کی لکھی ہوئی نہایت بے نظیر اور قابل قدر ہے، اب تک شائع نہیں ہوئی ہے،
فتوحات مکی،	ابن عربی	"	عربی	سنہ [illegible]ھ	قریب قریب زمانہ مصنف کی زائد از چھ سو برس کی لکھی ہوئی ہے، نہایت قدیم قابل قدر اور بے نظیر نسخہ ہے،
کتاب الحکم	ابن عطاء اسکندری	"	"	تحریر نہیں	بہت پرانا نسخہ ہے اور بوجہ قدامت کے بے حد قابل قدر ہے، اس زمانہ میں نایاب ہے، اب تک شائع نہیں ہوئی ہے،
تاریخ تلمسانی	احمد بن یحییٰ،	علم الرجال	"	سنہ [illegible]ھ	پانچسو برس سے زائد کی لکھی ہوئی کتاب ہے، اس وقت نایاب اور بوجہ قدامت کے بے نظیر ہے، اب تک شائع نہیں ہوئی ہے،
یتیمۃ الثعالبی،	علامہ شمس الدین نیشاپوری،	ادب	عربی	سنہ [illegible]ھ،	بہت خوشخط چار سو برس کی لکھی ہوئی نہایت قابل قدر ہے، اب تک شائع نہیں ہوئی ہے،
کتاب المحاسن والمساوی	عمر بن جاحظ	ادب و اخلاق	عربی	•	یہ کتاب نایاب ہے، اور یہ نسخہ بہت ہی پرانا لکھا ہوا بے مثل و قابل قدر ہے، اب تک شائع نہیں ہوئی ہے،
تفسیر زیدی	امام ابو القاسم	تفسیر	•	•	یہ کتاب زید بن محمد بن الحسن بن ابی القاسم بن محمد بن علی کے کتبخانہ کی ہے، نہایت خوشخط بخط نسخ ہے، کاغذ بہت عمدہ ہے، اب تک شائع نہیں ہوئی ہے،
اشکال الحدیث	علامہ فورک اصفہانی	حدیث	"	•	یہ کتاب نایاب ہے، اور نسخہ بہت ہی پرانا لکھا ہوا بے مثل قابل قدر ہے، اب تک شائع نہیں ہوئی ہے،
صحیح مسلم شریف	امام مسلم	"	"	سنہ [illegible]ھ	یہ نسخہ سات سو برس کا لکھا ہوا عمدہ خط نسخ نہایت پاکیزہ کاغذ قدیم حنائی یہ کتاب شاہی کتبخانہ کی ہے، حاشیہ پر کیڑوں نے کسی قدر خراب کر دیا ہے،
کتاب المتبع،	محب الدین ابی البقاء عبد اللہ بن الحسین العکبری	نحو	•	سنہ [illegible]ھ	کتاب خوشخط، کاغذ قدیم، باعتبار سات سو برس کی لکھی ہوئی ہے، باعتبار اپنی خوبیوں کے بے نظیر ہے، یہ کتاب اس زمانہ میں نایاب ہے، اب تک شائع نہیں ہوئی ہے،
تلخیص شمائل،	امام مسلم،	حدیث	"	سنہ [illegible]ھ	چھ سو برس سے زائد کی لکھی ہوئی ہے، بلحاظ نایاب اور قابل قدر ہے،

نام کتاب	نام مصنف	علم	زبان	کتابت نسخہ	مختصر حالات
تاریخ الحکما [illegible]	.	تاریخ	فارسی	تحریر نہیں	یہ کتاب بسبب قدیم [illegible] کا غذ بہت قدیم زمانہ کا خط [illegible] ہے، بوجہ کہنہ ہونے کے اصلی چمک روشنائی کی باقی نہیں رہا ہے، [illegible] و اسلام کی تواریخ ہے، بہت قابل قدر ابتک شائع نہیں ہوئی ہے،
سیر السلوک،	.	تواریخ	فارسی	تحریر نہیں	یہ کتاب بہ حالات سلطنت سلجوقیہ بعہد سلطان ملک شاہ سلجوقی تصنیف ہوئی، یہ نسخہ شہرار [illegible] تالیف سے ایک [illegible] برس بعد کا لکھا ہوا ہے، اب تک شائع نہیں ہوئی ہے،
روزنامہ بہادر شاہی	.	"	"	"	نہایت خوشخط، بہادر شاہ اول ابن اورنگزیب بادشاہ کے عہد کا روزنامچہ ہے، ابتک شائع نہیں ہوا ہے،
تاریخ عہد شاہ عالم ثانی	.	تواریخ	فارسی	تحریر نہیں	یہ کتاب شاہ عالم ثانی کے عہد کی تواریخ ہے،
تذکرہ امراء دکن	.	"	"	"	امراء والاقدر دکن کی تواریخ نایاب بے حد قابل قدر ہے،
بہارستان جامیؒ	مولانا جامی رح	"	"	"	مطلا اور مذہب، اعلیٰ درجہ کی خوشخط بخط ولایت ہے، کتاب بھی قابل قدر
یتیمۃ الدہر،	.	"	عربی	سنہ ۴۲ ھ	پانسو برس کا لکھا ہوا نسخہ ہے زمانہ میں نایاب اور اس لحاظ سے بہت قابل قدر ہے، ابتک شائع نہیں ہوا ہے،
کتاب الاسانید،	ملا عابد سندی	علم الرجال	"	تحریر نہیں	بہت قدیم لکھی ہوئی کتاب ہے ابتک شائع نہیں ہوئی ہے بوجہ قدامت اور نایابی کے بہت قابل قدر ہے،

شیخ علی اصغر معرفت مینیجر معارف اعظم گڈھ،

صحاب، نجد، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۴۵۱ قیمت، ؎؎

سیرت عائشہؓ، طبع دوم، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالاتِ زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات اور اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات ؎

دروس الادب عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترجمہ قیمت ۲ر

دوسری ریڈر طبع سوم ۴ر

رسالۂ اہل السنت والجماعہ، فرقہ اہل سنت والجماعہ کے اصولی عقائد کی تحقیق، طبع دوم ۴ر

حیات مالکؒ، امام مالک کی سوانح عمری اور موطاے امام مالک پر تبصرہ عہ

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانانِ ہند اور خلفاے اسلام کے تعلقات اور سلاطین کے سکون اور کتبون سے ان کا ثبوت ۸ر

دنیاے اسلام اور خلافت، موجودہ عہد مین خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کیلئے دنیا کی مسلمان قومین کیا جد وجہد کر رہی ہین، مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہین، قیمت ۲ر

خلافت عثمانیہ اور دنیاے اسلام، اس مین یہ دکھایا گیا ہے کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانون اور اسلامی ملکون کی گذشتہ صدیون مین کیا کیا خدمتین انجام دی ہین، عہ

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتون کے مجاہدانہ اخلاقی بہادری کے کارنامے طبع سوم، ۴ر

بشری، عیسائیون کا اعتراض تھا کہ مسلمانون کا خدا قہار و جبار ہے، اس مین اس کا جواب دیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ اسلام مین محبت اور رحمت الٰہی کا کیا درجہ ہے، اور مذہب کس قدر ہمہ تن محبت ہے اور اس باب مین اسلام کی تعلیم کیا ہے؟ قیمت ۸ر

لغات جدیدہ، یعنی چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری مطبوعہ معارف پریس قیمت ؎

خطبات مدراس، یعنی سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوون پر آٹھ تقریرین گویا آنحضرت صلعم کی تمام پیغمبرانہ زندگی کا خلاصہ ہین، قیمت ؎

مولانا عبد السلام ندوی،

اسوۂ صحابہ جلد اول، صحابہؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر، اور قرون اولی کے اسلام کا عملی خاکہ، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے، ضخامت ۳۰۰ صفحے قیمت ؎

ایضاً جلد دوم، صحابہؓ کے سیاسی انتظامی اور علمی کارنامون کی تفصیل ضخامت ۴۵۰، قیمت ؎

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قومون کی ترقی و تنزل کے قوانین فطرتی کا خلاصہ، طبع دوم قیمت ۶ر

اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارنامون کا مرقع، عہ

سیرت عمر بن عبد العزیزؒ، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ

مسعود علی ندوی منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ،

رجسٹرڈ نمبر ۱۷۸۱

معارف

مجلس دار المصنفین کا علمی ماہوار رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

فروری ۱۹۲۷ء

قیمت:- للعہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوا

فہرست کتبخانہ تجارتی دار المصنفین اعظم گدھ

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم حصہ اول بابت دوم تقطیع … حالات نبوی از ولادت تا ختم غزوات قیمت باختلاف کاغذ سے، للعہ،

ایضاً حصہ دوم، کارنامۂ نبوی تکمیل شریعت تاریخ احکام وفات اخلاق و شمائل وغیرہ طبع اول قیمت قسم اعلیٰ تقطیع کلان عسہ،

ایضاً حصہ دوم طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد قیمت صہ، سیہ،

ایضاً حصہ سوم تقطیع کلان قسم اول عسہ، قسم سوم سے،

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت مطبوعہ معارف پریس قیمت، للعہ،

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد حکومت کے حالات مطبوعہ معارف پریس عیہ،

الغزالی، امام غزالی کی سوانحعمری اور ان کا فلسفہ عیہ،

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہ کی سوانحعمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل، عیہ،

سوانح مولانا روم مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحعمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ عیہ،

رسائل شبلی مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ قیمت عہ،

مقالات شبلی مولانا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ، عہ،

شعر العجم حصہ اول، شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری کا آغاز، قدماء کا دور، سے،

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور، عہ،

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور، عہ،

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو سے،

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ، عہ،

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی میں ریویو، ہر،

موازنۂ انیس و دبیر مرثیہ کی تاریخ اردو میں اصول تنقید اور فصاحت و بلاغت کی تشریح اور میر انیس کی شاعری کا اس معیار سے موازنہ قیمت سے، سیہ،

سفرنامۂ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ،

مضامین عالمگیر شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات قیمت باختلاف کاغذ و طبع عیہ، عہ، ہر،

علم الکلام، مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اس کی عہد بعہد کی ترقیاں اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ،

الکلام مولانا کی مشہور تصنیف، جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے طبع سوم مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ،

عدد دوم	ماہ شعبان ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۲۷ء	مجلد نوزدہم

مضامین

شذرات

دارالمصنفین کی رکنیت کی جو تجویز ملک کے شائقین علم کی خدمت میں پیش کی گئی تھی، بحمد اللہ کہ وہ مقبول ہوئی اور اس وقت ہندوستان کے مختلف صوبوں سے جن ارکان کی درخواستیں مع زر رکنیت موصول ہو چکی ہیں، انکی تعداد آج ۵ فروری تک ۵۷ ہے جنکی صوبہ وار تقسیم حسب ذیل ہے،

صوبہ بہار ۲۲، صوبہ متحدہ ۱۳، پنجاب ۹، بمبئی، بنگال، دہلی ۴، مدراس ۲، حیدرآباد دکن ۲، بھوپال ۲، برما ۱، سنگاپور ۱،

جنکی درخواستیں آئی ہیں لیکن روپیے ابھی وصول نہیں ہوئے ہیں، انکی تعداد الگ ہے،

صوبہ بہار کے اس نمایاں امتیاز کا سبب مولوی حسن امام صاحب وارثی رئیس گیا کی مخلصانہ امداد ہے اس فہرست کو دیکھکر سب سے زیادہ تعجب ہمیں زندہ دلان پنجاب اور قدر دان علم دکن پر آیا، دکن کے متعلق تو بہر حال ہمیں اطلاع ملی ہے کہ بعض ہمدردان دارالمصنفین اس تحریک کو کامیاب بنا رہے ہیں، اور آخر فروری تک کم از کم ۵۰ ارکان کی یکمشت اعانت حاصل ہو گی، مگر ابھی تک پنجاب کی طرف سے کوئی نوید بشارت نہیں آئی، حالانکہ اردو مطبوعات کی سب سے بڑی قدر شناس آبادی اسی ملک میں بستی ہے، اور وہی اردو کی آج سب سے بڑی منڈی ہے، پنجاب کے زندہ دلو! کچھ ہماری زندہ دلی کا بھی سامان کرو،

دارالمصنفین کی یہ تحریک ڈیڑھ مہینے سے قوم کے سامنے ہے، صرف ۵۰۰ ایسے ارکان کا مطالبہ تھا جو سالانہ بیس روپیے ادا کریں، ہماری چیخ پکار اور تمام اسلامی اخبارات کی متفقہ تائید کے بعد بھی پورے ملک میں

پایہ سوا اردو کے لیے شائقین بہم نہ پہنچین جو اپنی زبان کی اعلیٰ و سنجیدہ تالیفات و تراجم کے مستقل خریدار ہونے کی ہمت کرین، تو کیا یہ خیر اردو کی ترقی کے علمی جد و جہد کرنے والون کے لیے ہمت افزا ہو گی یا ہمت شکن؟ ہم چیخ رہے ہین، چلا رہے ہین کہ ہندوارد و کو مٹا رہے ہین، لیکن غور کیجئے کہ آپ خود کیا کر رہے ہین،

ہر کس از دست غیر نالہ کند

سعدی از دست خویشتن فریاد

اردو کا کوئی ایک رسالہ بھی بتائیے جسکی اشاعت دو ہزار سے گذر گئی ہو، پھر ہندی رسالون کی اشاعت کی کثرت کو دیکھئے، مالی سرمایہ کی طرف سے اطمینان ہو جانے سے ہو اب زیب و آرائش کیلئے صرف داد نکتہ نشین مضمون نگارون کے انعامات، اچھے اصحاب قلم کو معاوضہ دیکر مضامین کے حصول کی صورتین پیدا ہوتی ہین، یہی حال کتابون کا ہے، ہزار ڈیڑھ ہزار کی تعداد کی کتابین بھی سالہا سال بک ڈپو کی الماریون کی چھاتی پر مونگ دلتی رہتی ہین، مگر یہ سرمایہ جب تک دوبارہ نقد کی شکل مین ہاتھ نہ آئے، کوئی دوسری کتاب کیونکر مطبع مین پہنچ جائے، یہی سبب ہے کہ اردو مین کتابین نسبتہ کم شائع ہوتی ہین،

اس سلسلہ مین ہم کو ملک کے سیاسی خود اختیاری نظامات سے بھی کافی شکایت ہے، ہندی مطبوعات کی کثرت اشاعت کا بہانہ کوئی [illegible] وہان سب سے بڑی وجہ اونکی ڈسٹرکٹ بورڈون اور میونسپلٹیون کے [illegible] ممبرون کا تعصب بھی ہے، اگر یہ چیز خود ہمارے مشاہدہ اور تجربہ مین نہ ہوتی تو ہم کبھی یہ حرف شکایت زبان پر نہ لاتے، ہر ضلع کی میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ اور صیغۂ تعلیم کی طرف سے کم از کم سیکڑون کی تعداد مین مکتبون، پاٹھ شالاؤن، لائبریریون اور اسکولون کے لیے رسالے خریدے جاتے ہین، مگر یہ فیض کمتر کسی اردو رسالہ کی قسمت مین آتا ہے، اب اگر صرف یو پی ہی کے ۴۸ ضلعون کا حساب لگائیے تو

مجموعی میزان کہان تک پہنچتی ہے؟

غالباً دسمبر ۱۹۱۷ء کی بات ہے، کہ میری اور مولوی عبدالماجد صاحب بی اے دریابادی کی طرف سے ایک اردو انسائیکلوپیڈیا کی تجویز اخبارات مین پیش ہوئی تھی، اور اس کے مضامین، ترتیب اور علوم و فنون کی تقسیم، ہر شعبہ کے لیے ایک ذمہ دار ماہر صاحب قلم کا انتخاب سب کچھ ہوا تھا، اور یقین ہو گیا تھا کہ جنوری ۱۹۱۸ء سے کام کا بھی آغاز ہو جائے گا، مگر ع جز کٹ گئی نخل آرزو کی یعنی یہ ساری بلند پروازیان صرف اس بھروسہ پر تھین کہ جناب راجہ صاحب محمود آباد نے از خود اسکی سرپرستی فرمائی تھی، اور خود اپنی طرف سے اس کام کے لیے ایک لاکھ کا وعدہ فرمایا تھا جب سال بدل گیا، اور دسمبر کی لکھنؤ کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاس ختم ہو گئے تو پھر راجہ صاحب نے ایک حرف بھی اس کے متعلق سننا پسند نہ کیا، اور اخبارات مین ان خیالی تجویزون کا الزام ہم غریبون کے سر رہ گیا،

اب جب سے مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کا شور و غل ہوا ہے، اردو انسائیکلوپیڈیا کا نام بھی زبانون پر آنے لگا، ایک سال سے زیادہ ہوا لاہور سے ایک صاحب نے ادب عربی پر ایک مضمون مجھ سے اس غرض کے لیے طلب کیا تھا کہ وہان کوئی اردو انسائیکلوپیڈیا ترتیب دی جارہی ہے، جس مین عربی ادب کی ذمہ داری مجھے سپرد کی گئی ہے، مین نے معذرت کی پھر اوس کے متعلق کوئی آواز سنائی نہ دی، اور نہ یہ معلوم ہوا کہ اس پردہ کے پیچھے کوئی حقیقت بھی تھی؟

پچھلے پرچہ مین ڈاکٹر کیتکر چیف اڈیٹر مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے خط کا ذکر آچکا ہے، وہ خط حسب ذیل ہے:-

مائی ڈیر مولوی صاحب

میرے ایک دوست نے مجھے آپ کا نام بتایا تھا، لیکن جس پرزہ کاغذ پر مین نے اسے لکھا تھا وہ گم ہوگیا، اسلیے مین آپ کو آپ کے دفتری لقب سے لکھ رہا ہون. میرے ان دوست نے مجھے بتایا تھا کہ رسول اللہ کے متعلق جس عبارت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کیگئی ہے اس کے آغاز کا فخر جناب کو حاصل ہے آپنے اخبارات مین پڑھا ہوگا کہ آپ اپنے مقصد مین کامیاب ہوگئے ہین اور مین نے وہ صفحات چوتھی جلد سے نکال دیئے ہین؛

مجھے اس سلسلہ مین آپ سے ذرا بھی شکایت نہین ہے، آپنے بغیر ارادہ میرے ساتھ بھلائی کی ہے، یعنی جب سے یہ صدائے احتجاج بلند کیگئی ہے اور مقامی مسلمانون نے اس مین حصہ لینا شروع کیا ہے، میرے بہت سے مسلمان دوست پیدا ہوگئے ہین. مین نے آپکے متعلق بہت کچھ سنا ہے کہ آپ ایک سچے محب زبان ہین اور اردو کی ترقی مین آپنے بہت کچھ خدمات انجام دی ہین، مین چاہتا ہون کہ ان تمام اصحاب سے جنھون نے اپنی مادری زبانون کی ترقی اپنا مقصد حیات قرار دے رکھا ہے تعارف حاصل کرون کہ بارہ برسون سے مین بھی اسی ایک مقصد کی تکمیل مین مشغول ہون.

اب جبکہ مرہٹی انسائیکلوپیڈیا تقریباً ختم ہوچکی ہے، مین چاہتا ہون کہ ہندوستان کی تمام زبانون مین اس کا ترجمہ ہوجائے، ہر شخص کو اپنی زبان کے ذریعہ اپنی منزل مقصود تک پہنچنا چاہیئے، اور میری تمنا ہے کہ اس کے حصول کے لیے جو کچھ بھی مجھ سے ہوسکے وہ کرون، مین مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کے گجراتی اور ہندی تراجم کا انتظام کر رہا ہون اور اگر آپ اردو مین انسائیکلوپیڈیا تیار کرنا چاہین تو مین نہایت خوشی سے اپنے تجربات آپ کی خدمت مین پیش کرونگا، میری یہ خدمات صرف آپ ہی تک محدود نہین ہین بلکہ جو کوئی اردو زبان مین

بھی اس کام کا بیڑا اٹھائے اس کے لیے بھی ہے، مجھے امید ہے کہ آپ اس خط کو اپنے ناظرین کو بھی
مطلع کر دینگے، تاکہ کچھ نہ کچھ ابتدا تو ہو ہی جائے اور ایک جماعت اس کے لیے بنائی جائے ہر آپ
عنایت اپنے ناظرین کو یہ بھی بتا دیجئے کہ اگر ڈیڑھ برس کے اندر میں نے دیکھ لیا کہ اردو
انسائیکلوپیڈیا کی تیاری کا بندوبست نہیں ہوا ہے تو میں خود مرہٹی میں اس کو شروع کر دونگا۔ اس سے
میرا مقصد محض یہ ہے کہ کوئی زبان بھی بلا انسائیکلوپیڈیا کے نہ رہ جائے،

[illegible]

اس خط سے ظاہر ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب اردو والوں کو دھمکی دے رہے ہیں کہ اگر ڈیڑھ برس کے
اندر آپ لوگوں نے اردو انسائیکلوپیڈیا کا کام شروع نہ کر دیا تو پھر وہ اس کو اپنے ہاتھ میں لے لینگے،
اور اپنی مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کا ترجمہ اردو میں شروع کر دینگے، ہر زبان اپنے بولنے والوں کے خصوصیات
کی جامع ہوتی ہے، مرہٹہ قوم کی انسائیکلوپیڈیا، اردو بولنے والے ہندوؤں اور مسلمانوں
کے لیے تمامتر کارآمد نہیں ہو سکتی، اسلیے یہ سوال اس وقت قابلِ غور ہو گیا ہے،

ہم دوبارہ کسی امیر کبیر کے خزانہ کا لالچ کر کے اردو انسائیکلوپیڈیا کا کام شروع کرنا نہیں چاہتے،
بلکہ جمہور کے بھروسہ پر اس کام کو کرنا چاہتے ہیں، مرہٹی انسائیکلوپیڈیا کا کام غالباً تجارتی اصول پر
کیا گیا ہے، یعنی حصہ داروں کے ذریعہ سے فی حصہ رقم معینہ وصول کر کے کل سرمایہ سے اسکو انجام تک
پہنچایا گیا، اگر اردو میں بھی اسی طرح یہ کام انجام دیا جائے تو کیسا ہے، اس میں ہندو مسلمان دونوں
قوموں کے اردو اہلِ قلم کی کوششیں شروع ہونگی، امید ہے کہ اہلِ نظر اور اس کام سے دلچسپی
رکھنے والے ہندو مسلمان اصحاب اپنے خیالات سے مستفید فرمائیں گے،

اس ذیل میں مولوی عبدالحق صاحب بی اے (اورنگ آباد) ڈاکٹر سر محمد اقبال، شیخ عبدالقادر صاحب بی اے (لاہور) مولانا عبدالماجد صاحب بی اے دریابادی، مولوی ظفر علی خان صاحب، پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی (علیگڈہ) پنڈت منوہر لال صاحب زتشی، پنڈت کشن پرشاد صاحب کول، مولانا عبدالباری صاحب ندوی، مولانا نیاز فتحپوری، منشی پریم چند، منشی دیا نرائن صاحب نگم (زمانہ) پروفیسر سید محمد ہادی صاحب (متھرا) ڈاکٹر ذاکر عبدالرحمٰن صاحب (لکھنؤ) پروفیسر ہادی صاحب (الہ آباد) سے خصوصیت کے ساتھ التفات و توجہ کی درخواست ہے۔

سیرۃ النبیؐ

اب تک اس کتاب کے تین حصے شائع ہوچکے ہیں اور تین حصے اور باقی ہیں، پہلے حصے میں ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے حالات ہیں اور ابتدا میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں سیرۃ کی کتابوں پر تنقید کیگئی ہے اور انکی خصوصیات بتائی گئی ہیں، اسی مقدمہ میں آپکے سوانح کے متعلق اور بھی چند اہم اور اصولی مباحث مذکور ہیں دوسرے حصہ میں آپکی وفات، آپکے اخلاق و عادات، اعمال و عبادات وغیرہ کا مفصل بیان ہے اور یہ حصہ تمامتر قرآن و حدیث سے ماخوذ ہے تیسرے حصہ میں آپکے معجزات و خصائص نبوت پر بحث ہے، اس میں سب سے پہلے عقلی حیثیت سے معجزات پر متعدد اصولی بحثیں کیگئی ہیں پھر ان معجزات کی تفصیل ہے جو بروایت صحیحہ ثابت ہیں، اسکے بعد ان معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و تفصیل کیگئی ہے، قیمت باختلاف کاغذ حصہ اول تقطیع خورد سے ولعہ حصہ دوم تقطیع کلاں عہ حصہ دوم تقطیع خورد ۸ر روپیہ، حصہ سوم تقطیع کلاں عہ روپے۔

مینیجر دار المصنفین اعظم گڈہ

مقالات

کیا مسلمان حکما صرف فلسفۂ ارسطو کے خوشہ چین تھے؟

اڈیٹر معارف کا یہ مضمون حیدرآباد کے نئے انگریزی رسالہ" اسلامک کلچر" کے جنوری نمبر مین شائع ہوا ہے،

عام طور سے مشہور ہے کہ مسلمان ارسطو کے فلسفہ کے سراسر مقلد تھے، اور اس کے سوا دوسرے فلسفی اسکولون سے محض ناواقف تھے، یہان تک کہ ایک یورپین تاریخ نگارِ فلسفہ کو یہ کہنا پڑا، کہ "مسلمان ارسطو کی گاڑی کے قلی تھے" ہمارے استادِ معظم علامہ شبلی نعمانی نے ۱۳۲۲ھ کے الندوہ نمبر ۲ "فلسفۂ یونان اور اسلام" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جسکی تمہید مین انھون نے اس اعتراض کا مختصراً جواب دیا تھا، مگر اس وقت سے آج تک متعدد غیر مطبوع کتابین طبع ہوگئی ہین اور بہت سے نئے مواد سامنے آگئے ہین، اسلیے ضرورت ہے کہ اب اس سوال پر دوبارہ تنقیدی نظر ڈالی جائے،

اسلامی فلسفہ کی تاریخ پر جنکی نظر ہے وہ جانتے ہین کہ اسلام کا تعارف فلسفہ کے ساتھ اس وقت ہوا جب شام کے بعد مصر فتح ہوا، مصر مین اسکندریہ مسیحی یونانی علوم کا مرکز تھا، اور وہ نہ صرف مصر بلکہ مشرق مین ارسطو کے فلسفہ کے متعدد شارحون کا مسکن تھا، امیر معاویہؓ نے ان یونانی علوم مین سے صرف طب کی سرپرستی کی، مگر ان کے پوتے خالد نے طب کے ساتھ کیمسٹری کو بھی ملا لیا، اموی دورِ حکومت تک یونانی علوم مین سے

انھین دو کو عباسی عربی دربار کا نصیب ہوا، ۱۳۲ھ مین جب دولت عباسیہ کی بنیاد پڑی تو آہستہ آہستہ دوسرے

یونانی علوم کی طرف بھی توجہ ہوئی، یہان تک کہ ساتوین عباسی فرمانروا المامون نے اس قطرہ کو سمندر کر دیا،

چونکہ یونان، روم اور مصر مین جہان جہان فلسفہ کا چرچا تھا ایک مدت سے ارسطو ہی کا فلسفہ چھایا

ہوا تھا، اور عیسائی متکلمین نے اسی کو اپنے لیے مناسب حال پا کر اسکی اشاعت کی تھی، اور مسلمانون مین انھین

کے ذریعہ سے فلسفہ کا رواج ہوا، اسلیے غیر طبعی امر نہ تھا کہ ارسطو کا فلسفہ مسلمانون مین اس کثرت سے پڑھا گیا اور

اس پر کتابین لکھی گئین کہ متاخرین کو ارسطو کے علاوہ شاید کسی اور یونانی فلسفی کا نام بھی معلوم نہ ہوا، اس سے زیادہ

بدبختی یہ ہوئی کہ مسلمانون مین **ابن سینا** جیسا فصیح زبان اور شارح اس کو مشرق مین اور **ابن رشد**

جیسا عالی دماغ اور بلند نظر شارح اس کو مغرب مین مل گیا جنکی آواز بازگشت سے دنیائے اسلام کا مشرق و

مغرب دونون گونج اٹھا،

مگر اوروں کے کان سے سنین کہ اس دہل بلند بانگ کے علاوہ کچھ اور بھی مدھم سریلی آوازین آرہی ہین

یا نہین، اس سلسلہ مین سب سے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ عربی زبان مین ارسطو کے علاوہ کسی اور کے فلسفہ کا ترجمہ

بھی ہوا یا نہین، تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ مسلمانون کو ارسطو کے علاوہ کسی اور سے واقفیت کا ذریعہ میسر آیا یا نہین،

ارسطو سے پہلے یونان مین سات بڑے بڑے فلاسفہ مختلف زمانون مین پیدا ہوئے جنھین سب سے پہلا طالیس

THALES ہے، اس کے بعد انکساغورس ANAXAGORAS انکسیمانس ANAXEMENES

اینبذقلس AMPEDOCLES فیثاغورس FYTHAGORAS

سقراط SOCRATES اور افلاطون PLATO تھے، ممتاز مسلمان حکما ان ساتون فلاسفہ

کے خیالات اور مسائل سے آگاہ تھے، اور اپنی کتابون مین ان کا تذکرہ کیا ہے، اور ان کا حوالہ دیا ہے، چنانچہ

عبد الکریم شہرستانی المتوفی ۵۴۸ھ نے اپنی کتاب ملل و نحل مین ان ساتون اساطین فلسفہ کے خیالات، مسائل

اور نظریئے پوری شرح اور پوری صحت کے ساتھ لکھے ہین، آج بھی بہتر سے بہتر تاریخ فلسفہ مین ان لوگون

کے خیالات کی تفصیلات اس سے زیادہ نہین ملتی ہین،

مسلمانون کی تاریخ فلسفہ کے متعلق ایک عام غلطی یہ ہے کہ وہ صرف فارابی، ابن سینا، غزالی، ابن رشد، امام رازی، طوسی، شیرازی، قطب رازی، وغیرہ کی تصنیفات سے عبارت ہے، لیکن حقیقت مین مسلمانون کے اصلی معنون مین فلسفہ کا دور متکلمین کی تصنیفات ہین، مثلاً، علاف، ابو الہذیل، نظام، جاحظ، ابو الحسن اشعری وغیرہ، قدیم فلاسفہ کے خیالات کی ترجمانی ان کتابون مین گئی ہے جنکا عنوان عموماً کتاب المقالات، یا کتاب الدیانات، اختیار کیا گیا ہے، اسی قسم کی کتابون مین یونانی فلاسفہ کے نظریئے اور مسائل مسلمان حکما نے بیان کئے ہین، امام ابو الحسن اشعری نے "مقالات غیر الاسلامیین" مین ان کے خیالات وآرا، اور نظریئے ذکر کئے ہین،

انبذقلس کے فلسفیانہ مسائل مسلمانون مین خاص طور سے پھیلے، چنانچہ ابو الہذیل معتزلی صفات کے مسئلہ مین اسی انبذقلس کا خوشہ چین[1] تھا، محمد بن عبد اللہ جو قرطبہ کا باشندہ تھا وہ تمام تر اسی انبذقلس کے فلسفہ کا پیرو اور متبع تھا، اور شب و روز اس کے مطالعہ مین مصروف رہتا تھا[2]، انبذقلس کی ایک کتاب ساتوین صدی ہجری تک بیت المقدس کے کتب خانہ مین موجود تھی[3]،

فیثاغورس کی متعدد تصنیفات عربی مین منتقل ہوئین، مثلاً کتاب الفادن PHEDUN علم النفس مین، اور کتاب السیاسۃ المدنیہ وطیماوس الروحانی TEMEE عالم الٰہی عالم عقل اور عالم نفس کی باہمی ترتیب مین، اور کتاب طیماوس الطبیعی، ترتیب عالم مادی مین، یہ کتابین ابن ندیم بغدادی کے زمانہ یعنی چوتھی صدی ہجری کے وسط تک موجود تھین[4]،

فیثاغورس کے فلسفہ کے متبعین متاخرین متعدد گذرے ہین، جیسا کہ قاضی صاعد نے طبقات مین

---

[1] طبقات الاطبا ابن ابی اصیبعہ صفحہ ۳۰ جلد ۲، مصر، وطبقات الامم صاعد اندلسی صفحہ ۲۳ بیروت، [2] طبقات الامم صفحہ ۲۱ بیروت

[3] اخبار الحکماء قفطی ۱۷ مصر [4] الفہرست صفحہ ۳۴۵، وطبقات الامم صفحہ ۲۲،

ہے، انھوں نے فیثا غورس کے قدیم طبیعیات کو مدلل کیا اور اس کو پھر سے زندہ کیا، انھیں میں مشہور مسلمان طبیب
ابوبکر یا رازی ہے، یہ ارسطو کے فلسفہ کا سخت دشمن تھا اس نے فیثا غورس کی تائید اور ارسطو کی تردید مین
میں لکھین، اس کا خیال تھا کہ ارسطو نے فلسفہ کو برباد کر دیا اور قدیم فلسفہ کے مسائل کو بدل دیا[۱]،

قاضی صاعد اندلسی جس نے طبقات الامم کے نام سے اپنے زمانہ تک کی ہر قوم کے علوم کی تاریخ
لکھی ہے، یونانیوں کے تمام مشہور فلسفیانہ مذاہب سے واقف تھا، گو وہ خود ارسطو کے عشاق مین تھا، تاہم[۲]
اس نے اسکے ساتھ یونانی فلسفہ کی پوری تاریخ لکھی ہے اور تمام یونانی فلاسفہ کے خیالات بیان کئے ہین[۳]،

اندلس کا دوسرا مشہور عالم و فلاسفر ابن حزم یونانی فلسفہ سے بہت واقف تھا جیسا کہ اسکی کتاب
الملل والنحل کے پڑھنے والے پر ظاہر ہوتا ہے، اسی کیساتھ وہ ارسطو کی منطق کا سخت مخالف تھا اور اس نے
ارسطو کی منطق کی غلطیون کی تشریح مین ایک کتاب لکھی جس کا نام تقریب حدود المنطق ہے[۴]،

نظام معتزلی بھی ارسطو کے فلسفہ کے رد کرنے والون مین تھا مشہور عباسی وزیر جعفر برمکی کے دربار مین
اس نے ایک دفعہ کہا کہ مین ارسطو کے رد مین ایک کتاب لکھنی چاہتا ہون، جعفر نے کہا کہ تم تو اسکی کتاب
سمجھ بھی نہین سکتے، نظام نے اسکی کتاب زبانی پڑھی اور ساتھ ہی ساتھ اسکی تردید کی اور بعد کو ایک کتاب
لکھی[۵] مشہور معتزلی عالم ابو علی جبائی نے ارسطو کی کتاب الکون والفساد کا رد لکھا ہے[۶]،

حسن نوبختی نے جو تیسری صدی کا مشہور متکلم ہے، اور جسکی نگرانی مین ثابت بن قرہ وغیرہ نے یونانی کتابون کے ترجمے
کئے تھے، ارسطو کی منطق کی غلطیان ظاہر کین، اسکی کتاب امام ابن تیمیہ کے زمانہ مین یعنی ساتوین صدی ہجری تک
موجود تھی، ابن تیمیہ نے کتاب الرد علی المنطقیین مین اسکا ذکر کیا ہے، حسن نوبختی نے جو کچھ لکھا ہے اس مین اپنے
پیشرو متکلمین اسلام کے خیالات کو یکجا کیا ہے جنھون نے ارسطو کی منطق کی غلطیان ظاہر کی تھین، نوبختی کی کتاب

---

[۱] طبقات الامم صاعد اندلسی صفحہ ۳۳ بیروت، [۲] ایضاً، [۳] ایضاً صفحہ ۷، [۴] ملل ونحل احمد بن یحیٰی مرتبہ ڈاکٹر
مد حیدرآباد دکن، [۵] ایضاً،

کا نام کتاب الآراء والدیانات ہے،

ایک اور شخص ہبۃ اللہ بن علی ابو البرکات ہے جو خلیفہ مستنجد باللہ کا درباری تھا اُس نے ارسطو کے فلسفہ کا رد لکھا، اسکی اس کتاب کا نام المعتبر ہے، ابن تیمیہ نے اسکی کتاب کا نام تعریف کے ساتھ لیا ہے،

شہاب الدین مقتول سہروردی المتوفی ۵۸۷ھ وہ شخص ہے جس نے مشائین کے فلسفہ کی تردید کی، اور اپنے جاننے افلاطون کے فلسفہ کی تائید کی ہے، اسکی اس کتاب کا نام حکمۃ الاشراق ہے جسمین اشراقی فلسفہ کی تفصیل ہے، میرے خیال مین اس نے اس مین بہت کچھ ایرانی فلسفہ کی آمیزش کر دی ہے، قطب الدین شیرازی نے اسکی شرح لکھی ہے اور وہ چھپ گئی ہے، شہاب الدین نے المشارع والمطارحات مین قدما، اور متاخرین تمام فلاسفہ کے خیالات و مباحث کا خلاصہ کیا ہے اور مشائین کے اصول کی دھجیان اڑائی ہین[1]؛

مسعودی جو گو ایک مورخ اور جغرافی کی حیثیت سے دنیا مین مشہور ہے مگر وہ ایک بہت بڑا فلاسفر بھی تھا، وہ یونان و ایران کے فلسفون سے پوری طرح واقف تھا، چنانچہ مروج الذہب مین اس نے جابجا اپنے معلومات بکھیرے ہین، اخبار الزمان مین اس نے مفصل ان کو لکھا تھا، ان کے علاوہ کتاب الابانہ عن اصول الدیانۃ، کتاب المقالات فی اصول الدیانات، کتاب سر الحیات، اور کتاب نظم الادلہ فی اصول الملۃ کے نام مروج الذہب کے مقدمہ[2] مین گنائے ہین، جنمین اس نے غالبًا اکثر ادیان و مذاہب اور فلاسفہ کے خیالات و آراء کی تفصیل کی ہوگی،

مشہور فلاسفر ابو زید احمد بن سہل البلخی بھی اسی طرح ہندوستان، ایران، چین اور یونان کے مذاہب اور فلسفہ کا عالم تھا، اسکی جامعیت کا کچھ اندازہ اسکی ضخیم کتاب، کتاب البدء والتاریخ سے ہو سکتا ہے جسکو کلمان ہوارٹ HUART نے ۱۸۹۹ء مین پیرس سے شائع کیا ہے،

دیمقراطیس کے مسئلہ اجزائے لایتجزیٰ سے متکلمین اسلام ابتدا ہی سے واقف تھے، اسلیے ارسطو کے ہیولیٰ کو چھوڑ کر انھون نے دیمقراطیس کی رائے کی پیروی کی، اور اسکی پر زور حمایت کی، افلاطون کے "مُثُل" سے بھی

---

[1] تاریخ الحکما، شہرزوری، موجودہ کتب خانہ ندوۃ العلماء، [2] مروج الذہب جلد اول صفحہ ۶۰۳ پیرس

انھون نے پوری ہمدردی کی اور اس کو اپنی کتابون مین جگہ دی، اور صوفیہ مین سے نقشبندی مجددیون نے اس پر عالم مثال کا ایک نظریہ قائم کرلیا،

چوتھی صدی میں افلاطون کی کتابین مسلمانون مین بکثرت پھیلی تھین، چنانچہ فارابی نے الجمع بین الرائین کے شروع مین لکھا ہے، اور بتایا ہے، کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ "افلاطون اور ارسطو کی کتابون کے پڑھنے والون کے دلون سے اعتراض و شک دور ہوجائے" امونیوس کا ایک رسالہ اس موضوع پر تھا کہ صانع عالم کے متعلق ارسطو اور افلاطون کے کیا خیالات تھے، یہ رسالہ فارابی المتوفی ۳۳۵ھ کے زمانہ مین مشہور و متداول تھا،

فارابی نے ایک خاص رسالہ یونانی فلسفہ کے تمام اسکولون کی مختصر شرح اور ان کے نامون کی وجہ تسمیہ اور ان کے مختصر خیالات مین لکھا ہے، یہ رسالہ بھی اس کے مجموعۂ رسائل مین ۱۸۹۰ء مین لیڈن مین چھپا ہے، اور وہ ترتیب مین چوتھا رسالہ ہے اس مین اس نے اصحاب فیثا غورث، ارسطیقوس قوریني، رواقیین، دیوجانس کے فرقۂ کلابیہ اور فورون کے فرقۂ مانعہ، اپیکورس کے فرقۂ لذتیہ، اور ارسطو کے مشائین کا ذکر کیا ہے، فارابی نے الجمع بین الرائین مین، افلاطون اور ارسطو کے ان مسائل مین تطبیق دی ہے جمین اس کے نزدیک ان دونون فلسفیون مین محض ظاہری اختلاف ہے، یہ رسالہ بھی چھپ چکا ہے،

بیچارہ بوعلی سینا جس کو مسلمان حکما مین ارسطو کے مقلد ہونے کا سب سے زیادہ طعنہ دیا جاتا ہے اس نے منطق المشرقیین کے دیباچہ مین اس کے لیے اپنی معذرت پیش کی ہے،

"اس کتاب مین ہم وہ باتین جمع کرتے ہین جنمین اہل بحث مختلف الرائے ہین، لیکن تعصب سے یہ خالی ہے، ہم کو ان غایتون سے علیحدہ ہو جانے کی پروا نہین ہے، جن کے لیے ہم نے بہت سی کتابین لکھی ہین، اور جو ان فلسفیون مین ہین جو مشائین کے فلسفہ کے عاشق ہین، اور جنکا گمان ہے کہ ان مشائیون کے علاوہ اور کسی کو خدا نے حق کی ہدایت دی ہی نہین، لیکن باوجود اس کے ہم کو اس کا اعتراف ہے

سلہ رسائل الفارابی صفحہ ۲، لیڈن ۱۸۹۰ء

کا نام کتاب الآراء والدیانات ہے،

ایک اور شخص ہبۃ اللہ بن علی ابو البرکات ہے جو خلیفہ مستنجد باللہ کا درباری تھا اس نے ارسطو کے فلسفہ کا رد لکھا،

اسکی اس کتاب کا نام المعتبر ہے، ابن تیمیہ نے اسکی کتاب کا نام تعریف کے ساتھ لیا ہے،

شہاب الدین مقتول سہروردی المتوفی ۵۸۶ھ وہ شخص ہے جس نے مشائین کے فلسفہ کی تردید کی اور

اپنے جاننے افلاطون کے فلسفہ کی تائید کی ہے، اسکی اس کتاب کا نام حکمۃ الاشراق ہے جسمین اشراقی فلسفہ کی تفصیل

ہے، میرے خیال مین اس نے اس مین بہت کچھ ایرانی فلسفہ کی آمیزش کر دی ہے، قطب الدین شیرازی نے اسکی

شرح لکھی ہے اور وہ چھپ گئی ہے، شہاب الدین نے المشارع والمطارحات مین قدماء اور متاخرین تمام فلاسفہ

کے خیالات ومباحث کا خلاصہ کیا ہے اور مشائین کے اصول کی دھجیان اڑائی ہین[۱]،

مسعودی جو گو ایک مورخ اور جغرافی کی حیثیت سے دنیا مین مشہور ہے مگر وہ ایک بہت بڑا فلاسفر بھی تھا

وہ یونان وایران کے فلسفون سے پوری طرح واقف تھا چنانچہ مروج الذہب مین اس نے جابجا اپنے معلومات

بکھیرے ہین، اخبار الزمان مین اس نے مفصل ان کو لکھا تھا، ان کے علاوہ کتاب الابانہ عن اصول الدیانۃ، کتاب المقالات

فی اصول الدیانات، کتاب سر الحیات، اور کتاب نظم الادلہ فی اصول الملۃ کے نام مروج الذہب کے مقدمہ[۲] مین

گنائے ہین، جنمین اس نے غالبًا اکثر ادیان ومذاہب اور فلاسفہ کے خیالات وآراء کی تفصیل کی ہوگی،

مشہور فلاسفر ابو زید احمد بن سہل البلخی بھی اسی طرح ہندوستان، ایران، چین اور یونان کے مذاہب اور

فلسفہ کا عالم تھا، اسکی جامعیت کا کچھ اندازہ اسکی ضخیم کتاب، کتاب البدء والتاریخ سے ہو سکتا ہے جسکو کلمان ہوار

HWART نے ۱۸۹۹ء مین پیرس سے شائع کیا ہے،

دیمقراطیس کے مسئلہ اجزائے لایتجزیٰ سے متکلمین اسلام ابتداہی سے واقف تھے، اسلیے ارسطو کے ہیولیٰ

کو چھوڑ کر انھون نے دیمقراطیس کی رائے کی پیروی کی، اور اسکی پرزور حمایت کی، افلاطون کے "مُثُل" سے بھی

---

[۱] تاریخ الحکما شہرزوری، موجودہ کتب خانہ ندوۃ العلماء [۲] مروج الذہب جلد اول صفحہ ۲۰۲ پیرس

انھون نے پوری ہمدردی کی اور اس کو اپنی کتابون مین جگہ دی، اور صوفیہ مین سے نقشبندی مجددیون نے اس پر عالم مثال کا ایک نظریہ قائم کرلیا،

چوتھی صدی مین، افلاطون کی کتابین مسلمانون مین بکثرت پھیلی تھین، چنانچہ فارابی نے الجمع بین الرائین کے شروع مین لکھا ہے، اور بتایا ہے، کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ "افلاطون اور ارسطو کی کتابون کے پڑھنے والون کے دلون سے اعتراض و شک دور ہوجائے" امونیوس کا ایک رسالہ اس موضوع پر تھا کہ صانع عالم کے متعلق ارسطو اور افلاطون کے کیا خیالات تھے، یہ رسالہ فارابی المتوفی ۳۳۹ھ کے زمانہ مین مشہور و متداول تھا،

فارابی نے ایک خاص رسالہ یونانی فلسفہ کے تمام اسکولون کی مختصر شرح، اور ان کے نامون کی وجہ تسمیہ اور ان کے مختصر خیالات مین لکھا ہے، یہ رسالہ بھی اس[1] کے مجموعۂ رسائل مین ۱۸۹۰ء مین لیڈن مین چھپا ہے، اور ترتیب مین چوتھا رسالہ ہے اس مین اُس نے اصحاب فیثاغورث، ارسطیفوس قورینی، رواقین، دیوجانیس کے فرقۂ کلابیہ اور فوررون کے فرقۂ مانعہ، اپیکورس کے فرقۂ لذتیہ، اور ارسطو کے مشائین کا ذکر کیا ہے، فارابی نے الجمع بین الرائین مین افلاطون اور ارسطو کے اُن مسائل مین تطبیق دی ہے جنہین اُس کے نزدیک ان دونون فلسفیون مین محض ظاہری اختلاف ہے، یہ رسالہ بھی چھپ چکا ہے،

بیچارہ بوعلی سینا جس کو مسلمان حکما مین ارسطو کے مقلد ہونے کا سب سے زیادہ طعنہ دیا جاتا ہے اس نے منطق المشرقیین کے دیباچہ مین اس کے لیے اپنی معذرت پیش کی ہے.

"اس کتاب مین ہم وہ باتین جمع کرتے ہین جنمین اہل بحث مختلف الرائے ہین، لیکن تعصب سے یہ خالی ہے، ہم کو ان عامیون سے علحدہ ہوجانے کی پروا نہین ہے، جن کے لیے ہم نے بہت سی کتابین لکھی ہین، اور جو ان فلسفیون مین ہین جو مشائین کے فلسفہ کے عاشق ہین، اور جنکا گمان ہے کہ ان مشائیون کے علاوہ اور کسی کو خدا نے حق کی ہدایت دی ہی نہین، لیکن باوجود اس کے ہم کو اس کا اعتراف ہے

[1] رسائل الفارابی صفحہ ۲۰ لیڈن ۱۸۹۰ء

کہ ان کے فلسفہ کا بانی (ارسطو) اپنے تمام پیشرووں میں سب سے بہتر ہے، اس لیے کہ اس نے:

۱- سب سے پہلے ایک علم کو دوسرے علم سے ممتاز اور علیحدہ کیا جو پہلوں نے نہیں کیا تھا،

۲- اس نے علوم کی ترتیب سب سے بہتر کی،

۳- اکثر مسائل میں اس نے حق کو دریافت کیا،

۴- بہت سے نئے علوم کے اسرار معلوم کئے،

۵- اس نے اپنی عام فہم تصنیفات سے اہل ملک کے علم کو بڑھایا،

اب پچھلوں کا کام ہے کہ وہ غلطیوں کو درست، مسائل کی تنقیح اور اجمال کی تفصیل کریں، چونکہ میں نے ابتدا ہی سے فلسفۂ مشائیہ کی تعلیم حاصل کی اسلیے یہی فلسفہ مجھ پر چھا گیا، لیکن میں انکی کمزوریوں سے ناواقف نہیں ہوں، لیکن چونکہ شائقین علم نہایت سختی سے یونانیوں میں سے مشائیہ ہی کی طرف راغب ہیں، اسلیے میں نے انکی مخالفت مناسب نہیں سمجھی اور اسی جماعت میں میں بھی داخل ہوگیا، اور ان کی کمزوریوں پر پردہ ڈالا، اگر کہیں مخالفت کی ہے تو ایسے مسئلہ میں کہ اس باب میں ان کی غلطی پر صبر کرنا ممکن نہ تھا. . . . الشفا میں نے عوام کے لیے لکھی ہے جو ان کی ضرورت سے بھی زیادہ ہے. اور یہ کتاب ہم نے اپنے لیے لکھی ہے[۱]،

ابوریحان بیرونی جو بوعلی سینا کا معاصر تھا، لیکن ابن سینا کی طرح تنگ نظر نہ تھا، وہ یونان کے مختلف فلسفوں کے ساتھ ایران اور ہندوستان کے بھی تمام مذاہب وآرا کا عالم تھا، الآثار الباقیہ اور اسکی دوسری کتابیں اس کی شاہد ہیں، اور اسکی کتاب الہند، ہندوستانی فلسفہ میں اس کے تبحر کا آئینہ ہے، خود کتاب الہند میں ایک جگہ افلاطون کی کتاب النوامیس (ص ۵۹) اور جالینوس کی اخلاق النفس (ص ۵۹) اور کتاب البرہان (ص ۲۴) کا ذکر کیا ہے، پھر یونانی مصنفین اور علما میں سولن، اور ووقون، فیثاغورس، اور منیس کے نام لیے ہیں (۱ه)

---

[۱] صفحہ ۳ مطبوعہ مطبعہ سلفیہ مصر ۱۳۲۸ھ

ارسطو کی کتاب المظاہرات مین مشتری کے نام جو ترانہ ہے اس کا ذکر کیا ہے (ص ۱۴) اقراطس اور ہومر شاعر کا بیان ہے، اصحاب اسطوان کا مذہب درج ہے (ص ۴۸) یونان کے سات اساطین حکمت کے نام بھی گنائے ہین، اور ان کے مختصر خیالات بھی لکھے ہین، وہ سات نام بقید وطن یہ ہین، سولن اثینی، ابیوس لفاریني، فاریاندرس القورنتی، وثالس الملیسی، کیلون اللقاذمونی، فیطیعوس، فیلیمونیس (ص ۵۱) افلاطون کی کتاب طیماوس کا حوالہ بیرونی بھی دیتا ہے، اور یونانیون کی بت پرستی کا تذکرہ کرتا ہے (ص ۷۰) مشہور یحییٰ نحوی (کتبخانہ اسکندریہ والا) کی اس کتاب کے مضامین کا حوالہ دیتا ہے جو اس نے ابرقلس کے رد مین لکھی تھی۔ (ص ۷۱)

قاضی جمال الدین قفطی المتوفی ۶۴۶ھ جو مشہور ادیب وجغرافیہ دان یاقوت کا مربی تھا، وہ یونان کے تمام فلاسفہ اور ان کے اسکولون سے پوری طرح آگاہ تھا، اس نے اپنی کتاب اخبار العلماء باخبار الحکماء مین فلاسفہ کی سوانح عمریون کے ضمن مین ہر ایک کے خیال ونظریہ کی بھی تشریح کی ہے۔

ابوالفضل نے آئین اکبری مین ہندو فلسفہ کی تمام شاخون پر جو بحث کی ہے اور ہر ایک اسکول کے مسائل ونظریات کو جس جامعیت سے لکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ فلسفہ یونان کے علاوہ ہندوستان کے فلسفہ سے آگاہ وباخبر تھا،

اس مختصر مضمون کے آخر مین اس یگانہ دہر کا نام لینا چاہتا ہون جسکو دنیا ابن تیمیہ کے نام سے جانتی ہے وہ گو ایک مذہبی عالم تھا، مگر درحقیقت یہ وہ شخص تھا جو فلسفہ کے طلسم خانہ مین چل پھر کر بڑی آسانی سے باہر نکل آیا تھا۔ اس کی تمام کتابین فلسفہ کے رد سے مملو ہین، تاہم وہ خود بڑا فلسفی تھا، اس نے اپنی کتاب العقل والنقل مین حکماء اور فلاسفہ کی حیرانیون کی بڑی ہنسی اڑائی ہے، اور کتاب الرد علی المنطقیین ایک خاص کتاب لکھی ہے جسکو دیکھکر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حقیقت مین وہی مل کی منطق کا پہلا بانی اور ہیوم کے فلسفہ کا پہلا بنیادی پتھر رکھنے والا ہے، کتاب العقل والنقل مین وہ ایک جگہ لکھتے ہین،۔

"ارسطو کے پیرؤون کو دیکھو کہ ارسطو نے منطقیات، طبیعیات، اور الٰہیات مین جو کچھ کہا ہے وہ اسی کی تقلید کر رہے ہین، حالانکہ ان مین بہت سے اپنی عقل سے سمجھتے ہین کہ ارسطو کی رائے قطعاً غلط ہے، لیکن حسن ظن کی بنا پر اسکی مخالفت نہین کرتے، حالانکہ بہت سے عقلار نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسکی منطق مین غیر مشکوک غلطیان ہین، ارسطو اور ارسطو کے اسکول کے متبعین جیسے اسکندر افرودیسی، برقلس تامسطیوس . . . . . . وغیرہ کا کلام الٰہیات مین نہایت غلط ہے" (صفحہ ۸۵ و ۸۶ نسخہ قلمی موجودہ دار المصنفین)

"وہ فلسفہ جس کو فارابی اور ابن سینا نے اختیار کیا ہے وہ مشائین یعنی ارسطو کے مقلدین کا ہے، ارسطو اور اس کے پہلے کے فلاسفہ مین سخت اختلاف ہے، پھر خود اس کے اسکول کے پیرؤون مین نہایت اختلاف ہے، ان کے ان اختلافات کو ابو الحسن اشعری نے مقالات غیر الاسلامیین (نامسلمانون کے مذاہب اور آرار) اور قاضی ابوبکر (باقلانی) نے کتاب الدقائق مین شہرستانی وغیرہ سے کہ چند زیادہ بیان کیا ہے۔" (صفحہ ۸۸، ۸۹)

ابن سینا نے الٰہیات مین بہت سی باتین گڑھ لی ہین اور وہ بالکل غلط ہین، عام لوگ یہ سمجھتے ہین کہ ابن سینا نے جو کچھ لکھا ہے وہ ارسطو کے خیالات ہین، ابن تیمیہ نے اپنی تصنیفات مین اس پردہ کو بار بار کھولا ہے، اور بتایا ہے کہ یہ محض ابن سینا کا ساختہ پرداختہ ہے، اس کو ارسطو سے کوئی تعلق نہین، ایک جگہ ابن تیمیہ نے فلاسفہ کے اختلافات اور جن حکمائے اسلام نے ان کی تردید مین کتابین لکھی ہین، ان کا ذکر کیا ہے، کہتے ہین:-

فلاسفہ کے باہمی اختلافات کی کوئی حد پایان نہین، ابو الحسن اشعری نے مقالات غیر الاسلامیین مین بہت سے ان کے وہ مذاہب اور خیالات لکھے ہین جنکا فارابی اور ابن سینا وغیرہ نے ذکر نہین کیا ہے، اور اسی طرح قاضی ابوبکر الباقلانی نے کتاب دقائق مین ان کو نقل کیا ہے، اس کتاب مین قاضی صاحب نے فلاسفہ اور منجمین کا رد لکھا ہے اور اس مین ارسطو کی منطق پر عرب متکلمین کی منطق کو ترجیح دی ہے،

اسی طرح معتزلی اور شیعہ متکلمین نے ان فلاسفہ کے بہت سے نظریئے نقل کئے ہین اور ان کا رد کیا ہے،
لیکن فلاسفہ کا وہ مذہب جسکی تائید فارابی اور ابن سینا، ابوبکر بن الصائغ اور ابن رشد وغیرہ نے
کی ہے وہ مشائین یعنی ارسطو کے مقلدون کا فلسفہ ہے، اور اسی کو غزالی نے مقاصد الفلاسفہ مین
بیان کیا ہے، اور تہافت الفلاسفہ مین اس کا رد کیا ہے، اور جسکو رازی نے ملخص اور مباحث مشرقیہ
مین بیان کیا ہے، اور جس کو آمدی نے دقائق الحقائق اور رموز الکنوز وغیرہ مین لکھا ہے، اور اسی راستہ
پر معتبر کا مصنف ابوالبرکات چلا ہے، لیکن ابوالبرکات نے ارسطو کی اندھی تقلید نہین کی ہے بلکہ اسکے
مسائل کی تشریح مین اپنی عقل و رائے کو بھی دخل دیا ہے، اسی طرح رازی اور آمدی بھی مشائیون
پر اعتراض کر جاتے ہین، اور ابن سینا نے بھی قدما کی کہین کہین تردید کی ہے، اور اسی لیے اس نے
شفا مین لکھا ہے کہ اس کے نزدیک جو حق ہے اس کو اس نے الحکمۃ المشرقیہ مین لکھا ہے، اور سہروردی
کا جو خاص خیال تھا اس کو اس نے حکمۃ الاشراق مین لکھا ہے، اور رازی نے اپنے بعض سے خیالات
مباحث مشرقیہ مین لکھے ہین، اور ارسطو کے قدیم یونانی پیرو تین شخص ہین، برقلس، اور اسکندر الافرودی
اور ثامسطیوس جنھون نے ارسطو کی کتابون کی شرحین لکھین، رازی جب اپنی کتابون مین کہتے
ہین کہ "فلاسفہ اس پر متفق ہین" تو ان "فلاسفہ" سے مقصود یہی لوگ ہوتے ہین، ورنہ فلاسفہ کے تو بکثرت
الگ الگ اسکول ہین، اور ان کے درمیان طبعیات، الٰہیات، اور حتی کہ فلکیات مین بھی اختلافات
ہین، فلاسفہ مین قدم عالم کا قائل سب سے پہلے ارسطو ہوا . . . . . فیثاغورس سقراط کا معلم، اور
افلاطون، ارسطو کا استاد تھا، اور مسلمان فلاسفہ ہمیشہ ان کی منطق اور دیگر مباحث فلسفہ کی تردید
مین کتابین لکھتے آئے ہین، اور نہ صرف سنی فلاسفہ بلکہ معتزلہ، اشعریہ، کرامیہ، اور شیعہ تک ان کی
غلطیان نکالتے رہتے ہین، اور ان کی فروگذاشتین ظاہر کرتے رہے ہین؛

دوسری جگہ اسی کتاب مین لکھتے ہین :-

"فلسفہ جو ارسطو کے پہلے تھا، وہ جس کو ارسطو کے پہلے لوگون نے قبول کیا تھا، ارسطو نے اوس پر اعتراض کیا، اور اس کی غلطیان ظاہر کین، ایک اسکول کے فلاسفہ نے دوسرے اسکول کے فلاسفہ پر رد کیا ہے، اور ابو البرکات وغیرہ نے ارسطو کا رد کیا،

اس کتاب الرد علی المنطقیین مین ایک اور موقع پر وہ کہتے ہین،

وہ فلاسفہ جو ارسطو کے مقلد ہین وہ یہ کہتے ہین . . . . قدیم فلاسفہ کا اس مسئلہ پر ... گروہ ہین فیثاغورس اور اس کے پیرو، اور افلاطون اور اس کے مقلد، اس مسئلہ مین باطل غلطی پر تھے، اس لیے ارسطو نے ان کی تردید کی، فیثاغورس کا خیال تھا کہ . . . . . اور افلاطون کے پیرو کہتے ہین کہ . . . . .

ابن تیمیہ کی کتاب الرد علی المنطقیین، اس لائق ہے کہ علوم اسلامیہ کے اصلی شائقین اسکی طبع و اشاعت کا سامان کرین، ہندوستان مین اس کے دو مختلف نسخون کا پتہ چلا ہے، ان مین سے ایک حیدرآباد مین ہے، اور دوسرا سندھ مین، حیدرآبادی نسخہ کی دو نقلین ہین، ایک کتب خانہ ندوۃ العلماء مین، اور دوسری دار المصنفین مین، دار المصنفین کے ایک رفیق (فیلو) اس کی تصحیح و ترتیب مین مصروف ہین، اور ارکان دار المصنفین نے اپنے جلسہ مین اس کی اشاعت کی منظوری دی ہے، یہ کتاب چھپکر اور کسی یورپین زبان مین ترجمہ ہو کر جب دنیا کے سامنے آئے گی تو اس وقت مسلمانون کے فلسفیانہ تحقیقات کی داد دیجائیگی اور یہ معلوم ہوگا کہ مسلمان صرف فلسفۂ ارسطو کے خوشہ چین اور اسکی گاڑی کے قلی نہ تھے، بلکہ وہ خود بھی کچھ تھے،

خطبات مدراس

اڈیٹر معارف نے پچھلے سال مدراس مین سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤن پر جو آٹھ خطبے (لکچر) دیئے تھے، وہ نہایت اہتمام سے عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار مین چھپنے سے پہلے اس کے نصف آرڈر آچکے ہین، یہ اس لائق ہین کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون کو ہدیۃً تقسیم کیے جائین، ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت عہ

"منیجر"

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی

بلگرام کا ایک یمنی محدث مصری صوفی

اور

اُنکی ایک کتاب

از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی، شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

دستور ہے، کہ تعارف و بصیرت کے لیے عموماً کتابوں کی ابتدا میں اُس کے مؤلف کا حال، اور اس کتاب کے اہم خصوصیات کا تذکرہ کیا جاتا ہے، اس مقدمہ کے درج کرنے کی معمولی وجہ تو یہی ہے لیکن اسی کے ساتھ مجھے مسلمانانِ ہند کے سامنے اُن کے ایک ہم وطن فاضلِ جلیل کا تذکرہ پیش کرنا ہے، انہے سب جانتے ہیں، لیکن عجیب بات ہے کہ جس حیثیت سے جاننا چاہیے ہندوستان کے مسلمان اس نقطۂ نظر سے بہت کم جانتے ہیں، نواب صدیق حسن خان مرحوم نے ابجد العلوم میں مؤلف کتاب کے تذکرہ کو درج کرنے کے بعد بالکل سچ لکھا ہے، کہ

"میں نے اس بزرگ کے حالات میں ذرا بسط سے اس لیے کام لیا ہے کہ نہ صرف عوام الناس

ملہ: در اصل یہ مضمون کتاب "تحفۂ قدسیہ" کے ترجمہ کا تعارفی مقدمہ ہے، ہمارے مخدوم اخونا فی اللہ مولانا عبد الباری پروفیسر عثمانیہ کالج کے اصرار سے معارف میں اشاعت کے لیے بھیجدیتا ہوں، اس مقدمہ سے ناظرین کو کیا فائدہ پہونچے گا، ابکے جوابدہ مولانا عبد الباری ہیں میں نے محض اُن کے حکم کی تعمیل کی ہے، تاہم برادران اودھ سے اتنا تو ضرور عرض کرون گا کہ اگر مصر دین کیلیے نہیں تو گویا ہندوستان کے سلمانوں کیلیے کوئی مرتضیٰ کیوں نہیں، گمنا ہندوستان کا شیراز بجاے لندن و برلن کے شیراز ہی رہتا تو اچھا تھا، کیا بلگرام و خیرآباد، سندیلہ و سہالی، کاکوری اور گوپامئو دیوہ اور بانسہ کے مسلمان میری اس آرزو کو سنتے ہیں؟

بلکہ بعض اہل علم بھی اس شخص کے حالات سے بالکل ناواقف ہیں۔

حالانکہ ہندوستان کا یہ وہی فرد وحید ہے جس کے متعلق جدید طبقہ کے ایک ممتاز رکن مولوی عبدالحق صاحب معتمد انجمن ترقی اُردو و صدر کلیہ عثمانیہ اورنگ آباد نے حسب ذیل الفاظ مآثر الکرام کے مقدمہ میں لکھے ہیں:

"علماء ہند کے حالات میں کوئی کتاب اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتی، جب تک اس میں علامہ سید مرتضیٰ صاحب تاج العروس کا ترجمہ نہو"

مولوی صاحب نے اس کے بعد وعدہ کیا ہے کہ کتاب کے آخر میں اُن کے حالات کا اضافہ کیا جائیگا، لیکن اس وقت تک مآثر الکرام کے جتنے نسخے میری نظر سے گذرے ہیں ان میں یہ اضافہ نہ پایا گیا، معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص وجہ سے ایفاء وعدہ کا موقع نہ مل سکا، واللہ اعلم

بدقسمتی تو دیکھو کہ خود مآثر الکرام میں سید علامہ مرحوم کا جہاں تذکرہ ہے، کاتب اور مصحح کی مہربانی سے وہاں نام غلط درج ہوگیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آزاد کی کامل کتاب مولوی عبدالحق صاحب کو ناقص نظر آئی،

واقعہ یہ ہے کہ علامہ سید مرتضیٰ آزاد بلگرامی مؤلف مآثر الکرام کے زمانہ میں نوعمر تھے اس لئے انہوں نے آپ کا کوئی مستقل ذکر تو نہیں کیا ہے لیکن آپ کے جد امجد سید قادری کے حالات میں ضمناً اتنا لکھ دیا تھا:

"و از ابنائے او سید مرتضیٰ بن سید محمد بن سید قادری مسطور کتب عربی تحصیل کردہ ... من توفیق زیارت حرمین شریفین یافتہ، و در ۱۱۶۴ھ باین سعادت فائز گشتہ ... علم حدیث تحصیل نمود، و درین ایام در زبید مین اقامت دارد، و نزد شیخ ... خالق زبیدی ... سند می کند حق تعالیٰ او را عمر بہ افزاید و ترقیات ذہنی کرامت نماید"

کاتب نے بجائے مرتضیٰ کے مقتدیٰ لکھدیا، اور صرف اس ایک غلطی نے ہماری نگاہوں سے اس یگانۂ عصر فاضل کو چھپالیا، ورنہ آزاد مرحوم نے اپنے مختصر و مفید جملوں میں اُن کے متعلق سب کچھ لکھ دیا تھا،

بہرحال حق سبحانہ وتعالیٰ کا شکر ہے کہ مصر کے اس ہندوستانی علامہ صوفی کے حالات قلمبند کرنے کی توفیق اس نے مجھے عنایت فرمائی، موقع و محل کے لحاظ سے مجبوراً اختصار سے کام لیا جائیگا، لیکن اگر اعانت ایزدی نے مدد فرمائی تو انشاء اللہ تعالیٰ کبھی سید علامہ کا مفصل تذکرہ، اُن کے علوم و نادر خواطر و تفردات کو ایک مستقل تالیف کی شکل میں مرتب کرنے کی سعادت حاصل کی جائے گی، والامر بید اللہ سبحانہ وتعالیٰ

مؤلف کا نسب و وطن | کتاب نفحات قدسیہ فی الطریقۃ العیدروسیہ جس کا ترجمہ شائع کیا جاتا ہے، اسکے مؤلف کا نام سید محمد مرتضیٰ، اور کنیت ابوالفیض ہے، آپ کا تعلق مشہور بلگرامی واسطی[1] سادات سے ہے، شجرۂ طیبہ مآثر الکرام سے آپ کا کامل نسب نامہ اسطرح مرتب ہوتا ہے،

---

[1] سادات بلگرام حضرت ابوالفرح واسطی کی اولاد میں ہیں، علامہ عبدالواحد بلگرامی کا اسی بنا پر یہ مشہور شعر ہے ؎

دانی کہ خوش نویسی ما از برائے چیست　　مائیم واسطی و قلم نیز واسطی

سید ابوالفرح واسطی امام زید شہید بن سید الساجدین امام زین العابدین رضی اللہ عنہما کے خانوادۂ شرافت و سیادت کے مشہور بزرگ ہیں، آپ نے خود ہندوستان کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف نہیں فرمایا لیکن آپکے تین صاحبزادے یہاں تشریف لائے اور انہیں کی اولاد ہندوستان میں پھیلی، سید مبارک محدث اور میر عبدالجلیل بلگرامی سے شجرۂ طیبہ میں علامہ غلام علی آزاد بلگرامی نے یہ عبارت نقل کی ہے:

"ازانجملہ سید ابوالفراس کہ جد سادات بلگرام است در جاجنیر رسید، و سید ابوالفضائل در جاترست بود او در تھن پور وطن گرفتند"

انہی ابوالفراس کی نسل میں ایک بزرگ علی بن حسین تھے جن کے چار بیٹے تھے، ان میں سے ایک بلگرام میں آکر طیبہ میں ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۰۲ پر دیکھئے)

سید مرتضیٰ بن سید محمد بن سید قادری بن سید ضیاء اللہ بن سید خان محمد بن سید عبد الغفار بن سید تاج الدین بن سید دولارہ بن سید حسین بن سید محمد بن سید محمد بن بن سید جمال الدین بن سید ابراہیم بن سید ناصر بن سید سالار بن سید محمد صغری بن سید علی بن سید حسین بن سید ابو الفرح ثانی بن سید زید بن سید عمر بن سید حسن بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد بن محمد عیسیٰ موتم الاشبال بن امام زید شہید بن امام ہمام سیدنا و سید المسلمین امام زین العابدین بن شہید کربلا، امام حسین علیہ السلام بن اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب، و سیدۃ فاطمۃ الزہراء بضعۃ رحمۃ للعلمین امام المرسلین خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم، وعلی الہٖ و اصحابہ اجمعین،

سید مرتضیٰ اگرچہ عام طور پر زبیدی کی نسبت سے مشہور ہین، لیکن آپ کی ولادت باسعادت شیراز دیار ہند کے مشہور مردم خیز قصبہ بلگرام مین ہوئی، بلگرام کی اسلامی آبادی اس زمانہ مین دو حصون مین منقسم تھی، ایک حصہ کو سید واڑہ اور دوسرے کو سیدان پورہ کہتے تھے،

میر غلام علی آزاد بلگرامی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سید مرتضیٰ کے آبا و اجداد کا موروثی مکان سید واڑہ مین تھا، لیکن بعض خانگی تعلقات کی وجہ سے آپ کے سلسلہ کے ایک بزرگ سید عبد الغفار نامی سیدان پورہ کے محلہ مین رہ پڑے تھے اور اُسی محلہ مین سید مرتضیٰ پیدا ہوئے،

ابتدائی تعلیم | تعلیم کا ابتدائی زمانہ بلگرام مین بسر ہوا، اگرچہ کوئی مستند تاریخی ثبوت موجود نہین ہے تاہم قرائن کا اقتضا یہ ہے، کہ فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم سید علامہ نے بلگرام مین پائی، کیونکہ اباً عن جدٍ

سلہ ماٰثر الکرام صفحہ ۱۳۹، ۱۲،

(بقیہ حاشیہ صفحہ (۱۰۱)

"سید محمد در بلگرام و سید صفوۃ بمدولی و سید احمد در رو ہرسو، و سید معز الدین در جاجینر بوطن گرفتند"

جاجینری سادات کا ایک خاندان صوبہ بہار کے بارہ گانون مین آباد ہوا اور بحمد اللہ کہ راقم الحروف کا بھی تعلق اسی خاندان سے ہے ۱۲ معارف الحمد للہ کہ اڈیٹر معارف کا ننہالی نسبی تعلق بھی انھین جاجینری سادات سے ہے،

خاندان علم وفضل کی روشنی سے معمور تھا، آپ کے جدامجد سید قادری کا تعلق اکابر سلف کے ان بلند ہمت نفوس سے تھا جن کو علم وعرفان کی تلاش نے ہر قسم کی وطنی خصوصیات و مالوفات سے بالکل آزاد کر دیا تھا۔ ماثر الکرام میں ہے کہ سید قادری نے علم طلب میں نہ صرف ہندوستان بلکہ عرب و عجم کی باضابطہ سیر کی، آخر میں حماة (شام) کی خانقاہ قادریہ میں لنگر ڈال دیا، اور سید یسین حموی سے جو اس زمانہ میں سجادہ نشین تھے، مرید ہوئے، اور طریقہ قادریہ کی تعلیم حاصل کی، پھر بغداد میں رہ کے علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل کے بعد وطن پہونچے، بالآخر خلوت گزینی کا جذبہ آپ پر غالب آیا، اور عمر کا بقیہ حصہ بلگرام کے گوشۂ عافیت میں ختم کیا، سادات بلگرام پر آپ کی جلالت شان کا جو اثر تھا اس کا ثبوت ان تاریخی شعروں سے ملتا ہے،

رحل القادری سیدنا　　　صاحب الکشف والکرامات

الجمع مجون عام رحلتہ　　　زن للمتقی بحسنات

میر غلام علی آزاد بلگرامی نے، ان کو خود دیکھا تھا، ان کا بیان ہے، کہ سید قادری نہ صرف سیر و سلوک، تصوف و حقائق میں شیخ کامل تھے بلکہ فقہ و حدیث و تفسیر میں بھی ان کا پایہ بہت بلند تھا، قرآن مجید کے حافظ تھے، [illegible] مشہور ہندوستانی [illegible] بہت حقانی استاد تھے، اور بیرون ہند میں ان کے سب سے بڑے استاد [illegible] بن [illegible] خابوری تھے، صحاح ستہ اور تجوید کی سند انہی سے حاصل کی تھی،

تعلیمی سفر | غالباً سید قادری کی یہی علمی اولوالعزمیاں تھیں جو ان کے پوتے کی طلب علم میں مشعل راہ ثابت ہوئیں۔ دادا کا نقش قدم سامنے تھا، سید مرتضیٰ نے بھی وطن کو خیر باد کہا، اور شروع شروع میں [illegible] پہونچے، یہاں اس وقت ملا فاخر الہ آبادی المتخلص بہ زائر کی درس [illegible] کا طوطی بول رہا [illegible] ان سے پڑھتے رہے پھر دہلی پہونچے، دلی اس زمانہ میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی [illegible]

فی علم الاسناد کے درس میں تحقیق و تدقیق کا دریا موجزن رہا تھا، سید مرتضیٰ زانوے تلمذ تہ کرکے بیٹھ گئے اپنی ایک یادداشت میں نہایت جوش و مسرت کے ساتھ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ذکر کیا ہے، صحیح طور پر اگرچہ یہ معلوم نہیں ہے کہ دہلی کی علمی حلقہ میں سید علامہ کب تک رہے، تاہم ان کی تالیفات میں، جو تحقیق و جامعیت کا رنگ پایا جاتا ہے، اس میں "ولی اللّٰہی" مذاق کو بہت کچھ دخل ہے،

سفر حج | ابھی عنفوان شباب تھا، کہ حج کا شوق مستولی ہوا، اور نو عمری میں حجاز روانہ ہوگئے، میر غلام علی آزاد نے لکھا ہے،

" در حداثت سن توفیق زیارت حرمین شریفین یافتہ "

ایک سید جب عرب پہونچتا ہے تو اُس کو اپنا آبائی وطن یاد آجاتا ہے، اگرچہ عارضی وطن کی آسانیاں اُسے پھر اُسی، اپنے ملک میں واپس لے آتی ہیں، مگر سید مرتضیٰ جب اپنے حقیقی وطن میں پہونچ گئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کو گویا بالکل بھول گئے، اور کچھ اس طرح بھولے کہ پھر اس دیس کی طرف کبھی رُخ نہیں کیا، عموماً غریب ہندوستان کا تذکرہ اپنی کتابوں میں کچھ اسطرح کرتے ہیں کہ گویا اُس سے کوئی تعلق ہی نہ تھا،

سفر زبید | اسلامی علوم میں سے سید مرتضیٰ کا فطری میلان زیادہ تر حدیث اور ادب کی طرف تھا، ہندوستان میں اسوقت میر زاہد سلّم سلّم کی دھوم مچی ہوئی تھی، دہلوی خاندان اگرچہ حدیث و قرآن کا علم بردار تھا، تاہم ملک کا عام علمی ماحول معقولی تھا، جس سے غالباً سید مرتضیٰ کچھ خوش نہ تھے، جب عرب پہونچے، تو وہاں معقولات سے زیادہ اُن کو اپنے مذاق کی چیزیں نظر آئیں، حدیث، ادب، تفسیر کے بڑے بڑے ماہرین، عرب کے مختلف شہروں، دیہاتوں میں درس دے رہے تھے، پھر کیا تھا علم کا متلاشی دھونی رما کر جم گیا، اگرچہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ بجائے خود دار العلوم تھے، لیکن سارے عرب میں

یمن کو علمی حیثیت سے امتیاز حاصل تھا، اور اب بھی ہے، یمن کا مشہور تعلیمی شہر زبید تھا اور سمجھا جاتا ہے کہ اب بھی ہے، سید مرتضیٰ زبیدی کی شہرت اسی کی نسبت سے ہوئی، حسن اتفاق تھا کہ زبید کے مشاہیر ارباب درس میں اس وقت علامہ عبدالخالق بن ابی بکر مزجاجی بھی تھے جنھوں نے ہندوستان کے مختلف علماء و مشائخ سے پڑھا اور فائدہ اٹھایا، جن میں علامہ حیات سندی، شیخ عبدالکریم ہندی، شیخ ولی اللہ محدث ہی خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اس لحاظ سے شیخ عبدالخالق پر ہندوستان کا بڑا حق تھا، بلگرام کا نوجوان طالب علم جب زبید پہنچا تو سب سے پہلے شیخ عبدالخالق ہی کے حلقۂ افادات میں اسے جگہ ملی، جسکی خبر ہندوستان میں بھی پہنچی تھی، اور میر غلام علی نے مآثر میں اس کا تذکرہ بھی کیا ہے،

آخر میں زبید کا مشہور علمی قدیم خاندان اہدلیہ اُن پر مہربان ہو گیا، اس زمانہ میں اس خاندان کی درسی و افادی ریاست شیخ احمد بن محمد شریف مقبول اہدل[1] پر ختم ہوتی تھی جو نہ صرف علوم نقلیہ کے ماہر و بصیر تھے، بلکہ علوم عقلیہ مثلاً منطق، حساب، ہیئت میں بھی کافی دستگاہ رکھتے تھے پیچیدہ مسائل کے حل میں اُن کو خاص کمال تھا، تقریباً یہ کمال اُن کو تمام علوم متداولہ میں حاصل تھا، شاہ سید مرتضیٰ شیخ عبدالخالق کے بعد شیخین کے فیوض سے مستفیض ہوتے رہے، اور زبید کی علمی دلچسپیوں میں کچھ ایسے منہمک ہوئے کہ گویا یہیں اُن کا وطن ہو گیا۔ تاج العروس کے خاتمہ نویس نے لکھا ہے:-

واقام بزبيد مدة طويلة حتى	ایک زمانہ دراز تک زبید میں رہے یہانتک کہ لوگون نے
قيل له الزبيدي واشتهر بذلك	زبیدی کہنا شروع کیا اور آجتک اسی نسبت سے مشہور ہیں

اور خود ان پر بھی زبید کا بہت گہرا اثر تھا، مصر سے ایک دوست کے نام خط لکھتے ہیں اس میں

---

[1] اہدل کے معنی عام طور پر ادیب و ذہین کے لیے جاتے ہیں لیکن بعض اہل لغت کا خیال ہے کہ یہ لفظ علی اللہ دل کی معروف شکل ہے واللہ اعلم بالصواب

جب زبید کا ذکر آیا تو قلم سے بیاختہ یہ جملے نکل پڑے،

خدا سے واحد منان سے یہ دعا ہے کہ کاش! مجھے پھر اس خطہ زبید مین پہونچاتا، تاکہ

اپنے پرانے گذرے ہوے دنون کی یاد تازہ کرتا اور اُس سرزمین سے انس حاصل کرتا،

حج مکہ اور طریقہ قدسیہ عیدروسیہ میں بیعت

عموماً تاریخون مین لکھا ہے کہ سید علامہ نے متعدد حج کیے ہین نہین معلوم کہ یہ کس حج کا واقعہ ہے کہ یہ زبید سے مکہ مکرمہ بارادۂ حج آئے ہوے تھے کہ خدا کے گھر مین نبوت کے گھرانے کا اُن کو ایک آفتاب مل گیا یہی وہ روشنی تھی جس نے سید کی حقیقت مین انقلاب پیدا کر دیا، اُن کے علم کو عرفان سے دانش کو شناخت سے بدل دیا یعنی عیدروسی طریقہ کے ایک "حبیب" سید عبدالرحمٰن بن مصطفی العیدروسی کی زیارت نصیب ہوئی خدا جانے سید علامہ نے ان مین کیا دیکھا، کہ بلگرام، الہ آباد، دہلی، زبید کی گلیون مین گھوم گھوم کر جو سرمایہ اتنی طویل مدت مین جمع کیا تھا اس کو اس عیدروسی بزرگ کے قدمون پر نثار کر دیا، تاج العروس کے خاتمہ نگار نے لکھا ہے،

واجتمع بالسید عبد الرحمٰن العیدروس بمکۃ المشرفۃ ولازمہ ملازمۃ کلیۃ	مکہ مکرمہ مین سید عبدالرحمٰن عیدروس سے اُن کی ملاقات ہوئی وہ کلی طور پر پھر انھین کے ہو رہے،

سید علامہ خود لکھتے ہین،

فانہ من ربانی وبلبان تادیبہ غذانی،	انھون نے میری پرورش فرمائی اور اپنی تادیب کے دودھ سے مجھے سیراب کیا،

سید عبدالرحمٰن بن مصطفےٰ العیدروس نے اگرچہ باطنی اور ظاہری کمالات کا اکتساب زیادہ تر اپنے والد مرحوم اور سید عبدالرحمٰن باخفیہ سے کیا تھا، تاہم ان کے زمرۂ اساتذہ مین چند ہندوستانی علما بھی تھے، ابجد العلوم مین لکھا ہے کہ انھون نے شیخ حیات سندی مولوی غلام حیدر ہندی، و سید

فضل اللہ بن احمد ہندی سے بھی پڑھا تھا، ممکن ہے کہ اس ہندوستانی رابطہ نے سید عیدروسی کی خاص توجہ علامہ مرتضیٰ پر مبذول کرا دی ہو، بہرحال کچھ بھی ہو، عیدروسیہ سلسلہ میں داخل ہو جانے کے بعد سید علامہ کا علمی ساز، روحانی سوز سے بدل گیا، آسمان کے نیچے یہ ایک عجیب تماشا تھا، کہ ایک عالم محدث مسند الوقت محدث و لغوی ایک درویش کے قدموں پر جھکا ہوا تھا، نہ اسے اپنے علم کا خیال تھا، نہ اپنے فضل کا لحاظ تھا، حیرت تو اس پر ہے کہ سید مرتضیٰ نے اپنے اس تبحر و وسعت نظر، سید عبدالرحمن عیدروس سے مختصر معانی سبقاً سبقاً پڑھی، اور احیاء العلوم غزالی کا بھی ایک حصہ اپنے پیر سے پڑھا، اسی درس سے احیاء العلوم کی اس عظیم الشان ضخیم شرح کی بنیاد پڑی، جو اتحاف السادۃ المتقین فی شرح احیاء علوم الدین کے نام سے مشہور ہے، مصریوں نے اسے چھاپ دیا ہے، اور ایک قیمتی ذخیرہ معلومات کی حیثیت سے علمائے اسلام کے ہاتھوں میں ہے،

سفر مصر میں کہہ چکا ہوں، کہ سید علامہ پر بیعت کے بعد دوسرا رنگ چڑھ گیا تھا، وہ اپنی مرضی اور ارادہ سے دست بردار ہو چکے تھے، اب ان کی ہر جنبش ان کا ہر سکون پیر کے اشارۂ چشم کے ساتھ وابستہ تھا، تاج العروس کے خاتمہ نگار کا بیان ہے، کہ سید مرتضیٰ اپنے پیر کے حکم و ترغیب سے بجائے ہندوستان کے جو ان کا وطن تھا عرب سے سیدھے مصر کی طرف روانہ ہوئے، اور ۹ صفر سنہ ۱۱۶۷ھ میں قاہرہ پہونچے، اور ایک زمانہ تک خان الصاغہ کی سرائے ان کی قیامگاہ تھی،

مصر کے مشاغل درویش پیر نے اپنے محدث و لغوی مرید کو مصر کس لیے بھیجا تھا، اس کو کون جان سکتا ہے لیکن سید مرتضیٰ نے اپنے اس قیام کو غنیمت خیال کیا،

اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں،

اللہ تعالیٰ کے مجھ پر جو احسانات ہیں، ان میں ایک بڑا احسان یہ ہے کہ میں جب مصر پہونچا تو بیکار پڑا نہ رہا، بلکہ فرصت نکال کر میں یہاں بھی طلب علم میں منہمک اور اس کے رموز و اسرار کے

حل مین مصروف ہوگیا،

طلبِ سند کے حصول کا بہت شوق تھا، زبید کے ایک عالم کے نام ایک گرامی نامہ مین لکھتے ہین،

اطراف مصر کی سیاحت | سید مرتضیٰ کو علم حدیث کی متعدد شاخون مین سے مختلف النوعیت سند کے حصول کا بہت شوق تھا، زبید کے ایک عالم کے نام ایک گرامی نامہ مین لکھتے ہین،

وہ دن جو گذر گئے، اُن مین اس کا خاص شوق تھا کہ لوگ عالی سند کی تلاش مین دور دراز ممالک کا سفر اختیار کرتے تھے، لیکن اب یہ ذوق معدوم ہو رہا ہے، وہ بساط ہی اُلٹ گئی ہمتین پست ہین بگڑی کے بنانے والے کوتاہیون کے دور کرنے والے وہ بزرگان دین کہان ہین جن پر ملت کو فخر تھا،

پھر اپنے متعلق ایک خاص مسرت و نشاط کے ساتھ لکھتے ہین جس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حدیث اس صنعت کا ذوق اُن پر کس قدر غالب تھا، اُن کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے،

لیکن ان گذشتہ بزرگون کی آثار کا کچھ حصہ اب بھی باقی ہے، دنیا کے گوشون مین وہ چیزین اب بھی کہین نہ کہین مل جاتی ہین، اور یہ بندہ الحمدللہ اُن لوگون مین ہے جس نے علم حدیث اور علم اسناد کے اساتذہ کی خدمت مین بہت کچھ تگ و دو کی ہے، اور ان سے حاصل کر کے اب اُس نے اپنے علمی صحن مین اپنا دسترخوان بچھایا ہے"

سند عالی تلاش کیون کی جاتی ہے، اس کی وجہ اُنھون نے اُسی کتاب مین یہ بیان کی ہے،

حدیث کی سندون مین سند عالی معتبر ہوتی ہے یعنی جسمین وسایط کم ہون، اور یہ قاعدہ ہے، کہ جہان تک وسایط کم ہونگے جھوٹ کا احتمال کم ہوتا جاتا ہے، اور جہان تک واسطے زیادہ ہونگے کذب کا احتمال قوی ہوتا جاتا ہے،

بہرحال قیامِ مصر کے زمانے مین اُن کا ابتدائی مشغلہ یہی تھا کہ مشایخ حدیث کی خدمت مین حاضر ہوتے اور اُن کے پاس جو سند ہوتی اس کو حاصل کرتے، علمائے مصر مین اُن کو ایک ایسا محدث ملا جسکی سند کو معاصرین

خاطر سے بہت عالی تھی، ایک خط مین خصوصیت کے ساتھ اُن کا تذکرہ کیا ہے، اور آخر مین لکھا ہے،

ولم [illegible] بہ العلو سندہ الا القلیل   لیکن اس حدث کی اہمیت سے بہت کم لوگون کو تنبہ ہوتا ہے

[illegible] لهم باحوالهم   کیونکہ عموماً لوگ اپنے ذاتی معاملات مین منہمک ہین،

اسی ذوق مین انھون نے قاہرہ سے بھی باہر قدم نکالا اور مختلف اضلاع و بلاد مین گھومتے رہے، ایک یادداشت مین ان مقامات کی تفصیل بھی لکھی ہے جہان جہان سند کی تلاش مین وہ پہونچے ان مین سے منوط، جرجا، فرشوط، و یاط، محلہ منوف، بوصیر دمنہور خاص طور پر قابل ذکر ہین،

[illegible] کا سفر اب سب کچھ مل رہا تھا لیکن علم کی پیاس کسی طرح نہین بجھتی تھی، آخر اسی سلسلہ مین بہ نیت زیارت بیت المقدس کا بھی سفر کیا، ایک خط مین خود لکھتے ہین،

"مین نے بیت المقدس کا بھی سفر کیا اور وہان کے ارباب اسناد کی خدمت مین حاضر ہوا، بیت المقدس سے رملہ بھی اسی دھن مین پہونچا، اور ہر جگہ مین نے حدیث کی سماعت کر کے سند حاصل کی"

تحصیل اجازات | محدثین کا دستور تھا کہ اگر کسی استاد کے پاس خود نہین پہونچ سکتے تھے تو خط و کتابت کے ذریعہ سے اجازت نامے منگوایا کرتے تھے، سید علامہ نے یہ بھی کیا، خود لکھتے ہین،

"مجھے حلب، فاس، تونس، سولا، تلمسان کے محدثین نے بھی اجازت نامے لکھ بھیجے، اس کے سوا مصر مین بھی مغرب اقصیٰ کے چند صاحب اسناد محدثین کی ملاقات سے شرف اندوز ہوا، اور اجازت حاصل کی"

مصر مین مستقل قیام اور نکاح | جس نے کسب کمال مین اتنی جان فرسا محنت کی ہو، اُس کی علمی وسعت کا کون اندازہ کر سکتا ہے، سید علامہ مین اُس کے بعد جس قسم کی جامعیت پیدا ہو گئی تھی، وہ اپنے زمانہ مین اپنی آپ نظیر تھی، وہ ادیب تھے، مفسر تھے، محدث تھے، لغوی تھے، منطقی تھے، فلسفی تھے، آپ کو فقہ اربعہ کی

اجازت حاصل تھی، اور ان کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ تھی، کہ اسی عرصہ مین ایک شیخ کامل کی نظر توجہ اُن کو نصیب ہوئی، جس نے اُن کے سارے علمی کمالات کو مرکزِ انابت پر گردش دیدیا تھا۔ نہ صرف علوم بلکہ اس سیر وسیاحت مین اُن کو مختلف اسلامی زبانون پر بھی عبور حاصل ہوگیا تھا، خصوصاً فارسی، ترکی، نہایت آسانی کے ساتھ بولتے اور لکھتے تھے۔ اور عربی تو ان کی گویا مادری زبان ہوگئی تھی؛ اگرچہ تاریخون مین اس کا ذکر نہین ہے لیکن بارھوین صدی ہجری کے ہندوستانی کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ اُردو نہ جانتا تھا بالکل بعید از عقل ہے اس لیے یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ چینی اور پشتو کے سوا دنیاے اسلام کی ہر ایک زبان سے وہ واقف تھے، اور اس مختلف زبانداني نے آئندہ زندگی مین اُن کو بہت کچھ فائدہ پہونچایا،

بہرحال اب سید علامہ نے کسی خاص مقام پر جم کر کام کرنے کا ارادہ کیا، پیر کا حکم مصر مین رہنے کا تھا، پھر مصر کے سوا کہان جاتے، محلہ عطفۃ الغسال مین آپ نے ایک مستقل مکان لیا اور دمیاط کے ایک بزرگ ذو الفقار دمیاطی جو غالباً ان کے عقیدتمند تھے، اُن کی دختر نیک اختر سے جن کا نام زبیدہ تھا، آپ نے نکاح کرلیا، اور تالیف و تصنیف کو اپنا خاص موزون شغل قرار دیا،

تاج العروس کی تالیف | قاموس فن لغت مین گویا ایک متن متین ہے کیونکہ فیروزآبادی نے نہایت مختصر لفظون مین زیادہ مطالب کے سمیٹنے کی کوشش کی ہے، سید علامہ کی غالباً سب سے پہلی نگاہ انتخاب اسی پڑی اور کامل چودہ سال گوشہ تنہائی مین بیٹھ کر آپ نے اس ٹھوس اور جامع کتاب کی ایک ضخیم شرح نو جلدون مین لکھی، اور تقریباً ہر جلد کے صفحات پانسو صفحات سے کم نہین ہین، حالانکہ اس کتاب کا طول و عرض بہت غیر معمولی ہے، اگر چھوٹی تقطیع پر شائع کی جائے تو مین یہ خیال کرتا ہون کہ اس کی ضخامت بجائے ۹ جلد کے اٹھارہ جلدون تک پہونچ جائے گی؛

تاج العروس کی ختم کی تقریب | سید علامہ چودہ سال تک نہایت خاموشی کے ساتھ اس مہم کے سر کرنے مین مسلسل

معروف ہے، جب کام ختم ہوگیا، تو آپ نے قدیم دستور کے مطابق، مصر کے تمام اعیان واشراف کی دعوت عام سے ایک دعوت کی جسمین علما، صلحا، مشائخ، الغرض ہر طبقہ کے لوگ شریک تھے، دعوت کے دن آپ نے سب کو ایک مجلس مین جمع کیا، اور اپنی محنت اُن کے سامنے پیش کی، لوگ انگشت بدندان تھے، حیرت تھی کہ ہندوستان کے غریب الوطن مسافر نے یہ کیا کیا اور باتفاق سبھون نے اُن کی جلالت قدر کا اعتراف کیا، مصر کے مسلم الثبوت اساتذہ نے جو اس دعوت میں شریک تھے، نہایت فراخدلی کے ساتھ اس پر تقریظین لکھین، اُن مین اپنے زمانہ کے شیخ الکل شیخ علی صعیدی، شیخ احمد دردیر، شیخ ابو الانوار خاص طور پر قابل ذکر ہین،

تاج العروس کی شہرت عامہ اور اسکی شاہانہ قدر و منزلت

مصر مین جس وقت اس کتاب کا غلغلہ بلند ہوا، تو اطراف و جوانب سے جوق در جوق لوگ اس نادر اور حیرت انگیز چیز کے دیکھنے کے لیے اُمنڈ پڑے، رفتہ رفتہ اسکی جلالت شان، علو مرتبت کا شہرہ دوسرے اسلامی ممالک تک پہونچا، قسطنطنیہ سے خلیفۃ المسلمین کا فرمان آیا، کہ اس کا ایک نسخہ سلطانی کتبخانہ کے لیے فوراً بھیجا جائے، مراکش کے سلطان نے بھی اس کا ایک نسخہ طلب کیا، دارفور کے امیر نے بھی ایک نسخہ اپنے لیے لکھوایا، حالانکہ اگر بکفایت بھی لکھوایا جاتا تو ہر نسخہ کی لکھائی پر کم از کم ایک ہزار ریال خرچ ہوتا تھا، اس سے مسلمانون کے علمی ذوق اور اسلامی امراء کی علم دوستی کا اندازہ ہوتا ہے، اور یہ کل کی بات ہے، لیکن زمانہ کی اس نیرنگی کا کچھ ٹھکانا ہے کہ آج اگر کسی اسلامی کتاب کی قیمت بدقسمتی سے دس پانچ تک پہونچ جاتی ہے، تو اُس کے مصنفین صرف کیڑون اور دیمک کے نذران کا رنگ رہ جاتے ہین،

شغل درس حدیث

تاج العروس نے مصریون کی آنکھین کھولدین، اب انھون نے پہچانا کہ ان مین کس گھرانے کا، کس ملک کا، کون آدمی ہے، نہ صرف عوام الناس بلکہ ممتاز افاضل مصر بھی سید علامہ کی خدمت مین عقیدت کے ساتھ آنے لگے، جیسا کہ مین لکھ چکا ہون، سید ممدوح کو اسناد و اجازات کا

ذاتی شوق تھا آنے جانے والوں پرؔ بڑی یہ ذوق غالب ہوا اور انھون نے سید سے سند کا مطالبہ شروع کیا، حتیٰ کہ آخر مین مصر بلکہ دنیائے اسلام کے سب سے بڑے علمی مرکز مین بھی جنبش ہوئی اور ازہر کے شیوخ واساتذہ بھی حصول سند کی غرض سے آپ کی خدمت مین آنے لگے، اسوقت آپنے فرمایا کہ جب تک میرے سامنے حدیث سنی یا سنائی نہ جائے گی سند نہین دے سکتا، آخر یہ طے ہوا کہ شیخون کی جامع مسجد مین جو صلیبیہ مین ہے، ہر پیر اور جمعرات کو سید علامہ حدیث کا درس دین گے، حلقہ مین جو شریک ہونگے اُن کو سند دیجائے گی اور اسی کے بعد تالیف کے سو اتدریس کا بھی سلسلہ جاری ہوا،

سید علامہ اُس زمانہ مین محلہ عطفۃ الغسال سے سویقۃ اللالا مین منتقل ہوگئے تھے یہین سے آپ شیخون کی جامع مسجد مین جاتے اور درس دیتے،

آغاز درس | سب سے پہلی کتاب جو سید علامہ نے شروع کرائی وہ صحیح بخاری تھی سید حسن شیخونی قاری تھے اور دوسرے حضرات سنتے تھے، دنیا یہ سُن کر تعجب کرے گی کہ اس درس مین جامع ازہر کے مشہور اساتذہ ومعلمین بھی ہوتے تھے جن مین شیخ احمد سجاعی اور شیخ مصطفیٰ طائی بہت زیادہ ممتاز تھے،

طریق درس | مصر مین بھی اس زمانہ مین درس حدیث کا وہی عام طریقہ تھا، جو اسوقت ہندوستان مین مروج ہے یعنی شاگرد کتاب پڑھتا جاتا ہے اور استاد سنتا رہتا ہے، جہان پر کوئی چیز قابل ذکر ہوتی ہے اُسے بتا دیتا ہے لیکن سلف کا طریقۂ درس یہ نہ تھا، وہ املا کراتے تھے یعنی استاد متن وسند کے ساتھ حدیث کو زبانی بیان کرتا تھا، اور پھر مختلف اعتبارات سے اسپر بحث کرتا تھا، سید علامہ نے عام طریقہ کے سوا املا کی رسم کہن کو پھر زندہ کیا، اپنے ایک خط مین لکھتے ہین،

> مین معمولی درس کے بعد، قدیم حفاظ کی طرح املا بھی کراتا ہون، جس مین متن کے ساتھ سند بھی بیان کرتا ہون، اور مطالب ومعانی سے بیچ بیچ مین بحث کرتا جاتا ہون، طلبہ میری ان تقریرون کو قلمبند کرتے ہین جو اسوقت متعدد جلدون کی شکل مین مرتب ہوچکی ہین،

بسط و تفصیل کی نوعیت | سید علامہ آپ اس املائی درس مین کیسی تفصیل و توضیح سے کام لیتے تھے، اس کا اندازہ محض اس سے ہوسکتا ہے، کہ ام زرع کی مشہور حدیث جو غالباً بیس پچیس سطر سے زیادہ نہین ہے، اُس کے متعلق آپنے جن مضامین کا املا کرایا صرف اس کی ضخامت سات جزو تک پہنچ گئی، اُسی خط مین لکھتے ہین،

ام زرع کی حدیث پر مین نے سات جزون مین املا کرایا ہے، اس حدیث کی شرح چودہ مجلسون مین ختم ہوئی، طلبہ اسکی نقلین لے رہے ہین، اور مختلف ممالک مین پھیلا رہے ہین،

مصریون پر آپ کا اثر | یون تو جب سے تاج العروس شائع ہوئی تھی، آپ کے فضل و جلالت کا پرچم مصر مین لہرا رہا تھا، لیکن حدیث شریف کے اس انوکھے طریقۂ درس نے آپ کی شان و عظمت کو دوبالا کر دیا اور عوام سے لیکر خواص ہر ایک آپ کا ثناخوان اور عقیدتمند تھا، امرا اور اعیانِ دولت جوشِ عقیدت مین آکر آپ کو اپنی محلسراؤن مین بلاتے اور اس تقریب سے عظیم الشان دعوتین کرتے،

مجلس دعوت | سید علامہ کا یہ دستور تھا، کہ جب کسی امیر کے یہان سے دعوت آتی تو اپنے طلبہ، کاتب، نیز دیگر مستملین کو لیکر اُس کے مکان پر پہنچتے، داعی اپنے مکان کو ہر قسم کی آرائشون سے سجاتا، گھر کے لوگ نئے کپڑے پہنتے، مردون کا مجمع سامنے ہوتا، عورتین اور بچیان پردے کے پیچھے ہوتین، عود بخور اور ہر قسم کی خوشبودار چیزین جلائی جاتین، اسکے بعد سید بخاری، دارمی یا کسی دوسری کتاب کی چند حدیثین سند کے ساتھ سناتے، پھر سب ملکر درود شریف پڑھتے، اُسکے بعد کاتب اُٹھتا، اور تمام حاضرین خواہ مرد ہون یا عورت بلکہ بچون تک بھی نام لکھتا، پھر اُس پر تاریخ و وقت درج کرکے سید علامہ کی خدمت مین لاتا، سید اُس پر "صح ذلک" لکھدیتے، اور یہ محدثین کا قدیم دستور تھا،

بیرون مصر مین آپ کا آوازہ | مین کہہ چکا ہون کہ تاج العروس کی شہرت، اسلامی دنیا کے سلاطین تک پہنچ چکی تھی، اب اُسی کے ساتھ سید علامہ کے درس حدیث کی خوشبو مصر کی دیوارون کو پھاند کر غیر ممالک مین

پہونچی، اکثر اقطار و امصار سے لوگ آپ کی خدمت مین حاضر ہوتے تھے، اور جو نہین آسکتے تھے، وہ تحریر کے ذریعہ سے سند اور اجازت نامے منگوایا کرتے تھے، سید علامہ اپنے ایک خط مین لکھتے ہین،

"اس وقت تک مین نے اہل شام، دمشق، حلب، مدینہ، نابلس، موصل، آذربیجان، ایران، تونس، الجزائر، دیار بکر، مدراس، ہندوستان اور اٹلی اپنی سند اور اجازت نامے بھیجے"

تاج العروس کے خاتمہ نگار کا بیان ہے کہ صرف انھین ممالک سے نہین بلکہ دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ سے روزمرہ آپ کے پاس درخواستین پیش ہوتی تھین اور عوام ہی نہین بلکہ ان ممالک کے امراء و سلاطین بھی خطوط لکھتے اور نہایت نیازمندی کے ساتھ اجازت نامے یا سند طلب کرتے، خاتمہ نگار نے اس سند مین لکھا ہے، کہ یمن، شام، ہندوستان، بصرہ، عراق، مراکش، سوڈان، قزان، الجزائر، الغرض ہر طرف سے شدید تقاضے آتے رہتے تھے،

خلیفۃ المسلمین کی درخواست | آخر مین قسطنطنیہ سے خلیفۃ المسلمین سلطان عبد الحمید اوّل نے آپ کو قسطنطنیہ آنے کی دعوت دی، اور آپ نے منظور بھی فرما لیا تھا، لیکن پھر خدا جانے کیا موانع پیش آگئے کہ نہ جا سکے، سلطان نے اس کے بعد یہ درخواست پیش کی کہ تو پھر دہین سے مجھے اپنی سندون اور حدیث کی کتابون کی اجازت لکھ بھیجئے، سید علامہ نے اپنے ہاتھ سے اجازت نامہ لکھ کر بارگاہ سلطانی مین بھیجا، سلطان کے ساتھ ترکی کے مشہور فاضل جیسے صدر اعظم محمد راغب پاشا نے بھی آپ سے سند اور اجازت نامہ حاصل کیا، اور دنیاوی حیثیت سے ایک سلطان عالم کا یہ آخری نقطۂ عروج تھا، جو ایک غریب الوطن ہندوستانی عالم کو دوسرے ملک مین حاصل ہو، قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء،

اوراد و وظائف کی اجازت | مصر مین سید علامہ کا قیام اپنے پیر کے حکم سے تھا، وہان حدیث، تفسیر یا جس چیز کا درس دیتے تھے، سب مین بجائے درس کے تلقین و ذکر کی شان زیادہ غالب تھی، اپنے درس مین

علاوہ فقہیات و جدلیات سے زیادہ حقائق و معارف فضائل اعمال کی حدیثوں پر زور دیتے تھے اسی کے ساتھ اپنے شیخ سے جن اذکار اور اوراد کی آپ کو اجازت تھی طالبین کی اس طرف بھی رہنمائی کرتے رہتے تھے، تاج کا خاتمہ نگار لکھتا ہے:

ویجیزہ بما ورادہ و احزابہ — اور لوگوں کو ورد و وظائف کی بھی اجازت دیتے تھے،

سید علامہ کا حلیہ و سیرت | تاج العروس کے خاتمہ نگار نے آپ کی شکل و صورت کی پوری توضیح کی ہے اور میں اسی سے نقل کرتا ہوں، اس کا بیان ہے، سید مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ میانہ قد، چھریرے بدن کے تھے، رنگ سنہرا تھا، اعضا متناسب تھے، ڈاڑھی بہت معتدل تھی لیکن اکثر حصہ سفید ہو چکا تھا، پیوند سکڑے رہتے تھے، چہرہ پر ایک دائمی بشاشت رہتی تھی، لیکن وہ نہایت باوقار اور بھاری بھرکم تھے، ان کی مجلس بارعب اور پرہیبت ہوتی تھی، اخلاق نہایت پاکیزہ اور لطیف تھے، گفتگو نہایت دلچسپ پرمغز، نوادر و لطائف سے معمور ہوتی تھی، حافظہ نہایت قوی تھا، نہایت سمجھدار اور ذکی طبیعت تھی،

لباس و وضع | سید علامہ اچھے لباس کے شوقین تھے، بدن پر ہمیشہ صاف ستھرا جامہ ہوتا، سر پر ترکیون کی طرح عمامہ باندھتے، جس میں جالیاں اور ریشمی زرکش ڈورے پڑے ہوتے،

ذرایع معاش | میں نے تلاش کیا، کہ سید علامہ کے گذر اوقات کی کیا صورت تھی، لیکن کوئی واضح بیان نہ ملا، تاہم ان کی جو زندگی تھی اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فراخی رزق سے بھی اُن کو نوازا تھا، اپنے ایک خط میں اُنھوں نے لکھا ہے کہ اسوقت ہمارے یہاں دو حبشی لونڈیاں اور ایک حبشی غلام ہے باندیوں کا نام سعادہ اور جست تھا، اور غلام کا نام بلال تھا، اور یہ عجیب بات ہے کہ سید علامہ جب اپنے لیے کسی عالم سے سند یا اجازت نامہ طلب کرتے تو اس میں لکھتے کہ میری بیوی اور میری لونڈیوں اور غلام کے نام سے بھی اجازت نامہ بھیجئے گا،

بہرحال معاشی حیثیت سے سید علامہ کی حالت اچھی تھی، اس کا سامان کہاں سے ہوتا تھا، غالباً

گمان یہ ہے کہ حکومتِ مصر یا وہان کے ارباب خیر آپ کی مدد کرتے تھے، اور شہرتِ عامہ کے بعد ممکن ہے کہ خلیفۃ المسلمین یا دوسرے سلاطین کے یہان سے آپ کو امدادین ملتی ہون،

آخر عمر او وفات بہرحال جو بھی صورت حال ہو، سید علامہ نہایت عزت وجلال صیت وشہرت کے ساتھ مصر مین زندگی گذار رہے تھے اور یہ کہنا مبالغہ نہین ہے کہ اپنے عہد مین خدا نے اُن کو وہ بلند رتبہ عطا فرمایا تھا جو نہ صرف اس زمانہ مین بلکہ اس سے پیشتر بھی کم لوگون کو نصیب ہوا تھا، وہ مصر ہی کے نہین، بلکہ اپنے زمانہ مین دنیائے اسلام کے سب سے بڑے محدث، سب سے بڑے ادیب، سب سے بڑے لغوی، اور آخر مین ایک مرتاض، صاحب باطن ولی اللہ تھے، تقریباً ہر اسلامی ملک کے لوگ آپ کے پاس آتے تھے، اور جیسا کہ بتا چکا ہون کہ آپ تقریباً ہر اسلامی ملک کی زبان سے واقف تھے، اس لیے قدرتی طور پر جو بھی آپ کے پاس آتا تھا وہ آپ کو اپنا پاتا تھا، ایرانی آتے تو اُن سے فارسی مین گفتگو ہوتی، فارسی زبان کے مولفین وشعرار کا کلام اُن کو سناتے، وہ اُس سے خوش ہوتے، ہندی جاتا تو ہندوستانی علمار کا حال پوچھتے، ترکی پہونچتے تو ترک فضلار وصوفیار کی قیمتی باتین اُن کو سناتے، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُن میں سے ہر ایک آپ کو اپنا سمجھتا تھا، اور غالباً مختلف زبانون کے علم نے آپ کی قابلیت کے سونے پر سہاگہ کا کام کیا تھا، اور پھر یہی نہین بلکہ کچھ دنون سے جو مسلمانون کا ایک عام دستور ہوگیا تھا کہ جن لوگون کو ظاہری علوم وفنون مین انہماک ہوتا ہے وہ باطن سے عموماً صفر یا کم از کم ناآشنا ہوتے ہین، اور اسی طرح اربابِ باطن علومِ ظاہری کی طرف کم توجہ فرماتے ہین، اگرچہ سچ یہ ہے، کہ جس نے حقیقت کو پالیا وہ مجاز سے بے نیاز ہو جاتا ہے، تاہم بے بصرون کے لیے نکتہ چینی کا موقع باقی رہتا ہے لیکن سید علامہ کی عجیب شخصیت تھی، وہ ایک ہی وقت مین، ایک ہی زمانہ مین اگر ایک طرف سیبویہ اور جوہری کے جانشین تھے، تو دوسری طرف ابن حجر اور عینی کے مسند درس کو اُن پر ناز تھا، اگر ایک حیثیت سے ابن ہمام اور ابن نجیم کی روح اُن کی فقہی نکتہ سنجیون سے مسرور تھی، تو دوسری طرف یہ حیرت انگیز تماشا تھا،

کو یہ نا نور شا الثقلین وسیدنا حبیب الجد رسول الاکرم رضی اللہ تعالی عنہم کی مبارک آنکھون کی آپ ٹھنڈک
تھے، ۱۱ یہی وہ جامعیت ہے جسکی امت اسلام مین تمنا کی جاتی ہے لیکن افسوس ہے کہ بہت کم پوری
ہوتی ہے لیکن جہان کہین اور جب کبھی کسی مین جامع حیثیتین جمع ہوگئی ہین مسلمان اسکی طرف ٹل پڑے
اسلامی دنیا اسی شخصیت کے آگے لوٹنے لگی ہے اور یہی حال سید علامہ زبیدی کا ہوا، لوگ ہر چہار طرف سے
اُمڈے پڑتے تھے مختلف آرزو مختلف سوالات مختلف حیثیت کا خیال کرکے آتے، اور تشفی حاصل کرکے جاتے تھے
ارشاد وہدایت درس وتدریس وتحریر وتصنیف وکتابت کا دریا بہہ رہا تھا، اور سب اس سے سیراب ہو رہے تھے،
وفات سے کچھ دن پیشتر تک خدا کا یہ فیض عمیم اسی طرح موجزن رہا تھا کہ یکایک جانے آپنے کیا محسوس کیا کہ
تاج العروس کا خاتمہ نگار لکھتا ہے کہ آپ نے ـ

لزم داره واحتجب عن اصحابه واغلق	گھر مین بیٹھ گئے، اور اپنے شاگردون سے چھپ گئے اور
بابه احتمل الى ... واغلق الباب وترك التدريس	ڈیوڑھی کے اندر معتکف ہوگئے، دروازہ لگا دیا، پڑھنا
والاقراء	پڑھانا چھوڑ دیا،

کیا دیکھا، یا کیا دکھایا گیا، بہرحال اثر یہ تھا کہ ایسی بلند و وسیع شخصیت یکایک سمٹ گئی، جو سب کچھ
تھا وہ کسی کے لیے گویا کچھ نہ رہ گیا، اسی کے کچھ دن بعد قاہرہ مین طاعون پھیلا، جامع کردی جو سید علامہ
کے مکان کے روبرو واقع ہے وہین نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے تشریف لے گئے، نماز سے فارغ ہوئے
کہ طاعون کا اثر محسوس کیا، گھر پہونچے اور زبان بند ہوگئی، ہفتہ کا دن اسی خاموشی مین گذرا اور اتوار
کے دن علم وعرفان کا وہ آفتاب جو گنگا کے ساحل پر طلوع ہوا تھا، نیل کی وادی مین غروب ہوگیا،
فانا للہ وانا الیہ راجعون سنہ ۱۲۰۵ ہجری شعبان کا مہینہ تھا،

شہر مین شیوع طاعون کی وجہ سے سراسیمگی پھیلی ہوئی تھی کسی کو اس واقعہ کی خبر بھی نہین ہوئی
حتی کہ جامع ازہر کے اساتذہ جن مین آپ کے شاگردون کی ایک بڑی جماعت تھی، اُن کو بھی آپ کی

وفات کا اسوقت علم نہو سکا، محلہ مین جو چند مسلمان تھے انھون نے آپ کی تجہیز و تکفین کی، اور مصر کی مشہور درگاہ سیدہ رقیہ مین اس علمی دفینہ کو لوگون نے محفوظ کر دیا، تاج العروس کے خاتمہ نگار نے لکھا ہے کہ سید علامہ نے اپنی زندگی مین ایک قبر اپنے لیے اس درگاہ مین بنوائی تھی اور اس مین مدفون ہوئے

عاش حميدا ومات سعيدا فالحيوة حيوته والممات مماته اللهم اغفر له واجعله من ورثة جنة النعيم ونور قبره وقدس سره وارض عنه وعن امة محمد صلى الله عليه وسلم اجمعين

اولاد | مین نے لکھا ہے کہ سید علامہ نے قاہرہ مین شادی کر لی تھی، لیکن کوئی اولاد نہین ہوئی،

تالیفات | اگرچہ جسمانی طور پر مصر مین اس واسطی سید کا کوئی سلسلہ جاری نہین ہوا، لیکن اُس کے ان علمی سلسلون کو کون گن سکتا ہے جو نہ صرف مصر بلکہ اسلامی دنیا پر چھا گئے، مختلف علوم و فنون مین سید علامہ کی کتابین سو سے متجاوز ہین، جن مین خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر حسب ذیل ہین،

(۱) تاج العروس	۹ جلد	(۵) الجواہر المنیفہ فی تائید مذہب ابی حنیفہ	۱ جلد
(۲) اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین	۵ جلد	(۶) امالی حنفیہ	۱ جلد
(۳) تکملۃ القاموس	۱ جلد	(۷) حکمۃ الاشراق الی کتاب الآفاق	۱ جلد
(۴) الفیۃ السند مع شرحہا	۱ جلد	(۸) ترویح القلوب بذکر ملوک بنی ایوب	۱ جلد

ان کتابون کے علاوہ سید علامہ کے چھوٹے بڑے رسالے حدیث، تفسیر، تاریخ، لغت، علم الاسناد، تخاریج، فقہ، منطق، فلسفہ، ادب، الغرض ہر علم مین آتے ہین کہ اُن کو کون شمار کر سکتا ہے، آپکی تالیفات مین سے تاج العروس، شرح احیاء العلوم، الجواہر المنیفہ چھپ کر شایع ہو چکی ہے،

گلبرگہ شریف اور اُس کا نواح

از

جناب تمکین کاظمی صاحب

دکن میں اورنگ آباد، گلبرگہ، بیدر وغیرہ ایسے مشہور مقامات ہیں کہ اکثر لوگ آثار قدیمہ اور سیاح دُور دُور سے دیکھنے کے لیے آتے ہیں مگر افسوس ہے کہ انھیں تفصیلی معلومات بہم پہونچ جانے کے علاوہ صرف معائنہ مقامات ہی کے لیے اکثر وقت ناکافی ہوتا ہے اگر وقت مساعدت کریگا تو انشاءاللہ ان مقامات کے گائیڈ مرتب کر دیے جائیں گے تاکہ سیاحوں کو معلومات بہم پہونچیں اور دکن کے آثار قدیمہ اور تاریخی مقامات کا حال ایک جگہ جمع ہو جائے ذیل کا مضمون ایک خاکہ ہے جو گائیڈ کی ترتیب کے وقت پیش نظر رہے گا۔ (تمکین)

گلبرگہ بہت قدیم ہندو شہر ہے راجہ کلی چند نے اسکندر رومی کے حملۂ ہند سے قبل اسے آباد کیا اور گلبرگی (زمین سنگلاخ) نام رکھا، جو کثرت استعمال سے گلبرگہ ہو گیا، راجہ کلی چند کے بعد مدت تک راجہ ورنگل کے قبضہ میں رہا اور چودھوین صدی کی ابتدا میں ورنگل اور بیدر کے ساتھ محمد تغلق کے قبضہ میں آگیا، ۱۳۴۷ء میں دکن کے امرا نے محمد تغلق سے بغاوت کی اور ظفر خان نے شاہی لقب اختیار کر کے صوبجات دکن (دولت آباد، گلبرگہ، بیدر) پر قبضہ کر لیا اور گلبرگہ کو پایہ تخت بنایا ۱۳۴۷ء سے ۱۴۳۰ء تک سلاطین بہمنیہ کا پایہ تخت رہا احمد شاہ ولی بہمنی نے بیدر کو پایہ تخت مقرر کیا مگر گلبرگہ سلاطین بہمنیہ ہی کے قبضہ میں رہا ۱۵۰۴ء میں شاہان عادل شاہیہ (بیجاپور) کے قبضہ میں آیا ۱۵۱۴ء میں امیر برید نے اسپر قبضہ کیا مگر چند ہی روز کے بعد پھر عادل شاہوں کے قبضہ میں آگیا اور ۱۶۵۷ء میں میر جملہ نے گلبرگہ فتح کر کے سلطنت مغلیہ میں داخل کیا، اور سلطنت دہلی کے صوبجات دکن

یاس کا شمار ہونے لگا جب حیدرآباد پر نواب نظام الملک آصف جاہ بہادر نے قبضہ کیا تو گلبرگہ بھی قبضہ مین
ور اب تک سلاطین آصفیہ خلد اللہ ملکہ کے زیر فرمان ہے ۱۸۷۳ء مین صوبہ کا مستقر قرار دیا گیا اور اب بھی ہے
ع گلبرگہ اضلاع عثمان آباد و بیدر سے جانب شمال ملحق ہے اور جانب شرق اضلاع اطراف بلدہ و محبوب نگر
جنوب مین اضلاع محبوب نگر و رائچور و لنگسگور سے متصل ہے جانب مغرب ضلع عثمان آباد اور علاقہ بمبئی کے
ت بیجاپور و اکلکوٹ اسٹیٹ سے ملحق ہے، یہ ضلع درمیان خطوط عرض بلد شمالی ۱۶ ۳۰ ـ ۱۷ ـ ۴۴ ۴۴ اور مین
ں بلد شرقی ۶ ۵ ـ ۲۲ و ۸ ۵ ـ ۲ ـ ۰ ۲۵ واقع ہے، ۱۹۰۱ء مین اس کا رقبہ بشمول پائگاہ و جاگیرات (۶۰۹۲
بع میل تھا، مگر خالصہ و صرف خاص کا رقبہ (۴۲۸۴) مربع میل تھا، ایک سلسلہ پہاڑون کا شمال ضلع
ں ضلع عثمان آباد سے داخل ہو کر تعلقات مہاگاؤن اور چنچولی (۶۰) میل تک جنوبی مشرقی سمت مین
گیا ہے،

گلبرگہ جی۔ آئی۔ پی۔ ریلوے کا اسٹیشن ہے حیدرآباد سے (۱۳۴) میل اور رائچور سے (۹۰) میل کا
صلہ ہے،

آثار قدیمہ

قلعہ گلبرگہ اس قلعہ کی تعمیر سنہ ۴۰ قبل مسیح مین راجہ گل چند نے کی اور رایان بیجانگر نے اسکی ترمیم
مرہ کی مگر موجودہ حالت عہد بہمنیہ (۷۴۸ھ ـ ۹۳۴ھ / ۱۳۴۷ء ـ ۱۵۲۰ء) کی یادگار ہے، قلعہ کی شکل نہ مدور ہے اور نہ مربع
مطیل بلکہ بیضوی ہے، شمالی دیوار شرقاً غرباً بالکل سیدھی اور جنوبی گولائی لیے ہوے ہے جو گھومتی چلی
ں ہے مغربی دیوار بھی اُس کے مماثل ہے، البتہ شرقی فصیل سیدھی ہے جسکے گرداگرد پچاس گز عریض اور
بیس گز عمیق خندق ہے، فصیل کا دور قریب ایک میل کے ہے، شرق رویہ اور غرب رویہ دو دروازے ہین،
رقی دروازہ ایک ہی ہے اور شکستہ حال ہے، مغربی دروازہ کے اندر تین چکر دار کمانین مع ایک پھاٹک کے
جود ہین، اور اسی کے . . دونون جانب چند مرتفع برج ہین جن پر توپین چڑھی ہین، قلعہ کے اندر بند و فلک شکوہ

…ج ہین ، جن پر چھبیس توپین چڑھی ہوئی ہین جن مین سے ایک توپ ۲۵ فٹ لمبی ہی،

دولت برج، شرقی دروازہ کے اندر یہ عظیم الشان مستطیل الوضع برج ہی جسکو رن منڈل یا بالاحصار اور فتح برج بھی کہتے ہین اس کا طول شرقاً ۲۰۰ فٹ اور شمالاً ۱۰۰ فٹ ہے اور بلندی بھی ۱۲۰ فٹ ہی ہے چارون گوشون پر دو حلقے بناکر مضبوطی اور خوبصورتی مین بہت اضافہ کیا گیا ہے یہ برج سب برجون سے بڑا ہے اُسکے اوپر تین توپین رکھی ہوئی ہین دو توپین چودہ چودہ فٹ لمبی ہین جنپر کچھ لکھا ہوا نہین ہے اس کا قطر سوا فٹ ہے تیسری توپ پر چھاپ بشی عادل شاہی کندہ ہے، … حصار کی دیوار کے کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس برج کو سلطان ابراہیم عادل شاہ (۹۸۷ھ ۱۵۷۹ء) کے ملازم محمد حمید نے بنوایا تھا، کتبہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ وآلہ اجمعین در عہد … شاہ عالم پناہ سر سپہر سرفرازی تاج الدنیا والدین ابو المظفر ابراہیم عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ وافاض علی العالمین برّہ واحسانہ بندہ درگاہ محمد حمید این برج دولت تمام نمود،

ہشت برج، یہ برج دروازۂ غربی کے شمال مین کالے پہاڑ پر واقع ہے ایک سنگ … کا کتبہ بخط نسخ دیوار مین نصب ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۶۶ھ ۱۰۵۱ء مین عہد سلطان محمد عادل شاہ تیار ہوا، کتبہ

بامر محمد شہ بحر و بر	کزو یافت ملک دکن زیب و فر
ز حسن سنج نور اللہ سر خیل ملک	کہ ہست او زاولادِ خیر البشر
دگر احسن آباد را داد زیب	بہ تعمیر ہر برج و دیوار و در
چون تعمیر شد گشت تاریخ و سال	شدہ حصن گلبرگہ محکم دگر

۱۰۶۶ھ

حسن بہمنی نے گلبرگہ کو پایہ تخت بنانے کے بعد نام بدل کر احسن آباد رکھا مگر یہ نام مشہور نہو سکا، کتبہ سے

تیسرے شعر میں اسی آہن آباد کا تذکرہ ہے:

اس برج پر ایک نہایت ہی خوش نما پیچ رسی توپ رکھی ہوئی ہے جو نواب علی خان بہادر کے زمانہ کی ہے جسے اُن کے دیوان رکن الدولہ میر موسیٰ خان احتشام جنگ نے بنوایا تھا، ذیل کی عبارت اس پر کندہ ہے:

رفیق سادات برحق نواب رکن الدولہ بہادر ظفر الدولہ بہادر ۱۱۸۵ھ

اس برج کی ضروری تعمیر تھوڑا عرصہ ہوا کہ سررشتہ آثار قدیمہ کی جانب سے ہو چکی ہے اور اب اچھی حالت میں ہے۔

گھڑیالچی برج یہ برج عربی دروازہ کے جانب شمال بلندی پر واقع ہے چونکہ شاہان بہمنیہ کے زمانہ میں اس پر گھڑیال بجا کرتی تھی اس لیے گھڑیالچی برج نام مشہور ہو گیا، اوپر چڑھنے کے لیے ۲۵ سیڑھیاں بنی ہیں، اوپر ایک کتبہ سنگ سیاہ پر کندہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ برج اور ایک ملحقہ مکان ۱۰۵۰ھ میں عہد سلطان محمد عادل شاہ باہتمام علی رضا تعمیر ہوا ہے:

کشادہ باد بدولت ہمیشہ این درگاہ

ہذا القصر نظر کردہ پیر دستگیر اولاد حسین و حسن پشت و پناہ اہل دکن بندہ نواز مخدوم دنیا و دین سید محمد حسینی گیسو دراز فی عہد السلطان ابو المظفر سلطان محمد عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ ابداً و بانیہ کمترین غلامان درگاہ علی رضا بن محمد آقا سنہ ثمان و خمسین والف بحق اشہد ان لا الہ الا اللہ

اسی سمت کے پہلو میں قدیم محبس شاہی کا خزانہ ہے جس میں عادل شاہی قیدی یہیں محبوس رہتے تھے، چنانچہ ۱۸۵۷ء کی تحریک سے قبل سرکار نظامی کے قیدی یہیں رکھے جاتے تھے۔

دالان اسی سمت برج کے قریب صدر دروازۂ قلعہ کے محاذی ایک مسقف دالان ہے جس کی دیوار پر باہر کی طرف دو کتبے نصب ہیں، اس میں پہلے پولس کا تھانہ تھا، کتبہ نمبر ۱

بنا نمود این عمارت در عہد شاہ علی عادل شاہ سلطان بحسب امر خدمتگاری کرد

العبد ضابط خان ۹۷۸ھ

کتبہ نمبر۲

بنا نمود این عمارت در عہد شاہ علی عادل شاہ سلطان بحسب امر خدمتگاری کرد حاجی محمد طالب لطف اللہ

نائب حضرت شہر احسن آباد

ان کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دروازہ در محلہ عمارت ۹۷۸ھ مین حاجی عرف ضابط خان نائب

حصن گلبرگہ نے علی عادل شاہ کے حکم سے بنوایا تھا،

پتلی برج یہ برج غربی فصیل کی دیوار کے محاذی واقع ہے، ایک کتبہ سنگ سیاہ پر بخط نسخ کندہ اور

ایک دیوار پر نصب ہے جس کی پشت کی طرف خندق ہے، اس کتبہ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ۹۶۵ھ مین

بعہد علی عادل شاہ عنایت خان نے بنوایا تھا، کتبہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی رسولہ محمد وآلہ اجمعین بعہد سلطنت شہنشاہ جہان پناہ ظل آلہ مہر

سپہر سرافرازی ابو المظفر شاہ علی عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ وسلطانہ وافاض علی العالمین برہ واحسانہ

کمترین بندگان درگاہ عنایت خان این برج دولت عمارت نمود ۹۶۵ھ۔

نورس برج قلعہ کے غربی دروازہ کے اندر جنوبی سمت پر واقع ہے، اس پر ایک بارہ گزی توپ

رکھی ہے، کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ برج ملک صندل کے اہتمام سے ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد مین

توپ دوازدہ گزی کے لیے بنوایا گیا، سنگ سرخ کے چار کتبے برابر برابر لگائے گئے ہین۔ کتبہ (۱)

این برج توپ دوازدہ گزی در عہد ابو المظفر ابراہیم عادل شاہ خلد اللہ ملکہ ابدا عمارت کرد

بندۂ ملک ملک صندل ۱۰۳۴ھ

(۲) یا سُبُّوح (۳) یا قُدُّوس (۴) ھُوَ الجلیل برج نورس

سکندر برج، یہ عظیم الشان برج قلعہ کے غربی دروازے کے جنوب مین واقع ہے اسے "فیل برج" بھی کہتے ہین، اسکے نیچے دو حجرے ہین جنپر توپ چڑھی ہوئی ہے، حجرے کی دیوار مین سنگ سیاہ پر بخط نستعلیق کتبہ نصب ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بیجاپور کے آخری ایام مین بعہد سکندر عادل شاہ خواص خان صدر اعظم کے حکم سے سیدی سنبل ملک عنبر نے ۱۰۷۳ھ مین غالباً عالمگیری حملہ کی مدافعت کی خاطر اس کو بنوایا تھا، کتبہ

یا حافظ ۔۔۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔۔۔ یا حافظ

الملک للہ

در اوایل جلوس سلطان سکندر عادل شاہ قادری الغازی بن علی عادل شاہ بحکم آصف زمان خواص خان وزیر حکومت، در سنہ ثلاث سبعین الف بندہ کمترین درگاہ سیدی سنبل ملک عنبر صوبہ دار ۔۔ عمارات این برج فلک شکوہ کہ مسمی بسکندر برج ست نمود، سنہ ۱۰۸۲ھ

اس کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا سنہ آغاز تعمیر کا اور دوسرا اختتام تعمیر کا ہے،

ان برجون کے علاوہ نو برج اور ہین جن پر توپین چڑھی ہوئی ہین مگر کتبے نہین ہین،

زنجیری دروازہ قلعہ کے مغربی دروازہ پر جسکو زنجیری دروازہ کہتے ہین ایک کتبہ نصب ہے، جو امتداد زمانہ کے باعث بہت خراب ہوگیا ہے، غالباً یہ کتبہ عہد بہمنیہ کا ہے، کتبہ،

عجب قلعہ دیدم کہ مثلش نبود ۔۔۔ چنین کہ در اقلاع عالم بہ بست

تحصنت بذی الملک والملکوت واعتصمت بذی العزۃ والعظمۃ والھیبۃ والقدرۃ والکبریاء والجبروت دخلت فی حرز اللہ فی حفظ اللہ وفی امان اللہ من شر و والفتن اجمعین کھیعص حمعسق ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم

ہاڑ باؤلی، فصیل قلعہ کے اندر سلاح دروازہ کے پاس ایک برج مین جو قلعہ کے شرق مین واقع ہے ایک بڑی باؤلی خراب و خستہ حالت مین ہے جس کی کمان سے بائین جانب ایک کتبہ نصب ہے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علی عادل شاہ کے زمانہ مین اس چاہ و برج کو باجی منابطاخان اور خان اعظم حمید خان نے سنہ ۹۵۸ھ مین بنوایا تھا، کتبہ

بعہد سلطنت عالم پناہ مہر سپہر سرافرازی ابوالمظفر علی عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ بنا کردہ چاہ،

داخل .... و قلعہ برج دیک نشستگاہ و بایں صدق نزدیک دموجب امیر خدمت،

گمرسے کرد باجی منابطاخان نائب غیبت شہر احسن آباد خان اعظم حمید خان حبشی سرست وثمانین

تسعمایہ جمادی الاولی سنہ ۹۵۸ھ

ہان باولی کے قریب ایک افتادہ مکان کی دیوار پر باولی کے کتبہ کے محاذی ذیل کا کتبہ نصب ہے

جسکا سنہ صاف پڑھا نہین جاتا، کتبہ

بعہد سلطنت عالیجاہ عالم پناہ مہر سپہر سرافرازی ابوالمظفر علی عادل شاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ

بندہ درگاہ حاجی عماد خان این عمارت نمود سنہ ...."

مسجد کلان؛ قلعہ کی اس عالیشان مسجد کی نسبت لوگون کو بہت اختلاف ہے مگر اسکی نسبت ہمارا اپنا یہ خیال ہے کہ اسی جگہ جینیون کا دیول تھا، جسے توڑ کر علاء الدین نے مسجد بنوائی، اس کا ثبوت ان پتھرون سے مل سکتا ہے جو مسجد کی تعمیر مین استعمال کیے گئے ہین، ۱۳۱۴ء مین جبکہ اس مسجد کا پلاستر جھڑ گیا تو از سر نو تعمیر و ترمیم کرائی گئی جسکی وجہ سے یہ معلوم ہوا کہ اندر جسقدر پتھر لگائے گئے ہین، سب پر تصاویر این جو جینی ہین، اسکے پلاستر کے لیے صرف چونتیس ہزار روپیہ صرف ہوا، یقین ہے کہ اس مسجد کو علاء الدین بہمنی نے دمشق کی جامع اموی کے نمونے پر اس غرض سے بنوایا ہے کہ جنوبی حصہ بطور دار الامارہ (دربار ہال) کے استعمال ہو سکے اور بقیہ حصہ مین نماز ہوا کرے؛

اس مسجد کا چبوترہ ۲۸ ہزار مربع فٹ ہے گویا یہ کہ مسجد سے صرف دو ہزار مربع فٹ چھوٹی ہے

اس مین تقریباً چھ ہزار آدمی بوقت واحد نماز پڑھ سکتے ہین اس کا بڑا برج جسکے نیچے محراب ومنبر ہین (۵۷ فٹ بلند ہے، اس برج کے محاذی اور دونون جانب داہنے اور بائین مسجد کا اندرونی حصہ ہے جسپر ایک سو گیارہ چھوٹے چھوٹے گنبد اور نہایت ہی حسین محرابین ہین ساری مسجد لداؤ ہے لکڑی کا نام تک نہین تمام عمارت اقلیدسی اصول پر بنائی گئی ہے مسقف حصہ کا طول شرقاً غرباً (۲۰۵) فٹ اور عرض شمالاً جنوباً (۱۶۸) فٹ ہے

اس مسجد مین شمال اور جنوب رخ دو دروازے ہین مشرق کی طرف کوئی دروازہ نہین بلکہ صحن کے پائین مین ایک چھوٹی سی خوشنما کمان کے اندر نہایت ہی خوش وضع قبور ہین جن مین سے ایک مزار پر ایک خوشنما سی چودری بنی ہوئی ہے اس مسجد کی وسعت نہایت ہی بھلی معلوم ہوتی ہے مسجد کے اوپر چڑھنے کے لیے یہی پختہ زینہ ہے اوپر سے گلبرگہ کا پورا منظر دور دور تک نظر آتا ہے مسجد کی مشرقی دیوار کے باہر ایک وسیع اور قدیم حوض تھا جسکے شکستہ چبوترے اور کنارون کے علامات ابتک موجود ہین

قلعہ کی تمام عمارات مین صرف یہی ایک مسجد سررشتہ آثار قدیمہ کی نگرانی مین ہے، اس مسجد مین عیدین اور جمعہ کی نماز ہوا کرتی ہے اور بس،

دروازہ قلعہ مشرقی سمت سے قلعہ مین داخل ہونے کیلئے بعد دیگرے تین کماندار دروازے ملتے ہین ہر ایک کمان دوسری کمان سے وسیع ہے آخری کمان بہت پست ہے غالباً یہ اس لیے کہ ہاتھی اس کمان کے آگے نہ بڑھنے پائین

مسجد عزت خان یہ ایک مختصر سی سہ دری مسجد ہے جو اب تک آباد ہے اندرونی دروازہ پر ذیل کا کتبہ نصب ہے،

بنا ہذا المسجد فی عہد السلطان علی عادل شاہ خلد اللہ ملکہ و بانیہ عزت خان تقبل اللہ عنہ

(نادعلی صغیر)

وسطِ صحن مین ایک حوض ہے، مسجد کی جنوبی دیوار کے نیچے ایک بڑی باؤلی نہایت ہی پختہ بنی

ہوئی ہے۔ اس باؤلی کے مشرق میں کسی بزرگ (اللہ صاحب) کا مزار ہے، مشرق میں ایک عاشورخانہ عادل شاہیوں کے زمانہ کا بنا ہوا ہے، صحن مسجد میں ایک چھوٹا سا گورستان ہے جسکی اکثر قبریں سنگین ہیں، در اصل یہ بہمنیوں کی بنائی ہوئی مسجد ہے جس کا اصلی کتبہ نکال کر مسجد کلاں کے قریب پھینک دیا گیا ہے اور اس مسجد پر مندرجۂ بالا کتبہ لگا دیا گیا ہے، اصلی کتبہ پر سنہ تسع وستین وسبعمائۃ (۷۶۹ھ – ۱۳۶۷ء) اور رفیع بن شمس بن منصور القزوینی وسلطان محمد شاہ بہمنی کا نام کندہ ہے۔

زنانی مسجد قلعہ ہی میں ایک چھوٹی سی تین برجیوں کی مسجد ہے جو یا تو کسی بیگم کی بنوائی ہوئی ہے یا بیگمات کی نماز کیلیے بنی ہے۔ اس میں بعض جگہ رنگ ہے،

مسجد ملک سیف الدین غوری سلطان حسن کی گنبد کے متصل فرمان تاریخ کے مشرقی بند پر ملک سیف الدین کی بنائی ہوئی مسجد خستہ حالت میں موجود ہے، تین پندرہ کمانیں سنگین ستونوں پر قائم ہیں، یہ مسجد تمام وکمال سنگ سیاہ کی بنی ہوئی ہے، طول وعرض ۳۱ × ۴۴ فیٹ اور چھت کی بلندی (۹) فٹ ہے، چونکہ چھت پر سنگ سیاہ کی سلیں دی گئی ہیں اسی لیے اسکو مسجد سنگ سیاہ بھی کہتے ہیں، اس مسجد پر ایک کتبہ سنگ سیاہ کا ۲½ فٹ × ½ ۱ فٹ نصب تھا، یہاں سے دو سو قدم کے فاصلہ پر منڈھان شاہ کے تکیہ میں چار ٹکڑے ہوکر پڑا ہوا ہے۔ اس کتبہ میں مسجد کا سنہ تعمیر ۷۵۲ھ – ۱۳۵۱ء کندہ ہے۔ وہ عبارت ذیل ہے

این مسجد بنا کردہ اسد تعالی وتبارک معبد بانی مبانی خیرات وقبلہ آمال سعادت خدایگان سلاطین

علاؤ الدنیا والدین ابوالمظفر بہمن شاہ عز اللہ دولتہ بناہ اینہ واحضرت کبریا سیف الدولۃ کریا

در شہور سنہ اربع وخمسین وسبعمائۃ عمارت کرد بہ الآباد آباد باد بحق عامر بیت معمور وکعبہ مشہور۔

جو بخط نسخ سنگ سیاہ پر جلی قلم سے لکھی ہوئی ہے واضح ہوتا ہے کہ سلطان علاء الدین حسن بقول فرشتہ گنگوئی بہمنی ہونے کے بجائے بہمن شاہ سے ملقب تھا، اسکے عہد سلطنت میں سیف الدولہ ملک سیف الدین نے یہ مسجد بنوائی تھی یہ مسجد عہد بہمنیہ کی سب سے پہلی مسجد ہے جو کتبہ کی سند کے ساتھ محفوظ ہے، اس لیے کہ اس سے قدیم تر کوئی

مسجد اپنا شکوہ نہ کھوسکی، اگرچہ مسجد بہت خراب حالت میں ہے مگر حفاظتی تدابیر اختیار کی جائیں تو کچھ دن اور باقی رہ سکتی ہے،

جامع مسجد شاہ بازار: یہ مسجد محلہ شاہ بازار میں واقع ہے، صحن مسجد کا طول شمالاً جنوباً (۱۵۰) فٹ اور عرض شرقاً غرباً (۱۰۰) فٹ ہے، پندرہ محرابیں نہایت ہی خوبصورت اور مضبوط ہیں جھکتے چھجے بھی کنگورون کا ویسا ہی سلسلہ ہے جو منبر تک پہونچ گیا ہے، اسطرح چھ درجے اور نو کمانیں ہیں ہر کمان پر گچ سے لفظ اللہ لکھا ہوا ہے، محراب میں اللہ اکبر کندہ ہے، احاطہ کی دیوار بہت بلند سنگین ہے، صحن دور تک پھیلا ہوا ہے، جانب مشرق ایک دروازہ ہے جس کا پھاٹک بہت بڑا ہے، اوپر ایک برج بھی بنا ہوا ہے جنوبی دروازہ بھی اسی قسم کا ہے مگر ٹوٹ پھوٹ گیا ہے، اسی کے قریب ایک باؤلی بھی ہے، مسجد کے سامنے ہی چبوترے پر اسگلے موذنون اور پیش اماموں کی قبرین ہین، اسکو سلطان حسن بہمنی گنگوہی نے بنوایا تھا جسے اب پانچسو چوراسی برس کا زمانہ ہوتا ہے، اسی مسجد مین سلطان داؤد بہمنی ز(ح پرور آغا) ہمشیرہ مجاہد شاہ نے بحالت سجدہ غرۂ محرم ۷۸۰؁ھ کو شہید کردیا،

مسجد بیجاپوری: روشنہ محلہ زرگر اور مومن پورہ کے وسط مین لب سڑک یہ مسجد واقع ہے، احاطۂ مسجد مین ایک مقبرہ ہے جسمین بہت سی پختہ قبرین بنی ہوئی ہین، درمیانی محراب کے دونون طرف دو کتبے بخط ثلث نصب ہین کتبہ (۱)

بنائے مسجد و مقبرہ براہ عند اللہ محمد صاحب ولد فضیلت مآب عالم صاحب مرحوم متوطن دار الظفر بیجاپور در شہر ذی حجہ ۱۲۰۲؁ھ مقدسہ حسن انصرام یافت عاقبت بخیر باد،

دوسرا کتبہ پورا عربی ہے جسمین درود شریف اور اسماء المطہرین کے اسما گرامی ہین، گلاس پر ۹۵۸؁ھ کندہ ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تعمیر مسجد سے (۲۲۲) سال قبل کا ہے، غالباً یہ کسی اور جگہ کا کتبہ ہے جو کہین پڑا ہوا مل گیا اور تعمیر کنندہ نے تبرکاً نصب کردیا،

تیروں کے چبوترے پر ایک پرانی قبر کے سرہانے ذیل کا کتبہ رکھا ہوا ہے، کتبہ،

مولوی محمد نسب سند صدارت قاضی ابن قاضی الملک [illegible] دکن او کمعظم درین جا رسیدہ

بتاریخ ۴ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ برحمت حق پیوستند

اسی مسجد میں منجملہ اور قبروں کے ایک قبر حضرت قابل شاہ صاحب مجذوب کی بھی ہے جو چہل

سال قبل [illegible]

مسجد مومن پورہ، یہ بھی قدیم ہے اسکے دروازے پر بخط ثلث ایک کتبہ نصب ہے مگر اتنا

خراب ہوگیا ہے کہ پڑھا نہیں جاتا یہ بھی عہد بہمنیہ کی ہے اور بہت ہی خوش وضع اور وسیع ہے نیچے

مکانات بھی ہیں،

گلبرگہ اور اسکے نواح میں سیکڑوں قدیم مساجد ویران پڑی ہوئی ہیں جن میں سے بعض

تو بالکل خراب ہوگئی ہیں اور بعض اب بھی کام میں ہیں ان کی تفصیل ایک مستقل تصنیف چاہتی ہے۔

عیدگاہ حسن آباد، ویران بستی میں جانب شمال یہ عیدگاہ ہے جو بالکل خراب وخستہ

حالت میں ہے طرز عمارت سے پایا جاتا ہے کہ عمدہ عمارت ہوگی اسکے اطراف میں حسن آباد کے مکانات

وغیرہ کے کھنڈر ہیں،

لشکر کی عیدگاہ، کنٹونمنٹ کے عقب میں ایک پختہ اور وسیع عیدگاہ آبادی سے ۲ میل کے

فاصلہ پر ویران پڑی ہے یہ بھی قدیم ہے اور یقین کیا جا سکتا ہے کہ عہد بہمنیہ کی ہوگی جس زمانہ میں گلبرگہ میں

کنٹونمنٹ فوج تھی تو نماز عید یہیں پڑھی جاتی تھی اسی لیے لوگوں نے عیدگاہ لشکر مشہور کر دیا،

ہاشم باولی، یہ باولی بجگوری محلہ میں ہے اسے "خواجہ باولی" بھی کہتے ہیں مگر دراصل خواجہ باولی

یہ نہیں ہے اسکی سیڑھیوں پر ایک کتبہ نصب ہے اسکی تعمیر ۱۲۱۲ھ میں ہوئی ہے، سید ہاشم بیجاپوری نے

بنوائی، کتبہ،

چشمۂ ہاشم باولی زفضل رحمان | بناکرد محمد امان اللہ خان
سنینش از من چون گردم بدل | بگفتا بلفظ غدیر ہست عیان

اسی محلہ مین ہاشم باولی سے کسی قدر فاصلہ پر خواجہ باولی ہے جسکی سیڑھیون پر ذیل کا کتبہ ہے اس کی تعمیر ۱۲۱۳ھ مین ہوئی ہے،

بنائے چاہ مسمیٰ خواجہ باولی از محمد صاحب ولد فضیلت مآب عالم صاحب مرحوم متوطن صوبۂ ابطفر بیجاپور در شہر ذیحجہ ۱۲۱۳ھ مقدس انصرام یافت عاقبت بخیر باد،

میر محمد شفیع کی باولی، یہ باولی فرمان تالاب کے پیچھے مین بنوائی گئی تھی مگر اب بہت خستہ حالت مین ہے گل براری کے وقت اندر سے ذیل کا کتبہ برآمد ہوا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۶۹۴ء مین میر محمد شفیع نے بنوایا تھا کتبہ،

درعصر بادشاہ عالمگیر غازی بندہ میر محمد شفیع ولد خواجہ میر بتاریخ بست وہفتم شہر شعبان سنہ سی وہشت مطابق سنہ ایک ہزار یکصد وپنج فی سبیل اللہ تیار نمود،

جس طرح زبان بدذائقہ اور خراب اشیا کو محسوس کرکے انسان کو ان کے کھانے سے باز رکھتی ہے اسی صورت سے یہ مادہ بھی تمام ان محلول اشیا کو کیسہ کے اندر آنے سے روک دیتا ہے جو اس کی زندگی کے لیے ضرر رسان ہوتی ہین اس صورت سے یا ندازہ کہ وہی غذا ملتی ہے جو اس کے لیے مفید ہو، یہ مادہ ٹھوس نہین ہوتا بلکہ اس مین خلا ہوتا ہے تاکہ غذا کے لیے جگہ باقی رہے اور چونکہ کیسے کی دیوارون مین سوراخ ہوتے ہین لہذا غذا ایک کیسے سے دوسرے کیسے تک بخوبی جا سکتی ہے اور اس صورت سے جسم کے ہر حصہ مین غذا بآسانی پہنچ جاتی ہے، اس مین ایک وصف یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ گھٹتا بڑھتا ہے ہے کبھی حجم زیادہ ہوجاتا ہے اور کبھی کم، اس صورت سے یہ ایک پمپ کا کام کرتا ہے، بڑھنے سے غذا جو عرق کی صورت مین ہوتی ہے کیسے کے اندر آجاتی ہے اور گھٹنے سے دوسری طرف ہوکر نکل جاتی ہے اس صورت سے ایک مسلسل لہر قائم رہتی ہے اور جسم کو غذا برابر پہنچتی رہتی ہے، کیسے کی حرکت کی وجہ ابھی تک سائنس کا ایک معما ہے جو پورے طور پر حل نہین ہوا،

تمام نباتات اور حیوانات انہین کیسون کا مجموعہ ہین جو مختلف صورتون مین انسان کے پیش نظر ہوتے ہین، اور بعض حیوان ایسے بھی ہین جنکا تمام جسم صرف ایک ہی کیسہ سے بنا ہے اور جو تنہا کل کام کرتا ہے گویا ایک کیسہ مین تمام وہ باتین موجود ہین جو بلا شمول زندگی کے لیے منحصر ہین اور چنانچہ یہ جانور جسکو امیبا (AMOEBA) کہتے ہین، ایک ہی کیسے سے دنیا مین زندگی کی جد وجہد کرتا ہے،

حال مین ایک ڈاکٹر نے جس کا نام بیک، ڈوگل ہے اور جو واشنگٹن کی نباتاتی تحقیقات کے انسٹیٹیوشن کا ڈائرکٹر ہے جان کے مسئلہ کو ایک کیسہ بنا کر حل کرنے کی کوشش کی ہے، اسکو کیمیاوی طریقہ پر ایک کیسہ بنانے مین کامیابی ہوگئی ہے جو قریب قریب اسی مادہ کا ہے جسکا قدرتی کیسہ ہوتا ہے، اس نے انکی بنیاد ... کی بناوٹ قرار دی ہے، اور اسی صورت سے جس مادہ کی تھیلی مین اصلی کیسہ ہوتا ہے اوسی مادہ کی ایک تھیلی اس نے بنائی ہے، اس مین یہ بات پیدا ہوگئی کہ وہ شکر کے شربت مین سے جبین

دو کیمیادی اشیا بھی ہی ہوں، سوڈیم (SODIUM) اور پوٹاشیم (POTASSIUM)

(دو دھاتین) کو نکال لیتی ہے اور یہ دھاتین اسکی پرورش کے لئے کافی ہوتی ہین مگر قدرت نے چونکہ انسان

کی عقل کو محدود کر دیا ہے لہذا وہ اسکو مکمل نہ کر سکا، اور اسمین یہ کمی ہے کہ وہ صرف پانچ حصہ سوڈیم اور

پوٹاشیم لیتی ہے اور اصلی کیسہ مین سات حصہ دھاتین آجاتی ہین،

اس سے بھی زیادہ کمی یہ ہے کہ جس وقت دونون طرف کی یعنی اندر اور باہر) دھات کی مقدار

برابر پہنچ جاتی ہے تب اس کا بڑھنا بند ہو جاتا ہے اور اس وقت اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے

کہ انسان مداخلت کر کے ایک طرف کمی یا زیادتی کر دے، اور اس غرض کو تبدیل کر کے نیا بھر دے،

اس کے برخلاف قدرتی کیسہ اس کام کو خود بخود کرتا ہے اور کسی کے ہاتھ لگانے کی ضرورت پیش نہین آتی،

اس صورت سے قدرت کی کاریگری اور انسان کی کاریگری مین فرق محسوس ہوتا ہے اور یہ ثابت ہو جاتا ہے

کہ قدرت نے انسان کو محدود علم عطا کیا ہے، جسکے ذریعہ وہ تھوڑی بہت قدرت کی صناعون کی کبھی کبھی

نقل کر جاتا ہے مگر اصلی راز سے واقف نہین ہو پاتا اور اس صورت سے اسکی ایجادات اکثر ناممل رہجاتی

ہین، قدرت نے زندگی و موت کے راز کو اپنی ہی حد تک محدود رکھا، جہان پہنچکر سائنس دان

بھی قائل ہو جاتے ہین اور اپنی کوششون مین کامیابی کو قدرت کی امداد پر منحصر سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہین،

ایک تحفہ اور اُس کی قابل دید چیزیں

از "گ"

اس سال حیدرآباد کی ایک علمی انجمن نے اپنی سرپرستی میں ایک خانگی نمائش کا افتتاح کیا تھا جس میں زیادہ تر انجمن اور ان کے متوسلین کے مقبوضات اور مصنوعات اکٹھے کیے گئے تھے، اس مضمون میں صرف کتب، سکہ جات قلمی تصاویر اور قلمی نوشتون کا تذکرہ کیا جاسکے گا، ورنہ یہی چیزیں نمائش کی جان بھی تھیں،

کتب قلمی کتابون کا بیش بہا ذخیرہ تھا کہ دیکھنے والے ہر ہر کتاب کو بے اختیار حیرت اور تعجب سے دیکھتے تھے، خود میں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہون،

اس میں نادر کتاب گلستان بخط سعدی علیہ الرحمۃ ہے، یہ کتاب ربع فلسکیپ سائز سے کچھ ہی بڑے کاغذ پر ہے، حاشیہ کیڑون کے کاٹنے سے چھلنی ہوگیا ہے تاہم عبارت اب تک محفوظ ہے، کتاب کے شروع اور آخر میں شکستہ اور پیچیدہ خط کے بہت سے صفحے ہیں اور متن کتاب کے اختتام پر سرخی سے یہ شعر لکھا ہوا ہے،

کتاب گلستان تمام شد | شتاب نوشته از دست خود

اس شعر اور ... سرخی ہی سے لکھا ہوا ہے اور "وقت عصر" کا لفظ بھی پڑھا جاتا ہے، ایک پرچے پر لکھا ہوا تھا کہ "یہ کتاب حضرت سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی نوشتہ ہے اور بزرگون سے وراثۃً ہم تک پہنچی ہے" اس سے زیادہ تفصیل ذہن میں نہیں رہی البتہ یہ عرض کرسکتا ہون کہ کتاب کچھ زیادہ خوشخط نہیں ہے، جس کی وجہ "شتاب نوشته از دست خود" سے معلوم ہوسکتی ہے اور اس سے اصل مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہونے پر استدلال کیا جاسکتا ہے،

۲- ایک دوسری نایاب کتاب لغت قاموس کا قلمی نسخہ ہے، پرچے پر لکھا ہوا تھا کہ یہ کتاب مصنف
کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، نواب صاحب ارکاٹ نے جد مجد حضرت شرف الملک مرحوم کو ایک لاکھ
روپیہ انعام دینا چاہا تھا مگر انھوں نے اس کی بجائے یہ کتاب طلب کی، بڑی پسند کی کتاب ہے، غالباً بر اعظم کی نہ تھی؛

۳- تیسری نایاب کتاب گلستان مصور ہے، یہ ایک خوش خط زریں نسخہ ہے، جو فی گلستان سعدی
ہے جس کا ہر صفحہ نقش و نگار سے آراستہ ہے تین چار متعلقہ تصویریں ILLUSTRATION
بھی ہیں جن میں گھوڑوں وغیرہ کا منظر ہے، ان کا رنگ ایسا بے نظیر ہے کہ ان کی اپنی پاکیزگی و نفاست
کے باوجود اپنی صاف و لاجواب ہے کہ ابھی کل کی معلوم ہو، یہ کتاب کئی سو برس پہلے کی ہے اور حسب
عادتِ قدیم کاتب کا نام مٹا ہوا ہے؛

۴- کتاب الانساب للسمعانی نصف ثانی، اس کے شروع میں ایک صفحہ پر لکھا ہوا ہے "من خزانۃ
المولا امیر المومنین المتوکل علی اللہ رب العالمین ......"

۵- تاریخ الاسلام للذہبی (تین جلدیں) ان جلدوں میں غیر مکمل نسخہ ہیں، یعنی ہر کتاب کے
ابتدائی درمیانی اور آخری کئی کئی صفحات غائب ہیں تاہم اچھی حالت میں محفوظ ہیں، ان کی تصحیح یوسف
سبط ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی عباسیہ کی یادگار ہے،

۶- ان کے علاوہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے ہاتھ کی پوری لکھی ہوئی شمائل ترمذی، علامہ ابن
حجر کے ہاتھ کی تسدید القوس کتابیں قابل تذکرہ ہیں۔ باقی اتنی اہمیت نہیں رکھتیں ۔ یہ سب قلمی ہیں

سکے | کئی سو سکے مختلف مجموعوں میں تھے، ان میں سے بعض بہت نایاب اور دلچسپ ہیں ان کا
چربہ شامل ہذا ہے جس کے لیے منتظمین نمائش کا ممنون ہوں ۔

(۱) یہ سکہ ہشام بن عبدالملک خلیفہ بنی امیہ کا ہے خط کوفی کا ٹھپہ ہے اور طلائی ہے،
(دور میں) محمد رسول اللہ ارسلہ بالہدیٰ و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ،

(درمیان میں) لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ،

دوسری جانب

(دور میں) بسم اللہ ضرب هذا الدینر سنۃ ستۃ وعشر ومائۃ

(درمیان میں) اللّٰہ احد اللّٰہ الصمد لم یلد ولم یولد

(۲) دوسرا چاندی کا ہے عبارت

(دور میں) بسم اللہ ضرب هذا الدرهم بکوفۃ سنۃ ستین ومائۃ

(درمیان میں) لا الہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ

دوسری جانب

(دور میں) محمد رسول اللہ ارسلہ بالهدی ودین الحق لیظهرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون،

(درمیان میں) محمد رسول

(۳) ایک سکہ اردشیر بابکان شہنشاہ فارس کا ہے، یہ ۲۲۶ء یعنی ۱۰۰ سو سال پہلے کا ہے،

(نوٹ) یہ سب حالات اور عبارات رہنمائی پرچے کی نقل ہیں،

(۴) ایک اور تانبے کا سکہ تھا جس پر سلطان محمود غزنوی کا نام پڑھا جاتا ہے، دوسری طرف "غزنی ۸۹۰" لکھا ہوا ہے،

(۵) ایک تانبے کا سکہ ہے جو سفر حجاز کے دوران میں ایک لشکر سے دستیاب ہوا، جیسا کہ رہنمائی پرچے پر لکھا ہوا تھا، اس کے ایک جانب کلمہ طیبہ لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے، دوسری جانب کی تحریر ممکن ہے القائم بامر اللہ ہو، بہرحال یہ سکہ صاف نہیں پڑھا جاتا)،

سلاطین بہمنیہ دکن، سلاطین میسور، ارکاٹ، آصف جاہان دکن، سلاطین برٹانیہ وغیرہ کے علاوہ

نما ہنود کے بھی بہت سے سکے تھے، جنکی تفصیل مشکل ہے،

قلمی تصاویر | قلمی تصویرون کے بہت سے نفیس مجموعے تھے بحیثیت مجموعی سب کے رنگ روغن اچھی حالت مین ہین تاہم ان مین سے بعض

یک مغلی مطلا جلد مین جو بے حد بے نظیر مجموعہ ہے اور جس پر نمائش کی جانب سے انعام بھی ملا ہے

حسب ذیل تصاویر ہین جو بہت اچھی حالت مین ہین:-

تیمور، اکبر مع لڑکا، ہمایون مع شیخ سلیم چشتی؟، شاہ عباس جنگل مین شکار کے بعد آرام کر رہا ہے،
شاہجہان بحالت سواری شیخ بہلول، دارا شکوہ، محمد شاہ تخت شاہی پر، نادر شاہ مع زنانہ محافظ، اعظم شاہ
غازی، عالمگیر اعظم جاہ ایک مصاحب، بہادر شاہ، مرزا کام بخش مع ملکہ، نصرت الدین خان کوکہ جہانگیر کا یک
ہمراہی، آصف خان، زن و مرد کا تنجی من تنصیر، نواب شاہ دلاور ہمت، تان سین گویا، زنانہ پھلکاری ذاتی، ابراہیم

ان کے علاوہ ایک لیلی مجنون کی خیالی تصویر، عالمگیر، نور النساء بیگم، زیب النساء بیگم، زن و مرد
از قوم راجپوت، حضرت علیؓ اور امام حسنؓ و امام حسین اور فرشتون کی خیالی تصویر وغیرہ غرض کوئی بیس بے نظیر
تصویرین تھین جنکے منظر سننے سے قلم عاجز ہے،

ان کے علاوہ کوئی دس ہزار نہایت قدیم قلمی قطعے اور کئی سو نہین بلکہ دو ہزار کے قریب کم از کم قلمی نسخے
موجود تھے جنکی تفصیل غیر ضروری ہے،

قلمی نوشتے | بہت بڑی تعداد ایسے قلمی نوشتون یا ان کی صحیح نقول کی آئی تھی جنسے ایسٹ انڈیا کمپنی
کے جنوبی ہند مین تسلط کی نسبت بہترین تاریخی مواد مل سکتا ہے اور جنسے واضح ہوتا ہے کہ گورنر
جنرل، گورنران مدارس اور نور الدین خان اور نواب محمد علی خان والاجاہ اور مابعد کے روسائے
کرناٹک کے باہمی تعلقات اور باہمی مراسلت کا کیا طریقہ تھا اور کس طرح بتدریج تعلقات محکومیت حکومت
مین اور حکومت محکومیت مین متبدل و متغیر ہو گئے، فیہا عبرۃ لمن اعتبر،

ان چیزون کے علاوہ نباتات، جمادیات، وغیرہ کے بھی بہترین نمونے موجود تھے جنکی تفصیل بے محل ہے،

تلخیص و تبصرہ

حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کے مقبرہ کا انکشاف

مصر کے ایک رسالہ مین ایک عیسائی اہل قلم نے ایک کتبہ کا مضمون شائع کیا ہے جو اسکو غور مین ایک مقبرہ پر منقوش ملا تھا، اس کتبہ کے مضمون کا ماحصل یہ ہے کہ:

"یہ قبہ حضرت ابو عبیدہ الجراح کی قبر پر بیبرس شاہ مصر کے حکم سے تعمیر کیا گیا اور اس پر حمص کے بعض مین سے کچھ حصہ وقف کیا گیا، اور اسکی تعمیر ذی الحجہ ۶۵۴ھ مین ناصر الدین جبکلی ظاہری معدی نائب مملکت محروسہ عجلون کی نگرانی مین اتمام کو پہنچی"

اس کتبہ سے حضرت ابو عبیدہؓ کی قبر غور مین ثابت ہوتی ہے، حالانکہ مورخین کا عام بیان ہے کہ انکی وفات عمواس کے طاعون مین ہوئی تھی، علاوہ ازین اس کتبہ مین تاریخی نقطۂ نظر سے بعض خامیان ہین اس لئے حیفا کے ایک اہل قلم عبد اللہ مخلص نے رسالہ الزہراء مصر مین پہلے اس کتبہ کی تاریخی کمزوریون کو سنبھالنے کی کوشش کی ہے، پھر مقبرہ کو مستند ظاہر کرنے کی سعی کی ہے،

کتبہ مین تاریخی اعتبار سے جو سقم ہے، وہ یہ کہ اوسکی تعمیر ۶۵۴ھ مین بیبرس شاہ مصر کے حکم سے اتمام کو پہنچی ہے، حالانکہ بیبرس کا سنہ جلوس ۶۵۸ھ ہے، مقالہ نگار کا خیال ہے کہ کتبہ مین کتابت کی غلطی ہوئی ہے اور بجائے ۶۵۸ھ کے ۶۵۴ھ کندہ ہو گیا، کیونکہ اعداد مین ایسی غلطی اکثر ہو جایا کرتی ہے،

اور کتبہ کا دوسرا نقص یہ ہے کہ اس مین "عجلون" کو ایک صوبہ ظاہر کیا گیا ہے، حالانکہ بیبرس کے

زمانہ مین اسکو صوبہ کی حیثیت حاصل نہین تھی، کیونکہ آٹھوین صدی مین شام کے کل چھ صوبے یعنی صوبۂ فلسطینیہ، فلسطینیہ ثانیہ، فلسطینیہ ثالثہ، حمصیہ اور دمشقیہ تھے، پھر نوین صدی مین ایک اور صوبہ کا اضافہ ہوا، جسکو عزادیہ سے نامزد کیا گیا، اسلیے بجاے ایک مستقل صوبہ کے یہ انہین صوبون مین سے کسی ایک کے ماتحت تھا،

پھر خود جنگلی کا وجود معرض بحث مین ہے کہ ہیرس کے زمانہ کے جسقدر مشہور امراء و حکام گذرے ہین، ان کے تفصیلی سوانح حیات طبقات کی کتابون مین موجود ہین، لیکن جنگلی کا ذکر ان مین سے کسی کتاب مین موجود نہین، اسلیے یہ قیاس غالباً زیادہ صحیح ہے کہ عجلون کسی صوبہ کا ادنی ماتحت ضلع ہوگا اور وہ ۶۵۰ مین جنگلی کے زیر انتظام تھا،

پھر مقالہ نگار نے کتبہ کے بعض الفاظ پر اس قسم کے دو اور اعتراض کئے ہین، اور پھر اپنے قیاس کے مطابق انکی تصحیح کی ہے،

بعد ازین حضرت ابوعبیدہ رض کی وفات اور ان کے مدفن پر تاریخی حیثیت سے بحث کی ہے، ان کی وفات کے متعلق تو عام طریقہ سے معلوم ہے کہ ۱۸ھ مین جب عمواس مین طاعون کی وبا پھیلی تھی تو انھون نے اسی طاعون مین وفات پائی تھی، اور جہان وفات پائی وہین انکی وصیت کے مطابق انکی تجہیز و تکفین ہوئی تھی، البتہ جاے وفات یا ان کے مدفن کے متعلق مختلف روایتین ہین جنمین سے مشہور تر روایت یہ ہے کہ اردن کی سرزمین مین مقام فحل مین انھون نے وفات پائی، اور وہین مدفون ہوے، پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر مقام بیسان مین بنی تھی، اس کے علاوہ ایک یہ بھی روایت کیجاتی ہے کہ کوہ عجلون کے دامن مین قریہ عمتا مین مدفون ہوے جو قابس و عمادلیہ کے درمیان واقع تھا،

اس کے بعد مقالہ نگار لکھتا ہے کہ مدفن کے متعلق مورخین کے اس اختلاف کے ہوتے ہوے اس دریافت شدہ کتبہ کو مستند سمجھنے مین تامل کرنے کی کوئی گنجائش نہین ہے، کیونکہ اگرچہ طاعون قریہ عمواس کی طرف منسوب ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہین ہین کہ یہ وبا صرف اسی گاؤن تک محدود رہی، بلکہ جیسا کہ

رباؤن کا طریقہ ہے، وہ آہستہ آہستہ دوسری آبادیون مین بھی پھیلتی جاتی ہے، اور اس کا سلسلہ مدتون جاری رہتا ہے اسلیے حضرت ابو عبیدہؓ کا اس زمانہ مین فلسطین کے جنوب سے شمال مین آجانا یا کسی دوسری طرف نقل وحرکت کرنا مستبعد نہین، اسلیے یہ بخوبی ممکن ہے کہ حضرت ابو عبیدہ سپہ سالار اسلام نقل وحرکت فرماتے ہوئے ہزارون کے اس مشرقی جانب شہر بیسان کے نواح مین تشریف لائے ہون، اور یہین علیل ہوئے ہون، اور پھر وفات پاکر یہین مدفون ہوئے ہون، کیونکہ حضرت ابو عبیدہؓ کی یہ ضریح جو زیر بحث ہے بیسان سے ۳۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے اور بیسان کے مدفن ہونے کے متعلق ہمارے سامنے ایک تاریخی روایت بھی موجود ہے، اسلیے ہمین یقین کرنا چاہئے کہ یہ ضریح واقعاً حضرت ابو عبیدۃ بن الجراحؓ سپہ سالار اسلام ہی کی ہے،

اس مقبرہ کی تصویر بھی شائع ہوئی ہے، قبر پر ایک خوبصورت قبہ بنا ہوا ہے، اور اس کے ایک جانب ایک چھوٹی سی مسجد ہے پھر اسی کے متصل ایک دوسری عمارت ہے جو غالبًا مسافرخانہ ہوگی، اب اس وقت یہ تمام عمارتین نہایت خراب وخستہ اور بوسیدہ حالت مین پڑی ہوئی ہین،

ٹیگور مصر مین،

ہندوستان کے مایۂ ناز شاعر رابندرناتھ ٹیگور یورپ کی سیاحت سے واپس ہوتے ہوئے مصر گئے تھے، چونکہ ٹیگور سب سے پہلے مشرقی ہین جنکو نوبل کا سب سے پہلا انعام عطا ہوا، اسلیے وہ مشرقی ممالک اور خصوصًا مصر مین نہایت قدر ومنزلت کی نگاہون سے دیکھے جاتے ہین، اور اسیلے ٹیگور کی جو پذیرائی مصر مین ہوئی شاید اسکی مثال کوئی دوسرا مشرقی ملک پیش نہین کرسکتا ہے،

وہ اواخر نومبر ۱۹۲۶ء مین وہان پہنچے تھے اور اس وقت سے آج تک وہان کے تمام ممتاز اخبار ورسائل مین ان کی تصویر کے ساتھ ان کے سوانح حیات، علمی وادبی خدمات اور ان کے معتقدات وغیرہ کے متعلق مبسوط مضامین شائع ہو رہے ہین،

ابھی وہ بندر سعید پر تھے کہ مصر کے ممتاز اہل علم کی ایک جماعت ان کے استقبال کے لیے جہاز پر پہنچی، اور ایک چائے کی دعوت مین ان سے مختلف علمی مباحث خصوصاً شعر و شاعری پر تفصیلی گفتگو کی، اسی سلسلہ مین اُن سے عربی زبان اور عربی علم ادب کی تاریخ پر بھی تفصیلی طور پر تبادلۂ خیال چاہا، لیکن چونکہ ٹیگور کو اب تک صرف مغربی زبانون اور یا پھر ہندوستان کی مختلف زبانون سے واسطہ رہا، اسلئے اُن کی دلچسپی بھی انھین زبانون تک محدود رہی، جسکی وجہ سے وہ عربی علم ادب کی طرف کوئی اعتنا نہ کر سکے، اس موضوع کو چھیڑنے کا معتد بہ اثر یہ نمایان ہوا کہ مشرق کا بلند پایہ شاعر مشرق کی سب سے بلند پایہ اور وسیع ترین زبان کی طرف متوجہ ہوگیا، اور اس نے نوجوانان مصر سے عربی کی تحصیل کا وعدہ کیا،

۲۵ نومبر کو اسکندریہ پہنچے اور اہل علم کے ایک ممتاز مجمع مین "روضۃ الزمن" پر ایک نہایت بلیغ خطبہ دیا، ۲۹ کو اسکندریہ سے قاہرہ آئے، قاہرہ مین مصر کے سب سے بڑے شاعر ملک الشعراء احمد شوقی بک نے ان کو چائے پر مدعو کیا، جس مین ممتاز اہل قلم کے علاوہ ارکان حکومت اور اراکان دولت بھی شریک تھے، جنمین سے سعد زغلول پاشا صدر پالیمنٹ، اور عدلی پاشا وزیر اعظم خاص طور پر قابل ذکر ہین،

پھر اسی دن شام کے وقت حدیقۃ الازبکیہ (باغ) مین ایک عام مجمع کو خطاب کیا، جسمین ہر طبقہ کے لوگ موجود تھے،

اس کے بعد مصر کے وزیر تعلیمات کی سرکردگی مین ٹیگور کی پذیرائی کے لیے ایک خاص مجلس منعقد ہوئی جس نے ان کو شیپرڈ ہوٹل مین مدعو کیا، اور چائے کی دعوت کے بعد صدر مجلس وزیر تعلیمات نے اپنی ایک مبسوط تقریر مین، ٹیگور کی مدح سرائی کرتے ہوئے مصر مین ان کے ورود کا خیر مقدم کیا، ٹیگور نے اس کے جواب مین ایک نہایت بلیغ اور مبسوط تقریر کی،

اس تمام اعزاز و اکرام کے علاوہ وہان کے مشہور شعراء نے جنمین ابو شادی خاص طور پر قابل ذکر ہین، انکی شان مین قصائد لکھکر پیش کیے، جنمین ان کے علمی، ادبی، تعلیمی اور انسانی فلاح و بہبود کے

متعلق ان کے جملہ خدمات کا تذکرہ کیا گیا، اسی کیساتھ ان کے مخصوص فلسفہ اور عام تصانیف پر بھی تبصرہ کیا گیا،
نیز ان کے احباب و رفقار اور اعزہ کے متعلق بھی جنمین نند لال بوس NANDA LAL BOSE
خاص طور پر قابل ذکر ہیں، نہایت مدحیہ کلمات استعمال کئے گئے،

ٹیگور اب مصر سے گو واپس چلے آئے ہیں لیکن، وہان کے اہل علم کے قلوب بھی اپنے ساتھ لیتے آئے ہیں، چنانچہ وہان ایک ایسی جماعت تیار ہے جو ہندوستان آکر ٹیگور کے فلسفی و اخلاقی کالج شانتی نکیتان مین داخل ہو کر استفادہ کرنا چاہتی ہے، ان کی واپسی کے باوجود مصر مین ابتک ان کا غلغلہ بلند ہے اور ان کے سوانح، ان کی کتابون پر تبصرے، اور شانتی نکیتان وغیرہ کے تفصیلی حالات اب تک شایع ہو رہے ہین،

"ز"

تاریخ اسلام

ایک اٹالین مستشرق کانٹ کاٹیانی نے ۳۰ سال تک اسلامی تاریخ کا مواد جمع کرنے کے بعد ۲۰ ضخیم جلدون مین اسلام کی ایک تاریخ مرتب کی ہے جس کا سبب تالیف انھین کے الفاظ مین حسب ذیل ہے

> عیسائیت کے بعد دنیا مین اسلام سب سے زیادہ طاقتور مذہب ہے، اور مسلمان اپنی قوت ایمان سے عیسائیت کے سیلاب کو روک رہے ہین، جسکی وجہ سے ان دونون مذاہب مین ایک غیر منقطع جنگ جاری ہے، اور اس جنگ نے ایک مورخ کے سامنے بحث و تنقید کا کافی مواد جمع کر دیا ہے،
> لیکن کلیسا کا یہ افسوسناک خیال ہے کہ چونکہ بہت سے عیسائیون نے اسلام قبول کر لیا، اسلیے اسلام کا ظہور عیسائیت کے زوال کا سبب بنگیا، کیونکہ اس کے بجائے اسلام نے بلاقصد عیسائیت کو بہت سے فوائد پہنچائے ہین، اگر اسلام کا ظہور نہ ہوا ہوتا اور ارتھوڈکس عیسائیت آج تک قائم رہ کر عربی و عجمی تمدن کی ترقی مین رکاوٹ پیدا کرتی رہتی تو قرون وسطی مین مغربی ایشیا اور یورپ کا کیا حال ہوتا؟ کیا پروٹسٹنٹ مذہب جس نے اس کے بعد ترقی کی: فتح

پستی مین نہ گرنے دیا، لیکن باینہمہ اس دائمی جنگ نے اسلام کے ان احسانات کو نمایان ہونے
نہین دیا، اسلیے انیسوین صدی کے وسط تک عیسائی اور مسلمان دونون سخت تعصب
مین مبتلا رہے، لیکن اس کے بعد آزادانہ علمی تحریک نے دلون سے تعصب کے اس زنگ کو
دور کردیا اور خالص علمی طور پر دونون مذاہب کے مطالعہ کا سامان مہیا ہوگیا

اس کے علاوہ اسلامی تاریخ کی ایک اور خصوصیت یہی ہے جو اس کے سوا اور کسی مذہب مین
نہین پائی جاتی، یعنی اس مذہب کے بانی کے متعلق جو مستند ذخیرہ ہمارے سامنے ہے وہ
دوسرے مذاہب مین مفقود ہے، حضرت مسیح علیہ السلام کی تاریخ اور ان کے حالات جو انجیل مین
مذکور ہین، غیر تشفی بخش ہین، لیکن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا اہم اور حقیقی حصہ ہمارے
سامنے ہے، جس سے مورخین کو یہ ماننا پڑتا ہے کہ انسانیت کی تاریخ مین محمدؐ کی شخصیت نہایت
نمایان ہے، اور عیسائیت کے بعد انھون نے اخلاق و سیاست مین سب سے عظیم الشان انقلاب پیدا کیا"

کائتانی موصوف نے مورخین عرب کے طریقہ پر اس کتاب کو سن وار مرتب کیا ہے، لیکن انھون نے
خود بہت کم لکھا ہے، بلکہ اسلامی تاریخ کے جو مواد عربی، فارسی اور ترکی کتابون مین متفرق طور پر موجود تھے
اور مستشرقین نے اسلامی تاریخ کے متعلق جو بحثین کی تھین، ان سب کو نہایت دیانت کے ساتھ تاریخی ترتیب
کیساتھ بلفظہا نقل کر دیا ہے، البتہ اسلامی تاریخ کے قدیم مواد پر جابجا حواشی لکھدیے ہین، اور غیر ضروری
انشاپردازانہ الفاظ کو حذف کر دیا ہے اور جن واقعات سے تمدنی، سیاسی اور مذہبی مباحث پیدا ہوتے
تھے، ان پر ایک تمہید لکھدی ہے، اور ہر سال کے خاتمہ پر ان فقہاء، علماء، اور ادباء کی ایک فہرست دی
ہے جنھون نے اس سال وفات پائی ہے، ان کے نمایان کارنامون کی طرف اشارہ کیا ہے، اور ان کے
حالات کے ماخذ بتادیے ہین، اور جابجا ضروری نقشے اور فہرستین بھی یورپ کے عام مستشرقین کے طرز
پر منسلک کی ہین، اور مقدمہ مین وعدہ کیا ہے کہ کتاب کے آخر مین عام معلومات کے لیے ایک عام فہرست

بھی ہوگی، جسمین تراجم، جغرافیہ، تاریخ اور زبان وغیرہ کے متعلق مفید معلومات ہونگے،

مؤلف نے اصل کتاب کے معدودے چند نسخے شائع کئے تھے جنکو اس نے اپنے احباب اور یورپ کے ممتاز مستشرقون کی خدمت مین ہدیۃً ارسال کیا، اسلیے اس کتاب سے عام لوگون کا استفادہ کرنا غیرممکن تھا، لیکن خوش قسمتی سے ترکون کے مایۂ ناز ادیب حسین جاہد بک اڈیٹر اخبار طنین نے ترکی زبان مین اسکے ترجمہ کا بیڑا اُٹھایا، اور اس وقت تک وہ اسکی آٹھ جلدین باریک حروف کے ۲۲۵۰ صفحون پر شائع کرچکے ہین، اور خیال کیا جاتا ہے کہ مکمل کتاب اس پندرہ ہزار صفحون تک پہنچیگی، اور ہمارے لیے اس سے زیادہ باعث مسرت یہ امر ہے کہ مصر کے مشہور ادیب سید محب الدین خطیب مدیر رسالہ الزہرا نے اسکو اس ترکی ترجمہ سے عربی مین منتقل کرنے کا ارادہ کیا ہے اور وہ اپنے اس کام مین مصر کے ممتاز اہل علم کو بھی شریک کرینگے

(المقتطف)

"ر"

نفسیات ترغیب

مصنفہ

پروفیسر صلاح الدین صاحب اورنگ آباد دکن

کسی انسان کو کسی کام یا چیز یا تحریک کیلیے ہم کیونکر آمادہ کرسکتے ہین اور اسکو ترغیب اور شوق دلا سکتے ہین اس کے نفسیاتی اصول کیا ہین، اس کتاب مین انھین اصول کی تشریح ہے، تجارت، اشتہارات اور تقریر و وعظ غرض ہر جگہ ان اصول کی رعایت کی ضرورت ہے، اسلیے تجارت کے مشتہرین، واعظین، مدرسین اور وکلاء سب کو اس کتاب کی ضرورت ہے قیمت عہ،

سمندر کی حرارت سے جہاز رانی، موسیو جارج کلاڈ نے ایک ایسی مشین ایجاد کی ہے جو سمندر کے پانی کی حرارت کو اس حد تک جذب کر سکے کہ اسکے ذریعہ سے جہاز وغیرہ چلائے جا سکیں، کہا جاتا ہے کہ یہ مشین پتھر کے کوئلہ اور پٹرول وغیرہ سے بے پروا کر دیگی،

مصر کی عربی حکومت کا جغرافیہ:- مسیو عمر طوسون نے مصر کا ایک جغرافیہ فرانسیسی زبان میں مرتب کیا ہے جسمین مصر بعہد عربی عہد حکومت کو واضح کیا گیا ہے، مؤلف نے اپنی کتاب موتمر جغرافی میں پیش کی ہے، اور موتمر نے اسکو عربی زبان میں منتقل کرنے کا وعدہ کیا ہے،

ٹیلیفون پر بات کرنے والے کی تصویر، ناروے کے میکانکی مہندس مسٹر پیٹرسن ایک ایسے آلہ کے اختراع میں کامیاب ہو گئے ہیں، جسکے ذریعہ سے ٹیلیفون پر بولنے والے کی تصویر بھی سننے والے تک پہنچ جائیگی، ناروے میں اس آلہ کی آزمائش کیگئی، چنانچہ اس کے ذریعہ سے سب سے پہلی تصویر شاہ ناروے کی لیگئی،

ایک عربی خفیہ کا مجسمہ، مصر کے محکمۂ آثار قدیمہ نے ایک خفیہ کا مجسمہ دریافت کیا ہے، جو بیٹھا ہے ہاتھ میں ایک دف لیے ہوئے چار زانو بیٹھی ہوئی بجا رہی ہے، سر پر ایک مرصع تاج رکھا ہوا ہے، اور تاج کے نیچے سے گیسو کی تین لٹین نکلی ہیں، جنمین سے ایک پشت پر پڑی ہوئی ہے جو اس کے نصف قامت تک دراز ہے، اور دو لٹین سامنے کی طرف آتی ہیں، گلے میں ایک مالا ہے، اور کلائیون میں کنگن

پہنے ہوئے ہے یہ مجسمہ ۲۵ ملیمیٹر بلند اور ۲۰ ملیمیٹر عریض ہے،

اس مجسمہ کے متعلق مختلف خیال آرائیان ہو رہی ہین، بعضون کا خیال ہے کہ یہ عہد فاطمی کی یادگار ہے، اور بعض لوگ اس مغنیہ کی آنکھون سے قیاس کرتے ہین کہ تاتاریون کے حملہ کے بعد کا یہ مجسمہ ہے، کیونکہ اسکی آنکھین مغلون کی آنکھون سے بہت مشابہ ہین،

نپولین کے سر کے چند بال، ۱۹ فروری ۱۹۲۷ء کو لندن کے بازار مین ایک ڈبیہ فروخت کے لیے آئی جسمین نپولین اعظم کے سر کے چند بال حفاظت سے رکھے ہوئے تھے، ان بالون کی اصلیت پر مسٹر جان ولس (۱۷۸۰ء - ۱۸۵۸ء) کی شہادت ثبت تھی، جو انگلستان کا ایک مشہور سیاسی آدمی گذرا ہے،

جان ولس نے ان بالون کو لارڈ ولنڈنڈری سے حاصل کیا تھا، اور انھون نے مسٹر ٹالارین سے پایا تھا، اب یہ فروخت ہو کر کسی دوسرے کے پاس چلے گئے ہین،
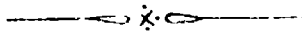
دولت کی فراوانی کا ایک عجیب منظر، ایک دولتمند امرکین نے انگلستان مین بود و باش اختیار کر لی تھی، اس کی وفات کے بعد جب اس کا وصیت نامہ کھولا گیا، تو اس مین اس نے منجملہ دوسری رقمون کے ۵۰ ہزار ڈالر اپنے کتے کے حق مین بھی دیئے تھے، اور وصیت کے مطابق اس کتے کے مرنے کے بعد اس رقم کا ترکہ اسکے "اعزہ" مین تقسیم ہوگا،

افریقہ کا ایک قدیم جغرافیہ، ہیروڈوٹس کی تاریخ مین ایک جگہ تذکرہ ہے کہ نخو ثانی، شاہ مصر نے اپنے عہدِ حکومت مین ایک فنیقی شخص حنو نامی کو افریقہ کے ہر چہار طرف بحیثیت سیاح کے زمینی طواف کرنے کو روانہ کیا تھا، اس شخص نے واپسی کے بعد اپنا سفرنامہ بھی تیار کیا تھا، اب بعض لوگون نے [illegible]

کا، اب خطِ پر پتہ چلایا ہے جنکا تذکرہ اس سیاح نے اپنے سفرنامہ مین کیا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس جدید تحقیق
سے افریقہ کے قدیم جغرافیہ پر ایک خاص اثر پڑے گا،

جاپان مین ایک موتمر علمی، ٹوکیو مین ۳۰ اکتوبر سے ۱۱ نومبر تک ایک موتمر علمی ولیعہد جاپان
کی سرپرستی اور وزیر اعظم جاپان کی صدارت مین منعقد ہوئی، اس بزم علمی مین جو علوم و فنون زیر بحث آئے انکو
کلی طور پر دو بڑی قسمون مین منقسم کیا گیا، ایک علوم طبیعیہ اور دوسری علوم حیاتیہ (بیالوجی) ان دونون قسمون
کے تحت مین بہت سے شاخہاے علوم و فنون آئے، جنپر بحث و تحقیق ہوتی رہی، اس کے اجلاس مین جاپان کے
اکثر قابل ذکر اہل علم نے شرکت کی تھی،

اٹلی مین خون کی بارش، ۱۰ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو اٹلی مین ظہر کے وقت خون کے مانند سرخی مائل بارش
ہوئی، جس سے شہر کے تمام راستے اور درخت کے پتے لالہ زار بنگئے، اور جس وقت بارش ہو رہی تھی مشرق
کی طرف سے نہایت خشک ہوا بھی چل رہی تھی، پھر شام کو جب بارش موقوف ہوگئی تو سطح زمین سے تقریباً
۲۵۰۰ فٹ بلندی پر نہایت زور و شور سے برق و رعد کا حملہ ہوا جس سے شہر کے در و دیوار کانپ اُٹھے، اور
اس کا سلسلہ بھی دیر تک جاری رہا، اگر کسی مشرقی ملک مین یہ واقعہ ظہور پذیر ہوتا تو اس کو عذاب خداوندی
سے تعبیر کیا جاتا، لیکن مادہ پرست یورپ اسکی توجیہ یہ کرتا ہے کہ ہوا نے صحراے افریقہ کی سرخ ریت کو
مانسون مین ملا دیا، اسلیے پانی کے قطرے سرخی مائل ہوگئے

خطبات علمیہ، یورپ اور خصوصاً انگلستان مین خطبات علمیہ کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا ہے، جو لوگون
کی ذہنی اور علمی زندگی مین سود مند ہوتے ہین، چنانچہ انگلستان کے ایک علمی انسٹیٹیوشن کی نگرانی مین نو

دسمبر ۱۹۲۶ء مین مختلف موضوع پر خطبے دیئے گئے جنکی فہرست درج ذیل ہے، اکتشاف قطب جنوبی، زمانۂ قدیم مین علم طب، ہوا کی کہربائیت، اعصاب و عضلات، ہماری حرکت اور ہمارا احساس، قلب اور دیگر عضلات، پھیپھڑے اور خون، حرکت اور قوت،

رکفلر کا ایک اور گرانقدر عطیہ کیمبرج یونیورسٹی کو ایسی عمارت کی ضرورت تھی جسمین حیوانات کی نسل کی پرورش و پرداخت کیجائے، اس عمارت کے مصارف کا تخمینہ ۲۰ ہزار پونڈ لگایا گیا تھا، امریکہ کے مشہور فیاض دولتمند رکفلر نے اس مقصد کے لیے ۳۰ ہزار پونڈ اس شرط پر دینا منظور کیا کہ بقیہ مطلوبہ رقم خود انگلستان ادا کرے، یونیورسٹی نے بصد شکر یہ رقم قبول کی، اور اس کے ساتھ انگلستان کے دولتمند طبقہ نے بقیہ رقم پوری کرنے کا وعدہ کیا، چنانچہ اس سلسلہ مین پہلا چندہ ایک فیاض کی طرف سے ۱۰ ہزار پونڈ ادا ہو چکا ہے، اور امید ہے کہ بہت جلد ۲۰ ہزار پونڈ کی بقیہ رقم پوری ہو جائے گی،

ایک مربع میل کے تناسب سے بعض ملکون کی آبادی، امریکہ کے ایک جغرافی رسالہ مین بعض وسیع ملکون کی آبادی کا تناسب ایک مربع میل کے لحاظ سے نکال کر شائع کیا گیا ہے، ذیل مین اسکا نقشہ دیا جاتا ہے،

سوڈان	۱۱- آدمی	ولایات متحدہ امریکہ	۳۵- آدمی
ہندوستان	۱۷۷ "	چین	۲۴۶ "

لیکن یہ ملحوظ رہے کہ ان ممالک مین سے پہاڑون کے تمام سلسلے اور دیگر ناقابل بود و باند مقامات علٰحدہ کر لیے گئے مین، اسلیے سوڈان کی آبادی کا تناسب تمین سب سے کم نظر آتا ہے، کیونکہ اس کا لق و دق صحرا اس سے علٰحدہ ہے

ادبیات

جام صہبائی

از

جناب اثر صہبائی صاحب بی اے

(۱)

گو ہستیٔ آتشیں ہے فانی میری
ہے بزم جہاں میں ضو فشانی میری

جل جانا مگر ہے ان کو روشن کرنا
مانند شرر ہے زندگانی میری

(۲)

ہر لطف کے پردے میں ستم پایا ہے
ہر ساز طرب میں سوز غم پایا ہے

میخانۂ دہر میں مئے ناب کہاں؟
ہر جام کو آلودۂ سم پایا ہے

(۳)

شیرازۂ ہستی کو بکھرنا ہوگا
ظاہر ہے کہ ایک روز مرنا ہوگا

لیکن یہ سوال ہے ابھی لاینحل
کیا ڈوب کے پھر مجھکو ابھرنا ہوگا

(۴)

گو سلسلۂ دیر و حرم کو چھوڑا
واعظ کو، برہمن کو صنم کو چھوڑا

افکار کی قید سے نہ آزاد ہوئے
زنجیر خیال نے نہ ہم کو چھوڑا

(۵)

کہتے ہین کہ ہے بتانِ گلشنِ ہستی　　　گلہائے بہار کا ہے خرمن ہستی
آتش کو سمجھ رہے ہین ہم رنگ بہار　　　یعنی ہے خسِ شعلہ بدامن ہستی

(۶)

آزاد ہون، زر دار نہین ہون نہ سہی　　　سرشار ہون، ہشیار نہین ہون نہ سہی
خمخانۂ عشق کا ہون اک رندِ خراب　　　دانندۂ اسرار نہین ہون، نہ سہی

(۷)

اک نقطۂ موہوم ہے ہستی میری　　　لیکن ہے عجیب چیز مستی میری
چھوڑا جو خدا، تو خود پرستی ہے اثر　　　جاتی ہے کہین یہ بت پرستی میری

تجلّیات

مولوی سیّد ابو محمد ثاقب کانپوری

اب آشنائے عرض تمنا زبان نہین　　　کیا لطف ہے کہ حرفِ ہوس درمیان نہین
جو کچھ ہوا وہ دل کا غلط اضطراب تھا　　　حاشا نگاہِ ناز سے مین بدگمان نہین
جب عشق خام تھا مجھے احساسِ درد تھا　　　اب کچھ نہین خبر کہ کہان ہو کہان نہین
تم کیا گئے کہ رنگِ زمانہ بدل گیا　　　گویا وہ اب زمین نہین وہ آسمان نہین
لیتا ہے دل ہی کچھ مزۂ کاہشِ فراق　　　لذت شناسِ دردِ محبت زبان نہین
وہ آہِ شعلہ بار ہو یا داغِ سوزِ غم　　　خوش ہون کہ بے چراغ مرا آشیان نہین
ممنون ہون مین دل سے ترا وحشتِ خیال!　　　آزاد ہون کہ فکرِ جہان ہم عنان نہین
اک دل پہ منحصر ہے وجودِ نشاطِ دہر　　　یہ شادمان نہین تو کوئی شادمان نہین
کیون ایک ہی نگاہ مین ثاقب یہ ترکِ ہوش　　　یہ التفاتِ دوست ہے کچھ امتحان نہین

باب التقریظ والانتقاد

میخانۂ عبد النبی

مرتبہ

مولوی محمد شفیع صاحب ایم اے

آج سے تقریباً چھ سال پہلے جب پروفیسر براؤن انجہانی کی تاریخ ادبیات ایران کی تیسری جلد ہم تک پہنچی تو ہمنے نہایت خوشی سے دیکھا کہ انھون نے جہان ہندوستان کے مورخ و ادیب علامہ شبلی رح کی شعر العجم سے استفادہ کرکے انکی محنت و غائر مطالعہ کی حقیقی داد دی ہے، وہین دو ہندوستانی نوجوان علمی پیادون کا امید افزا تذکرہ بھی کیا ہے، چنانچہ اپنی تمہید مین انھون نے لکھا تھا:-

”تقریباً تمام پروفون کو حکومت ہند کے دو محقق طالب علمون محمد شفیع جو خود میرے کالج کے رکن تھے، اور اب جامعہ پنجاب کے استاذ عربی ہین، اور ان کے چلے جانے کے بعد ایک نوجوان صاحب علم محمد اقبال نے جنسے بہت کچھ توقعات ہین، اور جو دونون غیر معمولی علمیت، قابلیت اور محنت کے مالک ہین پڑھا ہے“[1]

ان مسرت بخش الفاظ ہی کو پڑھکر یہ قوی امید ہوگئی تھی کہ انشاء اللہ پروفیسر براؤن جیسے تجربہ کار استاذ کی پیشینگوئی صحیح ثابت ہوگی اور ہندوستان کی اسلامی علمی دنیا کے یہ دو نئے رئیس گذشتہ وراثت علمی کو قائم رکھتے ہوئے جدید دولت کیساتھ ہمارے خزینۂ علم مین معتد بہ اضافہ کرینگے،

پروفیسر شفیع تقریباً چھ برس سے خاموشی سے کام کررہے ہین، اور صرف گذشتہ سال کے

[1] براؤن:- ادبیات ایران جلد سوم صفحہ ۱۱ دی،

فردری سے اورنٹیل کالج میگزین کی ادارت قبول کرکے علانیہ علمی کام شروع کیا ہے، اس کے ساتھ یہ بھی ایک اور عجیب حسن اتفاق ہے کہ جس طرح ڈاکٹر براؤن اگرچہ استاذ عربی تھے لیکن جو کچھ لکھا وہ بیشتر فارسی اور ایران کے متعلق تھا، اسی طرح ہمارے استاذ عربی بھی ایرانی ساقیوں کے جھرمٹ میں میخانہ بدوش ہی مجلس تصنیف و تالیف میں داخل ہوئے ہیں،

شعروشاعری کے وجود کیساتھ ہی تذکروں اور انتخابوں نے بھی جنم لیا، اور اشعار دوست اصحاب نے مختلف طریقوں میں ان دو چیزوں کی ترتیب و تدوین شروع کی بعض نے ہر شاعر کے حالات جمع کرکے اپنے ذوق کے مطابق اوسکے اشعار جمع کر دیئے، بعض نے خاص عہد کے شعراء کو لے لیا، اور بعض نے خاص صنف شاعری کو، مغلوں کے زمانہ میں ہندوستان میں بھی اسی اصول پر کام ہوتا رہا، چنانچہ صائب کا انتخاب بیاض شعرائے اساتذہ جسے مولانا شبلی نے ایران کا حماسہ بتایا ہے (شعرالعجم حصہ دوم صفحہ ۲۰۶) منتخبات نظم موجودہ کتب خانہ علی حسین صاحب حیدرآباد، انتخاب دواوین، موجودہ کتب خانہ محبوب یار جنگ حیدرآباد جسمیں حافظ، کمال خجندی، حسن دہلوی ناصر بخاری، کاتبی نیشاپوری، اور ابن یمین کا انتخاب ہے، منتخب الاشعار مرتبہ مبتلا وغیرہ ایسے مجموعے ہیں جنمیں صرف شعراء کے کلام کا انتخاب ہے اور تقریباً اسی عہد کے لکھے ہوئے ہیں[1]،

عام تذکروں میں تقی اوحدی کی عرفات العاشقین، تذکرۂ طاہر نصیرآبادی (جو صرف گیارہویں عہدی کے شعراء کے حالات پر مشتمل ہے) سرخوش کی کلمات الشعراء جسمیں جہانگیر سے اورنگ زیب تک کے شعراء کے حالات ہیں، ہمیشہ بہار مرتبہ کشن چند خلاص جسمیں جہانگیر سے لیکر محمد شاہ تک کے شعراء کا حال ہے، سفینۂ خوشگو مرتبہ بندرابن داس خوشگو، غلام علی آزاد کی ید بیضا و خزانہ عامرہ، والہ داغستانی کی ریاض الشعراء، سراج الدین آرزو کی مجمع النفائس، لچھمی نرائن کی گل رعنا، لطف علی کی آتشکدہ، احمد علی کی مخزن الغرائب وغیرہ قابل ذکر ہیں[2]،

[1] ہندوستان کے مشہور کتب خانے، سالہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال صفحہ ۶۰-۲۶۴، ۱۹۱۹ء ۔

[2] فہرست کتب خانہ پٹنہ جلد ۸ صفحہ ۱۴۰-۱۷۵،

لیکن میخانہ ایک خاص طرز پر لکھی گئی ہے، جس اصول کو پیش نظر رکھکر لکھی گئی ہے اس کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں مثلاً فہرست کتب خانۂ پٹنہ میں خلاصۃ الکلام نام ایک ایسا انتخاب ہے جس میں صرف ان شعراء کے حالات ملتے ہیں جنھوں نے مثنویاں لکھی ہیں، ہر ترجمہ کے بعد صاحب ترجمہ کی مثنوی کا انتخاب ہوتا ہے، اس کے مرتب نواب امین الدولہ عزیز الملک علی ابراہیم خان بہادر نصیر جنگ المتخلص بہ خلیل ہیں[1]، اسی طرح ریاست رامپور کے سرکاری کتب خانہ میں ایک نامعلوم مصنف کی بیاضِ اشعار ہے جس میں صرف سلاطین اور ان کے رشتہ داروں، صدور، وزراء و امراء، و اطبائے مقرب سلاطین، و بعضے احباب معاصرین کے کلام کا انتخاب سات فرقوں میں دیا گیا ہے[2]، میخانہ بھی اسی قسم کا ایک تذکرہ ہے جس میں صرف ان شعراء کے تراجم ہیں جنھوں نے یا تو مستقل ساقی نامے لکھے ہیں یا جنکے کلام میں مرتب کو ایسے اشعار ملگئے ہیں جو اس عام سرخی کے ذیل میں آسکتے ہیں،

اس امتیازی خصوصیت کے علاوہ جو چیز اس کو زیادہ وقیع بناتی ہے، وہ یہ ہے کہ اس میں جن حضرات کے تراجم ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر کے حالات مؤلف نے خود ذاتی واقفیت کی بناء پر لکھے ہیں اور جو خود نہ مل سکے ان کے اعزّاء و احباب اور قدما کے لیے اس نے مستند تذکروں کی ورق گردانی کی ہے، چنانچہ وہ خود لکھتا ہے

"برراے انور ہنرمندان و ضمیر ضیاگستر خردمندان پوشیدہ نماند کہ مؤلف این اوراق پریشان عبد النبی فخر الزمانی بجہت تحقیق احوال شیخ ابراہیم **اکثر کتب معتبرہ** را بنظر در آوردہ"

لیکن جب ان کے بیانات کو بھی متضاد پاتا ہے تو صرف اس کتاب کو لے لیتا ہے جس پر اسے صحیح ہونے کا خیال ہوتا ہے،

"اقوال ہمہ خلاف یکدگر برآمد، خاطر بر ہیچ قولے از اقوال آنہا قرار نگرفت مگر بر قول مولوی نامی عبد الرحمن جامی در گفتار نیزی کہ دیباچہ بر دیوان آن کاشف اسرار ربانی نوشتہ و این ہر دو قول مطابق یکدگر است"

---

[1] فہرست کتب خانۂ پٹنہ جلد ۸ صفحہ ۱۲۸-۱۲۷ نشان نمبر ۷۰۴،

[2] ہندوستان کے مشہور کتب خانے، رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال صفحہ ۳-۲۷۲،

بنابرآن بر بیاض بردہ۔

اب ذرا تفصیل کیساتھ اس اصول کو خود مصنف کی زبان سے سنئیے:۔

"و بقدر وسع خود آنقدر کہ مقدور بود، احوال خداوندان این صنعت والا (؟) ساقی نامہ از متقدمین و متاخرین از روے اسناد ارباب خبر، و قول مردم معتبر ترتیب بر بیاض بردہ، امید کہ سہو واقع نشدہ باشد، اکنون ذکر خردمندان کہ صحیفۂ ایام بختہ فرجام از سر آغاز ایشان رنگین میشود و احوال خردمندان کہ درین تیز زبان در حیات اند و اشتہار سرشاری یافتہ ساقی نامہ گفتہ اند، با بیات ساقی نامۂ آنہا بر بیاض می بردد سعادت ملازمت، ہر یک ارباب معانی کہ این سرگشتۂ وادی تالیف را میسر گردید، احوال آن نکتہ سنجان از روے اقوال ایشان درین تالیف ثبت نمودہ، چنانچہ جابجا بمقتضی وقت مرقوم قلم شکستہ رقم خواہد گردانید، و جمعے را کہ از شرف صحبت کثیر البرکت ایشان فائز و بہرہ ور نگردیدہ حقیقت نشو و نمای آن جماعہ از دوستان حقیقی و یکجہتان آن اعزہ اند [illegible] تاکید تحقیق نمودہ بدستیاری خامۂ شکین شمامہ، از روے اعتبار درین میخانہ مندرج گردانید[2]"

تاہم اس نے بعض مقامات پر بہت ہی عجیب و غریب غلطیاں کی ہیں، مثلاً دیوان عرفی کے متعلق اس کا محققانہ بیان ہے کہ "بتحقیق پیوستہ کہ آن مطلع دیوان نکتہ پردازی در ایام حیات خود دیوان ترتیب ندادہ فاما بعد از فوت او یکے از دوستان یکجہتی او این دیوانے کہ الحال درمیان مردم است مرتب ساختہ است و عدد ابیات آن ہمگی از قصیدہ و غزل و مثنوی و غیرہ قریب بہ دوازدہ ہزار و پانصد بیت است[3]" حالانکہ بات متعدد طریقوں سے ثابت ہو چکی ہے کہ چھ ہزار اشعار کے تلف ہو جانے کے بعد ۹۹۶ھ میں اس نے اپنا دیوان مرتب اور اسکے تین سال بعد مرتے وقت یہ دیوان اور دوسرے اشعار عبدالرحیم خانخاناں کے پاس بھیجدیئے جسنے اوسکی وفات سے ربع صدی بعد ان کو محمد قاسم سراج کے حوالہ کیا، اور سال بھر کی شبانہ روز کی محنت میں دیوان کی ترتیب پوری ہوئی، کل چودہ ہزار شعر تھے[4]۔

---

[1] میخانہ صفحہ ۲۹، [2] ایضاً صفحہ ۴۳-۴۴ [3] ایضاً صفحہ ۱۰۵ [4] شعر العجم حصہ سوم صفحہ ۹۰-۹۶

اس نے ملا پرتوی کے جو نہایت ہی کم معروف شاعر ہے، ساقی نامہ کو بہترین بتایا اور یہ اس کی غیر جانبداری کی بڑی دلیل ہے[1]، اسی قسم کی متعدد نمایان خصوصیتون کو مرتب نے بھی اپنے دیباچہ مین لکھا ہے،

اب ہم نفس میخانہ، اس کے مصنف اور اس کے مرتب کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتے ہین،

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ مولوی شفیع صاحب کو ایک ایسے مفید تذکرہ کے صرف دو ہی نسخے دستیاب ہوئے، اور انھی دو کی مدد سے پروفیسر ممدوح نے نہایت ہی قابلیت، محنت اور حتی الامکان صحت کیساتھ کتاب کو اڈٹ کرنے مین کامیابی حاصل کی ہے ہم کو نہایت افسوس ہے کہ ہم میخانہ کے اس نسخہ کا جو مولانا شبلی کے پاس تھا اور جسکی وجہ سے یہ کتاب علمی دنیا مین روشناس ہو کر آج ہمارے سامنے ہے، پتہ نہ چلا سکے۔ البتہ ایک خط سے جسمین انھون نے یہ کتاب مانگی ہے، یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی چھوٹی ہی تقطیع کا نسخہ تھا، یہ خط مولانا سید سلیمان صاحب کے نام ہے اور اس کے الفاظ یہ ہین:-

"میری کتابون مین ایک قلمی کتاب، فارسی زبان مین میخانہ نام ہے، چھوٹی تقطیع ہے، اور شعرائے فارسی کا تذکرہ ہے، اور موضوع صرف وہ شعراء ہین جنھون نے کوئی ساقی نامہ لکھا ہے[2]"

مولانا شبلی نے اپنا تمام کتب خانہ ندوہ کو دیدیا تھا ہمنے وہان بھی دریافت کیا لیکن جواب نفی مین ملا، اگر یہ نسخہ مل جاتا تو کم از کم بہ ائی صحیح اور دوسرے اختلافات کی ایک گونہ تصحیح ہو جاتی، پھر بھی نہین سے کچھ بہتر ہے، اسکے زرین اصول پر موجودہ دو نسخون ہی کی مدد سے جس بہتر طریقہ سے اس کتاب کو اڈٹ کیا گیا ہے وہ ضرور لائق صد تحسین ہے، ہان پروفیسر ممدوح کا بیان بالکل صحیح ہے کہ مولانا شبلی والے نسخے سے جو بیانات شعر العجم حصہ دوم اور سوم مین نقل کئے گئے ہین ان مین اور ان دو نسخون کے بیانات مین اختلافات بھی ہین، مثلاً حافظ کی تقسیم آرٹی شعر العجم مین ۳ حصون مین ہے اور میخانہ شفیع مین چار، اسی طرح طالب کے متعلق جو عبارت نقل ہوئی ہے اس مین بھی عبارتون مین سخت اختلاف ہے، اس سلسلہ مین یہ معلوم کرنا خالی از

---

[1] میخانہ صفحہ ۱۱۱ [2] مکاتیب شبلی جلد ۲ صفحہ ۲۰۳، طبع اول

دلچسپی نہ ہوگا، کہ ڈاکٹر براؤن نے جہان ترجمۂ حافظ میں شعرا العجم کا ترجمہ لکھا ہے، وہان "داوا" کی جگہ باپ کا شیراز آنا ظاہر کیا ہے،

کتاب کی طرح غریب مصنف کا حال بھی پردۂ خفا میں ہے، بجز ایک تاریخ محمد شاہی کے جس کا مرتب نے حوالہ دیا ہے، اس کا جو کچھ کم و بیش حال معلوم ہوتا ہے وہ اسی میخانہ سے معلوم ہوتا ہے، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نے ہندوستان کے کتب خانون پر جو رپورٹ شایع کی تھی، اس مین البتہ اس کا کچھ حال لکھا ہے، لیکن وہ بھی رامپور کے نسخہ سے ماخوذ ہے،

اب ہم مرتب کی خدمات کا ذکر کرنا چاہتے ہین، پروفیسر شفیع نے جس بہتر اور موجودہ تحقیقات کی طرز پر نہایت ہی محنت و جانفشانی کے ساتھ اسکی طرف اعتنا کیا ہے، وہ عرصہ تک علم دوست حلقہ سے داد کمال حاصل کرتا رہے گا، اور آیندہ مرتبون کے لیے باعثِ ہدایت ثابت ہوگا،

مرتب نے ابتدا مین ایک عالمانہ دیباچہ لکھا ہے، جسمین مصنف کے حالات کیساتھ اوسکی تصنیفات کا تذکرہ کیا ہے، اور پھر میخانہ کے خصائص پر مفصل طور پر بحث کی ہے، اس کے بعد قلمی نسخون کے بعض خطی خصوصیات کا ذکر ہے، اس کے بعد ارتقاے ساقی نامہ پہ ایک اچھا سا پر از معلومات مضمون ہے، پھر ان کتابون کی فہرست ہے جس سے ان کی ترتیب مین مدد لی گئی ہے، ان کی تعداد تقریباً ۶۲ ہے، اس کے بعد فہرستِ شعرا ہے، اور پھر اصل کتاب،

اصل کتاب کو مصنف نے تین طبقون پر تقسیم کیا ہے (۱) "در ذکر سخنورانی کہ داعیِ حق را بلبیک اجابت گفتہ و سر در نقاب خاک تیرہ کشیدہ اند" اس مین ۲۲ شعرا کا تذکرہ ہے (۲) "در ذکر شاعرانے کہ درین ایام خجستہ فرجام در حیات اند و اشتہار سرشاری دارند" اس مین خود مصنف کا ترجمہ شامل کر کے بیس شعرا کا حال ہے، مگر خود اصل کتاب مین ۱۳ خداوندانِ جنت و ساقی نامہ ہے، امید کہ دو نام رہ گئے ہون جنکو مصنف نہ بڑھا سکا ہو یا پھر یہ غلط لکھ گیا ہو، اور (۳) "در ذکر فضلائے کہ مؤلف کتاب بایشان برخوردہ و بایشان صحبت داشتہ" اس مین ۵۴ شعرا ہین، اس طرح کل مجموعی تعداد

اہم ہوتی ہے،

مگر اس کتاب کی اہم ترین شے، اگرچہ بلحاظ ضخامت کمتر لیکن بلحاظ قیمت بہتر، وہ حواشی ہیں جو ہر تاریخی و ادبی چیز پر مرتب نے لکھا ہے، در اصل یہی حواشی پروفیسر موصوف کی وسعت نظر، کمال محنت، اور انتہائی باریک بینی و تحقیق کے بہترین شاہد ہیں، ہر مصنف، ہر کتاب بلکہ ہر نام کے متعلق متعدد مستند کتابوں کے حوالے، ان پر محاکمے اور اسی طرح کی دوسری محققانہ چیزیں، نہ صرف کتاب کو بہت بلند کر دیتی ہیں، بلکہ ہر طالب علم کے لیے ایک اچھا خاصہ مجموعۂ معلومات مل جاتا ہے، اور اس کامیاب جانفشانی کے لیے ہم پروفیسر ممدوح کو مبارکباد دیتے ہیں،

البتہ بعض مواقع پر انھوں نے صرف ریو کے حوالہ پر اکتفا کر کے مضمون کو تشنۂ تحقیق چھوڑ دیا ہے، مثلاً نظامی کے خمسہ کے متعلق ریو سے بہتر ولہلم بشر (Dr. WILHELM BACHER) نے جرمنی زبان میں لکھا ہے اور جسکی تلخیص ڈاکٹر براؤن نے ادبیات ایران کی دوسری جلد میں دی ہے، یا پروفیسر محمود شیرانی کا مضمون رسالہ اردو جنوری ۱۹۲۲ء ہے لیکن پروفیسر ممدوح نے صرف ریو ہی پر بڑی حد تک اکتفا کیا ہے، اسی طرح اردو عبارتوں میں بھی بعض جگہ روانی کا فقدان ہے، مثلاً ۹ برس کی عمر میں وہ مشہد زیارت کے لیے آیا، یہ ہونا چاہیئے کہ ۹ برس کی عمر میں وہ زیارت کے لیے مشہد آیا، بعض جگہ طباعت کی بھی غلطیاں رہ گئی ہیں، مثلاً ایسے اندازہ لکھنے میں بجائے ایسے انداز سے لکھتے ہیں یا گنجہ، برائے گنجہ، وغیرہ، لیکن یہ ناقابل التفات غلطیاں ہیں، اور ہم پروفیسر ممدوح کو ایک مرتبہ پھر مبارکباد دیتے ہیں کہ ساقی نوازوں کے جبر مست میں میخانہ بدوش آنے کے بعد بھی ان سے کوئی لغزش نہ ہوئی اور نہ صرف جام و سبو اور خم و پیالہ بلکہ پورا میخانہ کا میخانہ صحیح و سلامت نکال لے گئے،

ہاں اصل کتاب کے آخر میں مرتب نے دو مفصل فہرستیں بھی دی ہیں، پہلی فہرست [illegible] مقامات کی، اردو میں اس قسم کی فہرستوں کی ترویج کی کوشش کا سہرہ بھی شاید ان ہی کے سر رہیگا، کتاب [illegible] ۴۴۴×۱۶ صفحات پر مشتمل ہے، مجلد ہے، لکھائی چھپائی بھی معقول ہے، قیمت درج نہیں، پتہ [illegible] عطر چند [illegible] اینڈ سنز پبلشر انارکلی لاہور،

ن

مطبوعات جدیدہ

مسند عمر بن عبد العزیز، حضرت عمر بن عبد العزیز کا شمار محدثین کے نزدیک خلفاے راشدین مین ہے،
خالص شرعی انداز کی خلافت صرف انہی لوگون نے کی ہے [illegible] حضرت عمر بن عبد العزیز،
نہ صرف خلیفہ تھے بلکہ [illegible] بھی تھے، ان کے [illegible] امام فقہ مین نظیر سمجھے جاتے
تھے، امام مالک نے موطا مین ان کے فیصلون سے استناد فرمایا ہے [illegible] شیخ ابو حفص عمر بن طبرزد
نے ان کی ان حدیثون کو ایک جز مین الگ جمع کیا تھا، جسے [illegible] اپنے شیوخ ابو [illegible] وراق اور ابو بکر انصاری
سے سنا تھا، اسی کا نام مسند عمر بن عبد العزیز ہے، اس مسند کا ذکر عام کتب فقہ و حدیث مین نہین ملتا، لیکن ابن حجر کی تخریج
[illegible] ایک موقع پر اس کا ذکر آیا ہے، اسمین جو حدیثین ہین وہ سب مختلف کتب حدیث مین مل جاتی ہین، چار پانچ
برس ہوتے ہین کہ مکتبہ سلفیہ ملتان نے اس کو چھاپ کر شائع کر دیا ہے، چنانچہ اسی مکتبہ سے [illegible] بھی
اسی [illegible] کو دوبارہ دانستہ یا نادانستہ حال مین ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے بھی شائع کیا ہے، بنگال
کا نسخہ بڑی حد تک قابل ستائش ہے، لیکن افسوس اسکی خوبیون سے صرف مستشرقین یا وہ علما فائدہ اٹھا سکتے ہین جو
انگریزی بھی جانتے ہین، اس کتاب کی تصحیح و تہذیب کے فرائض مسٹر اے، ایچ، ہارلے نے انجام دیے ہین،
اصل کتاب تو صرف ۲۲ صفحات مین ختم ہو جاتی ہے، شروع مین ۲۴ صفحات کا انگریزی زبان مین ایک
مقدمہ ہے، جسمین حضرت عمر بن عبد العزیز کے مختصر حالات زندگی، اصطلاح مسند کی تشریح، اور مسند عمر بن عبد العزیز
کے متعلق مختصر نوٹ، اور ابو حفص عمر بن طبرزد سے لیکر حضرت عمر بن عبد العزیز تک ہر راوی پر کلام ہے، آخر مین
اشخاص و قبائل کی ایک فہرست ہے، اس کے بعد اصل کتاب کی حدیثون کے متعلق ضروری اشارات ہین
اور ہر حدیث کا درجہ بتایا گیا ہے، یہی چیز ہے جس نے اس کتاب کو بہت زیادہ قابل وقعت بنادیا ہے،

جناب سے، اپنے بانے کو اس کام کے انجام دینے میں مولوی محمد یحییٰ صاحب اسسٹنٹ مولوی مدرسہ کلکتہ نے بہت کافی مدد دی ہے، بلیے حدیثوں پر آخر میں جو اشارات ہیں، قابلِ اعتماد ہو سکتے ہیں،

التذکیر بآیۃ التطہیر، سورۂ نور میں ایک آیت ہے۔

انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت اے گھروالو، خدا کا ارادہ یہ ہے کہ تم سے نجاست دور کرے و یطھرکم تطھیرا، اور تم کو پاک کرے،

شیعی حضرات کے نزدیک اس آیت میں امہات مسلمین کا ذکر نہیں ہے، بلکہ صرف آل عبا کا نام اہل بیت ہے خان بہادر مولوی تجمل حسین صاحب گوپاموی مدراسی نے اس رسالہ میں ثابت کیا ہے کہ اصلی اہل بیت امہات مسلمین ہیں، خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ کتاب اگرچہ مناظرانہ انداز میں ہے، مگر تہذیب، شائستگی اور مدارات کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے، مصنف سے نرمل کوڑی مدراس سے ملے گی،

فطرت اطفال، فطرت اطفال کرسچین ڈی لارسن کی ایک قابلِ قدر کتاب دی سائنٹفک ٹریننگ آف دی چلڈرن کا اردو ترجمہ ہے، جس مولوی حامد حسن صاحب قادری بچھرایونی نے اردو کا لباس پہنایا، اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ ہر شخص میں ایک فطری رجحان اور خاص قسم کی دماغی استعداد ہوتی ہے، اور اس استعداد کا کافی لحاظ رکھتے ہوئے بچون کی تربیت کا اصول بتایا گیا ہے، کتاب اس قابل ہے کہ والدین اور معلّمِ اطفال کے پاس ہو، پتہ: مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، سلطان جہان منزل علی گڈھ

توحید فی الاسلام، اس کتاب میں جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے اسلامی عقیدۂ توحید کی تشریح کی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ یہ بتایا ہے کہ اس عقیدہ کا تہذیب، تمدن، معاشرت، اور اخلاق پر کیا اثر پڑتا ہے، خواجہ صاحب کی کتابیں، جس خاص انداز کی ہوتی ہیں وہ انداز اس کتاب میں بہت نمایان ہے، اور عقلیت کا پہلو صفحہ صفحہ پر غالب ہے، قیمت ؟ پتہ مسلم بک سوسائٹی عزیز منزل لاہور،

"ا"

کلیات، مولانا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات، قطعات کا مجموعہ، جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستۂ گل، بوئے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اس میں سب یکجا کر دیئے گئے ہیں، ۲۸ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے، قیمت عہ ر

کلیات شبلی اُردو، مولانا کی تمام اُردو نظموں کا مجموعہ جسمیں مثنوی صبح امید، قصائد، جو مختلف جلسون میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور کی مسجد، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی تھیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانون کے چہل سالہ جدوجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے لکھائی چھپائی کاغذ اعلی عہ ر

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

عربی زبان میں مولانا نے قرآن پاک کی تفسیر کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کے حسب ذیل نمبر چھپکر تیار ہیں، یہ تفسیر بالکل جدید طرز پر لکھی گئی ہے جس کی خاص خصوصیت قرآن پاک کی باہم آیتون کا ربط و نظام اور بعض عجیب حقایق مستورہ کا تسلی بخش انکشاف ہے،

تفسیر سورہ والذاریات، ۶ر

تفسیر سورہ اللهب، ۴ر

تفسیر سورہ والتین، ۴ر

تفسیر سورہ والکوثر، ۴ر

تفسیر سورہ القیامہ، ۴ر

تفسیر سورہ عبس، ۴ر

تفسیر سورہ والمرسلات، ۴ر

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح، عربی میں حضرت اسمعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پرزور رسالہ، یہود یون اور عیسائیون کے اس باب میں ہر قسم کے اعتراضات کا قلع وقمع کر دیا ہے، ۱۲ر

اسباق النحو حصہ اوّل و دوم، اردو میں سہل طرز پر عربی گرامر، ۲ر ۵ر

دیوان حمید، مولانا کا فارسی دیوان جو صحت زبان اور خوبی بیان میں اس عہد میں بے نظیر ہے، ۱۲ر

تحفۃ الاعراب، عربی کی نحو جدید اُردو نظم میں چھوٹے بچون کے حفظ کے لئے. ۲ر

خرد نامۂ منظوم، خاص فارسی زبان میں حضرت سلیمان کے امثال کا ترجمہ، ۸ر

دیوان فیض، مشہور ادیب زمانہ مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری کے عربی قصائد کا مجموعہ جو بڑی محنت سے مولانا حمید الدین صاحب نے فراہم کیا ہے، عہ ر

مولانا سید سلیمان ندوی،

سیرۃ نبوی حصہ معجزات، قیمت عہ ر ہے،

ارض القرآن حصہ اوّل، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی، لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے: قیمت عہ ر

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن میں سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس،

اصحاب، بجز بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۲۵۱ قیمت، عہ

سیرت عائشہؓ (طبع سوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی، اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات اور اسلام نے تعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات ہے

دروس الادب عربی کی پہلی ریڈر طبع ششم مع ترمیم قیمت ۲ر

دوسری ریڈر طبع سوم ۴ر

رسالہ اہل السنت والجماعۃ فرقہ اہل سنت والجماعۃ کے اصولی عقائد کی تحقیق، طبع دوم ۸ر

حیات مالک۔ امام مالک کی سوانح عمری اور موطا امام مالک پر تبصرہ عہ

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانان ہند اور خلفاء اسلام کے تعلقات اور سلاطین کے سکون اور کتبوں سے ان کا ثبوت ۸ر

دنیاے اسلام اور خلافت، موجودہ عہد میں خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کیلئے دنیا کی مسلمان قومیں کیا جد وجہد کر رہی ہیں، مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہیں، قیمت ۶ر

خلافت عثمانیہ اور دنیاے اسلام، اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانوں اور اسلامی ملکوں کی گذشتہ صدیوں میں کیا کیا خدمتیں انجام دی ہیں، عہ

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتوں کے جنگی اور اخلاقی بہادری کے کارنامے طبع سوم، ۴ر

بشری۔ عیسائیوں کا اعتراض تھا کہ مسلمانوں کا خدا قہار و جبار ہے، اس میں اس کا جواب دیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ اسلام میں محبت اور رحمت الٰہی کا کیا درجہ ہے، اور مذہب کس قدر ہمہ تن محبت ہے، اور اس باب میں اسلام کی تعلیم کیا ہے؟ قیمت ۸ر

لغات جدید، چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ

خطبات مدراس یعنی سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ لکچر جو گویا آنحضرت صلعم کی تمام پیغمبرانہ زندگی کا خلاصہ ہیں، قیمت عہ

مولانا عبد السلام ندوی،

اسوۂ صحابہ جلد اول۔ صحابہؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر، اور قرون اولی کے اسلام کا عملی خاکہ، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے، ضخامت ۴۰۰ صفحے قیمت ہے

ایضاً جلد دوم۔ صحابہؓ کے سیاسی انتظامی اور علمی کارناموں کی تفصیل ضخامت ۴۵۰، قیمت للعہ

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین فطری کا خلاصہ، طبع دوم قیمت ۵ر

اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارناموں کا مرقع، عہ

سیرت عمر بن عبد العزیز، حضرت عمر بن عبد العزیز

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مارچ ۱۹۲۷ء

قیمت: صہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوا

فہرست کتبخانہ تجارتی دار المصنفین اعظم گڈھ

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم حصہ اول طبع دوم تقطیع ۲۰×۲۶ حالات نبوی از ولادت تا ختم غزوات قیمت باختلاف کاغذ سے، للعہ

ایضاً حصہ دوم، کارنامہ نبوی تکمیل شریعت تاریخ احکام وفات اخلاق و شمائل وغیرہ طبع اول قیمت قسم اعلی تقطیع کلاں ﷲ ۔ متوسط لدمہ

ایضاً حصہ دوم، طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ و تقطیع خورد قیمت ﷲ عصہ سیے

ایضاً حصہ سوم تقطیع کلاں قسم اول عہ قسم دوم سے،

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی امامت اور طرز حکومت مطبوعہ معارف پریس، قیمت، للعہ

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات مطبوعہ معارف پریس، عیہ

الغزالی، امام غزالی کی سوانحعمری اور ان کا فلسفہ عیہ

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہ کی سوانحعمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل، عیہ

سوانح مولانا روم مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحعمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ عیہ

رسائل شبلی مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ قیمت عہ

مقالات شبلی مولانا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ، عہ

شعر العجم حصہ اول، شاعری کی حقیقت فارسی شاعری کا آغاز قدما کا دور، سے

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور، عہ

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور، عہ

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو سے

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ، عاہ

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی میں ریویو، ہ

موازنہ انیس و دبیر مرثیہ کی تاریخ، وغیرہ اصول تنقید اور فصاحت و بلاغت کی تشریح اور میر انیس کی شاعری کا اس معیار سے موازنہ قیمت سے سیے

سفرنامہ روم و مصر و شام، مطبوعہ مفید عام پریس قیمت عاہ

مضامین عالمگیر، شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات قیمت باختلاف کاغذ و طبع عیہ عہ ہ

علم الکلام، مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اس کی عہد بعہد کی ترقیاں اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس قیمت عاہ

الکلام مولانا کی مشہور تصنیف جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے طبع سوم مطبوعہ معارف پریس قیمت عاہ

مجلد نوزدہم | ماہ رمضان ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ مارچ ۱۹۲۷ء | عدد سوم

مضامین

شذرات

یہ رمضان کا ماہ مبارک ہے، معارف کا پہلا پرچہ ۱۳۳۴ھ کے اسی مہینہ میں نکلا تھا، اور اس وقت ماہ رمضان انگریزی ۱۹۱۶ء کے جولائی مہینہ کے مطابق تھا، اور اب وہی رمضان ۱۳۴۴ھ میں ٹھیک مارچ کے مطابق ہو گیا ہے، ۱۰ برسون میں چار مہینوں کا فرق دونوں سنوں میں پیدا ہو گیا، جو لوگ ہیئت و حساب سے واقف ہیں وہ تو جانتے ہیں لیکن بعض ناظرین جو اس مسئلہ سے واقف نہیں ہیں انھیں اس کی خبر نہیں کہ ہجری سنہ چاند کی رفتار سے، اور عیسوی سنہ سورج کی رفتار سے شمار ہوتا ہے، دونوں کے سال کے درمیان دس دن کا فرق رہتا ہے یعنی سورج کا سال، چاند کے سال سے تقریباً دس دن زیادہ ہوتا ہے، شمسی سال ۳۶۵ (اور کسیقدر کسر) کا اور قمری ۳۵۴ دن (اور کچھ کسر) کا ہوتا ہے، اس طرح تین سال میں ان دونوں سنوں کے درمیان ایک مہینہ کا فرق ہو جاتا ہے،

***

ناظرین گھبرائینگے کہ اس دقیق فنی حساب کا شذرات اور معارف سے کیا تعلق ہے؟ کہنے کو یہ دونوں کی بدحواسی کا نتیجہ تو نہیں ہے، مگر درحقیقت ہمیں ان ہی کی بدحواسی کو دور کرنا ہے، عموماً اردو رسالے اپنی لوح (ٹائیٹل) پر انگریزی مہینے لکھتے ہیں، اور مذہبی پرچے صرف عربی مہینے لکھتے ہیں، اسلیے یہ دونوں تو ان قمری شمسی سنین کے جھگڑوں سے الگ ہیں، اور نہ انھیں کبھی اس تطبیق معقول و منقول کی ضرورت پیش آتی ہے، لیکن ہمارا قدم جدید و قدیم کے درمیان ہے، عربی قمری مہینے چھوڑ کر ہم اپنے قومی و مذہبی روایات سے الگ ہونا گوارا نہیں کر سکتے، اور اسی طرح انگریزی شمسی سال جبکہ ہر قمری سال کے مقابل تین سال میں ایک مہینہ کی کفایت ہوتی ہے اسکو چھوڑنا بھی قرین عقل نہیں، اس بنا پر معارف کی لوح پر قمری عربی، اور شمسی انگریزی دونوں مہینے اور سنہ لکھے جاتے ہیں، مگر تعامل عام اور لوگوں کے حسابات کی وجہ سے وہ نکلتا شمسی مہینہ کے مطابق ہے، اور اس کے حسابات بھی اسی سنہ سے رہتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تین سال میں ایک انگریزی مہینہ کم ہو جاتا ہے، اور یا یون کہیے کہ ایک قمری مہینہ بڑھ جاتا ہے، اس تطابق کی کشتی کو سنبھالنے کے لیے پہلے یہ کیا جاتا تھا

کہ تین سال کے بعد ایک قمری مہینے کا نام چھوڑ دیا جاتا تھا اس سے بعض خریداروں میں یہ بدحواسی چھائی تھی کہ ایک مہینہ کا پرچہ غائب ہوگیا ہی، اور اس کے تقاضے کے لیے خطوط آتے تھے، تب یہ کیا گیا ہے کہ قمری مہینہ نہیں چھوڑا جاتا، بلکہ تین سال کے بعد ایک شمسی مہینہ کے ساتھ دو قمری مہینے ایک ساتھ لکھ دیئے جاتے ہیں جیسا کہ جنوری ۲۶ء کے پرچہ پر جمادی الثانی اور رجب دونوں لکھ دیئے گئے ہیں، اس سے پرچہ کے غائب ہونے کی شکایات تو رفع ہوگئیں لیکن یہ شکایت پیدا ہوگئی کہ ۱۷۰ کے بتائے ہوے سمجھے کہ ایک ہی نمبر میں دو نمبر چھاپ دیئے گئے، حالانکہ ان دونوں میں سے کوئی واقعہ نہیں، یہ ظاہر ہے کہ قریب قریب اصطلاحی اختلافات ہیں جنکا پرچہ پر اسکی ضخامت پر، اس کے شمسی نمبروں پر اس کے حسابات پر کوئی اثر نہیں پڑتا، امید ہے کہ ہمارے بعض ناواقف احباب اس نکتہ کو سمجھ گئے ہونگے،

ارکان دار المصنفین کی تعداد بحمد اللہ ایک مہینہ میں بہت کچھ بڑھی حیدرآباد سے ہماری توقع بہت کچھ پوری ہوئی اور اس اثنا میں وہاں سے ۵۹ نئے ممبروں کا اضافہ ہوا، کچھ بنگال سے بھی آئے، کچھ بہار سے بڑھے، کچھ یوپی کو بھی شرم آئی، مگر پنجاب ہنوز اپنی زندہ دلی کے ثبوت میں پس و پیش کر رہا ہے، حیدرآباد میں تحریک کی کامیابی، نواب صدر یار جنگ شروانی، اور پروفیسر عبد الباری ندوی کی کوششوں کی رہین منت ہے، اب مارچ کی ۱۳ تاریخ تک صوبہ وار فہرست حسب ذیل ہے جسمیں حیدرآباد نے اپنی جگہ حاصل کرلی ہے

صوبۂ بہار ۶۰، حیدرآباد دکن ۴۹، صوبہائے متحدہ ۲۲، پنجاب ۱۱، بمبئی ۹، بنگال ۸، سرحدی ۵، دہلی ۵،

صوبۂ متوسط ۵، مدراس ۴، برما ۴، سنگاپور ۳، بھوپال ۲،

اردو کتابوں کی اشاعت کی کمی کے اسباب اور بہت کچھ ہونگے، لیکن ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ذریعہ تعلیم نہیں، اس وقت تعلیم یافتہ اور اصحاب علم جنکو آپ کہہ سکتے ہیں، وہ وہی ہیں جنھوں نے انگریزی کی تعلیم پائی ہے، یا عربی پڑھی ہے، انگریزی تعلیم یافتہ اصحاب اردو کی اشاعتوں (کتب، رسائل اور اخبارات) کو قابل التفات نہیں سمجھتے اور غیر لاطینی حروف میں ان کے نزدیک پڑھنے کی کوئی چیز نہیں ہوتی، اور انھیں اس پر فخر ہے، عربی خوان اصحاب اور علماء زمانۂ تعلیم کے علاوہ مطالعہ

کتب کے فوائد کے متعلق قائل نہیں، اور اس زمانہ میں بھی شائستہ تعلیم سے باہر کی کسی چیز پر نگاہ ڈالنا گویا گناہ عظیم سمجھتے ہیں
خلاف ہے، یہ سمجھکر کہ تو پھر کسی چیز کے پڑھنے کی تو ضرورت نہیں اگر کبھی ضرورت ہوئی تو واقعہ نگاری کی زبانی کتابوں کی تعمیر،
وہ واقف نہیں ہے کہ ان میں علم کی کوئی بات ہو کیونکر ملتی ہے، اب بتائیے کہ بڑے بڑے شہروں میں سے کون طبقہ
اردو کتابوں کو خریدے اور پڑھے۔

تاہم انگریزی دان طبقہ سے کچھ خاکسار و متواضع لوگ ایسے ہیں جو گریجویٹ نہیں ہو سکے، یا مولویوں میں کچھ ایسے ہیں جنکے سر پر دستار فضیلت نہیں، یا وہ مولوی ہو کر نیچری ہو گئے ہیں، یا معمولی اردو فارسی خوان ہیں یہی بیچارہ طبقہ ہے جسکو اردو سے کچھ ہمدردی ہے، اور یہی اردو اشاعتوں کے تمام بار کا متحمل ہے، ایسی حالت میں اس زبان کی تالیفات، رسائل اور اخبارات کی قلت اشاعت کی کیا شکایت کیجائے، جب تک ہم کو اپنی زبان کی تصنیفات و رسائل کے پڑھنے کا شوق نہوگا ہماری دار الاشاعتوں کے کنگال رہیں، اور اردو میں بلند کتابوں کے قحط کا یہی حال رہیگا،

اردو انسائیکلوپیڈیا کے متعلق متعدد احباب کے خطوط موصول ہوئے ہیں جنمیں سے ہر ایک میں اسکی ضرورت کا اعتراف کیا گیا ہے، اور کام کے شروع کرنے کے متعلق مختلف تجویزیں پیش کیگئی ہیں، اور اس خیال کو مناسب سمجھا گیا ہے کہ ذاتی چندہ کے بجائے یا کمپنی بنا کر حصص کے طریق پر کام کیا جائے، یا صرف یہ کیا جائے کہ پانچہزار خریداروں کے نام رجسٹر ہو جائیں جو اسکی ہر جلد کی خریداری کی اطلاع دیدیں، پہلی تجویز قاضی نجم الدین احمد صاحب میرٹھ نے، اور دوسری مولوی محمد عبد العزیز صاحب (تحصیلدار بجنور، سی پی) نے پیش کی ہے،

مسرت کی بات ہے کہ صوبوں کی بعض حکومتوں نے دیسی زبانوں کی طرف توجہ شروع کی ہے، صوبہ متحدہ میں ہندوستانی ایکاڈمی کے نام سے ایک سرکاری مجلس ادب اردو ہندی کی ترقی کے لیے قائم ہوئی ہے، صوبہ کے خزانہ سے

[illegible] ہوگئے ہین، ارکان کے نام منتخب ہو کر انکا اعلان بھی ہوچکا ہے، مگر چند مہینون کے ہونے کو آئے، ممبرون کے اجتماع مشورہ اور کسی عملی تجویز کا ذکر سننے مین نہین آیا ہے، دوسری طرف بہار سے خبر آئی ہے کہ وہان کی وزارت تعلیم نے بھی اپنے صوبہ مین اردو و ہندی کی ترقی کے مسئلہ پر غور کرنے کے لیے چند اصحاب صوبہ کے باہر سے اور چند اصحاب کا خود صوبہ کے اندر سے انتخاب کیا ہے، ان اشخاص کی مجلس صوبہ بہار مین اردو زبان کی ترقی، اور اس کے نصاب تعلیم وغیرہ پر غور کرے گی، مجلس تو ختم ہوچکی، نتائج سے واقفیت نہین، تاہم اتنا سنا ہے کہ نوین جماعت تک طلبہ کو اردو ہندی پڑھانا لازمی کیا گیا ہے، اور یہ بھی تسلیم کرایا گیا ہے کہ اردو اور ہندی اصل مین ایک ہی زبان ہے، ان مین فرق صرف رسم الخط کا ہے، اور یہ بھی تجویز ہے کہ یہان بھی ایک اردو ہندی اکیڈمی کی بنیاد ڈالی جائے،
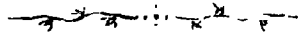
مگر اس صوبہ کے اردو بولنے والے مسلمانون کا اصلی مطالبہ یہ تھا کہ یہان کی عدالتین اردو خط تسلیم کرین، معلوم نہین مجلس نے اسکے متعلق کیا فیصلہ کیا، مولوی سر فخر الدین صاحب وزیر تعلیمات بہار سے یہ توقع ہے کہ اس مجلس کی دعوت اور انعقاد سے انکا مقصد صوبہ مین اردو کی مطالبہ کرنے والی جماعت کی محض زبان بندی نہ ہوگا، بلکہ واقعاً کوئی کام مد نظر ہوگا، ہم صوبہ کے کام کرنے والے اشخاص کی خدمت مین بھی عرض کرینگے کہ وہ مجلس کی شخصیت سے الجھنے کے لیے نہ اٹھین بلکہ اپنے فرض کے طور پر، اور اپنے صوبہ کی مادری زبان کی حقیقی خدمت کے لیے اٹھین، اور اردو کی ظاہری اور معنوی دونون خدمات انجام دین، پورے صوبہ مین اردو مکاتب اور اردو کتب خانے قائم کرین، صحیح اردو کو رواج دینے کے لیے تمام مدرسون، اسکولون اور کالجون مین اردو انجمنین قائم کیجائین جنمین طلبہ کو صحیح اردو لکھنے اور بولنے کی مشق کرائی جائے،

ہندوستان کا صوبہ گجرات جس کے نام کو بحیثیت صوبہ کے بمبئی نے چھین لیا ہے کسی زمانہ مین وہ مسلمانون کے علوم وفنون کا بڑا مرکز تھا، اس کا پایہ تخت احمد آباد کبھی علماء، فضلاء، صوفیہ اور مشائخ کا مسکن تھا، اور بڑے بڑے کتب خانون کا بھی مقام تھا، علم تو اب وہان نہین رہا ہے، مگر چند کتب خانے البتہ وہان یادگار رہ گئے ہین، جنکی زیارت کا شرف بحمد اللہ کو حاصل ہوچکا ہے،

انھین مین سے ایک حضرت پیر محمد شاہ کی درگاہ کا کتب خانہ بھی ہے، حضرت محمد شاہ بارھوین صدی ہجری کے بزرگ ہین، بیجاپور

دکن سے احمد آباد گجرات آکر مقیم ہوئے تھے اور وہین کی جامع مسجد مین معتکف ہوکر تمام عمر گذار دی، وہ شاعر بھی تھے اور قدسی تخلص کرتے تھے، ان کی وفات کے بعد حسب دستور زمانہ ان کے مریدون اور معتقدون نے انکا مقبرہ تعمیر کیا جو اب درگاہ پیر محمد شاہ کے نام سے موسوم ہے،

اس درگاہ مین ایک کتبخانہ بھی ہے جب مین نے دیکھا تھا تو وہ کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا، لیکن اب ہمین مہاودیالے (گجرات قومی یونیورسٹی احمد آباد) کے عربی فارسی و اردو کے پروفیسر مولانا سید ابوظفر صاحب ندوی کے خط سے یہ معلوم ہوکر خوشی ہوئی کہ چند سال سے اس کی طرف وہان کے مسلمانون کو خاص توجہ ہوئی اور مولانا بھی اسکی ترقی مین حصہ لے رہے ہین، اور انکی جامع فہرست تیار کئے ہین، سنی بوہرون کی ایک منتظمہ جماعت قائم ہوگئی ہے بعض دوسرے جگہ کے کتب خانے بھی اسمین شامل کئے جارہے ہین، کتابین خریدی بھی جارہی ہین بعض لوگون نے خود بھی اپنے کتبخانے اسمین داخل کر دئیے ہین، اور چند سال سے ایک ہزار سالانہ کتابون کی خریداری پر صرف کیا جارہا ہے، اسمین اب سیکڑون قلمی کتابین جمع ہوگئی ہین جنمین سے بعض نوادر شمار ہونے کے لائق ہین، نوین سے گیارہوین صدی تک کا ذخیرہ اسمین بکثرت ہے، ساتوین آٹھوین صدی کا لکھا بعض خود مصنف کے ہاتھ کی کتابین بھی ہین، مثلاً امام سخاوی اور نظام منیا پوری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابین، اور دو دیوان نجم الدین آبرو، اور عبد الحی تابان کے دیوان بھی وہان ہاتھ آئے ہین، بارہوین صدی کا نسخہ ہے، مولانا اور ارکان کی یہ کوشش ہے کہ گجرات کا تمام اندوختہ سلف اسمین سمٹ کر آجائے اور اس صوبہ کا یہ بہترین علمی مرکز بنجائے، اور یہ کچھ مشکل نہین،

بنگال کی خلیج ہمیشہ سے ساکن اور غیر متلاطم تھی، مگر جب سے گنگا اور جمنا کے دریا کا پانی جاکر اس مین ملا ہے، اسمین جوش اور تلاطم پیدا ہوگیا ہے، بنگال ہندو مسلم اتحاد کے خلاف فرقہ وارانہ جذبات کی نمائش سے ہمیشہ پاک رہا، اور کبھی وہان کا فساد کلکتہ سے آگے نہین بڑھا، مگر گنگا اور جمنا کی وادیون سے شدھی اور سنگھٹن کا جوش اُبل کر جب سے دور دور کے صوبون مین پہنچا ہے، وہان بھی فتنون کا دروازہ کھل گیا ہے، اور کئی دفعہ ہندو مسلمانون مین خون آشام جھگڑے پیش آچکے ہین، مگر حقیقت یہ ہے کہ بنگال کے سوتے مسلمانون کو جھنجھوڑنے کے لیے قدرت نے یہ سامان پیدا کر دیا ہے، چنانچہ ان ہنگامون نے مسلمانون مین حرکت پیدا کردی ہے اور صوبہ کے اندر تک یہ حرکت پیدا ہوگئی، اور اس کے متصل صوبہ آسام بھی اس سے متاثر ہو رہا ہے، اپریل مین پورے آسام

کی تبلیغی انجمنوں کا ایک متحدہ جلسہ ہونے والا ہے، افسوس کہ اسکی صدارت کی ذمہ داری کا میں اپنی مشغولیت اور خرابی صحت کے باعث متحمل نہ ہوسکا، اور اس خوش آیند جنبش وحرکت کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ سکوں گا، تاہم معلوم ہوا ہے کہ چاٹگام و آسام میں بارہ سو کے قریب مکتب قائم ہوچکے ہیں،

خاص بنگال میں بھی ہر قسم کی ترقیوں کی اُمنگ مسلمانوں کے سینوں میں پیدا ہو رہی ہے، اردو کی بہت سی علمی تاریخی اور مذہبی کتابوں کے بنگالی میں ترجمے ہوچکے ہیں، اور ہو رہے ہیں، ابھی ہمیں محمد منیر الدین، منظور الدین صاحب بی اے لکھتے ہیں کہ مولانا شبلی مرحوم کی تصنیفات میں سے اورنگ زیب عالمگیر، الغزالی اور المامون کے ترجمہ کا آغاز کیا گیا ہے، اور اسی کے ساتھ یہ بھی اطلاع دیتے ہیں کہ وہاں سیرت سنگھا نام ایک انجمن اس غرض سے قائم کی گئی ہے کہ وہ بنگالی میں اسلامی کتب و رسائل کی تالیف و ترجمہ و اشاعت کا کام انجام دے۔

بردوان (بنگال) سے ایم حسن صاحب بنگال کے متعلق اور بہت سی خوشخبریاں سناتے ہیں جنمیں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے فاضل دوست مولانا اکرم خاں صاحب نے سیرۃ نبوی پر بنگالی میں مصطفیٰ چریت ایک کتاب لکھی ہے جو وہاں بیحد مقبول ہوئی ہے، اسی کے ساتھ ایک اور دل خوش کن خبر یہ ہے کہ مسلمان بنگالیوں نے بھی بنگالی زبان پر قبضہ جمانا شروع کردیا، بنگال میں ایک نوجوان مسلمان شاعر قاضی نذر الاسلام بڑی شہرت پا رہا ہے، اسکے شاعرانہ کمالات نے بنگال کے سب سے بڑے جادوگر رابندر ناتھ ٹیگور کو بھی مسحور کردیا ہے، اور اس کے اعتراف میں ٹیگور نے اپنی ایک کتاب بسنت (ڈراما) قاضی نذر الاسلام کے نذر کی ہے، یعنی ان کے نام سے اسکو معنون کیا ہے، ہمارا بنگالی نامہ نویس نہایت جوش سے اس خط میں لکھتا ہے کہ:-

"بفضل خدا آج کل بنگلہ زبان میں مسلمان لوگ بہت ترقی کرتے جاتے ہیں"

مقالات

علامہ سید مرتضیٰ زبیدی،

بلگرام کا ایک یمنی محدث مصری صوفی

اور

اُنکی ایک کتاب،

(۲)

از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

کتاب النفحة القدسیہ بواسطة البضعة العیدروسیہ

ان ہی کتابون مین سے آپکی ایک کتاب النفحة القدسیہ بواسطة البضعة العیدروسیہ ہے جس کا ترجمہ شائع کیا جاتا ہے، سید علامہ کے پیرو شیخ حضرت سید عبدالرحمن بن مصطفےٰ عیدروس حضرمی رحمۃ اللہ علیہ ایک مجمع السلاسل بزرگ تھے، تقریباً اکثر شائع و ذائع بلکہ بعض نادر طریقون کی آپ کو اجازت تھی، سید علامہ نے ان تمام طریقون کی اجازت وسند شیخ قدس سرہ سے حاصل کی تھی۔

خیال ہوتا ہی کہ ابتداءً سید علامہ کو یہ خیال گذرا کہ ان تمام طریقون کو ایک جگہ جمع کر دون، لیکن اس کے بعد آپ نے اس خیال کو ایک مستقل تصنیف کی شکل مین بدل دیا، جو طریقے شیخ سے پہنچے تھے، ان کے سوا اور بھی کتابون مین آپ کو جو طریقے نظر آئے، سب ہی کو لے لیا، اور حروف تہجی کی ترتیب سے ان کی ایک فہرست تیار کی، درحقیقت اس کتاب کا اصلی موضوع یہی ہے، جو بجائے خود ایک اہم علمی و دینی خدمت ہے، کیونکہ صوفیا کے حالات وطرق کے متعلق جو کتابین مرتب ہوئی ہین عموماً ان کا تعلق کسی خاص طریقہ، یا خاص ملک، خاص شہر کے اولیاء اللہ سے ہے، جسکا عام اثر یہ ہے کہ مصر کے مسلمان

نہین جانتے کہ ہندوستان مین کن کن بزرگون کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے، ہندوستانی یہ نہین جانتے کہ عرب مین ارشاد و سلوک کے کتنے طریقے مروج ہین، اور اسکی وجہ سے بسا اوقات ایک ملک کے مسلمان دوسرے ملک کے بزرگون سے نفع اٹھانے مین کوتاہی کرتے ہین، حالانکہ اسلام ایک ہے، مقصد ایک ہے، پھر اس مین بھی اس قسم کی تنگ نظریون سے اگر کام لیا گیا، تو اس کا انجام بجز محرومی کے اور کیا ہو سکتا ہے،

سید علامہ نے بڑا کام کیا کہ چند مختصر ورقون مین ساری دنیائے اسلام کے ارباب باطن صحابۂ اولیا رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طریقون کو ختم بند کر دیا ہے، غالباً یہ کتاب ایسی حاوی ہے کہ عرب، عجم، مصر، مغرب، ترکی، ہندوستان، الغرض کسی اسلامی ملک کا کوئی ایسا مشہور و معروف معتبر طریقہ نہین ہے جسکو چھوڑ دیا گیا ہو، اس کے پڑھنے سے ارباب ذوق کے علم مین بہت کچھ اضافہ کی امید ہے، اور یہ تو اصل مقصد ہے، لیکن اس کے ماسوا ضمنی اور ذیلی طور پر سید علامہ نے مختلف مقامات پر ایسی قیمتی باتین درج کی ہین جنکا ایک جگہ ملنا دشوار تھا، گرچہ ان باتون کا تفصیلی علم لوگ کتاب کے پڑھنے سے ہو سکتا ہے، لیکن چونکہ اس مین زیادہ تر سندون کا ذکر ہے، اسکے پڑھنے مین ممکن ہے کہ عام لوگون کو دلچسپی نہ ہو، اس سے چند اہم باتون کا ذکر اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے،

۱- سید علامہ نے شروع مین ایک مقدمہ لکھا ہے، اس مین یہ بتایا ہے کہ صوفیہ کے اس کثرت طرق کے اسباب کیا ہین، کیا ان کی سند کسی اختلاف پر ہے، لوگ اسکی کوشش کیون کرتے ہین کہ جہانتک ممکن ہو مختلف طریقون کی اون کو اجازت حاصل ہو، اس اکثار کا کیا نفع ہے اور سب سے اہم بحث خرقہ کی ہے، سید علامہ چونکہ صوفی ہونے کے ساتھ محدث بھی ہین، اسلیے محدثانہ طور پر آپ نے اس پر بحث کی ہے، جو غالباً اس کتاب کے سوا دوسری کتاب مین نہین ملسکتی، اس کے بعد تلقین ذکر کے متعلق بھی ایک مفصل محققانہ بیان درج ہے، جس سے نہ صرف صوفی کی، بلکہ محدثین علمار کی بھی راہنمائی ہوتی ہے،

۲- اس کتاب کے دیکھنے والون کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ فقر و طریقت کے سلسلے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ

کے خلفاء ثلثہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی جاری ہوئے ہین، سید علامہ نے خاص خاص طریقون کے ذیل مین ان کا ذکر کیا ہے، بلکہ بکریہ، فاروقیہ تو عنوان مین درج ہے، اویسیہ کے ذیل مین طریقۂ فاروقیہ کا، اور مداریہ کے تحت مین آپ نے عثمانی سلسلہ کا بھی ذکر کیا ہے، اور یہی نہین بلکہ بعض طریقے حضرت انس بن مالکؓ خادم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، اور حضرت ابو درداؓ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک بھی منتہی ہوتے ہین، لفظ "درداییہ" کے تحت مین حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ مین حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر فرمایا ہے۔

۳- علمائے ظاہر کو یہ دیکھکر بھی تعجب ہوگا، کہ حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ الاسلام زکریا انصاری تاج الدین سبکی، شاگرد امام ذہبی، زین الدین عراقی، حافظ مغلطائی، جلال الدین سیوطی، کمال الدین بن ہمام امام الحرمین جیسے علما بھی بارگاہ فقر کے نیاز کیشون مین ہین، باضابطہ بیعت، ذکر ارادت سے مشرف ہین، فاعتبروا یا اولی الابصار، اور ان کی عبرت کیلئے تو خود سید علامہ کا وجود بہت کافی ہے ان مین کون ہے جو سید کے علمی علو مرتبت اور عظمت شانہ جلالت کا منکر ہو سکتا ہے، پھر یہ کیا تماشا ہے کہ ایک محدث ترمیم کے ایک درویش کی غلامی پر نازان ہے، خاتمہ مین سید علامہ نے جو کچھ لکھا ہے اسکو پڑھنا چاہئے،

۴- اس کتاب مین سید علامہ نے متفرق مقامات پر مختلف اولیاء اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ انھون نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے برای العین ملاقات کی اجازت حاصل کی اسی طرح حضرت خضر و الیاس علیہما السلام کی ملاقات کا بھی ذکر ہے، خضر علیہ السلام کی حیات و ممات مین چونکہ علماء ظاہر کو اختلاف ہے، اسلئے طریقۂ خضریہ کے ذیل مین سید نے اس پر سیر کن بحث کی جو قابل دید ہے،

۵- طریقۂ محمدیہ کے ذیل مین، ایک لطیف بیان اس مسئلہ کے متعلق درج ہے کہ کیا اب بھی کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست نفع اٹھا سکتا ہے، سید علامہ نے اسکی تدبیر بتائی ہے

اور وہ پڑھنے کے قابل ہے .

۶۔ یک عجیب بات اس کتاب مین یہ بھی ہے، کہ خلفائے عباسیہ جس طرح بیعت بسمع وطاعت وخلافت لیتے تھے، اسی طرح وہ بیعت، طریقت وارادت بھی لیتے تھے، لفظ "عباسیہ" کے تحت مین انکی پوری سند درج ہے ،

۷۔ امام سحنون مسلم فریقہ مدون مذہب مالکیہ کے ایک شاگرد ابو عقال کی طرف ایک طریقہ منسوب ہے، جسکو افریقہ مین مدولیہ کہتے ہین، سید علامہ نے ان کے ذکر مین "مجذوب" کی نہایت محققانہ وضاحت کی ہے، جسکو "مجذوب فقراء" کے "فقر" و "وصول" مین شبہ ہے، ان کو خاص طور پر یہ بحث پڑھنی چاہئے

۸۔ اس زمانہ مین ایک عام خیال یہ بھی پھیلا ہوا ہے، کہ صوفیون نے مسلمانون کے جذبۂ شجاعت کو پامال کر دیا، اور اس کے بعد مسلمانون کی سیاسی قوت برباد ہوگئی، ایسے حضرات کے لئے مناسب ہوگا، کہ لفظ "بکتاشیہ" کے ذیل مین جو کچھ لکھا ہوا ہے، پڑھین، انکو معلوم ہوگا کہ مسلمانون کی وہ مشہور و معروف "فوجی قوت" جس کا نام سنکر یورپ تھرا جاتا تھا، یعنی ترکون کی "ینگچری فوج" ایک صوفی کی مرتب کی ہوئی تھی، اور کیا معلوم، کہ ہندوستان، ترکستان، افریقہ مین جو کچھ تھا، اس کا زیادہ تر قیام ان ہی نفوس طیبہ کے ساتھ وابستہ تھا، جسکی تفصیل کا یہ موقع نہین، انشاء اللہ کسی مستقل تصنیف سے اس کو ظاہر کیا جائے گا،

۹۔ ہندوستان کے مسلمانون کو جس طرح یہ سنکر خوشی ہوگی، کہ ان کا ایک ہم وطن جامع ازہر کے شیوخ کا استاد ہوگیا تھا، اسی طرح وہ یہ سنکر بھی خوش ہونگے کہ ان ہی کے وطن کے ایک بزرگ شیخ تاج الدین زکریا ملتانی جو حضرت شیخ باقی باللہ نقشبندی کے خلیفہ تھے، انھون نے بصرہ، یمن، احساء، نجد اور خود حجاز مین طریقہ نقشبندیہ کو پھیلایا، اور ان ممالک مین ان کے مریدون کی ایک بڑی جماعت تھی، سید علامہ نے لفظ تاجیہ کے ذیل مین ان کا ذکر کیا ہے،

۱۰- سید علامہ نے اس کتاب مین "طریقۂ قلندریہ" کا خصوصیت کے ساتھ اور ذرا تفصیل سے ذکر کیا ہے اسی طرح "ملامتیہ" کے بیان مین بھی اس کا لحاظ رکھا ہے، کہ ان پر جو اعتراض کیا جاتا ہے، وہ شرعاً قابل لحاظ ہین ہے، اور یہ دونون بحثین دیکھنے کے قابل ہین،

۱۱- "نقشبندیہ" طریقۂ تعلیم و تربیت کے بیان مین بہ نسبت اور سلسلون کے سید علامہ نے بسط سے کام لیا ہے، اور اتنا لکھا ہے کہ محض اس کتاب کی مدد سے آدمی اس طریقہ کے مشاغل کو حاصل کر کے کامیاب ہو سکتا ہے،

۱۲- ایک نئی چیز اس کتاب مین یہ بھی ہے، کہ طریقۂ نقشبندیہ کے ذیل مین سید علامہ نے ایک ایسے بزرگ کا تذکرہ کیا ہے، جو کسریٰ نوشیروان کے خاندان سے تھا، ان کا نام نامی ابوعلی احمد بن محمد قاسم بن منصور بن شہریار رودباری ہے، اور ایسے تو متعدد بزرگون کا ذکر ہے، جو مختلف خاندان شاہی سے تعلق رکھتے تھے،

۱۳- لفظ "غازیہ" کے تحت مین سیدی احمد بن علی درجی سے یہ نقل کیا ہے، کہ وہ فرماتے تھے،

"جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا وہ جہنم مین نہین جا سکتا"

اور بعض دوسرے اہل اللہ سے بھی اس قسم کے الفاظ منقول ہین، بظاہر یہ دعوی عجیب معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کے بعد سید علامہ نے اس دعوی کی جو وجہ مسلسل سند سے نقل کی ہے اس سے راز واضح ہو جاتا ہے، سید نے اپنے پیر سے، انھون نے حسین بن عبدالرحیم سے، انھون نے ابوناصر سے، انھون نے ابوسالم فشاشی سے، وہ سیدی احمد بن علی صاحب دعوی سے راوی ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا، کہ "نار جہنم اس شخص کو نہین چھو سکتی جس نے تجھکو دیکھا یا تیرے دیکھنے والے کو دیکھا" سیدی احمد کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات تین دفعہ ارشاد فرمائی، اس کے بعد اگر انھون نے دنیا کو یہ بشارت دی، تو پھر اس کے سوا چارہ کیا تھا، یہ تو

انچہ استاد ازل گفت ہمان می گویم

اور اس کے کہنے پر وہ مجبور رہتے، ورنہ خود سید ی احمد کا جو حال تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ اس بشارت کو نقل فرماتے، اور پھر کہتے کہ :-

خوف کبھی میرا پیچھا نہیں چھوڑ سکتا، اگرچہ میں جنت ہی میں کیوں نہ ہوں، فرض کرو کہ اس کے بعد بھی اگر مجھ سے یہ کہا جائے کہ جنت سے نکل جا، تو میں کیا کرونگا، کیا بول سکتا ہوں :

کیا اس کے بعد بھی ان بزرگوں کے اظہار واقعہ نوکوئی دعوی پر محمول کرسکتا ہے، باقی یہ امر کہ ان کو دیکھنے والا جنت کا کیوں مستحق ہو جاتا ہے، سید علامہ نے اسکی خود ہی توجیہ کی ہے، فرماتے ہیں :-

"آپ کا یہ فرمانا کہ میں جنت کا ضامن ہوں :

اس کا مطلب یہ ہے، میں اس بات کا ذمہ دار ہوں کہ ایسے شخص کی موت اور اس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اگر موسیٰ کو دیکھکر ساحروں میں انقلاب پیدا ہو سکتا ہے، اگر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اقدس عمر کو فاروق اعظم بنا سکتی ہے، تو حضور کے اتباع وخدام کی جن پر نگاہ پڑی، ان میں کوئی ایسا ایمانی انقلاب پیدا ہو جائے کہ اس کے بعد ان سے اہل جنت کے افعال صادر ہوں تو اس پر لوگوں کو تعجب کیوں ہے"

"خلوتیہ" کے تحت میں، شعبان آفندی قسطمونی کا یہ عجیب واقعہ سید علامہ نے نقل کیا ہے کہ :-

"انھوں نے جنوں کے رئیس سے یہ عہد لیا، کہ ان کے طریقہ والوں میں کسی کو جن اذیت نہ پہنچائیں اور ایسی کوئی کشتی ڈوبنے نہ جائے جس میں ان کے طریقہ کا کوئی آدمی سوار ہو، اور ان کے سلسلہ کے کسی آدمی پر قرض کا بوجھ نہ رہے، اور خلافت محمدیہ کا خاتمہ ایسے شخص پر ہو، جو آپ کے طریقہ میں داخل ہو"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں کی بیعت لی، اور ان سے بعض معاہدات کئے، پس اتباع نبوی کا یہ کیا عجیب ثمرہ ہے، کہ انسان کامل ہو جاتا ہے، اور جو کامل ہوتا ہے نہ صرف نباتات

حیوانات بلکہ جن تک اس کے زیر فرمان ہوجاتے ہیں، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگون کے سلسلہ مین داخل ہونے کے بعد انسان کن دینی و دنیوی سعادتون سے بہرہ یاب ہو سکتا ہے، کیا معلوم کہ خدا کے کس دوست نے اپنے مولی سے کیاکیا وعدے کئے ہین،

۱۵۔ لفظ "قادریہ" کے تحت مین طریقۂ قادریہ کی اس نماز کا بھی ذکر کیا ہے جو عام طور پر اس سلسلہ کے حضرات پڑھتے ہین اور محدث علامہ نے اس پر کوئی تنقید نہین کی ہے، دیکھنے والون کو دیکھنا چاہئے،

۱۶۔ طریقہ سیدی ابو یعقوب کے ذیل مین سید علامہ نے قرآن سے خواب کی تعبیر نکالنے کا ایک عجیب کلیہ درج کیا ہے، جو قابل دید ہے، لوگون کو اس کا تجربہ کرنا چاہیئے،

۱۷۔ حسین بن منصور کا ذکر بھی اس کتاب مین ہے اور ان کے نام سے ایک خاص طریقہ حلاجیہ منسوب ہے، سید علامہ نے لکھا ہے کہ:۔

"خطیب بغدادی نے حسین کا وسیع تذکرہ کیا ہے"

آج خطیب کی کتاب ناپید ہے، ورنہ دیکھا جاتا کہ بغداد کے اس خطیب نے بغداد کے اس بدنام صوفی کا کیا حال لکھا ہے، ان لوگون کو جو حسین منصور سے بہت برہم ہین خطیب کی تاریخ تلاش کرنی چاہیئے، غالباً ان کو اپنے خیال مین ترمیم کرنی پڑے گی ورنہ اس سے پیشتر اگر حسن ظن سے کام لیا جاتا تو کیا یہ بہتر نہ تھا،

۱۸۔ اس کتاب مین اور بھی بعض نادر اور عجیب باتین ہین، مثلاً ابو سالم ابراہیم بن احمد زوادی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر ایک سو چھتیس (۱۳۶) سال لکھی ہے، اسی طرح لفظ وفائیہ کے تحت مین حضرت محمد وفا رحمۃ اللہ علیہ کے حالات لکھتے ہوئے سید علامہ نے لکھا ہے،

"آپ امی تھے لیکن اوبائے قوم مین آپ بحیثیت زباندانی کے بہت ممتاز تھے، آپ نے سات یا دس سال کی عمر مین بہت سی تالیفین کین"

الغرض یہ کتاب اگرچہ بظاہر اسمائے اولیاء اللہ کی ایک اجمالی فہرست ہے، لیکن بیچ بیچ میں ایسے عجیب و غریب معلومات، مفید بیانات درج ہیں جو بہت سی کتابون کے پڑھنے سے بھی میسر نہیں آسکتے، سید علامہ نے اگرچہ التزام نہیں کیا ہے، تاہم بعض اہم طریقون کے ذکر میں اس طریقہ کے اصول، فوائد، و معمول کو نہایت جامع لفظون مین لکھ جاتے ہین، مشہور اکابر اولیاء اللہ کے سنین وفات، مقام وفات، زندگی کے کسی اہم واقعہ کا بھی ضرور ذکر کرتے ہین، آخر مین خاتمہ لکھا ہے، جو سلسلۂ فقر و سلوک کی جان ہے؛ اور اگر انسان اسی کو اپنا دستور العمل بنالے تو وہ بہت کچھ ہو سکتا ہے،

تصورِ شیخ، پر سید علامہ کو بہت اصرار ہے، اور خاتمہ مین اس مسئلہ پر خاص طور سے زور دیا ہے،

۱۹ - طریقۂ ہمدانیہ کے ذیل مین سید علامہ نے لکھا ہے، کہ اس طریقہ کے بانی سید علی ہمدانی کشمیری اپنے مریدون سے خاص خاص اوراد کا صبح و عصر مین ذکر بالجہر کراتے تھے، شیخ الحدیث فی الدیار الہندیہ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند استاذنا و مولانا انور شاہ صاحب کشمیری سے مین نے یہ سنا ہے کہ اس طریقہ سے ذکر کرنے مین کوئی حرج نہین ہے اور جنھون نے اسکو بدعت کہا ہے غلطی پر ہین،

نیازمند نے ہندوستانی مسلمانون کے نفع کے لیے، قطب العصر والزمان، سید السادات بقیۃ الکرام البررہ غوث الانام البدر التمام سیدنا و سندنا مولانا الامام سید حبیب العیدروس الحسینی الترمی الحضرمی نزیل حیدرآباد دکن، متعنا اللہ والمسلمین بطول بقائہ کے اشارہ قدسیہ سے اس کتاب کا اردو مین ترجمہ کیا ہے، اور میری محنت کا اگرچہ یہ کافی صلہ ہے، کہ سید امام کے فرمان کی تعمیل ہوگئی، تاہم جن لوگون کو اس کتاب سے نفع پہنچے، ان سے توقع ہے، کہ اس عاصی و سیاہ کار کی مغفرت کی دعا فرمائین گے، اللہ تعالیٰ ان تمام بزرگون کے طفیل مین جنکے اسمائے گرامی کے لکھنے سے اس ترجمہ مین بندۂ عاجز سعادت اندوز ہوا ہے، مجھ پر رحم فرمائے، توفیق خیر عنایت فرمائے، اور میرا حشر ان ہی ابرار و اتقیار کے ادنی خدام مین کرے، ربنا اغفر لنا ذنوبنا و کفر عنا سیات اعمالنا و توفنا مع الابرار،

نفسیات شناخت

از

پروفیسر سید مقصود ولی الرحمن صاحب ایم اے معلم نفسیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

کسی محفل، یا مجلس میں داخل ہونے کے بعد حاضرین پر ایک تجسس نگاہ ڈالنا افراد انسانی کا خاصہ یا کم از کم ان کی عادت ہے، منجملہ اور غایات کے اسکی ایک غایت یہ ہوا کرتی ہے کہ کوئی ایسا فرد یا افراد معلوم کئے جائیں جنسے واقفیت ہے، فرض کیجئے، کہ ہم اسی طرح کسی محفل میں داخل ہوتے ہیں، اور خود سے لاچار ہوکر تمام حاضرین کی شکلون کا جائزہ لینے کے لیے ان پر نگاہ دوڑاتے ہیں، شروع میں جسطرف ہماری نگاہ جاتی ہے، سوائے ناواقفون کے اور کوئی نظر نہیں آتا ہم کو ایک طرح کی مایوسی ہوتی ہے، ان کی شکلیں ہمارے لیے کسی قسم کی کوئی دلچسپی نہیں رکھتیں، لہذا ہم بہت دیر تک ان کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے، لیکن اسی تلاش میں دور ایک کونے میں ہماری نگاہ ایک شخص پر جاکر پڑتی ہے، جو ہمارا واقف ہے، اس کی شکل دیکھتے ہی ہم اس کو شناخت کر لیتے ہیں، اس کے ساتھ ہی ہماری شعوری حالت میں ایک تغیر واقع ہوتا ہے، ہم کوشش کرکے اس کے پاس جاکر بیٹھ جاتے ہیں، اور باتین کرنا شروع کرتے ہیں، اس تمام حالت پر غور کیا جائے تو سوال ہوتا ہے کہ اس "شناخت" کے وقت ہمارے شعور کی کیا حالت تھی؟ دوسرے الفاظ میں یہ کہ شناخت کے عمل میں کون کون سے شعوری اعمال شامل تھے؟

اگر ہم اس وقت کی حالت کو چشم تصور کے سامنے لائیں، تو ہم نہایت آسانی سے شناخت کے شعوری اعمال معلوم کر سکتے ہیں، سب سے پہلے تو یہ کہ ہم اس محفل میں داخل ہوکر حاضرین کی شکلون کو بغور دیکھتے ہیں، پہلے پہلے ہماری نگاہ ان اشخاص پر پڑتی ہے، جنکو ہم ناواقف کہتے ہیں، محض اس ناواقفیت کی وجہ سے انکی شکلیں ہم پر کوئی خاص اثر نہیں کرتیں، ان کے وجود و عدم کو ہم برابر سمجھتے ہیں، ان کی طرف ہم بالکل اعتنا نہیں کرتے، لیکن اسی تجسس میں ہماری نگاہ ایک ایسے شخص پر پڑتی ہے جو ہمارا واقف ہے،

اس کو دیکھتے ہی ہمارے شعور میں انقلاب پیدا ہوتا ہے، اس کو دیکھنے سے قبل جو سلسلۂ خیالات ذہن میں تھا وہ یک بیک بدل جاتا ہے مختلف باتیں ہمارے ذہن میں ہجوم کرتی ہیں، اسکو دیکھتے ہی پچھلی زندگی کا ایک خاص وقت اور خاص سمان ہماری آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے کوئی گم شدہ چیز پالی، یہ ظاہر ہے، کہ اس شخص کے "بصری ادراک" کے بعد ان تمام خیالات و کوائف کا احیاء تلازم کا نتیجہ ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس خاص مثال میں "شناختی شعور کی خصوصیت یہ ہے کہ ایک شخص کے "بصری ارتسام" کے ساتھ خیالات و افکار کی ایک بڑی تعداد شامل ہے، اسی کو اصطلاحی زبان میں یون کہنا چاہیئے کہ شناخت کی وجہ سے ایک بہت پیچیدہ یک وقتی تلازم صورت پذیر ہو،

لیکن جسوقت یہ تلازم شکل پذیر ہوتا ہے ٹھیک اسی وقت ہمارے ذہن میں ایک اور تغیر واقع ہوتا ہے جب ہم اس محفل میں داخل ہوئے تھے اس وقت ہم حالت "بے تکلفی" میں تھے، کوئی خاص خیال ہمارے ذہن میں نہ تھا، اس وقت کی کیفیت حسی بھی خوشگوار تھی، نہ ناگوار، اس وقت شخص کی شکل دیکھتے ہی ایک خاص قسم کا سکون یا اطمینان یا تسکین محسوس کرتے ہیں، اور یہ حالت ایک حد تک خوشگوار ہوتی ہے، دوسرے الفاظ میں ہماری حالت بے تکلفی مبدل بہ خوشگواری ہوجاتی ہے، ہم اس حالت خوشگواری کی مزید تشریح نہین کرسکتے ہم صرف اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ جب ہم اس وقت شخص کو دیکھتے ہیں، تو ہم کو "بے تکلفی" کا سا احساس ہوتا ہے، ہم کو ایسا محسوس ہوتا ہے، کہ ہم اور یہ دونوں کسی وقت ساتھ تھے، اس حالت میں صرف خوشگوار تاثر ہی نہین ہوتا، بلکہ اس کے ساتھ ہی مختلف عضوی احساسات کا ایک مجموعہ بھی ہوتا ہے، جو جسم کی حالت سکون وآرام کا نتیجہ ہوتے ہین، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک خوشگوار کیفیت "شناختی شعور" کی دوسری خصوصیت ہے،

اب ان تمام مذکورہ بالا نتائج کو یکجا کرکے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہین کہ شناخت کی نفسی کیفیت تین اجزاء کا مجموعہ ہوتی ہے:-

(۱) ارتسام (۲) وہ خیالات و افکار جنکا اس ارتسام کی وجہ سے احیاء ہوتا ہے، اور (۳) بے تکلفی کے

احساس کی جذبی کیفیت، ان تینون کے ملنے سے شناخت پیدا ہوتی ہے ۔

ہم نے ابھی کہا ہے کہ ایک خاص کو دیکھکر ہمارے ذہن مین مخصوص خیالات کا تلاطم ہوتا ہے، سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان خیالات کے احیا کی علت کیا ہے؟ اس سوال کا جواب دینا ہمارے لیے کچھ دشوار نہین ہم کو معلوم ہے کہ اگر دو یا زائد واقعات (اشیاء، یا خیالات) ایک ہی وقت ہمارے تجربے مین آتے ہین تو ان مین باہم اس قسم کا تعلق قائم ہو جاتا ہے کہ بعد مین کسی وقت ان مین سے ایک کے پیدا ہونے سے باقیون کا بھی احیا ہو جاتا ہے، اس تعلق کو نفسیات کی زبان مین تلازم کہتے ہین، ہم دو آدمیون کو ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ دیکھتے ہین اگر کسی وقت ان مین سے ایک ہمارے سامنے آئے تو ہم کو فوراً دوسرے کا خیال آجاتا ہے، اس دوسرے شخص کے خیال کا ذہن مین پیدا ہونا نتیجہ ہوتا ہے اس تلازم کا جو ان دونون مین ہمارے لیے پہلے قائم ہو چکا ہے۔ بعینہ یہی صورت شناخت مین ہوتی ہے، ایک خاص کا بصری ارتسام اور مختلف واقعات اور باتین ایک ساتھ ہمارے تجربے مین آتے ہین، لہذا ان مین بھی تلازم قائم ہو جانا یقینی ہے، اور اس تلازم کی وجہ سے جب کبھی اس شخص کا بصری ارتسام پیدا ہوتا ہے، یا عام الفاظ مین یون کہئے کہ جب ہم اسکو دیکھتے ہین، تو معاً وہ تمام واقعات یاد آجاتے ہین جو اس کے متعلق ہین، ان خیالات و واقعات کے احیار کی بدولت ہم اپنے تمام ذہنی تجربے مین اس وقت کے بصری ارتسام کے خاص مقام کی تعین کر سکتے ہین، اس لحاظ سے ہم ان تمام خیالات کو استعارةً "مقامی علامت"[1] کہہ سکتے ہین، پہلے ہمنے یہ بھی کہا ہے کہ ہر شناخت کے ساتھ "بے تکلفی" کی سی کیفیت

[1] اگر ہم اپنی آنکھین بند کرلین اور کوئی شخص ہمارے ہاتھ کے دو مختلف مقامات پر کوئی چیز، مثلاً انگلی رکھے، تو ہم کو دو مختلف احساسات لمس کے حاصل ہوتے ہین، اور باوجود اس کے کہ ہماری آنکھین بند ہین، ہم ان کے صحیح مقام کو معلوم کر لیتے ہین، یعنی یہ کہ ہم کو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ دونون احساسات مختلف مقامات پر پیدا ہو رہے ہین، ان کے مختلف مقامات کو صرف اس طرح معلوم کیا جاسکتا ہے کہ یہ دونون احساسات کسی نحاظ سے مختلف ہون، مقامات کا یہ فرق اس وقت بھی معلوم ہو جاتا ہے جب ان دونون مین بلحاظ شدت، استدادیت، یا بقا کے کوئی فرق نہین ہوتا یعنی یہ کہ اس حالت مین بھی ان مین کوئی ایسا فرق ہوتا ہے جسکو ہم محسوس تو کر لیتے ہین لیکن بیان نہین کر سکتے، اسی ناقابل بیان فرق کو پروفیسر لوزے نے مقامی علامت کہا ہے،

ہوتی ہے، یہ بےتکلفی کی کیفیت، اور یہ مقامی علامت، دونون ملکر مانوسیت کا احساس پیدا کرتے ہین، یہی مانوسیت کا احساس شناخت کی گویاجان ہے، بعض مصنفین تو شناخت اور مانوسیت کے احساس کو ہم معنی سمجھتے ہین، لیکن یہ خیال غلط ہے،

اس تمام بحث کو جدید الفاظ مین اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے، ہم ایک خاص وقت مین ایک خاص شخص کو دیکھتے ہین اور اسی وقت اس کے ماحول کے مطابق اس کے ساتھ سلوک کرتے ہین، مثلاً اگر یہ شخص ہمارا ماتحت بننے والا ہے، تو ہم اس سے اس طرح پیش آتے ہین جیسے کہ ایک افسر ایک ماتحت سے پیش آتا ہے، اگر یہ شخص ہمارا افسر بننے والا ہے، تو ہمارا رویہ بالکل مختلف ہوتا ہے، اگر یہ ہمارا ہمرتبہ وہمسر بننے والا ہے تو ہمارا سلوک جداگانہ ہوتا ہے، مختصر یہ کہ ہم اس شخص کو دیکھکر اس قسم کی وضع وحالت اختیار کرتے ہین جو اس شخص کے حسب حال ہے، دوسرے الفاظ مین اگر ہم اس کو مہیج کہین، تو ہمارا یہ تمام سلوک ورویہ اس مہیج کا جواب ہے، لیکن ذرا ہی غور کرنے سے روشن ہوجاتا ہے، کہ صرف وہ شخص اس جواب کا مہیج نہین بلکہ اصلی مہیج وہ ماحول ہے، جسمین وہ شخص پایا جاتا ہے، اگر بہت رعایت کیجائے، تو کہا جاسکتا ہے کہ وہ شخص مع اپنے ماحول کے اصلی مہیج ہے، اگر اس ماحول کو نظرانداز کردیا جائے، تو اختلاف جواب ناقابل توجیہہ رہ جاتا ہے، اب ہم اسی شخص کو بعد مین کہین اور دیکھتے ہین اس وقت بھی ہمارا سلوک اس کے ساتھ وہی ہوتا ہے جو پہلے موقع پر تھا، لیکن اس مساوات سلوک کے لیے لازمی ہے، کہ ہم اس شخص کی شناخت کرلین، کہ یہ پہلے کبھی ہم سے مل چکا ہے، یا بالعکس یون کہیے کہ اس شخص کو شناخت کرنے کا مطلب یہ ہے، کہ اس کو دیکھکر ہماری طرف سے بعینہ ویسا ہی جواب ہو، جیسا کہ پہلے موقعہ پر ہوا تھا، اس شخص کو دیکھکر جو جواب پہلی ملاقات مین ہم نے دیا تھا، اس مین اور اس دوسری ملاقات مین اس کے جواب مین فرق صرف اس قدر ہوتا ہے، کہ پہلے موقعہ پر مانوسیت کا احساس نہین ہوتا، اور دوسرے موقعہ پر یہ احساس شامل ہوجاتا ہے،

اس تمام حالت پر ایک دفعہ اور غائر نظر ڈالیے، ہم نے کہا ہے کہ بعد مین ہم اس شخص کو دیکھتے ہین، اور

اس کے ساتھ بعینہ ویسا ہی سلوک کرتے ہیں، جیسا کہ گذشتہ موقعہ پر کیا تھا، ہم نے اس کو "وہی شخص" کہا ہے، لیکن یہ بات ہر ایک پر روشن ہے کہ اب یہ "وہی شخص" نہیں رہا، اس میں بہت سی تبدیلیاں ہو چکی ہیں، اور کچھ نہیں تو کم از کم اس کا ماحول ہی مختلف ہے، ہم پہلے یہ بھی کہہ چکے ہیں، کہ ہمارا اس کے ساتھ ایک خاص سلوک نتیجہ تھا اس ماحول کا جس میں ہم نے اس کو پایا، لیکن طرفہ تماشا یہ کہ باوصف اس کے کہ اس کا ماحول مختلف ہے، ہمارے سلوک میں کسی قسم کا فرق نہیں پڑتا، یعنی یہ کہ جب ہم اس شخص کی شناخت کر لیتے ہیں، تو اختلافات ماحول کے ساتھ ساتھ سلوک باقی رہتا ہے، یا یوں کہیے کہ سب سے پہلے موقعہ پر تو یہ نتیجہ تھا اس شخص اور اس کے ماحول کا، لیکن اب صرف وہ شخص اسی جواب کا باعث ہو رہا ہے، جواب چونکہ بالضرورت ماحول کے مطابق ہوتا ہے اور دوسرے موقعہ پر جواب میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا، لہذا ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس وقت ہم اس شخص کے غیر موجود اصلی ماحول کا جواب دیتے ہیں، اس غیر موجود ماحول کے جواب دینے کا ایک قسم کا تکلیف دہ اور بے آرام کن احساس ہی گویا مانوسیت کا احساس ہے، ہمارے اس بیان کی تصدیق ان حالات سے ہوتی ہے، جن میں ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں اور معاً ہمارے دل میں اس کی طرف سے برا خیال پیدا ہوتا ہے، اس برے خیال کی توجیہہ اس کے موجودہ افعال و اقوال سے نہیں ہو سکتی، ہمارے دل میں ایک کریدنگ جاتی ہے، جو بہت تکلیف دہ ہوتی ہے، یعنی یہ کہ ہم میں ایک ایسے ماحول کا جواب دینے کا تکلیف دہ احساس پیدا ہوتا ہے جو موجود نہیں، ہماری یہ بے چینی اور بے اطمینانی اس وقت تک باقی رہتی ہے، جب تک کہ ہم اس کے ماحول میں کوئی ایسی بات معلوم نہیں کر لیتے جو اس برے خیال کا باعث ہوا ہے، ظاہر ہے، کہ اس قسم کے حالات میں ہماری تمام بے چینی نتیجہ ہوتی ہے اس بات کا کہ ہم اس شخص کے اصلی گذشتہ ماحول کا احیا نہیں کر سکتے، جب کسی طرح سے اس ماحول کا احیا کر لیتے ہیں تو یہ تمام بے چینی بھی رفو چکر ہو جاتی ہے، شناخت کی ہر صورت میں ایسا ہی ہوا کرتا ہے، ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں اور ہم کو معلوم ہوتا ہے، یا ہم کو یاد پڑتا ہے کہ وہ ڈاک خانہ میں کلرک ہے، اس خیال کے آتے ہی ہم اس سے ایسا سلوک کرنے کی طرف مائل ہوتے ہیں، جو کلرکوں کے حسب حال

ہوتا ہے شایان شان ہے، حالانکہ اس وقت وہ وقتی نئی چیز موجود نہیں یعنی یہ کہ اس وقت اس میں کوئی بات
ابھی پیدا نہیں جس سے مترشح ہوتا ہو کہ وہ کلرک ہی، یہاں بھی ہم دراصل ایک غیر موجود ماحول کا جواب دے رہے ہیں

مندرجہ بالا تقریر سے یہ واضح ہو جانا چاہیے کہ مانوسیت کا احساس شناخت کی جان ہے، اور یہ کہ یہ
احساس اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب وہ چیز جسکی ہم شناخت کرتے ہیں، اپنے اصلی ماحول میں نہیں بلکہ مختلف ماحول
میں ہو، اگر ہم ایک چیز کو ہمیشہ ایک ہی ماحول میں دیکھتے ہیں تو چونکہ اصلی ماحول غیر موجود نہیں ہوتا اسلیے مانوسیت
کا احساس بھی نہیں ہوتا، اور جب مانوسیت کا احساس نہیں تو گویا عمل شناخت کی جڑ کٹ گئی، لہذا شناخت
غائب!! متقدمین کی زبان میں یوں کہیے کہ اس چیز کو دیکھنے سے ہماری ذہن میں خیالات کا احیا نہیں ہوتا
اور اس بصری ارتسام کی وجہ سے کوئی ایک وقتی تلازم قائم نہیں ہوتا! اور اس کے ساتھ ہی شناخت کی وہ مخصوص
کیفیت، جذبی بھی غائب ہو جاتی ہے یعنی یہ کہ "مدامی علامت" اور اس کے ساتھ "بے تکلفی" کا احساس غائب
ہو جاتا ہے، اور یہی دونوں اجزا ہوتے ہیں مانوسیت کے احساس کے، گویا ان کے غائب ہونے سے
مانوسیت کا احساس ناپید ہو جاتا ہے، اور مانوسیت کے احساس کے ناپید ہو جانے سے شناخت مردہ ہو جاتی ہے
ہم اپنے لکھنے پڑھنے کی میز اور اپنی کسی مانوس چیز کی شناخت نہیں کرتے کسی غیر شخص کو اپنے گھر میں دیکھتے ہیں
تو شناخت کی ضرورت پڑتی ہے، لیکن ہمارے ماں باپ، بھائی بہن، خود اپنے گھر میں اس قسم کی شناخت
کے محتاج نہیں ہوتے، ہمارے تمام مملوکات، جب تک ہمارے قبضہ میں ہیں، اس وقت ہم ان کی
طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے لیکن ان میں سے کوئی چیز اگر غیر کے پاس ہو تو ہم پکار اٹھتے ہیں کہ "یہ تو
میری ہے!" ابتداءً جب ہم ان سے بہت زیادہ مانوس نہ تھے، تب شناخت حقیقت نفس الامری تھی
لیکن جب مانوسیت حد سے متجاوز ہو گئی اور اس کا خاتمہ ہو گیا اور ساتھ ہی شناخت بھی رخصت ہوئی
اب ان اشیا کے ہمارا علم "بے شناخت" ہو جاتا ہے،

مانوسیت کا اس طرح غائب ہو جانا بظاہر عجیب معلوم ہوتا ہے، لیکن عالم مادی اور عالم روحانی

واقعات جسم اور کیفیات نفس، حیات جسمانی اور حیات ذہنی دونون مین مغائرت اگرچہ عداوت کے درجہ تک پہنچ چکی ہے، تاہم ایک قانون ایسا ہے، جوان دونون مین نافذ ہے، نفسیات کی زبان مین اسے قانونِ عادت کہتے ہین، ایک کاغذ پر کسی جگہ کوئی شکن پڑجاتی ہے، تو کاغذ بعد مین بھی اسی جگہ سے مڑنے اور تہ ہونے کی طرف مائل ہوتا ہے، زمین پر اگر ایک دفعہ پانی گرجائے، تو بعد مین بھی پانی وہی راستہ اختیار کرتا ہے، اگر ہم کو کہین چوٹ لگ جائے، تو بعد مین ہر چوٹ اسی خاص مقام پر لگتی ہے، یہ تمام عالمِ طبیعی مین قانونِ عادت کی کارفرمائی کی مثالین ہین، بعینہ یہی صورت عالمِ روحانی کی ہے، عاداتِ حرکات کے علاوہ عاداتِ فکر کا کون قائل نہین؛ عاداتِ فکر نیشِ عقرب کی طرح، جا و بے جا، موقع و بے موقع ذرا سے بہانے سے ہم کو کہین سے کہین لے جاتی ہین، تیتر کی آواز سنکر بنئے، حجام، قصائی اور صوفی ہین سے ہر ایک کے دل مین مختلف خیالات کا پیدا ہونا عاداتِ فکر کی بہترین اور عام ترین مثال ہے، اس عالمگیر قانونِ عادت کو ہم ان الفاظ مین بیان کرسکتے ہین، کہ کسی حرکت کے اعادہ یا کسی نفسی کیفیت کی تکرار سے وہ حرکت، یا نفسی کیفیت یسیر الحصول، مستقل اور صحیح تر ہوجاتی ہے یعنی، یہ کہ بعد مین اسکا احیا، آسانی اور صحت کے ساتھ ہوسکتا ہے، محض اعادہ و تکرار کی وجہ سے وہ گویا ہمارے اجسام کا جزو بن جاتی ہے، چنانچہ بعض فلاسفہ نے انسان کو "مجموعۂ عادات" کہا ہے، ان تمام خصوصیات کیساتھ عادت کی ایک اور خصوصیت یہ ہوتی ہے، کہ یہ غیر شعوری ہوتی ہے، بائیسکل کی سواری جس وقت ہم سیکھنا شروع کرتے ہین، اس وقت ہم کو اپنی حرکت کی طرف توجہ کرنی پڑتی ہے، لیکن سیکھ جانے، یا یون کہیے کہ عادت پڑجانے کے بعد ہم کو اپنی کسی حرکت کا بھی علم نہین ہوتا، چلنے مین ٹانگون کی حرکات تمامتر عادی ہوتی ہین، بھلا غور تو کیجئے، کبھی ہم نے چلنے مین ان حرکات کو معلوم و محسوس کیا ہے؟ ذہنی اعمال مین کون سا عمل ادراک کے مقابلے مین زیادہ شعوری ہوسکتا ہے، لیکن، بقول پروفیسر اینجل:-

"ہمارے بیان کی تصدیق اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ جن اشیا کا ادراک و استعمال، ضروریات کی وجہ سے ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے، ان کا ہم کو شعور نہین ہوتا، ان کی وجہ سے ہمارے تمام روز اعمال

اصول عادت کے مطابق ہوتے ہیں، جس قلم کو ہم ہمیشہ استعمال کرتے ہیں اس کی شکل وصورت ہم کو یاد نہیں رہتی، لکھنے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہم اس قلم کو دیکھتے ہیں اور معاً ہمارے ہاتھ میں حرکت ہوتی ہے، اور ہم اس کو اٹھا لیتے ہیں" (ماخوذ از نفسیات صفحہ ۱۵۹-۱۷۰)

غرض یہ ہماری شناخت، اور اس کے ذہنی اجزا بھی اس قانون کی گرفت سے باہر نہیں، جب شناخت ہمارے لیے عادی ہو جاتی ہے، یعنی جب ہم ایک چیز کی اکثر شناخت کرتے ہیں، تو اصول عادت کے مطابق یہ غیر شعوری ہو جاتی ہے،

لیکن اس سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس طرح شناخت کے ذہنی اجزا غائب ہو جاتے ہیں، یہ دعویٰ ایسا ہی ہے، جیسے یہ کہنا کہ چلنے میں ٹانگوں کی حرکات کا چونکہ ہم کو علم نہیں ہوتا، اسلئے وہ حرکات ہوتی ہی نہیں، شناخت میں بھی، چلنے کی حرکات کی طرح تمام ذہنی اجزا باقی رہتے ہیں، لیکن ان کی طرف توجہ نہیں کیجاتی، جو عضوی تغیرات اصلی شناخت میں شامل ہوتے ہیں وہ بالکل غائب نہیں ہو جاتے، وہ موجود رہتے ہیں، لیکن بے ضرورت ہونے کی وجہ سے ضعیف اور غیر واضح ہو جاتے ہیں، دوسرے الفاظ میں جن اشیا کا علم بے شناخت ہوتا ہے مثلاً اپنے گھر میں اپنے بھائی بہنوں کا علم، وہ علم واضح اور قوی شناختی کیفیت اور متلازم خیالات کے واسطے کے بغیر ہوتا ہے،

شناخت کی بہت سی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، اسکی توضیح ایک مثال سے ہوگی ہم نے شروع ہی میں کہا ہے، کہ ہم محفل میں داخل ہوتے ہی ایک خاص شخص کو پہچان لیتے ہیں، اسکو دیکھتے ہی ہمارے ذہن میں گزشتہ واقعات کے ایک حصہ کا احیا ہو جاتا ہے، ہم کو تمام وہ باتیں یاد آجاتی ہیں، جو ہم نے اس سے کسی وقت کی تھیں، اور تمام وہ کام خیال میں آجاتے ہیں، جو ہم دونوں نے ملکر کئے تھے، یعنی یہ کہ ہم پوری طرح اسکی شناخت کر لیتے ہیں، اس قسم کی شناخت معین کہلاتی ہے اسکے مقابلے میں ایک اور صورت شناخت کی یہ ہوتی ہے، کہ اسی محفل میں ہم کسی اور شخص کو دیکھیں، اور ہم کو خیال آئے، کہ ہم نے اسکو کہیں دیکھا ہے، کہاں، کس موقع پر،

اور کن حالات مین اس کو دیکھا ہے ہم نہین بتا سکتے، اسکو معلوم کرنے کے لیے ہم کو باقاعدہ غور وفکر کرنا پڑتا ہے
بہت ممکن ہے کہ بہت سوچنے کے بعد ہم کو یاد آجائے، کہ فلان مقام پر ہماری اسکی ملاقات ہوئی تھی، یہ بھی
بعید از امکان نہین کہ ہم باوجود کوشش اور غور وفکر کے اپنی تلاش مین ناکام ہون، اور یہ معلوم کرنے سے قاصر رہین کہ
ہم دونون کہان ملے تھے، اس شخص کو بھی ہم نے پہچان لیا، لیکن صرف اس حد تک کہ تم نے اسکو کہین دیکھا ہے،
شناخت کی اس صورت اور مقدم الذکر صورت کا مقابلہ کرنے سے ہم کو ان کے فرق کا علم ہو سکتا ہے، پہلی صورت
کی شناخت مکمل ہے، اپنے واقف شخص کے تمام گذشتہ احوال و کوائف کا کامل، مکمل طور پر احیار کر سکتے ہین
لیکن یہان دوسری صورت مین سوائے مانوسیت کے احساس کے ہمارے ذہن مین اور کچھ نہین، اس شخص کا
نام تو ایک طرف ہم کو یہ بھی یاد نہین آتا، کہ ہم کہان ملے تھے، دوسرے الفاظ مین یہ شناخت پہلی شناخت کے
مقابلے مین نامکمل اور غیر واضح ہے، اسی وجہ سے اس کو غیر معین کہتے ہین، اگر اس حالت مین کسی طرح سے ہم کو شخص کا نام
معلوم ہو جائے تو ہماری شناخت معین ہو جاتی ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ نام کی وجہ سے ہم اس کے گذشتہ
حالات کا پتہ لگا لین،

شناخت کی تقسیم ہم نے اوپر کی ہے، اس کا اصول شناخت کی تکمیل ہے، اگر یہ مکمل ہے تو اس کو معین کہتے
ہین، اور اگر نامکمل ہے تو غیر معین، یا یون کہیے کہ کسی چیز کو دیکھنے سے جن خیالات کا احیار ہوتا ہے، اگر وہ معین ہین
تو شناخت معین ہے، اور اگر یہ غیر معین ہین تو شناخت غیر معین، لیکن شناخت ایک اور اصول کے مطابق بھی تقسیم
کیجا سکتی ہے، اس دوسری تقسیم کا اصول وہ طریقہ ہے جس سے یہ شناخت پیدا ہوتی ہے، اس اصول پر اسکی
دو قسمین بنتی ہین، اول بلاواسطہ اور دوم بالواسطہ[1]، اس کو بلاواسطہ اس وقت کہتے ہین، جب کسی چیز کو دیکھکر جو
خیالات ہمارے ذہن مین آتے ہین، وہ فوراً بغیر کسی واسطے کے پیدا ہون، اور شناختی کیفیت فوراً بلا توقف ظاہر
ہو جائے، بالواسطہ یہ اس وقت ہوتی ہے، جب ان خیالات کے احیار کے لیے ہم کو بعض اور متلازم خیالات کی ضرورت

[1] پروفیسر میگڈوگل نے ان کو علی الترتیب صریحی اور ضمنی شناخت کہا ہے (خاکۂ نفسیات صفحہ ۲۰۸)

پڑتی ہے محفل مین داخل ہوتے ہی ہم نے اپنے دوست کو دیکھا اور پہچان لیا، یہ بلا واسطہ شناخت ہے، اسلئے کہ اسکو دیکھتے ہی ہمارے دل مین خیالات کا ایک تلاطم ہوا، اور شناختی کیفیت پیدا ہو گئی، لیکن ایک شخص ہمارے پاس آتا ہے اور بڑے تپاک سے ملتا ہے ہم متحیر ہو کر اس کا منہ تکتے ہین، اور بعد معذرت کہتے ہین کہ مین نے آپکو پہچانا نہین" وہ جواب دیتا ہے کہ سکول مین ایک شخص صفا آپ کا ہم جماعت تھا کیا آپ بھول گئے؟ ہم غور کرتے ہین تو اس نام کا کوئی ہم جماعت یاد نہین آتا، اس سے ہم کہتے ہین کہ حضرت معاف کیجئیگا مین نے اب بھی نہ پہچانا" وہ کہتا ہے "آپ رحیم بخش کو جانتے ہین جو لاہور کے اسلامیہ اسکول کی مٹیریکولیشن کلاس مین آپ کے پاس بیٹھا کرتا تھا، ایک دفعہ ہم دونون شاہدرہ کی سیر کرنے گئے تھے، گرمیون کے دن تھے، واپسی مین دھوپ کی تیزی سے بچنے کے لیے ایک گاؤن کے ناخواندہ مہمان ہوئے تھے، وغیرہ ذلک" یہ سنتے ہی ہم اٹھ کھڑے ہوتے ہین، بغل گیر ہوتے ہین اور بیٹھ کر "عہد پیری شباب کی باتین" کرکے دل خوش کرتے ہین، اب وہ اجنبیت رفو چکر ہو جاتی ہے، اور "تکلف برطرف" ہم دونون بے تکلف دوستون کی طرح ملتے ہین اور آئندہ ملاقات کے وعدون پر صحبت ختم ہو جاتی ہے، اس مثال مین اس شخص کو دیکھکر پہلے تو ہم نے پہچانا ہی نہین، لیکن بعد مین جب اس نے اپنے اور ہمارے تعلقات اور کچھ مشترک واقعات بیان کئے تو خیال آیا کہ واقعی ہم ہمجماعت تھے، یہ صورت بالواسطہ شناخت کی ہے، بعد مین شناختی کیفیت پیدا تو ہوئی، لیکن بعض متلازم واقعات وحالات کے واسطہ سے، اگر وہ شخص ان تمام واقعات کو نہ دہراتا، تو یہ شناخت کبھی پیدا نہ ہوتی، اور ہم اس شخص کو اجنبی و ناواقف سمجھکر اسکی طرف ملتفت ہی نہ ہوتے، ان تمام کو سنتے ہی ان تمام خیالات کا احیا ہو جاتا ہے، جنسے مانوسیت کا احساس اور شناختی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور شناخت اس طرح مکمل ومتعین ہو جاتی ہے،

گلبرگہ شریف

اور

اوس کا نواح

از

جناب تمکین صاحب کاظمی، حیدرآباد دکن

(۲)

ہفت گنبد، یہ لحاظ عمارت و عظمت و شان دکن کی منتخب عمارات سے ہین یہ ایک ہی سلسلہ
ں سات گنبد آبادی شہر سے متصل ہین مگر قلعہ سے ایک میل کا فاصلہ ہے سب گنبدون کا چبوترہ ایک ہی
مگر بعد مین چبوترے کو کاٹ کر بیچ مین سے ایک راستہ شرقاً و غرباً بنا دیا گیا ہے اسوقت دو جڑوان گنبد
لی چبوترے پر اور پانچ جنوبی چبوترے پر واقع ہین جنوبی چبوترہ طول مین شرقاً و غرباً ۴۰۰ فٹ اور عرض
ں شمالاً جنوباً ۱۲۷ فٹ ہے چونکہ یہ گنبد درگاہ حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کے تالاب کے مغربی کنٹے پر واقع ہین
سلیے چبوترہ تالاب کی طرف ۱۵ فٹ اور جانب غرب ۵ فٹ بلند ہے

گنبد نمبر (۱) یہ گنبد جنوبی چبوترے پر مغربی جانب واقع ہے اسکی دیوار کا طول ۶۰ فٹ ... دیوار
۲۲ فٹ ... چبوترے سے کلس تک ۶۰ فٹ بلند ہے تین دروازے ہین مغرب کی طرف ...

نہیں ہے اور نہ کوئی کتبہ ہی ہے، چھت پر اندر کلام اللہ کی سورتیں اور نقش ونگار ہیں اس میں پانچ مزار ہیں، یہ گنبد روح پرور آغا نے مجاہد شاہ کی قبر پر بنوایا ہے اور اس میں خود روح پرور آغا اور زوجہ مجاہد شاہ بھی دفن ہیں، دو مردانہ مزار کن کے ہیں معلوم نہ ہو سکا، یہ گنبد ۷۷۹ھ/۱۳۷۸ء کے بعد تعمیر ہوا ہے،

گنبد (نمبر ۲) یہ گنبد پہلے گنبد کے مشرق میں واقع ہے اور عرض وطول و بلندی وغیرہ میں پہلے گنبد کے مساوی ہے، اندر ایک قبر محمد سنجر بن داؤد شاہ کی ہے جسے روح پرور آغا نے تیرہ سال کی عمر میں مکحول کر کے قتل کرایا،

گنبد نمبر (۳) یہ گنبد دوسرے گنبد کے مشرق دروازے سے ملا ہوا ہے اور بالکل دوسرے اور پہلے گنبد کی وضع قطع کا ہے، اس میں داؤد شاہ جسے روح پرور آغا نے غرۂ محرم ۷۸۰ھ/۱۳۷۸ء کو جامع مسجد شاہ بازار میں قتل کرایا دفن ہے اور اس کی تین بیویاں بھی،

گنبد نمبر (۴) یہ گنبد تیسرے گنبد سے ۱۴۳ فٹ کے فاصلہ پر مشرق کی طرف واقع ہے یہ جڑواں گنبد ہیں یعنی نمبر ۴ اور ۵ ملے ہوئے ہیں، دونوں گنبد بہترین ساخت کے ہیں ان کا طول و عرض ۷۵ فیٹ ہے بلندی بھی ۷۵ فٹ ہی ہے، ان کی بیرونی دیواروں پر پانچ پانچ عظیم الشان محرابیں بنی ہوئی ہیں، شمالی اور جنوبی رخ پر بیچ کی محرابوں میں دروازے ہیں، ان کے اوپر چوطرفہ پانچ پانچ محراب ہیں جن سے رفعت دوبالا ہو گئی ہے، بالائی گنبدوں پر خوبصورت جنگلے اور چھوٹی برجیاں ہیں، اسکے وسط میں سلطان فیروز شاہ بہمنی المتوفی ۸۲۵ھ دفن ہے، یہ گنبد اس نے اپنی زندگی ہی میں بنوایا تھا۔ یہ بالکل سادہ اور بہ غایت خوشنما ہے،

گنبد نمبر (۵) اس گنبد میں نقش ونگار ہیں، اندر چاروں طرف تین تین محراب ہیں اور ان میں سنگین جالیں ہیں جو پتھر ہی میں کھودی گئی ہیں، محرابوں کے اوپر ایک فٹ چوڑی بیل پتھر میں تراشی گئی ہے، اس میں آیۃ الکرسی قل ہو اللہ سورۂ اخلاص وغیرہ منقوش ہیں، گنبد میں کوئی قبر نہیں ہے ممکن ہے کہ مزارات ان

مگر تعویذین نکال دی گئی ہین،

گنبد نمبر (۶) شمالی چبوترے پر واقع ۵۰ فٹ مربع اور اسی قدر بلند ہے اندر سنگ سیلو کا فرش ہے، چند سال قبل تین مزار شکستہ نظر آتے تھے مگر اب اُن کے تعویذ بھی غائب ہین

گنبد نمبر (۷) گنبد سابقہ سے ۱۸۰ فٹ کے فاصلہ پر جانب غرب واقع ہے سابقہ گنبد کے برابر عریض وطویل ہے اسمین سلطان غیاث الدین بہمنی کا مزار ہے،

یہ سات گنبد وہ ہین جو چبوترے پر واقع ہین، نیچے اور دو گنبد ہین، ایک گنبد، گنبد نمبر (۵) کے جنوبی دروازے کے محاذی ہے، یہ ۴۸ فٹ مربع اور اتنا ہی اونچا گنبد ہے اس مین بھی تین درمیانی ہین، دوسرا گنبد جنوبی چبوترے کے نیچے تالاب کے کنارے گنبد نمبر (۵) کے شرقی جانب پچاس فٹ پر واقع ہے جو سابقہ گنبد کے عرض و طول کا ہے اور اسمین دو مزار زنانہ ہین،

چور گنبد - یہ گنبد عیدگاہ قدیم کے شمال غرب مین ایک اونچے ٹیلہ پر واقع ہے جو بہت دور سے نظر آتا ہے، اسکے چارون طرف سنگین فرش دور تک پھیلا ہوا ہے، گلبرگہ کے موجودہ گنبدون مین بہترین گنبد ہے، اوپر جانے کے لیے اندر سے دو طرفہ سیڑھیان بنی ہوئی ہین اور ایک چور راستہ بھی ہے جو پھر کر سیڑھیون پر نکلتا ہے اس مین ذرا اندھیرا رہتا ہے، کہا جاتا ہے کہ قلعہ سے اس مین چور راستہ تھا اس لیے چور گنبد مشہور ہوا بعض لوگ کہتے ہین کہ آبادی سے فاصلہ پر ہونے کی وجہ سے اسمین چور رہا کرتے تھے اس لیے چور گنبد نام مشہور ہوا سنا گیا ہے کہ اس مین مزار تھے جن کے تعویذ نکال دیئے گئے، اوپر چڑھنے کے بعد دور دور کا منظر پیش نظر رہتا ہے اندر سنگ سیلو کا فرش ہے اسمین دیواروں پر ہزار ہا قسم کے دستخط نام اور قطعات نظر آتے ہین جو زائرین کی جدت اور [illegible] کے گواہ ہین چند سال قبل سررشتۂ آثار قدیمہ نے (سنہ ۱۳۳۵ھ) کے صرف سے مرمت کرائی ہے:

گنبد سلطان علاؤالدین حسن بہمنی - قران تالاب کے مغرب مین بانی خاندان بہمنیہ سلطان علاؤالدین حسن کا

مقبرہ جو ۴۰ فٹ مربع اور اتنا ہی بلند ہے اسکے بھی تین دروازے ہیں گنبد کی چھت میں کارکاشی کی اینٹیں لگی ہوئی ہیں چینی کے کام کے نشانات بھی موجود ہیں اس میں تین مزار ہیں علاء الدین کی قبر سنگ سیاہ کی نہایت ہی خوشنما ہے جسکے پہلو میں ملکہ جہان (المتوفیہ ۷۶۲ھ؁ ۱۳۶۱ء) آسودہ ہے تیسری نہ جانے کس کی ہے یہ مقبرہ محمد شاہ بہمنی نے بنوایا تھا،

گنبد سلطان محمد شاہ بہمنی، علاء الدین کے گنبد کے مغرب میں سو گز کے فاصلہ پر اسی وضع کا ایک بہترین گنبد ہے جو ایک مربع چبوترے پر (۴۰) فٹ مربع اور اسیقدر بلند ہے تین دروازے ہیں چھت میں گلکاری اور رنگین کام کیا ہوا ہے اس میں محمد شاہ بہمنی (المتوفی ۷۷۶ھ؁ ۱۳۷۵ء) اور اسکے پہلو میں ملکہ جہان بادشاہ بیگم دختر صدر اعظم ملک سیف الدین غوری، دفون ہیں تعویذ علحدہ کرنے میں پڑے ہوئے ہیں

گنبد کے غربی سمت ایک مسجد تھی اور سامنے قبرستان اگرا ب نہ تو مسجد ہی کے آثار باقی ہیں قبریں ہی صحیح وسلامت ہیں مٹی اور پتھر کے ڈھیر البتہ نظر آتے ہیں ان دونوں گنبدوں کے اطراف میں کاشت ہوتی ہے علاء الدین نے کسان کی حیثیت سے ترقی کی اور مرکر بھی اسی جگہ دفن ہوا، جہاں کسان ہی بارہ مہینے اسکے گنبد کا طواف کرتے ہیں،

گنبد قلندر خان — یہ رفیع الشان گنبد، بہمنی پورہ اور گورنمنٹ ہاؤس کے درمیان واقع ہے اس میں سید قلندر حسینی قلندر خان طرفدار گلبرگہ اور اُن کے قرابت دار مدفون ہیں سامنے قبرستان ہے جسکو ایک چہار دیواری گھیرے ہوئے ہے ان کا خاندان دکن میں ابتک ممتاز ہے جاگیردار مکھیڑ انھیں میں سے ہیں گنبد بہت عمدہ حالت میں ہے اور انھیں کے خاندان کی نگرانی میں ہے،

گنبد چاند سلطانہ، درگاہ حضرت بندہ نوازؒ کے جنوب مشرقی گوشہ پر علی عادل شاہ بیجاپوری بہادر بیوی چاند بی بی کا گنبد ہے اس کے مینار اور ستون سنگ خارا اور گچ سے بنائے گئے ہیں تعمیری لحاظ سے یہ گنبد بہترین اور سب سے زیادہ عمدہ ہے،

گنبد شیدی عنبر، احاطۂ درگاہ حضرت بندہ نوازؒ کے باہر ایک گنبد شیدی عنبر کا بنا ہوا ہے، یہ گنبد شیدی عنبر نے مرتضیٰ نظام شاہ والیِ احمد نگر کے عہد میں جبکہ وہ مختارِ سلطنت تھے بنوایا تھا مگر یہ مدفن نہو سکا، خلد آباد میں مزار بنا، اس گنبد کے دروازہ پر ایک کتبہ بخطِ نسخ سنگ سیاہ پر کندہ ہے اور حاشیہ منقوش ہے کتبہ

چہ خوش دید گنبد بنا کرد عنبر

(۱۰۰۸ھ)

شیخ کا گنبد، محلہ شاہ بازار کے غربی جانب حضرت شیخ سراج الدین جنیدی قدس سرہ کا عالیشان گنبد ہے، یہ گنبد نہایت ہی خوبصورت ہے، روضہ کا عالیشان دروازہ قابل دید ہے جس کے طویل مینار بہت ہی خوبصورت ہیں، یہ مینار یوسف عادل شاہ والیِ بیجاپور نے بنوائے تھے،

خواجہ کا گنبد، محلہ روضۂ منورہ بزرگ میں حضرت خواجہ بندہ نوازؒ کا عالیشان گنبد ہے، یہ گنبد ان کے انتقال کے بعد ۸۲۶ھ سے بننے لگا، اسکی تعمیر احمد شاہ بہمنی نے شروع کی اور علاء الدین بن احمد شاہ نے ختم کی، صرف سات سال میں گنبد کی اندرونی استرکاری ختم ہوئی ہے، ابراہیم قطب شاہ نے بڑی استرکاری کرائی، محمود عادل شاہ نے ۱۰۵۵ھ میں انکے گنبد کا کلس نکالکر انکے صاحبزادے سید محمد اکبر حسینی کے گنبد پر چڑھا دیا اور ان کے گنبد پر نیا کلس لگا دیا، افضل خان سپہ سالار بیجاپور نے پائین میں ایک بڑی کمان اور مسجد اور سرائے بنائی، شہنشاہ عالمگیر نے ۱۱۰۰ھ میں اندرون احاطۂ درگاہ ایک مسجد اور مدرسہ بنوایا، گنبد کے بیچوں بیچ میں حضرت کا عظیم الشان طویل مزار ہے جسکے اطراف میں جالی لگی ہے، پیشانی پر یہ شعر کندہ ہیں ؎

نقرہ این باب و جالی بطرز ہے طلا — شد بنا از شہ یداللہ حسینی با نیاز

فیض ہم تاریخ باب آن ولی اللہ نوشت — باب جنت ہست باب درگہ بندہ نوازؒ

کتبہ

نیست کعبہ در دکن جز درگہ گیسو درازؒ — بادشاہ دین و دنیا تا ابد بندہ نوازؒ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المومنون لا یموتون بل ینقلبون من دار الفناء

بحق دار المقام و من جوار الشیطان الی جوار الرحمن و من جوار لعسرون

الی دار السرور

چاندی کے کٹہرے پر یہ کندہ ہے۔

"والذین آمنوا وعملوا الصلحات فی روضات الجنات"

درگاہ شریف کے دروازے پر

"لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ فاطمہ حسن حسین سبط رسول اللہ"

چوکھٹ پر پنجے جستہ میں کندہ ہے :۔

محمد رسول اللہ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

وکفی باللہ شھیدا والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا

سجدا یبتغون من فضل اللہ و رضوانا

حضرت خواجہ کے مزار کے داہنے جانب آپ کے فرزند سید شاہ اصغر حسینی اور بائیں جانب سید شاہ

ولی اللہ حسینی مدفون ہیں۔

گنبد اکبر حسینی، حضرت بندہ نواز کے گنبد کے محاذی ایک گنبد حضرت کے صاحبزادے سید محمد اکبر حسینی

اور ان کی بیوی کا ہے اور ایک دو چھوٹے گنبد بھی ہیں جو قابل ذکر نہیں۔

گنبد حضرت قبول حسینی حضرت خواجہ کے گنبد کے بازو دوسری چہار دیواری میں حضرت کے پوتے سید جعفر حسینی

کے فرزند شاہ قبول اللہ حسینی کا عالیشان گنبد ہے یہ گنبد حضرت خواجہ کے گنبد سے کسی قدر چھوٹا ہے گنبد کے

اندر درگاہ کے چاندی کے کٹہرے پر نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ وَفَتْحٌ قَرِیْبٌ دیوبند بغرب نواز ۱۲۸۳ھ کندہ ہے یہ دونوں

گنبد گلبرگہ سے بارہ چودہ میل کے فاصلے سے بھی نظر آتے ہیں خاصکر حضرت خواجہ کا گنبد بارگن

مرزا اسمعیل مخ، اسمٰعیل مخ وہ شخص ہے جس نے امیران صدہ کو لیکر محمد تغلق سے بغاوت کی اور دکن

میں اسلامی سلطنت کی بنا ڈالی، ۷۴۷ھ/۱۳۴۶ء میں دولت آباد میں ناصر الدین شاہ کے لقب سے سلطنت شروع کی مگر حسن بہمنی سے تو ر دیکھ کر چند ہی مہینوں کے بعد ۷۴۸ھ/۱۳۴۷ء میں حسن کو تخت نشین کر کے خود علیحدہ ہوگیا، حسن بہمنی نے اس کو امیر الامراء اور سپہ سالار لشکر کیا مگر ۷۴۹ھ/۱۳۴۸ء میں بالزام سازش قتل کر دیا، اسمٰعیل مخ اور اس کی بیوی کا مزار علاء الدین حسن کے گنبد کے قریب فرمان تالاب کے بھنڈار پر دو تین سنگ مرمر کا اور سنگ سیاہ کا ہیں،

مزار ملک سیف الدین غوری، سلطان حسن کے گنبد کے مشرقی دروازے کے محاذی ایک پختہ چبوترے پر صدر اعظم ملک سیف الدین غوری کا مزار سنگین واقع ہے، ملک موصوف نے ایک سو سات سال کی عمر میں ۲۲ رجب ۷۹۹ھ/۱۳۹۶ء کو انتقال کیا،

مزار شاہ ضیاء الدین، سلطان محمد بہمنی کے گنبد کے مغرب میں ایک چبوترے پر شاہ ضیاء الدین قتال شہید اور ان کی والدہ اور بھائی کے مزار ہیں، شاہ صاحب ۷۹۳ھ/۱۳۹۰ء میں بعہد راجہ بیرن والی گلبرگہ شہید ہوئے تھے،

مزار سلطان محمود شاہ بہمنی، شاہ صاحب کے چبوترے کے جنوب میں ایک چبوترے پر سلطان محمود بن سلطان حسن کا سیاہ سنگین مزار ہے جس نے ۷۹۹ھ/۱۳۹۶ء میں وفات پائی،

مزار صدر الشریف، جامع مسجد شاہ بازار کے عقب میں ایک خانہ کی دیران مسجد کے شمالی گوشے میں ایک چبوترے پر صدر الشریف سمرقندی اور مولانا سید احمد غزنوی کے پختہ اور سنگین مزار ہیں، عہد حسن بہمنی میں مولانا سمرقندی صدر الصدور اور مولانا غزنوی مفتی تھے،

مزار فضل اللہ انجو، ہفت گنبد کے پاس چبوترے کے پیچھے دوسرے گنبد کے چبوترے پر سید فضل اللہ انجو شیرازی استاد فیروز شاہ وکیل سلطنت ملقب ملک اور ان کے فرزند میر شمس الدین انجو کے مزار ہیں،

مزار سید شاہ حسام الدین، قلعہ کی شرقی خندق اور مجلس کے درمیان تالاب جگت کے کنارے پر حضرت سید شاہ حسام الدین حسینی تیغ برہنہ (م ۸۶۰ھ) کا مزار شریف ایک چھوٹی گنبدی میں ہے جس کے

اطراف میں مزارات ہیں،

مزار حضرت سعد زنجانی، پرانی عیدگاہ کے شمال میں ایک چبوترے پر حضرت شیخ سعد زنجانی (سنہ ۷۲۰ھ) کا مزار ہے،

مزار حضرت انصاری، آصف گنج میں نگین مسجد کے قریب حضرت شیخ منہاج الدین تمیمی انصاری (سنہ ۸۳۰ھ) کا مزار ہے،

مزار حضرت رکن الدین تولہ، گلبرگہ سے چار میل کے فاصلہ پر جانب مغرب ایک بلند پہاڑی پر انکا مزار واقع ہے، وہ مجذوب تھے، اور رکن الدین تولہ (سنہ ۸۳۰ھ) اسم گرامی تھا،

مزار لنگوٹ بند، کوتوال تالاب کے پاس حضرت شاہ بہاء الدین لنگوٹ بند کا مزار ہے جو پانچ گنبد چپس کلس کے نام سے مشہور ہے اسپر ایک مختصر سا گنبد بھی ہے،

مزار حضرت حافظ، شیخ ضیاء الدین قتال شہید کے چبوترے کے نیچے ایک سنگین حجرے میں ایک مزار چند آڑے ترچھے پتھروں کا ملا کر بنایا گیا ہے، جو حضرت مولانا حافظ کا مزار ہے،

مزار مولانا قدر، گلبرگہ سے دو میل کے فاصلہ پر جانب شمال سلطان پور کے دروازے کے پاس حضرت مولانا حافظ کے بھائی مولانا قدر کا مزار ہے،

مزار اختیار الدین، محلہ شاہ بازار میں حضرت مولانا حافظ کے اور ایک بھائی مولانا اختیار الدین کا مزار ہے،

مزار کمال گریان، سلطان پور کے پاس ان کا مزار ہے، چونکہ ہمیشہ روتے رہتے تھے، اس لیے گریان لقب مشہور ہو گیا،

مزار خونزہ سلطانہ، یہ سلطان محمود بہمنی کی صاحبزادی تھین بڑی عابدہ اور صالحہ تھین شمس العشاق عرف میران حسینی سے بیاہی گئین، گلبرگہ سے دو میل شمال کی جانب درختون کے جھنڈ مین انکی چوکھنڈی

مزار پیر بنگر ڈمی۔ مٹش بازار کے پاس قلعہ کی سڑک پران کا مزار ہے۔ یہ سدا سہاگ فقیر تھے،

مزار چمن شاہ۔ اٹنکے کے درخت کے پاس ان کا مزار ہے، ان کا اسم گرامی سید شاہ صدرالدین تھا، حضرت بندہ نواز کے ہمعصر تھے، سارا گلبرگہ اولیاء و مشائخین کے مزارات سے بھرا پڑا ہے، انشاء اللہ اولیائے گلبرگہ کے تحت ہم سب کے تفصیلی حالات قلمبند کرینگے،

مزار حضرت جہانگیر۔ مسجد قلعہ کے محاذی ایک چوکھنڈی میں حضرت جہانگیر قادری (م ۱۰۱۸ھ) کا مزار ہے جسکے سرہانے سنگ سیاہ پر بخط ثلث ایک کتبہ پڑا ہوا ہے، کتبہ

کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْم، ھٰذَا الْقَبْرُ مُبَارَکُ الْمَغْفُوْرِ الْمَرْحُوْمِ حَاجِی

مَحْمُوْد بِنْ حَاجِی حُسَیْن لَاھِیْجَانِی سَنَہ اَرْبَعَ عَشَرَ وَ ثَمَانِمِائَۃ (۸۱۴ھ م

۱۴۱۱ء)

معلوم نہیں کہ یہ کہاں کے مزار کا ہے اور یہاں کس نے لاکر ڈالدیا،

ہولکنڈہ کے ہفت گنبد۔ گلبرگہ سے (۲۲) میل کے فاصلہ پر تاندگی (متعلقہ ضلع پانگاہ) کے پاس ہولکنڈہ نامی اسٹیٹ روضہ بزرگ کا ایک موضع ہے جسمیں گلبرگہ کے ہفت گنبد کے برابر سات عظیم الشان گنبد۔ ہیں، شیخ میں محمود مشائخ کا گنبد ہے جو خواجہ کے ہمعصر تھے، اسکے شرقی جانب سید اسمعیل راجو خان مشائخ کے پردتے کا اور اسکے محاذی سید جلال الدین کا گنبد ہے، اس گنبد کے مغرب میں حمیدالدین خیرخان کا گنبد اور اسکے بازو میں سید اعظم خان کا گنبد ہے، جس کے پیچھے شہزادہ انوخان کا گنبد ہے، یہ لوگ حضرت محمود مشائخ کے اعزہ سے ہیں،

احاطہ کے باہر ایک جالی دار چوکھنڈی میں سید تاج الدین صاحب کا مزار ہے جو

شیخ صاحب کے والدین اُن کے پہلو میں ہیں، متصلاً منقش سنگی ستونوں پر سید نصیر الدین داماد کا گنبد ہے جو نہایت ہی عمدہ اور بہ غایت حسین ہے،

یہ گنبد بہترین دور عہد بہمنیہ کی طرز تعمیر کے عمدہ نمونے ہیں، تمام گنبدون کی چوکھٹین سنگین اور نقش و نگار سے مزین ہین اور سب سنگ موسے مین ترشے ہوے بے جوڑ ہین، تمام گنبد مضبوط اور مستحکم حالت مین ہین،

صرف گلبرگہ اور اس کے نواح کے حالات نے اس قدر طوالت اختیار کی، انشاء اللہ گلبرگہ کے مضافات کی تفصیل علحدہ قلمبند کی جائیگی،

ماخذ

ضمیمہ رپورٹ سررشتہ آثار قدیمہ سرکار عالی بابت ۱۳۲۳-۱۳۲۴ف مرتبہ مولوی سید علی اصغر بلگرامی،

تاریخ دکن مولفہ مولوی عبد الجبار خان آصفی ملکاپوری ثم الحیدرآبادی،

کتبات = مرتبہ نواب زامرز جنگ بہادر،

تاریخ دکن مؤلفہ مولوی سید علی بلگرامی،

تاریخ بیجاپور حصہ سوم مولفہ مولوی بشیر الدین احمد دہلوی تعلقدار وظیفہ یاب سرکار عالی،

نیو امپیریل سیریز آف آرکیولاجیکل سروے آف انڈیا مرتبہ ہنری کزنس سنہ ۱۹۱۶ء

علم الاطراف

شمس العلماء خان بہادر ڈاکٹر ہدایت حسین صاحب پی ایچ ڈی

مولانا ہدایت حسین صاحب کا نام علمی دنیا میں محتاج تعارف نہیں، خود ناظرین معارف اُس تذکرہ سے جو بوہار لائبریری کی عربی کتابون کی فہرست کے سلسلہ مین شائع ہوئی تھی، مولانا کے وسعت علم سے واقف ہو چکے ہونگے، اس وقت مولانا متعدد اہم فرائض انجام دے رہے ہین، ان مین تذکرہ رحیمی کی ترتیب اور بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے شعبہ لسانیات کی نظامت بھی ہے، مندرجہ ذیل مضمون مولانا نے اسی سوسائٹی کے رسالہ مین شائع کیا تھا، اس مضمون کی ایک خاص کاپی ہمارے پاس بھی روانہ کی تھی، علم الاطراف پر آج تک کوئی مضمون اردو مین شائع نہین ہوا ہے، اس لیے امید کہ یہ ترجمہ یقیناً دلچسپی سے پڑھا جائے گا،

"معارف"

مسلمانون نے احادیث کے جمع کرنے مین سخت کوشش کی ہے اور اس سلسلہ مین اون کو رُواۃ کی تلاش مین دور دراز ممالک کا سفر بھی کرنا پڑا ہے، کسی راوی کے بیان کو قبول کرنے سے پہلے اس کے زہد و اتقا اور مذہبیت کی تحقیقات کیجاتی تھی، اور اگر اون کے اخلاق یا صداقت کے متعلق ذرا بھی شبہہ پیدا ہوجاتا تو اسے غیر مستند کہکر رد کر دیا جاتا، چنانچہ محدثین سلسلہ اسناد کا اس قدر خیال رکھتے کہ سلسلۂ رُواۃ کی اگر ایک کڑی بھی مشتبہہ نظر آتی تھی تو پوری حدیث غیر مستند سمجھ کر رد کر دیجاتی علامہ سبکی، طبقات الکبریٰ مین لکھتے ہین کہ سفیان الثوریؒ کا قول ہے

کہ اسناد "حدیث کا زیور ہے اور جو شخص اسکی طرف توجہ نہ کرے بڑی بدقسمتی ہے" انہی کا قول ہے کہ "اسناد اسلام کا ہتھیار ہے" عبد اللہ بن مبارک (المتوفی ۱۸۱ھ) کہتے ہیں کہ "علم الاسناد مذہب کا جزء ہے" ایک اور بزرگ کا قول ہے کہ "علمائے اولین علم الاسناد کو ضروری سمجھتے تھے اور ہر محدث کو اسناد یاد رکھنے پڑتے تھے" اسی علم کے ذریعہ ایک شخص کے تبحر کا امتحان لیا جاتا تھا،

امام بخاری (المتوفی ۲۵۶ھ) جو فلکِ حدیث کے آفتاب ہیں، ایک مرتبہ بغداد تشریف لے گئے، وہاں کے محدثین نے امتحاناً ان سے متعدد احادیث کے متعلق سوال کیا اور اس سلسلہ میں انھون نے سلسلۂ رواۃ کو بدل دیا، امام صاحب نے فوراً اس غلطی کو بتا کر صحیح سلسلۂ رواۃ بیان کر دیا، چنانچہ محدثین بغداد نے ان کو سب سے بڑا محدث تسلیم کر لیا، اسناد کے ذریعہ ایک حدیث کی صحت کے متعلق فیصلہ کیا جا سکتا ہے، تاہم ایک مستند کتاب میں کسی خاص حدیث اور اسکے اسناد کی تلاش ایک اہم اور مشکل کام ہے کتب احادیث میں احادیث کی ترتیب کسی اصول پر نہیں ہے، ایک حدیث جو ایک خاص باب میں موجود ہے وہی حدیث دوسرے ایک متضاد باب میں بھی ہوتی ہے، بڑے بڑے محدثین کو بھی یہ مشکلات پیش آئی ہیں، حضرت امام مسلم (المتوفی ۲۶۱ھ) کی موت کا واقعہ اس دعوی کا بین ثبوت ہے،

کسی خاص باب کے ماتحت کسی خاص حدیث کی تلاش کی تکلیف سے بچنے کے لیے علما نے علم الاطراف ایجاد کیا ہے، اس علم کے ذریعہ اگر ہم کو حدیث کا کوئی ٹکڑہ یاد ہے تو اس پوری حدیث کی جگہ ہی معلوم نہیں کر سکتے ہیں بلکہ یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ وہ حدیث کن کن ابواب کے ماتحت لکھی گئی ہے، سب سے پہلے دو آدمیون نے اسکی طرف توجہ کی،

۱۔ الحافظ ابو مسعود ابراہیم بن محمد بن عبید الدمشقی (المتوفی سنہ ۴۰۱ھ)

۲۔ الحافظ ابو محمد خلف بن محمد بن علی بن حمدون الواسطی (المتوفی سنہ ۴۰۱ھ) ان دونون نے صرف صحیحین (مسلم و بخاری) کے اطراف مرتب کئے، اور ان کو اطراف الصحیحین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے

حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ ترتیب و صحت کے لحاظ سے موخرالذکر بزرگ کی تصنیف بہتر ہے، اس موخرالذکر تصنیف کے دو نسخون کا ضمین، ایک پانچ جلدون مین اور دوسرا تین جلدون مین ہے، قاہرہ کی فہرست کتب مین تذکرہ ہے یہ دونون نسخے خاصے قدیم ہین، ان مین سے ایک ۶۰۲ھ اور دوسرا ۷۰۹ھ کا ہے، حاجی خلیفہ نے دو اطراف کا اور ذکر کیا ہے جو اطراف الصحیحین ہی کے نام سے مشہور ہین، ان مین سے ایک کے مصنف الحافظ ابونعیم احمد بن عبد اللہ الاصفہانی (المتوفی ۴۳۰ھ) اور دوسرے کے الحافظ احمد بن علی بن حجر العسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ) ہین،

ابومحمد خلف کی تصنیف کے بعد دوسری مستند کتب احادیث کے اطراف کی ضرورت محسوس کی گئی، چنانچہ محافظ ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی المقدسی القیصری (المتوفی ۵۰۷ھ) نے امام مالک کی موطا کو چھوڑ کر "کتب ستہ" کے اطراف مرتب کئے، لیکن مقدسی کی کتاب مقبول نہ ہوئی، اسلئے کچھ زمانہ بعد الحافظ محمد بن علی بن الحسن الحسینی الدمشقی (المتوفی ۷۶۵ھ) نے مقدسی کی کتاب کی دوبارہ ترتیب، ترمیم، و تصحیح کی، پھر بھی اسکو ہردلعزیزی حاصل نہ ہوسکی، چنانچہ الحافظ ابن عساکر (المتوفی ۵۷۱ھ) نے صحیحین اور موطا کے علاوہ صحاح ستہ کی بقیہ چار کتابون کے اطراف مرتب کئے، انھون نے اپنی کتاب کا نام الاشراف علی معرفۃ الاطراف رکھا، پروفیسر بروکلیمن نے اپنی کتاب متعلق تاریخ ادبیات عرب مین اس کتاب کے نسخون کا تذکرہ کیا ہے، ایک قاہرہ مین ہے اور دوسرا قسطنطنیہ مین، قاہرہ کا نسخہ تین جلدون مین ۶۴۲ھ کا لکھا ہوا ہے،

ابن عساکر کی پیروی کرتے ہوئے ایک اور مصنف عمر بن علی بن الملقن الانصاری (المتوفی ۸۰۴ھ) نے اسی قسم کی ایک الاشراف علی اطراف الکتب لکھی، حافظ سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) نے اسی کتاب مین اضافہ کرکے اس کا نام اطراف الاشراف باشراف الاطراف رکھا،

ابن عساکر کی تصنیف کچھ دنون تک اس موضوع پر مستند سمجھی جاتی تھی، اس کے بعد حافظ مزی (المتوفی ۷۴۲ھ) نے ایک ضخیم و مبسوط کتاب صحاح ستہ، ابوداؤد کی کتاب المراسیل، الترمذی کی

کتاب الشمائل اور النسائی کی کتاب عمل الیوم واللیلہ کے اطراف مین مرتب کی، یہ کتاب ابتک مستند ہے، اس کا نام تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف ہے، پروفیسر بروکلمین نے اس کتاب کے دو نسخون کا تذکرہ کیا ہے، ایک برلن مین ہے جو نامکمل ہے اور دوسرا الجزائر مین، بانکی پور کے کتب خانہ مین بھی اس کا ایک نسخہ چار جلدون مین ہے، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال مین بھی دو جلدون مین اس کا ایک نسخہ موجود ہے،

مقدمہ سے پتہ چلتا ہے کہ مزی نے یہ کتاب ۲۶ برسون کی محنت شاقہ مین لکھی ہے، اس کو بےتک بڑا عزیز اور کثیر الاستعمال ہونے کا فخر حاصل ہے، لیکن چونکہ یہ ایک ضخیم کتاب ہے، اسلئے بعد کے دو مصنفین نے اسکی تلخیص کی ہے، ان مین ایک حافظ ذہبی (المتوفی ۷۴۸ھ) اور دوسرے حافظ محمد بن علی بن الحسن الحسینی الدمشقی (المتوفی ۷۶۵ھ) ہین، ابن حجر العسقلانی نے مزی کی کتاب پر مفید شرح اور حاشیے لکھے ہین، اور ان احادیث کو بھی جمع کر دیا ہے جنکو المزی نے چھوڑ دیا تھا، اس شرح کا نام النکت الظراف علی الاطراف ہے، اس کا ایک نسخہ بانکی پور کے کتب خانہ مین ہے، بانکی پور کی فہرست کتب مین ہے کہ مزی نے خود بہت سی احادیث جمع کی تھین جنکو اس نے اپنی کتاب مین شامل کرنے کی بجائے لواحق الاطراف کے نام سے علحدہ جمع کیا تھا،

ابن حجر العسقلانی نے بھی تین کتابین اس فن پر لکھی ہین، (۱) اتحاف المہرہ باطراف العشرہ، یہ کتاب آٹھ جلدون مین ہے اور صحاح ستہ اور مسانید اربعہ کے اطراف پر مشتمل ہے، (۲) اطراف المسند المعتلی باطراف المسند الحنبلی چونکہ مسند احمد بن محمد بن حنبل (المتوفی ۲۴۱ھ) مین السیوطی کے بیان کے مطابق چالیس ہزار حدیثین ہین، اسلئے ابن حجر العسقلانی نے اس کے لیے علحدہ مستقل اطراف لکھا اور اس حصہ کو اپنی مذکورۂ بالا کتاب سے الگ کر دیا، (۳) اطراف المختارہ، الحافظ محمد بن عبد الوحید المقدسی الحنبلی (المتوفی ۶۴۳ھ) کی مشہور حدیث ہے، ابن حجر نے اس کے اطراف بھی لکھے،

اگرچہ ابن حجر نے تین ضخیم تصانیف اس فن پر لکھی تھین مگر پھر بھی ایک بہتر تصنیف کے لیے میدان

کھلا ہوا تھا، اسی کو پورا کرنے کے لیے عبدالغنی بن اسمٰعیل النابلسی (المتوفی ۱۱۴۳ھ) نے ایک کتاب لکھنا شروع کی، مصنف نے اپنے پیشرؤن کی تصانیف کا مطالعہ کیا، ان کی بہتر ترتیب کی اور غیر ضروری حصص کو ساقط کر دیا، اس نے اس کتاب مین حروف تہجی کے اعتبار سے صرف اس ادمین راوی کا نام دیا جو براہ راست رسول اللہ صلعم سے روایت کرتا ہے، راوی کا نام دیکر اس کے نیچے وہ تمام احادیث درج کر دین جو اس نے بیان کی ہین اور ان ابواب کا حوالہ بھی دیدیا جنمین وہ موجود ہین، اس کتاب کا نام ذخائر المواریث فی الدلالۃ علی مواضع الاحادیث ہے،

یہ کتاب دو ضخیم جلدون مین ہے، پہلی جلد مین ۱۱۴ اوراق ہین اور دوسری مین ۲۲۵ اس کتاب مین النابلسی نے حدیث کی مندرجہ ذیل سات کتابون کے اطراف مرتب کئے ہین،

(۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) سنن ابی داؤد (۴) جامع ترمذی (۵) سنن نسائی (۶) ابن ماجہ (۷) موطا، چونکہ محدثین مین چھٹی کتاب حدیث کے متعلق اختلاف ہے اس لئے مصنف نے دونون متنازع فیہ کتابون کو لے لیا ہے، بعض کا قول ہے، کہ چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ ہے اور بعض کی رائے ہے کہ موطا امام مالک، مصنف نے دونون کے اطراف لکھے ہین، اس نے ان تمام احادیث کے لئے حروف واشارات بھی وضع کئے ہین، بخاری کے لئے خ مسلم کے لئے م، ابوداؤد کے لیے د ترمذی کے لیے ت نسائی کے لیے س، ابن ماجہ کے لیے ہ اور موطا کے لیے ط،

النابلسی نے اپنی کتاب کو ان بابون مین تقسیم کیا ہے، جنمین اصحاب رسول اللہ صلعم کے اسمائے مبارک باعتبار حروف تہجی درج ہین، النابلسی نے اپنی اس کتاب کا ایک نسخہ خود اپنے ہاتھ سے لکھکر کتب خانہ صولتیہ مکہ مکرمہ کو پیش کیا تھا، اسکی ایک نقل کراچی لائی گئی، جس سے میرے دوست مولوی عبداللہ مقیم ہوڑہ نے نقل لی،

النابلسی کی کتاب نے ان تمام مشکلات کو جنسے محدثین متقدمین کو دوچار ہو [illegible]

ایک بڑی حد تک کم کر دیا ہے، لیکن چونکہ کسی حدیث کے نکالنے کے لیے اس کے اولین راوی کا نام جاننا ضروری ہے، اسلیے میرے خیال مین اس سے موجودہ حالات مین بہت کم استفادہ کیا جا سکتا ہے، ان مشکلات کو پیش نظر رکھ کر ایک موجودہ مصنف نے دو کتابین اس موضوع پر لکھی ہین، مشہور مصنف کا نام محمد شریف بن مصطفی التوقادی ہے، ان کتابون مین سے ایک بخاری کے متعلق ہے جو ۱۲۹۶ھ مین مصر مین شائع ہو چکی ہے، اور دوسری مسلم کے متعلق، یہ بھی مصر مین ۱۲۹۸ھ مین چھپ گئی ہے، اول الذکر تصنیف کا نام مفتاح صحیح البخاری اور موخر الذکر کا مفتاح صحیح مسلم ہے، اس نے ان کتابون کو آخری مرتبہ ۱۳۱۲ھ مین مفتاح الصحیحین کے نام سے مرتب کیا اور ۱۳۱۳ھ مین قسطنطنیہ سے شائع کی، مفتاح صحیح البخاری کے ۱۱۰ صفحات ہین اور مفتاح مسلم کے ۷۶، اس کتاب مین لائق مصنف نے بخاری کی تین مشہور شرحون قسطلانی (مطبوعہ مصر ۱۲۹۳ھ) اور عسقلانی (مطبوعہ مصر ۱۳۰۱ھ) اور العینی (مطبوعہ ۱۳۰۹ھ قسطنطنیہ) اور مسلم کی ایک شرح النووی (مطبوعہ ۱۲۹۴ھ مصر) کے صفحات کے حوالے بھی دیئے ہین، مصنف نے احادیث کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا ہے، داہنے جانب کے خانون مین وہ بخاری اور اسکی شرحون کی جلد صفحہ کا حوالہ دیتا ہے، بیچ مین حدیث دیتا ہے، اور بائین جانب ابواب اور ان کے عنوانات کے نمبر ہوتے ہین، ہم بخاری اور مسلم دونون کے مفتاح کا نمونہ ذیل مین درج کرتے ہین۔

ھذا مفتاح صحیح البخاری

قسطلانی ص	قسطلانی ج	عسقلانی ص	عسقلانی ج	عینی ص	عینی جلد	بخاری ص	بخاری ج	الاحادیث النبویہ	[illegible]	اسامی الکتب
۵۳۰	۶	۸۱	۸	۲۱۴	۸	۱۱۷	۵	ائتنا بالمفتاح	۷۹	کتاب المغازی
۴۲۸	۴	۱۶۶	۵	۲۹۲	۶	۱۲۸	۳	ائت المسجد فصل رکعتین	۲۱	کتاب الهبہ

حضر موت

مترجمہ

مولوی شاہ معین الدین احمد ندوی [illegible]

حضر موت جزیرۃ العرب کا اہم صوبہ ہے، انگریزی افسروں نے وہاں کے جغرافی حالات، سیاسی واقعات، تعلیمی و اجتماعی کیفیات اور موجودہ [illegible] حالات [illegible] ہیں، [illegible] حضر موت کے جلیل القدر فاضل [illegible] نے یہاں کے حالات الزہرا میں شائع کیے ہیں ناظرین معارف کی آگاہی کے لیے اس کے ضروری اجزا کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

حدود اربعہ | حضر موت، یمن اور عمان کے بیچ میں سواحل ہند کے مقابل بحر عرب کے ساحل پر [illegible] ہے، خشکی میں یہ قطعہ مشرق میں وادی ہود، مغرب میں یمن یا معبر، جنوب میں بحر عرب، شمال میں [illegible] نجد سے گھرا ہے۔

چشمے اور مزرعے | حضر موت کے رقبہ میں جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے نخلستان ہیں، لیکن تھوڑے سے [illegible] کے علاوہ باقی سب غیر آباد ہیں، البتہ گذشتہ آبادیوں کے نشانات اب بھی جا بجا ملتے ہیں جن سے گذشتہ تمدن اور آبادی کا پتہ چلتا ہے، امتداد زمانہ سے پانی کے قدرتی ذخائر بہت دور ہٹ گئے ہیں جسکی وجہ سے کنوئیں اور چشمے خشک پڑے ہیں، اسی سبب سے شادابی کم، خشکی زیادہ [illegible] اور آباد رقبۂ زمین کی آبادی بھی گھٹ گئی ہے، لیکن ساحلی علاقہ اور بعض وادیوں میں [illegible] زراعت ہوتی ہے۔

پیداوار | یہاں تمباکو کثرت سے ہوتی ہے، غلوں میں گیہوں، جو، [illegible] پیدا [illegible]

علاوہ مختلف قسم کے کھجور، میوہ جات اور سبزیاں بھی ہوتی ہین، ہندوستانی روئی بھی تھوڑی بہت ہوتی ہے،
مغربی اضلاع مین اعلیٰ قسم کا تنباکو نکلتا ہے اور پہاڑون پر مرّ اور لوبان پیدا ہوتی ہے،

حیوانات | مختلف قسم کے جانور جو یمن مین ہوتے ہین، یہان بھی پائے جاتے ہین، اور بہت سے ایسے چرندو پرند جنکا قدیم تاریخون مین تذکرہ ہے اب ناپید ہین، اور ناپید ہوتے جاتے ہین، ان مین ایک خاص جانور جو پہاڑی بکرے اور ہرن کی درمیانی شکل کا ہے قابل ذکر ہے،

بدوی | حضرموت کے پہاڑون مین بہت سے خالص عربی النسل بدوی آباد ہین، لیکن ان مین ہمیشہ کشت وخون کا بازار گرم رہتا ہے عام خشک سالی کی وجہ سے یہان کوئی ایسی با اقتدار حکومت عرصہ تک نہ قائم رہ سکی جو ان کو قابو مین رکھ سکے، اگر کوئی بڑی قوت اٹھتی بھی ہے، تو ذرائع آمدنی کی قلت اسکی مساعدت نہین کرتی، اور معمولی طاقت کے بس مین نہین آتے،

مہرہ | مہرہ حضرموت کے قریب ایک وسیع رقبۂ زمین ہے، جسکا ایک سرا عمان سے ملتا ہے، اگرچہ یہ حضرموت سے الگ ہے لیکن اس کا شمار اسی کے ملحقات مین ہے، یہان کی آبادی ایک لاکھ تیس ہزار نفوس پر مشتمل ہے، اسکی زبان عربی سے علحدہ مستقل ہے لیکن بعض حیثیات سے عربی کے مشابہ ہے، البتہ یہ لکھنے کے کام مین نہین آتی،

آبادی | حضرموت کی آبادی مہرہ کو چھوڑ کر تین لاکھ ہے، اور یہ اجتماعی زندگی کے اعتبار سے تین قسمون پر منقسم ہے،

پہلا طبقہ علوی سادات کا ہے، جو ۳۱۷ھ مین یہان آکر آباد ہوئے، ان کے علاوہ کچھ حضرمی قبائل ہین جو ان مین مل گئے ہین، اسی جماعت مین ارباب علم و فضل اور صاحب اقتدار اشخاص پیدا ہوئے، جنھون نے مدارس، مساجد اور خانقاہین وغیرہ بنوائین اور علم و ارشاد کی روشنی پھیلا کر اصلاحات کین، وراثت اور نکاح کے معاملات انھین کے ہاتھون انجام پاتے ہین،

دوسرا طبقہ زراعت پیشہ، اہل حرفہ اور عاملون کا ہے، یہ لوگ اور پہلا طبقہ باہمی اختلافات اور مقدمات وغیرہ فیصل کرتے ہین،

تیسرا طبقہ مسلح آبادی کا ہے، اور یہی یہان کی بدامنیون اور فتنہ و فساد کے ذمہ دار ہین، اگرچہ ان مین بہت سے سمجھدار لوگ اصلاح کے خواہشمند ہین، لیکن عام مطلق العنانی کے سامنے مصلحین کی نہین چلتی

بعض بڑے قبائل کی چھوٹی شاخین، الگ الگ سردارون کی ماتحتی مین آباد ہین، پھر متعدد قبائل کا ایک رئیس اعلیٰ ہوتا ہے، ان مین ہمیشہ آپس مین ہنگامہ آرائی رہتی ہے، لیکن یہ بڑی خوبی ہے، کہ غیر کے مقابلہ مین سب متحد ہو جاتے ہین،

نکاح اور وراثت کے علاوہ تمام مقدمات ان کے خاص رسم ورواج کے مطابق فیصل ہوتے ہین، جو قانون کی شکل مین لوگون کو حفظ ہین،

زبان | حضرموت کی عام زبان عربی ہے لیکن عرب کے دوسرے صوبون کی طرح بگڑی ہوئی مگر نجد وین سے فصیح ہے، اور ہر شہر کی ایک خاص بولی ہے جسکا لب ولہجہ دوسرے سے ممتاز ہے، یہان کی عامی زبان مین بہت سے الفاظ ایسے ہین، جنکا لغت مین کہین پتہ نہین، لیکن ہین سب عربی وزان پر اور اسی قاعدہ سے بولے جاتے ہین، تاہم یہ زبان فصاحت سے گری نہین ہے،

علوم وفنون | یہان کی عام زوال پذیر حالت کی وجہ سے علوم وفنون کا چرچا کم تھا، لیکن چند برسون سے سادات مین کچھ ترقی کی امنگ پیدا ہو چلی ہے، اور انھون نے جابجا مدارس کھول کر اشاعت تعلیم کی طرف قدم بڑھایا ہے، جس مین خاطر خواہ کامیابی بھی ہو رہی ہے، لیکن ابھی اس سے بہت زیادہ جد وجہد کی ضرورت ہے، فی الحال ان مدارس مین نحو، فقہ، اور بقدر ضرورت تفسیر و حدیث سے زیادہ تعلیم نہین ہے، اگرچہ اس وقت بھی یہان علماء، ادبا، اور شعراء کی کمی نہین ہے لیکن ابھی تعلیم کے بہت سے مراحل باقی ہین،

ان لوگون کو لاکر فوج مین بھرتی کیا تھا، ان لوگون کو حضرموت کچھ ایسا بھایا کہ پھر وطن واپس نہ گئے، بلکہ اپنے قبیلے کے اور بہت سے آدمی بلا لئے، اور ان کی ایک چھوٹی سی بستی آباد ہو گئی، اور آہستہ آہستہ اپنی قوت بڑھا کر بہت سے اضلاع پر قابض ہو گئے، رفتہ رفتہ اس قدر زور پکڑ لیا کہ ۱۲۱۹ھ مین آل کثیر کو نکال کر شحر پر قابض ہو گئے، اور ۷۰ سال تک حکومت کرتے رہے، لیکن حکومت کے نشہ مین شریعت کو پس پشت ڈال دیا، اور یہان کے معزز طبقہ علوی سادات اور علما کے ساتھ برا سلوک کرنا شروع کیا، اور ظلم کی کوئی شق نہ اٹھا رکھی، آخرکار لوگون نے عاجز ہو کر آل کثیر کی حمایت سے ان کو نکال دیا،

آل بریک ۱۱۸۵ھ مین آل بریک یافع کی ایک شاخ نے شحر مین قدم جمانا شروع کیا، اور کچھ دنون کے بعد پورا تسلط ہو گیا، اور ۱۲۸۱ھ مین اس سلسلہ کا آخری فرمان روا علی بن ناجی بن بریک تخت نشین ہوا، ۱۲۸۵ھ مین سید اسحق بن عقیل چار سو آدمیون کا دستہ لیکر جدہ سے شحر کی طرف چلا، لیکن سمندر کی طغیانی کی وجہ سے ساحل تک نہ پہنچ سکا، اسلیے اسی کے قریب ایک مقام پر اتر گیا، وہان آل بریک سے مقابلہ ہوا، لیکن شکست کھا کر بھاگا، اور طغیانی فرو ہونے کے بعد پھر شحر کے قریب اترا، کچھ اور لوگ بھی اسکی مدد پر تیار ہو گئے، لیکن سادی یافعی نقیب مکلا نے سب کو مار کر بھگا دیا، اور سید اسحق ناکام واپس ہوا، بالآخر ۱۲۸۳ھ مین سلطان غالب بن محسن کثیری نے بزور شمشیر نکال کر باہر کیا، اور ۸۸ سال حکومت کرنے کے بعد آل بریک کا شحر سے خاتمہ ہو گیا،

سلطان غالب سلطان غالب اس استیلا کے پہلے، حیدرآباد دکن مین فوجی عہدہ پر ممتاز تھا، نواب خطاب تھا، شجاعت و بہادری اور حسن اخلاق کے زیور سے آراستہ تھا، وہان اس نے بڑی دولت کمائی، اسی دولت کے زور سے اس نے آل بریک کو شحر سے بے دخل کیا،

قعیطی خاندان کی حکومت حاجی عمر بن عوض قعیطی یافع کا ایک شخص تھا، اور حضرمی امرا مین اس کا شمار تھا، عرصہ تک حیدرآباد مین رہا، ۱۲۸۳ھ مین اس نے شحر مین قعیطی حکومت کی بنیاد ڈالی، جسکی ابتدا اسطرح

ہوئی، سلطان غالب کے عہد میں جو یافعی حضرموت سے نکال دیئے گئے تھے، ان کو پھر اس نے حضرموت کے آس پاس کے باقی ماندہ مقامات میں بلاکر آباد کیا اور انکی قدر افزائی اور اعزاز و اکرام میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، اس حسن سلوک سے بہت سے یافعی آکر دوبارہ بس گئے، اور زور پکڑنے کے بعد ۱۲۶۳ھ میں شبام پر قبضہ کر لیا، حاجی عمر کے تین لڑکے تھے عوض، صالح، اور عبداللہ اور یہ سب اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے تھے، جاہ و ثروت اور اثر و اقتدار کے اعتبار سے بھی ممتاز تھے، حضرموت کے روحانی پیشوا آل کثیر کی بعض نازیبا حرکتوں کی وجہ سے ان کے مخالف ہو رہے تھے اور ان کے مخالفین کی امداد پر تیار رہتے، چنانچہ انھوں نے امیر عوض کی امداد سے حضرموت کے کنارہ کنارہ کا پورا علاقہ مہرہ کے مشرقی سمت سے لیکر وادی تجہ تک لے لیا

سنہ ۱۲۸۴ھ میں امیر موصوف نے ایک لشکر جرار لیکر جس میں ہندوستانی بھی شامل تھے، شحر پر حملہ کرکے آل کثیر کی حکومت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا، اس تاریخ سے یافعی حکومت کا نیا دور شروع ہوا، اور انگریزوں نے امیر عبداللہ سلطان عوض کے بھائی سے خط و کتابت شروع کی، اس وقت سے حکومت کا رقبہ برابر بڑھتا گیا تاآنکہ سنہ ۱۳۱۲ھ میں حجریہ بھی قبضہ ہو گیا اور ہر طرح سے حکومت مضبوط و مستحکم ہو گئی، سنہ ۱۳۲۸ھ میں سلطان عوض نے وفات پائی، اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان غالب اس کا جانشین ہوا، اور اپنے باپ کے نقش قدم پر چلتا رہا،

موجودہ حکومت سلطان عوض کا لڑکا عمر حضرموت کا موجودہ حکمران ہے، اور دوعن، قطن، شبام اور ابن دغار کے علاوہ پورا ساحلی علاقہ عین یامعبد تک اس کے ممالک محروسہ میں شامل ہے،

اگرچہ اب حضرموت میں آل کثیر کی حکومت نہیں ہے تاہم ایک معاہدہ کے رو سے وہ تریم سیوون کے حکمران ہیں، یہ دونوں مقام حضرموت کے ممتاز شہروں میں ہیں، اگرچہ آبادی کے اعتبار سے چھوٹے ہیں لیکن جس قدر ہے، اس میں ارباب علم و ثروت زیادہ ہیں،

بہت سے شافری قبائل جو مختلف گروہوں، جماعتوں

قبائل سے مرکب ہین، علٰحدہ علٰحدہ اپنے اپنے حصہ وادین آباد ہین اگرچہ یہ موجودہ حکومت کے ماتحت نہین ہین تاہم اسی سے ملحق سمجھے جاتے ہین۔

ان آبادیون اور شہرون کے علاوہ حضرموت کے ایک وسیع رقبۂ زمین مین جو بہت کم حیثیت ہے کسی کی حکومت نہین ہے بلکہ ہر ہر ٹکڑے کا ایک ایک رئیس ہے،

آثار قدیمہ | چونکہ حضرموت پر تمدن کے مختلف دور گذر چکے ہین، اسلیے وہان بہت سے آثار قدیمہ پائے جاتے ہین، جنسے وہان کی تاریخ پر تاریخی کتابون سے زیادہ روشنی پڑتی ہے، چنانچہ چند برسون سے حمیر کے قبرستان مین سیلاب کی وجہ سے سونے چاندی، پتھر اور بیش قیمت جواہرات کے بہت سے اہم آثار قدیمہ نکلے ہین، لیکن افسوس یہ گرانقدر یادگارین بہت سستے دامون عدن اور ہندوستان مین فروخت ہوگئین، اور بہت سے سونے چاندی کے سکّے زیورات اور بیت عربون نے پگھلا ڈالے ان کے علاوہ بہت سے سنگی کتبے بھی برآمد ہوئے ہین لیکن ان کے معمے اب تک حل ہو سکے،

حضارمہ اور نقلِ وطن | حضرمیون کی قدیم تاریخون سے انکی سیاحت اور ہجرت پسندی کا بہت قدیم زمانہ سے سراغ ملتا ہے، قبل از اسلام سواحلِ صومال اور شمالی افریقہ ان کے جولانگاہ تھے، اور فتوحات اسلامیہ کے بعد عراق، مصر، سوڈان اور اندلس وغیرہ مین پھیلتے رہے، اس سلسلہ مین اشاعتِ اسلام کی گرانقدر خدمات انجام دین، چنانچہ حبشہ، صومال، اور شمالی افریقہ سے لیکر خصوصاً برما، سیام، سماٹرا، جاوہ اور فلپائن اور اس کے قرب وجوار مین کرورون آدمیون نے ان کی کوششون سے اسلام قبول کیا۔ ان مقامات مین حضرمیون کا بڑا اثر تھا،

حضرمی بدو | حضرموت کے بادیہ نشین بدو اپنے تمام اوصاف وخصائل مین عام عربون کے مشابہ ہین، اور جن مقامون مین ان کی کثرت ہے وہان کی حکومت ان پر پوری نگرانی رکھتی ہے، چنانچہ عرصہ تک جاوہ کی حکومت اس بارہ مین پریشان رہی اور آخر مین اس نے اپنے قوانین اور عدل

انصاف کو نظر انداز کر کے ان پر طرح طرح کی سختیاں اور قید و بند عائد کین تا آنکہ مشہور مستشرق ہارگرونجے نے اس مسئلہ کی طرف توجہ کی اور ایک حد تک حکومت کی بدظنی دور کر کے ان دونون مین خوشگوار تعلقات قائم کرائے علامہ شکیب ارسلان نے حاضر العالم الاسلامی کے ذیل مین اس پر کچھ روشنی ڈالی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ

"حکومت ہالینڈ جاوہ مین حضارمہ کے مسئلہ کو بہت اذیت دیتی ہے" اور اس طرف پوری توجہ صرف کرتی ہے اسکو ان کی آمد و رفت سے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ مبادا یہ لوگ دعوت اسلام کا سلسلہ نہ شروع کر دین اور وہان کے بھولے باشندون کو بیدار کر کے ایسی چیزون کی طرف نہ متوجہ کر دین جن سے وہ لوگ ابھی تک غافل ہین، چنانچہ اس خطرہ سے بچنے کے لیے اس نے حضرمیون پر طرح طرح کی قیود عائد کر دی ہین، اول تو جاوہ کے داخلہ مین صدہا رکاوٹین پیدا کر دی ہین اور اگر اس پر بھی وہ لوگ آ جاتے ہین تو ان کی نقل و حرکت کی پوری نگرانی ہوتی ہے حتی کہ ان حضرمیون سے بھی جو عرصہ دراز سے وہان کے مستقل باشندے ہو گئے ہین، حکومت مطمئن نہین ہے، اور یہ لوگ بھی انکی نگاہ مین کھٹکتے رہتے ہین کہ کہین وہان کی سادہ مزاج مسلم آبادی کو بیدار کر کے ہالینڈ کی استعماریت کو خطرہ مین نہ ڈال دین، اور آئندہ اسکو دشواریون کا سامنا کرنا پڑے، چنانچہ ان کو بھی ایسی سخت بندشون مین جکڑ دیا ہے کہ ان کی زندگی تلخ ہو گئی ہے تاکہ کسی طرح سے پھر یہ لوگ اپنے اپنے وطن واپس چلے جائین[1]

پروفیسر ہارگرونجے اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہین کہ:-

"حضارمہ پر قیود عاید کرنا سرے سے عدل و انصاف کے منافی نہ تھا، اسکے چند در چند اسباب تھے، لیکن حکومت انکی طرف متوجہ نہ ہوئی، اور چند شرائط کیساتھ ان کو داخلہ کی اجازت دیدی، جسکی رو سے یہ آسانی سے قیام کر سکتے تھے لیکن اجازت کے بعد انکی نقل و حرکت کی نگرانی مین ایسی سختی برتی جو ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئی، اور جو لوگ اس پر مامور تھے ان کی سیاست مختلف تھی اور اسی پر حضارمہ کیساتھ سختی و نرمی کا دارومدار تھا اور اب وہ اس حد تک پہنچ گئی کہ عربون کا امن و امان خطرہ مین پڑ گیا ہے"

[1] ج ۱ ص ۱۶۷

غالب وصہبائی کے خطوط

از
مولوی ضیاء الدین احمد صاحب برنی بی اے بمبئی

گذشتہ دسمبر میں دہلی کے زمانۂ قیام میں بعض کتابون کی تلاش کے سلسلے میں مجھے مولوی سید منور الدین صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا جو مرحوم خان بہادر شمس العلما مولوی ضیاء الدین خان صاحب ایل ایل ڈی کے صاحبزادے ہین، یہ صاحب کئی عالم سے اپنے والد ماجد کے نقش ثانی کہے جا سکتے ہین، خود بھی اہل قلم ہین اور صحیح مذہبی خیالات رکھتے ہین، اگرچہ انھین عام علما کی طرح اپنے علم کا ذرا بھی دعوا نہین انکے والد ماجد اپنے زمانہ کے زبردست مستشرق تھے اور ریاضی کی جملہ فروع مین یکتا ئے زمانہ تھے، ان کی عربی کی قابلیت کا اہل عرب پر بھی سکہ بیٹھا ہوا تھا، انکی اعلیٰ علمی فضیلت ہی کا نتیجہ تھا کہ ایڈنبرہ کی یونیورسٹی نے انھین ایل ایل ڈی کی ڈگری عطا کی جو صرف نامور ادیبون اور بہترین انشاپردازون کو دی جاتی ہے، مرحوم نہ صرف صاحب تصنیف تھے بلکہ اعلیٰ درجہ کی لائبریری بھی رکھتے تھے جس سے کسی حد تک ان کے علمی ذوق کا اندازہ ہو سکتا ہے، وہ لائبریری اب سید منور الدین صاحب کے تصرف مین ہے، اگرچہ مرورِ زمانہ سے بہت سی نایاب کتابین ضائع ہو گئی ہین، تاہم جو کچھ رہ گئی ہین، سید صاحب حتی الامکان نہایت احتیاط سے ان کی حفاظت کر رہے ہین، ان مین سے ایک کتاب "کلیات صائب" ہے جس کے متعلق یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ وہ صائب ہی کے قلم کا نتیجہ ہے اسلیے کہ اس مین شاعر نے بعض اشعار قلمزد کر کے ان کی بجائے نئے اشعار حاشیہ پر تحریر کئے ہین، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی نادر قلمی کتابین ہین، سید صاحب کے پاس دہلی سوسائٹی کی شائع کردہ اردو کی کتابین بھی موجود ہین اور چونکہ اردو نثریات کی تاریخ مین وہ نمایان

حیثیت رکھتی ہین، اسلیے ان کا خیال ہے کہ اگر ملک کی لائبریریان انھین خرید لین اور اس طرح سے انھین محفوظ کر دین تو یہ اردو کی بہت بڑی ادبی خدمت ہوگی، مزید بران انھون نے نہایت محنت سے اپنے والد مرحوم کی باقی ماندہ کتابون کی فہرست بھی مرتب کر لی ہے اور جو صاحب انھین خریدنا چاہین انھین اس فہرست سے ایک گونہ امداد ملے گی، اس کے علاوہ سید صاحب کے پاس مشہور انشا پردازون اور فضلا کے خطوط کا بہت معقول ذخیرہ بھی موجود ہے، واقعہ یہ ہے کہ مولوی صاحب مرحوم اپنے زمانہ کے اکثر علما کے ساتھ خط وکتابت رکھتے تھے یہ مجموعہ اگر چھپ گیا تو انشا و ادب کا بہت قیمتی سرمایہ ثابت ہوگا، ان خطوط کو ابھی تک ترتیب نہین دیا گیا ہے لیکن جب انھین مرتب کیا جائے گا تو یقین ہے کہ ایسے ایسے خطوط نکلتے رہین گے جو مشاہیر زمانہ کے حالاتِ زندگی اور بہت سے ادبی مسائل پر حاوی ہونگے، خود مولوی صاحب کے خطوط کا مجموعہ ادبی حیثیت سے ایک نعمت ثابت ہوگا، سید صاحب نے میرے اس مشورہ کو قبول کر لیا ہے کہ جب وہ اپنے سلسلۂ کتب یعنی تدوینِ فقہ کے اہم کام سے فراغت پالین گے، تو اس وقت اس نایاب ذخیرہ کی جانب اپنی توجہ مبذول کرینگے۔

اتفاق سے اس ذخیرہ مین سرسری تلاش کے بعد غالب کے دو خطوط نکل آئے ہین جو غالباً "اردوئے معلّٰی" کے مروجہ ایڈیشن مین درج نہین ہین، اسطرح سے خدا جانے اور کتنے خطوط ہونگے جو اس مین درج ہونے سے رہ گئے ہین، بہرحال یہ اصلی خطوط ہین جو غالب کی مہر کے ساتھ محفوظ ہین جو ان کی صحت کا بہترین ثبوت ہے، مجھے امید ہے کہ نہ صرف غالب کے پرستار ان خطوط کا دلچسپی سے مطالعہ کرینگے بلکہ وہ لوگ بھی جو غالب کے معاملہ مین غلو نہین رکھتے ان کے مطالعہ سے یکسان مستفید ہونگے۔ علاوہ ازین صہبائی مرحوم کا بھی ایک خط دستیاب ہوا ہے جسے مین تبرکاً پیش کرتا ہون، اس وقت غالب کا صرف ایک خط پیش کیا جاتا ہے اور

دوسرا خط بعد کو ہدیۂ ناظرین کیا جائے گا، میرے خیال میں یہ اور اس قسم کے دوسرے خطوط و تحریرات قومی سرمایہ ہیں اور ہمارا فرض ہے کہ جہانتک ہو سکے ہم اصل مسودات کو قائم و برقرار رکھیں، اس تمہید کے ساتھ میں غالب اور صہبائی کے خطوط ناظرینِ "معارف" کے روبرو پیش کرنے کی عزت چاہتا ہون،

(ضیاء الدین احمد برنی)

غالب کا خط

مولوی صاحب جمیل المناقب جناب مولوی ضیاء الدین خان صاحب کی خدمت میں

بعد سلام عرض کیا جاتا ہے کہ مین عالم نہین مگر شرف علم اور فضیلت علما میرے دلنشین ہے، اور علم کو زبان عربی مین منحصر جانتا ہون، اللہ اللہ علم عربی کی وسعت! صرف و نحو، منطق، فلسفہ، تفسیر، حدیث، فقہ پانچ سات برس تک آدمی اسکو تحصیل کر سکتا ہے یعنی طب و نجوم و ہیئت و ہندسہ و ریاضی، اور اس کے سوا اور علوم سب عربی زبان مین ہین۔ . . . . فارسی زبان بعد تباہ ہونے یزدجرد کی سلطنت کے مٹتی گئی یہانتک کہ بقدر ایک بولی کے رہ گئی۔ . . . . پارسی[۱] جو مہراسپ کے عہد سے یزدجرد کے عصر تک تھی مفقود بلکہ معدوم ہے، خاطر نشان رہے کہ یہ پارسی زبان جو اب ہند و عرب و عجم مین مروج ہے، واضع اس کے اکابر عرب و عظمائے عجم ہین، ان واضعون نے اس کے قواعد منضبط نہین کئے گویا ان دونون گروہ کے علماء نے بہ اتفاق رائے ہمگر اس کو ضرور نہ جانا، اب جو میان انجو اور عبدالرشید اور ٹیکچند اور آرزو رسائل قواعد فارسی تصنیف کر گئے ہین، اس کے سوا کہ قواعد منضبط عربی پر منطبق کر دیا ہے، اور کیا کمال کیا ہے! بعینہٖ یہی حال اردو کا ہے، واضعون نے قواعد ضبط نہ کئے، اب میان روشن علی جونپوری اور ان کی امثال و نظایر ہزار در ہزار رسالے تالیف کر رہے ہین، خیر یہ جملہ معترضہ

---

[۱] یہ جملہ صاف پڑھا نہین جاتا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چند الفاظ رہ گئے ہین، خط پر کوئی تاریخ درج نہین ہے،

تھا علم فارسی مین کلام ہے۔ اگر متعلم فہم درست اور ذہن رسا رکھتا ہو تو سال بھر مین تحصیل تمام ہے ابوالفضل
و سہ نثر ظہوری، سکندر نامہ و یوسف زلیخا و السلام مع الاکرام، ہان اس زبان کے دقائق و لطائف
جاننے کو طبیعت کا لگاؤ کہ وہ موہبتی ہے اصل محکم اور اس کے بعد رودکی سے لیکر قاآنی تک کا کلام غور سے
دیکھنا۔ عہ یہ شخص ایران کا تھا۔ فاضل تھا۔ اسکی رحلت کو دس بارہ برس ہوئے ہونگے۔

کل جو آپ نے میری زبانی کچھ کلام مجھ سے فرمایا تھا وہ تقریر ناقل کی بدلی ہوئی ہے۔ میرا قول
یہ ہے کہ عربی کے زور سے فارسی کا علم حاصل نہین ہوسکتا اور انتہا اوسکی جو پائی ہے وہ لکھ آیا ہون وہی نظم و
نثر ہے۔ اور علم فارسی کا منشا مناسبت طبع اور مشاہدۂ کلام اہل زبان ہے۔ وہ وہب اور یہ کسب۔
ایک مجلد درفش کاویانی نذر کرتا ہون تخطیۂ اہل فرہنگ و تصحیح لغات کو بجائے خود اور جہان
سے فوائد شروع ہوئے وہان سے ہر فائدہ کو غور سے پڑھو۔ ترکیب کلمات فارسی [illegible] ہون اور جو
تحریر مین لاتا ہون ستم جاہل ہو [illegible] یقین ہے کہ اپنی تنگر [illegible] یا فرہنگ [illegible]
[illegible] ورق مین کاغذ واسطے نشان کے رکھدیا ہے۔

نامہ سیاہ اسد اللہ

امام بخش صہبائی کا خط

مولوی صاحب الطاف نشان مولوی محمد ضیاء الدین صاحب [illegible]

سید یوسف علی صاحب از [illegible] حضرت اجمیر [illegible]
وارد شاہجہان آباد اند و ارادۂ تحصیل [illegible] جا سے گیرد [illegible]
ذریعہ حصول دولت تلمذ [illegible] اگر نظر توجہ بہر حال [illegible]
از زکوۃ دولت کمالے کہ ودیعت [illegible] عقل فعال [illegible]
او دست بہم قبول التماس [illegible] صدائے خدام [illegible]
[illegible]

تو پھر اسے عمر خیام کے نام سے کیون موسوم کیا جائے. یہ ایک ایسا سوال ہے جو میری توجہ مبذول کئے ہوئے ہے،

اچھا تو یہ عمر خیام جو ۱۸۵۹ء سے انگریزی ادبیات مین داخل ہوکر مشہورِ عالم ہوگیا کون تھا؟ مین نے ایران کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے، مین نے ادبیاتِ ایران کے دفاتر کی ورق گردانی کی ہے، مین نے اہل علم ایرانی اصحاب سے اس کے متعلق گفتگو بھی کی ہے، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تاریخِ ایران، وادبیاتِ ایران دونون کے دونون اس شاعر عمر خیام کے حالات سے تقریباً خالی ہین، اس کے حالات زندگی کا بالکل پتہ نہیں، اور جو کچھ ہے بھی وہ تمامتر مشکوک ہے جسے کوئی موجودہ مورخ قبول نہین کرسکتا ہے،

اس کے بعد ڈاکٹر میلر" رفقائے ثلاثہ" کے قصہ کا حوالہ دیکر اور اسی چیز کو عمر خیام کے متعلق قدیم ترین حوالہ بتاکر لکھتے ہین کہ" نظام الملک نے خزانۂ نیشاپور سے عمر خیام کا ۱۲۰۰ مثقال سونا سالانہ مقرر کردیا، اس کے بعد ملک شاہ نے جنتر منتر کی تعمیر مین اس سے مدد لی، اور وہ اس غرض کے لیے ۱۰۷۴ء مین اصفہان بلا لیا گیا"

"جب ایک طالب علم تاریخ ان بیانات کو دیکھے گا تو وہ اس کو ایک دفتر بے معنی سے بہتر خطاب نہ دے گا، ڈی ہربوسٹ کا بیان ہے کہ عمر خیام نیشاپور مین (۵۱۷ھ و ۱۱۲۳ء) مین مرا، لیکن یہ بات بہت واضح ہے کہ نظام اس کے بعد بھی زندہ رہا، کیونکہ وہ عمر کی وفات کو جو نیشاپور مین ہوئی تھی لکھتا ہے، اچھا تو نظام نے اپنی وصیت ۱۰۹۲ء کے ابتدائی مہینون مین لکھی ہوگی کیونکہ وہ اسی سال معزول و شہید ہوا، تو کیا ان حالات مین سوانحِ عمر خیام کی عمارت بالکل بیٹھ نہین جاتی؟ !!!"

بہت ممکن ہے کہ کہا جائے کہ رباعیاتِ عمر خیام کے جو قلمی نسخے موجود ہین وہ اس کے وجود کے بہترین ثبوت ہین، یہ اعتراض صحیح نہین ہے کیونکہ خود ڈاکٹر جرلڈ کا بیان ہے کہ اس کے قلمی نسخے اس قدر کم و خراب ہین کہ مغرب کی فتوحات علمی و عملی کے باوجود یہ چیز شرق سے وہان صحیح شکل وصورت مین نہ پہنچ سکی، چنانچہ نہ تو دفتر وزیر ہند مین اور نہ پیرس کے قومی کتب خانہ مین اس کا کوئی نسخہ موجود ہے، سب سے قدیم ترین نسخہ بوڈلین لائبریری کا ہے لیکن اس مین صرف ۱۵۸ رباعیات ہین، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے ایک نسخہ

مین تکرار کے باوجود صرف ۲۰۶ رباعیات ہین اور اس پر بھی وہ نامکمل ہے، پروفیسر کاول ([illegible]
رباعیات، کے قدیم ترین مطبوعہ نسخہ کا جو ۱۸۳۶ء مین کلکتہ مین شائع ہوا تھا حوالہ دیتے ہین، اس مین ۴۳۸ رباعیان
مشترک تھین اور ۵۰ ایسی تھین جو دوسرے نسخون مین نہین ملتین، یہ [illegible] باتین اس بات کی [illegible] نہین کہ
عمر خیام کی تصنیف کا کوئی مکمل نسخہ دنیا مین موجود نہین ہے، خود مترجم کو اقرار ہے کہ قدیم ترین نسخہ بھی [illegible] کا
لکھا ہوا ہے، اس کے معنی یہ ہوئے کہ مصنف سے ۳۰۰ سال بعد کا، خود مترجم نے نہایت ہی ناقص طریقے سے
استفادہ کیا ہے، اس کے پہلے اڈیشن مین صرف ۷۵ رباعیان تھین، دوسرے مین ۱۱۰ ہوگئین اور تیسرے مین
۱۰۱، اور ان مین سے ہر ایک بات کا علانیہ اعتراف کیا گیا ہے کہ فٹزجیرالڈ نے بعض رباعیان اپنی طرف سے
بنا کر لکھدی ہین، کہ ان کا اصل قلمی نسخہ مین کوئی پتہ نہین، اب سوال یہ ہے کہ ایک ایسی نظم (یا مجموعۂ نظم)
کے متعلق جسکا مصنف ۱۱۲۳ء یا ۱۱۳۲ء مین مرا ہو، جس کے شعر مشرق مین عموماً، اور خود اوسکے وطن ایران
اور اس کے ساتھ ہندوستان مین، ۱۷ وین صدی تک معروف نہ ہوں، جس کے اشعار کی تعداد ۲۰۶ سے
۲۰۵۴ تک باختلاف نسخ ہو، جسکا قدیم ترین نسخہ مصنف سے چار سو سال بعد کا ہو، ایک محقق کا کیا خیال ہو سکتا ہے

اگر ایک فارسی دان طالب علم بوڈلین لائبریری کے نسخہ کو بغور ملاحظہ کرے تو اسے نظر آئیگا کہ یہ مجموعہ
حافظ، سعدی، فریدالدین عطار کے منطق (الطیر) وغیرہ کے اشعار لیکر ایک شیرازی کاتب محمود یار بوزگی نے
۱۴۶۰ء مین مرتب کیا تھا، اگر مذہب خیامی ہی کی بنا ڈالنی تھی تو اس کے لیے یک آت ماین [illegible]
[illegible] بہترین کتاب تھی،

سر راس کا جواب

ڈاکٹر راس نے ان الفاظ مین اس کا جواب دیا ہے:-

"ان اصحاب کے لیے جنھون نے اپنی عمر عزیز کو ایک خاص موضوع کے مطالعہ کے لیے وقف کر دیا
ہو، یہ کس قدر افسوسناک ہے کہ ان کو دوبارہ پھر ان مسائل کے متعلق جو متعدد و مسکت شہادتون کے بعد

ثابت ہو چکے ہین، پھر تردیدی بیان دینا پڑے، مین عموماً کسی شخص سے کسی مسئلہ پر بحث کرنا نہین چاہتا
عمر خیام جیسے موضوع کا جو مستقل حیثیت سے فیصل ہو چکا ہے، اور اب اس کے متعلق بحث کی مطلق گنجائش
نہین رہی ہے. تاہم مین ڈاکٹر ملر کے خاص واقعات" کی تردید کر دینا چاہتا ہون جن پر ان کے تمام دعوے
بنیاد ہے،

"رفقائے ثلاثہ" والا افسانہ عرصہ ہوا آخری مرتبہ ایک مہمل و غیر تاریخی حکایت ثابت ہو چکا ہے،
نفس اس نظم یا مجموعۂ نظم کے متعلق جو اعتراضات ہین اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ :-

تاریخی شہادت

۱- عمر خیام تقریباً ۱۱۲۳ء مین مرا، اس کے متعلق ایک ایسے شخص کا بیان موجود ہے، جسنے ۱۱۱۲ء
مین عمر سے ملاقات کی اور پھر ۱۱۳۵ء مین اس کی قبر پر گیا،

۲- ۱۱۷۶ء، ۱۱۹۱ء، ۱۱۹۸ء، ۱۲۲۴ء، ۱۲۳۰ء، اور ۱۲۴۰ء کے مصنفین نے اس کے شاعر ہونیکا
ذکر کیا ہے، عہد مغل کے مشہور مورخ جوینی (۱۲۶۰ء) نے اس کی ایک رباعی بھی نقل کی ہے، ۱۳۴۰ء
کے ایک فارسی بیاض مین اسکی تیرہ رباعیان دی ہوئی ہین،

۳- یہ ایک فطری بات ہے کہ مختلف بیاض مین اشعار وغیرہ کی تعداد مختلف ہو، اور رباعیات
عمر خیام کی ہر دلعزیزی کی اس سے بڑھکر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ دوسرے شعرا کی ہزارون رباعیان
اسکی طرف منسوب کر دی گئی ہین،

۴- یہ دیکھتے ہوئے کہ تیرھوین صدی سے پہلے کے چند ہی فارسی کتابون کے نسخے ہم تک پہنچے
ہین، یہ بھی ایک قدرتی امر تھا، کہ اس کے قدیم نسخے ہم تک نہ پہنچ سکین، فارسی شاعر کے باوا آدم رودکی
کے اشعار و مثنوی بید پا، کے صرف گنتی کے اشعار ہم تک پہنچے ہین،

۵- عمر خیام کی متعدد علمی تصانیف تھین جنمین سے صرف دو مکمل صورت مین ہم تک پہنچی ہین، ان مین

سے ایک جزو مقالہ مین ہے جو فرنچ ترجمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے، اور دوسری اقلیدس کی تعریفون پر اس کا قلمی نسخہ لیڈن مین ہے،

رہا فٹز جیرلڈ کے ترجمہ کا سوال، سو دنیا جانتی ہے کہ اس نے کوئی لفظی ترجمہ نہین کیا، بلکہ بعض جگہ تو ایک سے زیادہ رباعیون کو ملا دیا، اسکے علاوہ مسٹر ہرن ایلن (Heron Allen) نے عمر خیام کی رباعی کا نثر مین ترجمہ کرکے یہ صاف طور سے بتا دیا ہے کہ مسٹر جیرلڈ نے کس رباعی کا کس طرح ترجمہ کیا ہے،

اس کے بعد ڈاکٹر راس نے لائق پروفیسر کو نہایت ہی سنجیدگی سے یہ بتایا ہے کہ رباعی کسی بیاض کو نہین کہتے بلکہ وہ ایک صنف شاعری ہے اور اسی کی جمع رباعیات ہے، اکثر شعراء نے رباعیان لکھی ہین اور ان کی وفات کے بعد وہ جمع کیگئی ہین،

اسی سلسلہ مین یہ بھی بتا دینا چاہیئے کہ یہ کیمبرج کے پروفیسر کاول ہی تھے جو انگلستان کے بہترین وقابلِ فخر مستشرقین مین سے ہین، جنھون نے فٹز جیرلڈ کو عمر خیام سے روشناس کیا، اور اس کے مطالعہ مین اسکی مدد کی، تاہم فٹز جیرلڈ نے بعض مواقع پر فارسی نہین سمجھی، چنانچہ اسکی بعض رباعیان فارسی کا غلط ترجمہ ہین، مثلاً ایک رباعی مین اس نے "صحرا" کے معنی دشت و بیابان کے لیے ہین، اور تنہائی کا مفہوم پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ وہان پر اس سے مقصد دیہات کی کھلی فضا ہے،

کیا ہمارے وہ دوست جو یورپ سے ہر شائع ہونے والی تحریر کو وقیع و صحیح تر سمجھتے ہین ڈاکٹر ملر کے واقعہ سے عبرت حاصل کرین گے،

مسلمانانِ روس

مسلم کرانیکل کلکتہ کا ہفتہ وار اخبار ہے، ایک سال سے بھی کم عرصہ مین اس نے اپنی بلندی معیار، سنجیدگی بیان، صحت رائے، وسعتِ معلومات اور ادبی چاشنی کی وجہ سے ہندوستان کے

انگریزی صحائف مین خاص درجہ حاصل کرلیا ہے، اسی رسالہ کے ۴ فروری کی اشاعت مین مشہور مسلم انگریز خالدہ سلاب نے اڈیٹر کی درخواست پر مسلمانانِ روس کی حالت پر تین حیثیتون سے روشنی ڈالی ہے، یعنی آبادی، تعلیم، تجارت،

آبادی

۱۹۲۰ء مین جو مردم شماری ہوئی تھی اس کے مطابق ریاستہائے متحدہ روس مین مسلمانون کی تعداد ۱۶۸۰۰۰۰۰ ہے، اس کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رکھنی چاہیئے کہ مردم شماری قومی اصول پر کیگئی ہے۔ اس لیے اس مین وہ مسلمان شریک نہین ہین جو قومی حیثیت سے ایک دوسرے مذہب کی اکثریت والی جماعت مین شریک ہین، اسلیے ۱۲ فیصدی کا تناسب جو مجموعی تعداد کے اعتبار سے مسلمانون کو دیا گیا حقیقۃً کم ہے، مندرجہ ذیل اعداد مسلم نسلون کا حال بہتر ظاہر کرتے ہین،

نسل	فیصدی	نسل	فیصدی
تاتار	۳٫۷	کلمک، بریت، یاقوت،	۰٫۴
کرغزی	۳٫۱	ازبک و ترکمان	۲٫۶
بشکر	۱٫۲	چرکس وغیرہ	۰٫۱

میزان ۱۲٫۰

تعلیم

مندرجہ ذیل نقشہ ظاہر کرتا ہے کہ فی ہزار مسلمانون مین کتنے مسلمان تعلیم یافتہ ہین:

نسل	تعداد فی ہزار	نسل	تعداد فی ہزار
تاتار	۱۸۹	بشکر	۹۲
مغل	۱۶۳	چرکس	۵۰
روستائن	۱۴۰	کلمک	۴۲

نسل	تعداد فی ہزار	نسل	تعداد فی ہزار
ترکمان	۵۶	کاربار دین	۲۱
کرغزی	۲۵	"	"

قبل از جنگ کی حالت سے موازنہ کیا جائے تو پتہ چلیگا، کہ تعلیمی حیثیت سے مسلمانون نے خاصی ترقی کی ہے، قبل از جنگ مین موجودہ جمہوریہ تاتار کے علاقہ مین کل ۲۲۰۲ مدرسے تھے، ان مین سے ۱۴۰۸ روسی تھے، ۷۰۵ تاتاری اور ۸۹ دوسری اقوام کے.

اب (جنوری ۱۹۴۰ء) اسی علاقہ مین ۲۰۰۵ صرف ابتدائی مدارس ہین جن مین ۹۴ فیصدی تاتاری ہین، ان مین ۴۰۰۰۰۰ طلبہ پڑھتے ہین، ان کے علاوہ ۲۵۰ مدارس ثانویہ ہین، ان کے طلبہ کی تعداد ۳۴۲۲۴ ہے، ۳۲۶ مدارس سات سال کے بچون کے لیے ہین، اور ان مین ۲۱۹۸۰ طلبہ ہین، مدارس نوبالغ لڑکون کیلئے ہین اور وہ ۵۹۲۷ ہین، ۱۱ مدارس نوجوان کسانون کے لیے ہین، اور ۱۴ مکتب چھوٹے بچون کے لیے ان مین سے ۱۱ تاتاری ہین،

اعلیٰ تعلیم کی حیثیت سے کالجون، اجماعتی مدرسون اور انجمنون مین ۲۹۳۸ تاتاری، ۲۰۶۸۰ روسی اور ۹۰۱ دوسری اقوام کے طلبہ ہین، یہان کے چار جامعون کے طلبہ کی تعداد ۴۶۶۰ ہے. ان کے ساتھ تین سو دیہاتی تعلیمی کمرے ہین، ۶۵۰۰ انجمنین جہالت کو دور کرنے کے لیے ہین، ۴۸۰ کتب خانے اور ۱۲۰ مدارس اساتذہ ہین ان کے علاوہ تھیٹر، بائسکوپ وغیرہ بھی اپنا اشاعتِ تعلیم کا فرض انجام دے رہے ہین،

اس علاقہ مین جو آج وسط الیشیائی جمہوریہ کے نام سے معروف ہے، قبل از جنگ مسلمانون کیلئے تین سو مدارس اور تقریباً تین سو مسلم طلبہ دوسرے مدرسون مین بھی ہونگے، اب ان کی تعداد کا یہ حال ہے؛

مسلم مدارس	۶۷۳	تعداد طلبہ	۴۵۰۰۰
محکمہ تعلیم معاشری کے مدارس	۱۵۹۶	"	۹۱۶۲۱

محکمۂ تعلیم سیاسی	۴۴	تعداد طلبہ	۲۳۷۰
صنعتی مدارس	۲۹	"	۳۴۶۵

جمہوریہ بریت میں تو پہلے ہی سال تعلیم عام کردی گئی اور امید ہے کہ ۳۳-۱۹۳۲ء تک یہ کام مکمل ہو جائیگا، ۲۵-۱۹۲۴ء میں ۵۵ مدارس تھے جبکہ ۲۶-۱۹۲۵ء میں ۲۰۰ ہوئے اور اب ۲۷-۱۹۲۶ء میں ۲۶۲ ہونگے اور ۳۳-۱۹۳۲ء تک ان کی تعداد ۴۰۰ تک پہنچ جائے گی، اس کے علاوہ دو مدارس اساتذہ وغیرہ بھی ہیں،

جنوبی اوستائن میں میزانیہ کی نصف رقم قومی تعلیم پر صرف کیجاتی ہے، عہد زار میں یہاں کل ۸ مدارس تھے اور اب ۱۴۶ ہیں، ان کے علاوہ جاہلون کے لیے ۱۵۰ مرکز قائم کئے گئے ہیں، اس کے علاوہ اہم ترین بات یہ ہے کہ خود اسی زبان میں درسی کتابیں لکھی جارہی ہیں، رہا چرکسی علاقہ سو یہاں بھی کافی تعلیمی ترقی ہوئی ہے،

اخبارات

جمہوریۂ تاتار میں ۱۸ اخبارات ہیں، ان میں سے ۱۳ تاتاری زبان میں ہیں، مرکزی دارالاشاعت جو اخبارات شائع کرتا ہے ان میں مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں:-

۱- یشے، ہفتہ میں ۵ بار تعداد اشاعت تقریباً ۴ ہزار،

۲- اگن شلیار (کسانون کا ہفتہ وار اخبار) " ۸ ہزار،

۳- یش یشے، ہفتہ وار اخبار " ۲۵۰۰ ہزار،

۴- کشش کنبا ابد تشلبار، ماہوار رسالہ " ۳۵۰۰ ہزار،

ان کے علاوہ متعدد مرکزی تاتاری شہروں سے متعدد اخبارات شائع ہوتے ہیں،

ہم یہ بھی بتا دینا چاہتے ہیں کہ تاتاری زبان میں معاشرت، سیاسیات، اقتصادیات، افسانہ وغیرہ پر بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں، اور ادبیات، فنون لطیفہ، علوم، لغات، درسی کتابوں کا بھی بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا ہے،

بالشویک حکومت نے مذہبی معاملات مین ہر شخص کو کامل آزادی دے رکھی ہے، اور پیروان اسلام کو بھی یہ مراعت حاصل ہے،

معارف:- یہ مضمون بالا پر ایک عنوان، اور بڑھانے کے لائق ہے، اور وہ روس کی اسلامی جمہوریتون کا بیان ہے، اڈیٹر معارف کو پہلے سفر جدہ مین جب روسی مسلمان بالشویک سفیر حکیمی سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا، تو ان سے یہ فہرست حاصل کی تھی، اس وقت روس مین حسب ذیل اسلامی جمہوریتین ہین جنکی بنا قومی نسل پر رکھی گئی ہے،

۱- تاتارستان	پایہ تخت	شہر قازان
۲- باشقردستان	"	شہر اوفا
۳- قرغزستان یا قازقستان	"	شہر اورنبرگ
۴- کریمیا	"	شہر سیمفروپل
۵- داغستان	"	شہر ونادی قفقاز
۶- آذربائجان	"	شہر باکو
۷- آجارستان	"	شہر باطوم
۸- اوزبکستان	"	شہر سمرقند
۹- ترکمانستان	"	عشق آباد
۱۰- تاجیکستان	"	خجند
۱۱- خیوا	"	شہر خیوا (خوارزم)

"ن"

اخبار علمیہ

لندن کی تصویری نمائش، ان دنون لندن کے ایک مشہور ہال برلنگٹن مین فلیمی اور بلجین مصورین کے شہ کارون کی نمائش ہورہی ہے، یورپ کی پانچ حکومتون نے اس مین حصہ لیا ہے، ان کے علاوہ امریکہ کے شوقین کروڑپتیون نے بھی اس کو کامیاب بنانے کی کوشش کی ہے، اندازہ کیا گیا ہے کہ ان تصاویر کی مجموعی قیمت ایک کرور پونڈ یعنی تقریباً ۱۴ کرور روپیہ ہوگی، اس مین قرون اولی کی جو تصاویر ہین، وہ مذہبی حول واثرات کو بہت نمایان طریقہ سے ظاہر کرتی ہین،

گھاس کی گھڑی، اخبار ڈیلی میل کے نامہ نگار خصوصی نے اپنے اخبار کو سٹراز برگ سے مطلع کیا ہے کہ مقام لوسلر (ہنوور) کے ایک گھڑی بنانے والے کارل رشرٹ (جرمنی) نے دو سال کی مسلسل محنت کے بعد گھاس کی ایک گھڑی بنائی ہے جس کا نہ صرف چہرہ اور سوئیان گھاس کی ہین، بلکہ اس کا ڈھانچہ گھنٹہ اور تمام دوسرے پرزے بھی اسی کے ہین، گھڑی صحیح وقت دیتی ہے،

اسی سلسلہ مین یہ معلوم کرنا بھی دلچسپ ہوگا کہ اہل جرمنی نے ہاتھ گھڑی کے عوض آستین گھڑی ایجاد کی ہے، وہ کف مین بٹن کی جگہ لگائی جاتی ہے، اگرچہ وہ بہت چھوٹی چیز ہے لیکن وقت نہایت صحت کیساتھ دیتی ہے،

ٹائپ رائٹر اور نقاشی، از نگرام کی مجلس بلدیہ کے ہائی اسکول کے درس تجارت

ٹائپ رائٹر کے ذریعہ تصویر بنا کر اپنی مہارت تامہ کا ثبوت دیا، حال ہی مین اُنکی اس طرح کی بنائی ہوئی مسٹر تلک اور بنگالی شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کی تصاویر رسائل نے شائع کی ہے، ان کا نام مسٹر ایم وی، سبارا ہے، اسی طرح ایک بنگالی نوجوان بابو گوپی ناتھ گھوش نے بھی ٹائپ رائٹر کے ذریعہ تصویر بنانے مین کامیابی حاصل کی ہے،

ارتقار لاسلکی کا ایک اور قدم، اس وقت لاسلکی طریقہ سے تار، ٹیلیفون، تصویر کشی، دستخط وغیرہ کی ایجاد تو ایک واقعی حقیقت ہو چکی ہے، چنانچہ امریکہ و انگلستان سے لاسلکی ٹیلیفون پر گفتگو ہوتی ہے، تصاویر بھیجی جاتی ہین، مگر اب بعض علمائے برقیات نے دعوی کیا ہے کہ وہ اسی سلسلہ مین ایسے آلات ایجاد کرنے مین عنقریب کامیاب ہونے والے ہین، جنکے ذریعہ ایک بولنے والا دوسرے کو دیکھ بھی سکیگا اسطرح ہندوستان کا ایک مجمع پارلیمنٹ کی تقریر ہی نہین سنے گا بلکہ اوس کے ارکان، اور مقررین کی ادا و حرکت کو بھی دیکھ سکے گا،
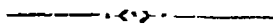
امریکن پولیس کا نیا حربہ، اس وقت تک پولس کے سپاہی کو قیام امن و امان کے لئے ڈنڈون بندوقون، اور پستولون سے کام لینا پڑتا تھا، جنسے اکثر جانون کے تلف ہونے کا افسوس ناک نتیجہ پیدا ہوتا تھا، اس لیے اب ان چیزون کی جگہ ان کو ایک چھوٹا سا بکس اور بم دیا جاتا ہے، اس بکس مین ایک قسم کی گیس ہوتی ہے، جسکے ذریعہ ایک مجمع کو کچھ دیر کے لیے بے بصر کر دیا جا سکتا ہے، اسی طرح ایک فاونٹین پن بھی ایجاد ہوا ہے جس کے اندر اسی قسم کی گیس بھری رہتی ہے اور چور اور ڈاکو کو اس کے ذریعہ بدحواس کر کے فوراً گرفتار کر لیا جا سکتا ہے، اسی قسم کی ایک چھوٹی سی بندوق بھی بنائی گئی ہے، جس کے ذریعہ وہی گیس مجمع پر چھوڑی جا سکتی ہے، اس بندوق سے ایک مرتبہ مین ۲ ہزار کے مجمع کو

ترویج و توسیع مین انتہائی کوشش کر رہی مین لیکن اس کے باوجود وہان بیکارون کی تعداد برابر بڑھ رہی ہو، چنانچہ گذشتہ ماہ مین انکی تعداد ۰۰۰۸۵۹۹۴ تھی، یہ تعداد اپنے ایک ہفتہ ماقبل کی تعداد ۱۱۴۴۷۵۳ اور ایک سال پہلے کی تعداد ۲۴۴۰۹۴۳ زیادہ ہے،

آلۂ جذبات نمائی ایجاد، پروفیسر ، دی، ہل نے رائل انسٹیٹیوٹ کی تقریرون کے سلسلہ مین ایک ایسے آلہ کا تعارف و تجربہ کرایا جو ان مختلف حالتون کو جو اعصاب مین مختلف جذبات کی بنا پر پیدا ہوتی مین صاف ظاہر کرتا ہے.

پروفیسر ہل کا ایک رفیق کار پانی کے پیالون مین ہاتھ ڈال کر بیٹھ گیا، یہ پیالے ایک برقی سلسلہ سے متعلق تھے جو اس آلہ سے جو قوتِ مقاومت کی پیمائش کا ہے ملا ہوا تھا، یہ آلہ ایک پردہ پر ایک خاص قسم کی روشنی ڈالتا ہو، اس رفیقِ کار کی عدم واقفیت مین ایک برقی بلب زمین پر پٹک دیا گیا، یک بیک وہ غیر معمول چونک پڑا اور وہ نقطۂ نور متحرک ہو گیا، پروفیسر ہل کا دعوی ہے کہ اس آلہ کے ذریعہ ہر شخص کے راز معلوم کیے جا سکتے ہین بلکہ ان کا اقرار کرایا جا سکتا ہے،

جہازی یونیورسٹی:- کچھ عرصہ سے امریکہ مین ایک انجمن قائم ہوئی ہو، اس نے یک جامعہ کی بنا ڈالی ہو جو متعلم کی بجائے سفری ہو، اس انجمن کا خیال ہو کہ تعلیم صرف کتابون کے پڑھنے کا نام نہین بلکہ اس مین مشاہداتِ عالم کا ایک عنصر بھی ہونا چاہیئے، چنانچہ اس نے اسی غرض سے ایک بہت بڑا جہاز بنوایا، اس مین دارالاقامہ ہے، درس کے کمرے ہین، تجربہ گاہین، کتب خانہ ہو، اس جہاز کا نام رندم (RINDAM) ہو، یہ جہاز امریکہ سے جاپان، چین، سیام، مشرقی جزائر ہند، سنگاپور اور سیلون ہوتا ہوا گذشتہ ماہ بمبئی پہنچا تھا، اس وقت اس مین ۲۶ اساتذہ ۴۰۰ طلبہ (جنمین لڑکے اور لڑکیان دونون ہین) اور جنکی عمر ۱۸ اور ۲۴ کے درمیان ہو اور ۲۵۰ جہازی ہین، اسی جہاز پر کھیل کا میدان بھی ہو، سب سے بڑھکر

سرودِ شعر

از

پروفیسر محمد اکبر منیر، ملتان گورنمنٹ کالج

"ہمارے دوست اب تک جدید ایرانی شاعر تھے، لیکن وہ اب اس رنگ کو فارسی سے اردو میں منتقل کر رہے ہیں، اور یہ کلام اس کا پہلا نمونہ ہے، موصوف کے فارسی کلام کا مجموعہ "ماہ نو" کے نام سے زیر طبع ہے"

"معارف"

بلبلِ آسمان ہون مین　نغمۂ جاودان ہون مین　مہر ہون کہکشان ہون مین　تیغ جہانستان ہون مین
حسن کا رازدان ہون مین　عشق کی داستان ہون مین　زندگیِ عیان ہون مین　زندگیِ نہان ہون مین

بلبلِ آسمان ہون مین　نغمۂ جاودان ہون مین

ہستیِ کوہسار ہون　مستیِ جوئبار ہون　سینۂ رازدار ہون　دیدۂ غمگسار ہون
پیکِ وفا شعار ہون　خنجرِ آبدار ہون　آتشِ کارزار ہون　موسمِ نوبہار ہون

بلبلِ آسمان ہون مین　نغمۂ جاودان ہون مین

حسن ہے میری آرزو　عشق ہے میری آبرو　آئینہ سا ہے زندگی　دیدۂ دل کے روبرو
بزمِ جہان مین کوبکو　باغ بباغ جوبجو　رہتی ہے اسکی جستجو　رہتی ہے اس کی گفتگو

بلبلِ آسمان ہون مین　نغمۂ جاودان ہون مین

نازکیِ خیال ہون　سادگیِ غزال ہون　آئینۂ جمال ہون　آئینۂ جلال ہون

حسن ہون خط و خال ہون عشق ہون ذوق و حال ہون انجمن وصال ہون دولت لازوال ہون

بلبل آسمان ہون مین نغمۂ جاودان ہون مین

مین ہون جہان دلبری مین ہون نشان سروری بتگری و مصوری حور و فرشتہ و پری

اختر چرخ چنبری جلوۂ مہر خاوری آئینۂ سکندری معجزۂ پیمبری

بلبل آسمان ہون مین نغمۂ جاودان ہون مین

میری نگہ پہ ہے عیان بزم مکان و لامکان فرش و فضائے خاکدان عرش و بساط آسمان

قومون کا ہون مین رازدان قومون کا ہون مین پاسبان مین ہون درائے کاروان مین ہون ندائے جاودان

بلبل آسمان ہون مین نغمۂ جاودان ہون مین

جلوہ ہون نور ذات کا آئینہ ہون صفات کا عکس ہون شش جہات کا نقشہ ہون کائنات کا

تبلۂ ممات کا کشمکش حیات کا باغ کے پات پات کا بزم کی بات بات کا

بلبل آسمان ہون مین نغمۂ جاودان ہون مین

میکدۂ وجود ہون جلوہ گہ شہود ہون بارگہ درود ہون بارگہ سجود ہون

حسن کا تار و پود ہون شعلۂ ہست و بود ہون زندگی کی نمود ہون زندگی کا سرود ہون

بلبل آسمان ہون مین نغمۂ جاودان ہون مین

ڈھونڈے ہے تیری سادگی نقش و نگار زندگی دیکھ کہ ہون مین سربسر آئینہ دار زندگی

میرے نفس کی آگ ہے جنبش تار زندگی مین ہون شرار زندگی مین ہون بہار زندگی

بلبل آسمان ہون مین نغمۂ جاودان ہون مین

کہتے ہین لوگ زندگی ایک عجیب خواب ہے کوئی کہے سراب ہے کوئی کہے حباب ہے

مین کہون آفتاب ہے جام شراب ناب ہے جوئے روان آب ہے پیکر انقلاب ہے

بلبلِ آسمان ہون مین نغمۂ جاودان ہون مین

زندگی ایک جنگ ہے عرصۂ نام و ننگ ہے تو کہے راہِ سنگ ہے تیرہ و تار و تنگ ہے
مین کہون آبِ گنگ ہے جلوۂ رنگ رنگ ہے مرد کو عود و چنگ ہے بزدلون کو نہنگ ہے

بلبلِ آسمان ہون مین نغمۂ جاودان ہون مین

مین ہون پیامِ زندگی تو ہے قیامِ زندگی مین ہون حسامِ زندگی تو ہے نیامِ زندگی
پی مئے جامِ زندگی دیکھ خرامِ زندگی حسن تمامِ زندگی نور دوامِ زندگی

بلبلِ آسمان ہون مین نغمۂ جاودان ہون مین

عارفِ بزمِ راز ہو زندگی کی نمناز ہو حسن ہو جان نواز ہو عشق ہو جان گداز ہو
تازہ ہو دل نیاز ہو عزنوی ہو ایاز ہو قلب نوا طراز ہو دیدۂ پاکباز ہو

بلبلِ آسمان ہون مین نغمۂ جاودان ہون مین

حسرت موہانی

از جناب جمیل صاحب قدوائی. بی اے (علیگ)

اس سردی کے دنون مین حسرت موہانی صاحب کی یاد تعجب انگیز ہے، شاید اسی سے حضرت حسرت مین نئی گرمی پیدا ہو سکے۔

"معارف"

اے وہ کہ ترے سخن نے کی ہے غمازیِ سوزشِ نہانی!
تیری جوئے سخن سے اُبلا سرچشمۂ بادۂ جوانی
پژمردہ رگون مین ہے تری خون اور خون مین گرمیِ روانی

صحرا کو بنا دیا ہے گلزار — اللہ ری تری خون فشانی

تو رمز شناسِ عاشقی ہے، — ہے درد بھری تری کہانی

ہر نقش مین زخمِ دل ہویدا — اللہ ری سوزشِ نہانی

نغمون مین بھی اک تڑپ ہے پیدا — اللہ ری ترانۂ ہنسانی

تیرے ہر شعر مین ہے پنہان — پیغام حیات جاودانی

نالون مین ترے نہ کیون اثر ہو — ہے داغِ جگر کی یہ نشانی

تیری رنگینیون مین پنہان — اندازِ نظیری و فغانی

تیری صناعیون کے آگے — وہم باطل ہے نقشِ مانی

اس ملکِ سخن مین تو ہے یکتا — اردو مین ہے کون تیرا ثانی؟

اس دل کو ترے سخن کی گرمی — ہے ماحصلِ حیات فانی

اربابِ کمال مین تری قدر — افسوس یہ ہے کہ کم سے جانی

ناقدر شناس ہند مین کون — سنتا ترے درد کی کہانی

بے حس ہے ابھی فضائے اردو — ہوگی کبھی تری قدردانی

تو خلد برین کا میہمان ہے — ہوگی وہین تری میہمانی

کیون چپ ہے تو اے بہت ذوق — اے طوطیِ گلشنِ معانی!

پھر روح کو محو ساز کر دے — پھر چھیڑ کوئی نئی کہانی

ہو جائین دلون سے دور صدمے

خاموش فضا مین بھر دے نغمے!

قطعۂ تاریخ وفات شاد عظیم آبادی مرحوم

(از حضرت ارمان شاہ آبادی متعلم نیو کالج پٹنہ)

ارمان صاحب نے ۴۴ شعر کا طویل قطعہ مرثیہ کی صورت مین اس واقعہ پر لکھکر ہم کو بھیجا ہے جس کے لئے افسوس ہے کہ معارف کے صفحات مین گنجائش نہ تھی، مگر تاریخ کا مادہ ارمان صاحب کو ایسا اچھا ہاتھ آیا ہے کہ ہم ناظرین معارف کو اس سے محروم نہین کرسکتے،

ہاے دنیا سے چل بسے! افسوس — خان بہادر علی محمد شاد

حق بجانب ہو گر ہو اس غم مین — ایک ماتم سرا عظیم آباد

بلکہ سارا بہار ہے محزون — کہ یہ ہے اک بہت بڑی افتاد

ہے جو ارمان تجھے بھی شاد کا غم

فقرۂ سال فوت لکھ غم شاد

۱۳۴۶ھ

نفسیات ترغیب

مصنفہ

پروفیسر تاج الدین صاحب اورنگ آباد دکن

کسی انسان کو کسی کام، یا چیز، یا تحریک کیلئے ہم کیونکر آمادہ کرسکتے ہین، اور اسکو ترغیب اور شوق دلا سکتے ہین اسکے نفسیاتی اصول کیا ہین، اس کتاب مین انھین اصول کی تشریح ہے، تجارت، اشتہارات اور تقریر و وعظ مین ہر جگہ ان اصول کی رعایت کی ضرورت ہے اسلئے تجارت کے مشتہرین، واعظین، مدرسین اور وکلا سب کو اس کتاب کی ضرورت ہے، قیمت عہ/

باب التقریظ والانتقاد

نبراس الساری فی اطراف البخاری،

حدیث نبوی کی کتابون مین جامع بخاری کا جو درجہ ہے وہ قرآن پاک کے بعد کسی اسلامی کتاب کو حاصل نہین ہے، صحاح ستہ کی ہر کتاب اپنا ایک خاص موضوع رکھتی ہے، جامع بخاری کا موضوع یہ بتانا ہے کہ ہر حدیث اپنے اندر مختلف احکام، اصول، نکات، اور علمی پہلو رکھتی ہے، اسلیے امام صاحب کو اکثر و بیشتر ایک حدیث کے مختلف اطراف و اجزاء کو متعدد ابواب مین بکھیر دینا پڑا ہے، اس سے دشواری یہ پیدا ہوتی ہے کہ جن لوگون کو حدیث کی ہر روایت پر اور اس کے ہر جز پر یکجا غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، ان کے لیے بخاری شریف کا سرسری مطالعہ کافی نہین ہو سکتا، اور ایک ایک حدیث کے تمام طرق روایت اور اجزاء کے یکجا کرنے مین گھنٹون بلکہ دنون لگ جاتے ہین،

اس لیے ہر زمانہ مین اسکی ضرورت محسوس کیگئی ہے کہ بخاری کے اطراف پر مستقل تصنیفین ہون لیکن قدماء نے بخاری و مسلم دونون کی اطراف صحیحین ایک ساتھ لکھین، حافظ ابو مسعود دمشقی، حافظ ابن حمدون واسطی، حافظ ابو نعیم اصفہانی، اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے صحیحین کی اطراف لکھی تھی، مگر اول تو یہ کتابین خود ناپید و نایاب ہین، دوسرے یہ کہ وہ مستقل بخاری کی اطراف نہین، اس کمی کو ہمارے عہد کے ایک عالم جناب مولانا ابو سعید محمد عبد العزیز صاحب خطیب جامع مسجد گوجرانوالہ (پنجاب) نے پورا کیا ہے، اور نبراس الساری فی اطراف البخاری لکھکر طالبان حدیث کی ایک اہم ضرورت کا علاج کیا ہے، یعنی صحیح بخاری کی ہر روایت کے تمام طرق کو خاص ترتیب کیساتھ یکجا کر دیا ہے جس سے گھنٹون اور دنون کا

کام ملنون مین انجام پانے لگا، اس زمانہ مین جبکہ اس قسم کی محنت اور کاوش کا کام شاذ و نادر ہی ہوتا ہے، مولانائے ممدوح کی یہ محنت اور جانکاہی ہر طرح قابل داد اور تمام اہل علم کے شکریہ کی مستحق ہے،

ہم نے اس کا مطالعہ کیا ہے، اور جابجا سے اس کے حوالون کو ملایا بھی ہے، کہین سے کوئی اختلاف نہین ملا، کتاب کے شروع مین مضمون کے اندر جناب مصنف نے اپنا اصول بھی بتا دیا ہے، اور بعض اصول کو اس اشتہار مین بھی دہرایا ہے جو اس کتاب کے ساتھ ہم کو ملا ہے، سرسری طور پر ان اصول کا ذکر کردینا ضروری ہے،

۱۔ بخاری مین جس قدر حدیثین اس قسم کی ہین جو مفہوم کے اعتبار سے واحد ہین، یا ایک حدیث دوسری حدیث کا شطر (ٹکڑا) یا طرف (جزء) ہے اور اس کا راوی ایک ہی صحابی ہے تو ان سب کو ایک حدیث قرار دیکر اس باب کے ماتحت درج کیا ہے جسمین سب سے پہلے وہ حدیث وارد ہوئی ہے، پھر اسی موقع پر یہ بھی بتادیا ہے کہ فلان فلان ابواب مین یہ حدیث ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ بخاری شریف (غالباً مصحح مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری) اور فتح الباری اور عینی کے صفحات کا حوالہ بھی دیا ہے، پھر جہان جہان اس حدیث پر دوبارہ گذرنا پڑا ہے وہان بتا دیا ہے کہ فلان موقع پر اس حدیث کا حوالہ گذر چکا،

۲۔ مختلف علامات کے ذریعہ سے انھون نے ہر حدیث کے طرق روایت کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، ہر دو طریق کے رواۃ ایک ہون تو صہ شیخ اول کے علاوہ سارے رواۃ ایک ہون تو صص صرف صحابی پر اتفاق ہو تو صہ صحابی اور تابعی پر اتفاق ہو تو صت اور اس سے نیچے بہ ترتیب مت مس سس کی علامتین مقرر ہین،

۳۔ جن تعلیقات کو دوسرے مقامات پر امام صاحب نے موصول بیان کیا ہے، ان کے متعلق ایسے ہی مقام کا حوالہ دیا ہے جس کے الفاظ معلق حدیث کے الفاظ سے زیادہ موافق ہین،

۴۔ جہان کہین متابعات کے مواضع کا ذکر ضروری سمجھا ہے وہان ان کا بھی ذکر کر دیا،

۵۔ کسی حدیث کے حوالہ یا تتبع مین جہان کہین ائمہ و شراح سے کچھ لغزشین ہوئی ہین، ان کو بھی

بتایا گیا ہے اس کے علاوہ اور بھی ضروری اشارات ہیں جن سے طالب حدیث کو بہت کچھ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں،

طباعت اور کتابت کے لحاظ سے بھی یہ کتاب قابل قدر ہے، شاذ و نادر مواقع پر تصحیح و کتابت کی

غلطیاں بھی رہ گئی ہیں، لیکن جناب مصنف نے خود قلم سے ان مواقع کی اصلاح کر دی ہے، صفحہ ۱۵۹ سطر ۲

کے متعلق انھوں نے خود ہی یہ اطلاع بھی کر دی ہے کہ (وقد اشترط عمر) کی بجائے (لان عمر وقت) پڑھنا چاہیئے

اب تک ہمارے سامنے نبراس الساری کا پہلا حصہ ہے جس میں ابتدائے کتاب باب بدء الوحی سے

لیکر باب اتیان الیہود النبی صلعم حین قدم المدینۃ تک کی حدیثوں کا پتہ بتایا گیا ہے، اس حصہ کی قیمت ۴ روپیہ

ہے، دوسرا حصہ ابھی پریس سے باہر نہیں آیا ہے، اسلیے اسکی صحیح قیمت نہیں معلوم لیکن پہلی جلد سے اندازہ کیا

جا سکتا ہے کہ اسکی قیمت بھی ۴ یا ۵ ہوگی، با این ہمہ جو اصحاب اس پہلی جلد کی قیمت کے ساتھ ۲ اور بھیجدینگے

دوسری جلد اسی قیمت پر ان کو ملجائے گی، دوسری جلد کے خریدار کیساتھ ایک رعایت یہ بھی کیگئی ہے کہ جو لوگ ابھی

سے اطلاع دیدینگے کہ چھپ جانے کے بعد ان کے نام وہ بھیج دی جائے ان سے ۸ر اس وقت کی قیمت

سے کم لیا جائے گا،

آخر میں ایک بات ہم کو جناب مصنف سے یہ عرض کرنی ہے، کہ دوسری جلد کے ساتھ، فہرست ابواب

اور غلطنامہ بھی ضروری ہے، امید یہ ہے کہ ذی علم طبقہ میں یہ کتاب نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی

جناب مولانا انور شاہ صاحب مدرس اوّل دار العلوم دیوبند نے اس پر اردو میں تقریظ لکھی ہے، اور وہ

اخبارات میں چھپ گئی ہے، پتہ :- جناب مولانا عبدالعزیز صاحب خطیب جامع مسجد گجرانوالہ

"ج"

نسیم عرفان

ایک زمانہ تھا کہ اردو شاعری صوفیائے کرام کی حقیقت آشنا نواسنجیوں سے معمور تھی، خواجہ میر

مرزا مظہر، میر اثر، شاہ گلشن، شاہ نیاز وغیرہ عرفاء کے کلام سے ہماری زبان فیوض و برکات اور حقائق

وہ جارف سے مالامال ہورہی تھی، پھر کچھ ایسا انقلاب آیا کہ یہ صرف "حسنِ رہگذر" اور عشق سرِ راہ کے عامیانہ جذبات کے لیے رہ گئی، اور اس پورے دور میں حضرت آسیؒ کے سوا کوئی دوسرا عارف سخنور ہماری زبان میں پیدا نہ ہوا

ادھر چند برسوں میں متعدد نوجوان شعرا ابھرے ہیں جنکی زبان سے بھی کبھی کبھی دانستہ یا نادانستہ معرفت و حقیقت کے ترانے بلند ہوتے ہیں، مگر افسوس ہے کہ وہ ان کا قال ہو، حال نہیں، وہ سنی سنائی باتیں ہیں، جانی بوجھی حقیقتیں نہیں، اسلیے وہ اس اثر اور اخلاص سے خالی ہیں، جو ایک صاحبِ باطن کے کمال کا شیوہ ہے،

ابھی حیدرآباد سے، ایک بزرگ کا مختصر مجموعۂ کلام موصول ہوا جسکا نام نسیمِ عرفان ہے، معلوم ہوا کہ ابھی دنیا ان برگزیدہ ہستیوں سے خالی نہیں، بات یہ ہے کہ یہ مقدس ہستیاں، ابنائے زمانہ کے ذرائع شہرت سے نفور ہیں اور پرانا ذوق، و عشقِ کمال مفقود ہے، جسکی بنا پر یہ خزانہ کسی گوشہ میں بھی چھپکر مخفی نہیں رہ سکتا تھا

یہ جناب مولانا عبدالقدیر صاحب متخلص بہ حسرت صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن کی چند اردو اور بعض فارسی غزلوں کا مجموعہ ہے، مولانا ظاہری فضل و کمال کے ساتھ سرمست بادۂ عرفان بھی ہیں، وہ ایک شاعر زبان ہونے کے ساتھ صوفی دل بھی ہیں ان کا قال ان کا حال ہے، گو یہ مجموعہ نہایت مختصر ہے یعنی صرف ۳۰ صفحات پر مشتمل ہے جسمیں ۲۴ غزلیں ہیں، ان غزلوں کی زبان میں ممکن ہے کہ وہ شاعرانہ نکتہ پروری نہ ہو، جو دہلی اور لکھنؤ کی سرزمین کے لیے خاص ہے، نیز وہ شاعرانہ گرفت و حرف گیری سے بھی گو پاک نہ ہو، اور کہیں کہیں خیالات کی بلندی کی بنا پر بڑے بڑے معلق نقطے ملتے ہوں تاہم خیالات کے عمق، جذبات کی بلندی، ادائے تعبیر کی شگفتگی اور سب سے بڑی چیز ذاتی حالیت اور کیفیت اس میں پائی جاتی ہے، نمونہ یہ ہے،

ساقی میں ترے دستِ کرم پر نثار ہوں — اک جام اور دے میں ابھی ہوشیار ہوں

بے بود ہے نمود، عدم ہے مرا وجود — میں چشمِ اعتبار میں محض اعتبار ہوں

مقصد مراد ہی ہے، جو مطلب ہے یار کا — مین اپنے اختیار مین بے اختیار ہون

دریا پکارتا ہے ادھر دیکھ اے حباب — تیرے سے مین تیری طرح بیقرار ہون

اس بیخودی نے کھیل بگاڑا مرا تمام — اے شوقِ وصل تجھ سے بہت شرمسار ہون

نمودِ جنبشِ نوکِ قلم ہین ساری تحریرین — عیان الہام کیا ہین، علمِ ذات کی ہین ساری تفسیرین

تماشاگاہ ہے عالم کسی استادِ کامل کا — یہ ہم تم کیا ہین گویا سینما کی چند تصویرین

خدا پر چھوڑ اپنے نیک و بد کو سب ہین لاحاصل — نہ کام آئینگی تدبیرین، نہ تقریرین نہ تحریرین

مری بود ہی کی نمود ہے، یہ حقیقت اور مجاز مین — مین دکھا کے لاکھون نمائشین ہون نہان سو پردۂ راز مین

نہ شراب مین وہ مزا ملا، نہ کباب مین وہ مزا ملا — بخدا ملا جو مجھے مزا، مرے دل کے سوز و گداز مین

تو کمالِ حسن سے سرفراز، مجھے تیرے عشق سے امتیاز — نہ تیری نظیر ہے ناز مین، نہ میری نظیر نیاز مین

نہ ملین وہ محفلِ قدس مین، نہ بلا مین منزلِ انس مین — کہین چلتے پھرتے نظر پڑین وہ مجھے بھی راہِ حجاز مین

جو نہ ہو اُسی کی نمود ہو، نہ نمودِ اصل وجود ہو — کوئی کیا بتائے کمال ہے جو خیال شعبدہ باز مین

ترے دردِ دل کی کہین دوا، نہ ملیگی حسرتِ مبتلا — تو تڑپ تڑپ کے تمام ہو یونہی نالہائے گداز مین

ہین دفن میرے ساتھ مرے دل کی حسرتین — شکرِ خدا کہ قبر مین تنہا نہین ہون مین

کانون مین بس گئی ہے اک آواز دلنشین — مدت ہوئی مگر اُسے بھولا نہین ہون مین

تقطیع متوسط، لکھائی چھپائی خاصی، قیمت لہ، پتہ: عبدالحق ایڈیٹر اردو انگریزی دواخانہ چادر گھاٹ حیدرآباد دکن

؎ معارف: ۔ "تیرے دل" کا محاورہ غالباً "مری اوقات سے" کی طرح معانی کے قابل ہو گا، روزنامہ زمیندار کے مدیر اذکار و حوادث اسکو نہ پڑھین

مطبوعات جدیدہ

سیرۃ الحسن، یہ جناب مولوی ابو العطا صاحب امجد کی تالیف ہے جسمین اونھون نے حضرت امام حسن علیہ السلام کے مبارک سوانح حیات قلمبند کئے ہین، رسالہ کی ضخامت ۸۰ صفحات کی ہے، ان مین امام ممدوح کے تمام حالات مختلف عنوانون کے تحت مین بیان کیے ہین لیکن افسوس ہے کہ واقعات کی صحت مین بعض مقامات پر زیادہ چھان بین سے کام نہین لیا گیا، مثلاً ابن ملجم کے قتل کا واقعہ یون لکھا گیا ہے، "حضرت حسنؓ نے چاہا کہ قتل نہ کیا جائے بلکہ دیس نکالا دیا (؟) جائے، چنانچہ یہی حکم دیکر سپاہیون کے حوالہ کر دیا، مگر راستہ مین جناب حسین، جعفر اور ایک (؟) حضرت ملگئے جنھون نے ابن ملجم کو سپاہیون سے چھین لیا اور چٹائی کے ٹکڑے اور آگ لاکر سب سے پہلے ابن ملجم کے ایک ایک عضو (؟) کو اس کے جسم سے کاٹ کر علحدہ کیا، ہر ایک عضو کٹنے پر وہ آیت قرآنی پڑھتا اور وہ اف نہ کرتا یہانتک کہ جب زبان پر دست درازی (؟) کی تب وہ رویا۔ . . آخر کار ابن ملجم پر چٹائی کے ٹکڑے اور تیل ڈالکر آگ لگا دی گئی، اور وہ ذرا دیر مین جلکر خاکستر ہو گیا" حالانکہ ابن اثیر اور طبری وغیرہ کا متفقہ بیان ہے کہ وہ حضرت حسنؓ کے حکم سے قتل کر دیا گیا، یہ تفصیلات تمامتر خرافات ہین، البتہ یہ صحیح ہے کہ قتل کے بعد عوام نے جوشِ غضب مین اسکی لاش چٹائی مین لپیٹ کر جلا دی تھی، رسالہ کا کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی ہے، قیمت مع محصول ڈاک ۸؍ پتہ:- مرزا عطاء الرحمن، فتحپوری زیر مرکنٹائیل بینک دہلی،

تحریم الزنا، جناب مولانا خطیب عبد القیوم صاحب میلوشارمی نے یک مختصر رسالہ "تحریم الزنا" مین جرم زنا کی اہمیت، قرآن وحدیث سے اسکی حرمت، اس کے تباہ کن نتائج وعواقب، حدود شرعی، اور اخلاقی وطبی نقطۂ نظر سے اس کے مضر اثرات پر نہایت حسن وخوبی سے بحث کی ہے، حجم ۳۲ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی ہے، جناب مؤلف سے میلوشارم ضلع شمالی ارکاٹ، مدراس کے پتہ سے ۲ ٹکٹ دیکر طلب کیجئے

انا بشر، مسلمانون مین ایک ایسا طبقہ موجود ہے، جو قرآن پاک اور حدیث شریف کی واضح تصریحات کے باوجود آنحضرت صلعم کو بشر کہنا ایک معصیت کبیرہ تصور کرتا ہے، اسی جماعت کو پیش نظر رکھ کر جناب مولوی سید عبدالمجید صاحب نے اس مختصر رسالہ مین آنحضرت صلعم کی بشریت کے متعلق قرآن پاک وحدیث کی تصریحات پیش کی ہین اور ثابت کیا ہے کہ آپ کو بشر کہنا نہ معصیت ہے، اور نہ سوء ادب ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۴ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت ،ر پتہ :- جناب ناظم صاحب دار التصنیف کپورتھلہ

الصرف والنحو، جناب مولانا حکیم سید محمد حنیف صاحب دہلوی کی زندگی کا بیشتر حصہ بچون کی تعلیم و تدریس مین صرف ہوا ہے، اسلیے ان کو بچون کے اصول تعلیم مین خاص دستگاہ حاصل ہوگئی ہے چنانچہ انھون نے پہلے فارسی صرف ونحو پر ایک نہایت کارآمد اور مفید رسالہ خیر المصادر لکھا جس کے متعدد اڈیشن شائع ہوچکے ہین، اب اسی انداز پر عربی صرف ونحو پر زیر تبصرہ رسالہ ان کے قلم سے شائع ہوا ہے، جس مین صرف و نحو کے تمام مسائل نہایت استقصار اور جامعیت سے بچون کی فطرت کو ملحوظ رکھکر ایک خاص اسلوب مین یکجا کر دیے گئے ہین، امید ہے کہ یہ رسالہ بچون کے لیے مفید ثابت ہوگا، حجم مجموعی ۸۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت عمدہ ہے، قیمت قسم اول ۸ر قسم دوم ۵ر پتہ:- جناب منیجر صاحب چشمۂ کامل دہلی،

سرورِ عالم، جناب مولوی سید عبدالمجید صاحب نے مجالس میلاد مین پڑھنے کے لیے ایک رسالہ "سرورِ عالم" کے نام سے تالیف کیا جسمین پہلے بعثت نبوی سے قبل کی دنیا کی مذہبی و اخلاقی حالت بتائی ہے پھر آنحضرت صلعم کے متعلق کتب مقدسہ کی بشارتین ہین، اس کے بعد ظہور قدسی سے وفات تک کے حالات مختصر طور پر بیان کئے گئے ہین، اس کے بعد شمائل نبوی کا ایک باب ہے اور آخر مین "اسلام کی امتیازی خصوصیات" پر مختصر طور پر بحث کیگئی ہے ضخامت ۷۶ صفحے، کاغذ اور کتابت و طباعت عمدہ ہے، قیمت ۱۲ر پتہ:- جناب ناظم صاحب دار التصنیف کپورتھلہ،

شرح قصیدہ بانت سعاد، جناب مولوی ابو المغازی علی الاعلی صاحب فاروقی جونپوری

ندوی، "المولود ۱۳۴۳ھ" نے عرب کے مشہور شاعر کعب بن زہیر کے اس قصیدہ کا تشریحی ترجمہ کرکے شایع کیا ہی جسکو انھون نے اسلام لانے کے بعد صحابۂ کرام کے مجمع مین آنحضرت صلعم کو مخاطب کرکے آپ کی شان مین پڑھا تھا اور انکو اس کے صلہ مین آپنے اپنی ردائے مبارک عنایت فرمائی تھی، رسالہ کے شروع مین شاعر کے مختصر حالات زندگی ہین، پھر قصیدہ اور اس کا ترجمہ مع شرح ہے جس مین مشکل لغات کی تشریح بھی کیگئی ہے، ترجمہ نہایت سلیس اور بامحاورہ ہی، حجم چھوٹی تقطیع پر ۲۳ صفحے، کتابت وطباعت اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت ۶ر پتہ:۔ دائرۂ مطبوعات ملیہ جونپور،

عربی طب، جناب مولوی حکیم شمس الدین احمد صاحب نے مسلم اکاڈمی لکھنؤ کے ایک جلسہ مین عربون کے علم طب پر ایک مختصر خطبہ دیا تھا، جس مین عربون کے علم طب اور یورپ کے اس سے استفادہ پر اجمالی تبصرہ کیا گیا تھا، مسلم اکاڈمی نے اسی خطبہ کو "عربی طب" کے نام سے شائع کیا ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۳ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی ہے، پتہ: مسلم اکاڈمی لکھنؤ،

سفر حجاز، جناب نادر بادشاہ صاحب مرحوم رئیس وانمباڑی مدراس کے سفر حج کے حالات کو "سفر حجاز" کے نام سے شائع کیا گیا ہے، ضخامت ۱۲۱ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی خاصی ہے، قیمت ۸ر پتہ:۔ جناب مولوی خطیب محمد عبدالرشید صاحب نمبر ۸، گوڈون اسٹریٹ، مدراس،

ریلوے مسافر، جناب علی احمد صاحب زاہد جبلپوری نے ریلوے ایکٹ مین سے ضروری معلومات کو عام فہم سلیس اردو مین لکھ کر ایک خاص ترتیب کے ساتھ "ریلوے مسافر" کے نام سے شائع کیا ہے، ریلوے سفر کرنے والے لوگون کے لیے اس کا مطالعہ بہت مفید ہوگا، حجم چھوٹی تقطیع پر ۵۴ صفحے، کاغذ، لکھائی چھپائی معمولی ہے، قیمت ۴ر پتہ:۔ ایس اے احمد اینڈ کمپنی جامع مسجد جبلپور (ممالک متوسط)

لمعات نور، دسمبر ۱۹۲۶ء کے رسالہ مین اردو اشعار کے نئے اور دلچسپ مجموعہ لمعات نور پر جو تبصرہ لکھا گیا تھا اس مین اسکی قیمت ۳ر لکھی گئی تھی، حالانکہ اوسکی اصلی قیمت ۱۰ر ہے، پتہ:۔ حافظ قمرالدین اینڈ سنز تاجران کتب موچی دروازہ لاہور،

"م"

کلیات، مولانا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات،
قطعات کا مجموعہ جو ابتک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستۂ گل،
بوئے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اس میں سب
یکجا کر دیئے گئے ہیں، ۲۰ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت
عمدہ چھپا ہے، قیمت عاً

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ
جسمیں مثنوی صبح امید، قصائد، جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے، وہ
وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور ترکی
طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی
گئی تھیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چھ سالہ
جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ ۱۲ر

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

عربی زبان میں مولانا نے قرآن پاک کی تفسیر کا جو سلسلہ
شروع کیا ہے اس کے حسب ذیل نمبر چھپکر تیار ہیں، یہ تفسیر
بالکل جدید طرز پر لکھی گئی ہے جس کی خاص خصوصیت قرآن پاک
کی باہم آیتوں کا ربط و نظام، اور بعض عجیب حقایق مستورہ
کا تسلی بخش انکشاف ہے،

تفسیر سورہ والذاریات، ۶ر
تفسیر سورہ اللہب، ۴ر
تفسیر سورہ والتین، ۴ر
تفسیر سورہ والکوثر، ۴ر
تفسیر سورہ القیامہ، ۴ر
تفسیر سورہ عبس، ۴ر
تفسیر سورہ والمرسلات، ۴ر

الرای الصحیح فی من ھو الذبیح، عربی میں حضرت اسمٰعیل
کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پر زور رسالہ، جو یہودیوں
عیسائیوں کے اس باب میں ہر قسم کے اعتراضات کو
دفع کر دیا ہے،

اسباق النحو حصہ اول و دوم، [illegible]
[illegible] عربی گرامر، ۲ر [illegible]

[illegible] مولانا کا فارسی دیوان جو صحت
اور خوبی بیان میں اس عہد میں بے نظیر ہے،

تحفۃ الاعراب، عربی کی نحو جدید اردو نظم میں جو
بچوں کے لئے [illegible] گئے،

خرد نامہ منظوم، خاص فارسی زبان میں حضرت سید
کے امثال کا ترجمہ،

دیوان فیض، مشہور ادیب زمانہ مولانا فیض الحسن
صاحب سہارنپوری کے عربی قصائد کا مجموعہ جو بڑی کوشش
سے مولانا حمید الدین صاحب نے فراہم کیا ہے،

مولانا سید سلیمان ندوی،

سیرۃ نبوی حصہ معجزات، قیمت [illegible]

ارض القرآن حصہ اول، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد
[illegible] سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ
طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات
یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیق
سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، قیمت

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن میں سے
مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس

اصحاب، بجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۲۵۱ قیمت، ۱۲

سیرت عائشہؓ، طبع دوم، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات اور اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات ۲۲/

دروس الادب عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم قیمت ۲/

دوسری ریڈر طبع سوم ۴/

رسالہ اہل السنت والجماعہ، فرقہ اہل سنت والجماعہ کے اصولی عقائد کی تحقیق، طبع دوم ۴/

حیات مالک، امام مالک کی سوانح عمری اور موطائے امام مالک پر تبصرہ عہ/

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانان ہند اور خلفائے اسلام کے تعلقات اور سلاطین کے سکون اور کتبون سے ان کا ثبوت ۸/

دنیائے اسلام اور خلافت، موجودہ عہد میں خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کیلئے دنیا کی مسلمان قومیں کیا جدوجہد کر رہی ہیں، مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہیں، قیمت ۲/

خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام، اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانوں اور اسلامی ملکوں کی گذشتہ صدیوں میں کیا کیا خدمتیں انجام دی ہیں، عہ/

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتوں کے جنگی اخلاقی بہادری کے کارنامے طبع سوم، ۴/

اسوۂ بشری، عیسائیوں کا اعتراض تھا کہ مسلمانوں کا خدا قہار و جبار ہے، اس میں اس کا جواب دیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ اسلام میں محبت اور رحمت الٰہی کا کیا درجہ ہے، اور مذہب کس قدر ہمہ تن محبت ہے اور اس باب میں اسلام کی تعلیم کیا ہے؟ قیمت ۸/

لغات جدیدہ پانچ ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ/

خطبات مدراس یعنی سیرۃ نبویؐ کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ لکچر جو گویا آنحضرت صلعم کی تمام پیغمبرانہ زندگی کا خلاصہ ہیں، قیمت عہ/

مولانا عبد السلام ندوی،

اسوۂ صحابہ جلد اول، صحابہؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر، اور قرون اولی کے اسلام کا عملی خاکہ، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے، ضخامت ۴۰۰ صفحے قیمت ۱۲/

ایضاً جلد دوم، صحابہؓ کے سیاسی انتظامی اور علمی کارناموں کی تفصیل ضخامت ۴۵۰، قیمت للعہ/

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ، طبع دوم قیمت ۶/

اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارناموں کا مرقع، عہ/

سیرت عمر بن عبد العزیزؒ، حضرت عمر بن عبد العزیزؒ

مسعود علی ندوی منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۱

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

اپریل ۱۹۲۷ء

قیمت: ۵ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوا

فہرست کتبخانہ تجارتی دارالمصنفین اعظم گڈھ

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم حصہ اوّل جس دوم تقطیع ۲۰×۲۶ حالات نبوی از ولادت تا ختم غزوات قیمت باختلاف کاغذ ... اور للعہ

ایضاً حصہ دوم، کارنامہ نبوی تکمیل شریعت تاریخ احکام وفات اخلاق و شمائل وغیرہ طبع اول قیمت قسم اعلیٰ تقطیع کلان ... ،

ایضاً حصہ دوم، طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد قیمت ... ،

ایضاً حصہ سوم تقطیع کلان قسم اول ... قسم سوم ... ،

الفاروق، حضرت فاروق عظم کی لائف اور طرز حکومت مطبوعہ معارف پریس، قیمت ... ،

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے حالات مطبوعہ معارف پریس، ...

الغزالی، امام غزالی کی سوانحعمری اور ان کا فلسفہ ...

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہ کی سوانحعمری ... اجتہادات اور مسائل، ...

سوانح مولانا روم مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحعمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر ریویو ...

رسائل شبلی مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ قیمت ...

مقالات شبلی مولانا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ ...

شعر العجم حصہ اول، شاعری کی حقیقت۔ فارسی شاعری کا آغاز قدماء کا دور، ... ،

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور، ... ،

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور، ... ،

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو ... ،

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ، ... ،

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر مفصل تنقید، ... ،

موازنۂ انیس و دبیر مرثیہ کی تاریخ اردو میں اصول تنقید اور فصاحت و بلاغت کی تشریح اور میر انیس کی شاعری کا اس معیار سے موازنہ قیمت ... ،

سفرنامہ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس قیمت ... ،

مضامین عالمگیر شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات قیمت باختلاف کاغذ ... ،

علم الکلام مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اس کی عہد بعہد کی ترقیات۔ علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع دوم مطبوعہ معارف پریس قیمت ... ،

الکلام مولانا کی مشہور تصنیف جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے اور ملاحدہ و منکرین کو دلائل سے قائل کیا ہے، طبع سوم مطبوعہ معارف پریس قیمت ... ،

مجلد نوزدہم | ماہ شوال ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۲۷ء | عدد چہارم

مضامین

شذرات

افسوس ہے کہ شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب محقق آثار قدیمہ عجائب خانہ کلکتہ نے گذشتہ ماہ دار فانی کو الوداع کہا، مرحوم بنگال کے ان چند ممتاز اہل علم مین تھے جنپر اس صوبہ کو ناز تھا، معارف کے صفحات بھی ان کے مضامین سے زینت پاتے رہے ہین، ہندوستان کے قلمی کتب خانون، اور نادر علمی جواہر کے گوشہ گوشہ ان کو واقفیت تھی، اور ایشیاٹک سوسائٹی کی طرف سے کتابون کی تلاش مین انھون نے تمام ہندوستان کو چھان ڈالا تھا، چند سال سے عجائب خانہ کلکتہ مین آثار قدیمہ کی تحقیق کا کام ان کے سپرد ہوا تھا، افسوس کہ بنگال کا یہ نامور محقق اس عجائب خانۂ عالم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہوگیا،

ہندوستانی اکاڈمی کا افتتاحی جلسہ صوبہ کے گورنر کے زیر صدارت ۲۹ مارچ ۱۹۲۷ء کو قیصر باغ کی بارہ دری مین منعقد ہوا، وزیر تعلیمات نے ایڈریس پیش کیا، گورنر نے جوابی تقریر کی، اور اکاڈمی کے صدر ڈاکٹر تیج بہادر سپرو نے شکریہ ادا کیا، ہندوستانی اکاڈمی جو دیسی زبانون کی ترقی کے لیے قائم کیگئی ہے، اسکی یہ تمام کاروائی بدیسی زبان مین انجام پائی، جب یہ دیسی زبانین خوشی و مسرت اور افتتاح و شکریہ کے عام مضامین کی وسعت بھی اپنے اندر نہین رکھتین تو ان علوم و فنون کی گنجائش ان مین کیونکر پیدا ہوگی جنکی خدمت کا ہم عزم رکھتے ہین،

ہزاکسلنسی گورنر کی تقریر پڑھکر نہایت تعجب ہوا کہ انھون نے دیسی زبانون کی موجودہ حالت کے متعلق جو خیالات ظاہر کیے ہین، وہ بہت حد تک صحیح ہین، ہندی کے متعلق تو ہمین پوری واقفیت نہین، لیکن اردو مین عام ناولون اور شاعری کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے، ہزاکسلنسی نے سالانہ مستقل تصنیفات کی تعداد کا جو تخمینہ کی ہے، یہ بہت زیادہ ہے، مغربی علوم و فنون کے ترجمہ کو اس اکاڈمی مین دوسرے درجہ کی اہمیت دینے کا جو مشورہ

دیباہے وہ صحیح نہیں، ابھی اردو کے لیے وہ دن بہت دور ہے جب علوم و فنون پر مستقل تصنیفات کا ذخیرہ اس میں آئیگا،

—— <·> ——

اکیڈمی کا باقاعدہ افتتاح بھی ہو چکا، اردو اور ہندی کے جھگڑے کو ہندوستانی کے "عیب پوش لبادہ" میں چھپا بھی لیا گیا لیکن عمل درآمد میں اگر اس اجمال و ابہام کا قائم رہنا مشکل ہے، چنانچہ اردو دان اور ہندی دان اصحاب کا بحیثیت ممبر کے انتخاب اسکی پوری طرح غمازی کر رہا ہے، یہ بھی دیکھنا ہے کہ آئندہ پچاس ہزار روپیہ سالانہ کی تقسیم کی جب نوبت آئے گی تو اس وقت اردو کی قسمت میں کیا آئے گا؟

—— <·:·> ——

فارسی سے ہندوستان کا جو تعلق رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن زوال حکومت کے بعد چونکہ اس ملک سے تمام سیاسی تمدنی اور علمی تعلقات منقطع ہو گئے اسلیے ہندوستان میں وہی قدیم فارسی جو درسی کتابوں میں موجود تھی رہ گئی، اور ملک کا ایک بڑا فارسی دان طبقہ جدید فارسی زبان سے بالکل ناواقف ہے، اس کے ساتھ ہی نہ ہندوستان کو ایران کے علمی خزائن اور جدید تصانیف سے واقفیت ہے اور نہ ایران کو ہندوستان کے علمی ذخائر سے آگاہی،

ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھکر ایران کے ادبا و فضلا نے مختلف اسلامی ممالک سے علمی برادری قائم کرنے کیلئے ایک مجلس جامعۂ معارف کے نام سے قائم کی ہے، اور اب حیدرآباد کے علم دوست اصحاب نے اسی کی شاخ کے طور پر ایک انجمن شعبۂ جامعۂ معارف کے نام سے حیدرآباد میں قائم کی ہے، کہ ہندوستان و ایران کے قدیم علمی تعلقات کے احیا کے ساتھ ہی اس ملک کو فارسی جدید سے بھی آگاہ کیا جائے، اس ہندی شعبہ کے صدر ہمارے مخدوم نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شیروانی ہیں، جو اصحاب مزید معلومات حاصل کرنا چاہیں وہ آقا سید محمد علی صاحب پروفیسر نظام کالج، حیدرآباد دکن سے خط و کتابت کر سکتے ہیں،

—— <·> ——

دائرۃ المعارف حیدرآباد علم و فن پر جو احسانات کر رہا ہے اسکی آخری قسط جمہرۃ البلاغہ ابن درید حماسہ ابن

شجری، سنن کبریٰ للبیہقی اور فارابی کے چند رسائل ہیں، نہایت مسرت ہے کہ دائرہ اپنی ادارت تصحیح بخش اور خوبی و عمدگی میں روز بروز ترقی کر رہا ہے، اگر یہی طرح آگے بڑھتا رہا تو شاید وہ دن دور نہیں جب اہل ہندوستان ان مجبور ہو جائینگے، قابل طبع کتابوں کے انتخاب مین پہلے سے بہت زیادہ حسن مذاق کا اظہار ہو رہا ہے، جمہرہ کی تصحیح میں دائرہ نے بہت کچھ صرف کیا ہے، اور یورپ اور ہندوستان کے کئی فاضلون نے اوسکو دیکھا اور صحیح کیا ہے، اسی طرح شجری کی حما کی اشاعت بھی ادب عربی کی قابل شکر خدمت ہے، لیکن سب سے زیادہ سنن بیہقی کی اشاعت اہل علم کے لیے نوید مسرت ہے حقیقت یہ ہے کہ ہماری ناقدردانی کے باوجود دائرہ جو علمی ذخیرہ منظر عام پر لا رہا ہے، وہ نہ صرف مسلمانون پر بلکہ اسلام پر احسان ہے،

اسی سلسلہ مین یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا کہ ایسے مطبوعہ رسائل اور کتب کی دوبارہ اشاعت جنکے نسخے عام طور سے ملتے ہون دائرہ کے مقصد سے خارج ہونا چاہیئے، فارابی کا جو رسالہ صناعة پہلے چھپا تھا اور اب جو چند رسالے چھپے ہین، یہ مدت ہوئی کہ یورپ مین چھپ چکے ہین، پھر مصر مین بھی انکی نقل رسائل فارابی کے ضمن مین چھپ چکی ہے، اسلئے انتخاب مین پہلے سے اسکی دیکھ بھال کہ یہ چیزین کہین چھپی تو نہین ہین، بہت ضروری ہے، امید کہ اہل دائرہ ہماری اس مخلصانہ گذارش کو کسی نامناسب معنی پر محمول نہ فرمائین گے،

دار المصنفین کی اس سال (۱۹۲۳ء) کی جدید مطبوعات مین پہلی کتاب نفسیات ترغیب شائع ہوئی ہے، دوسری کتاب نٹشے ہوگی، جسمین اس مشہور جرمن حکیم کے سوانح ہین اور اس کے خیالات، مسائل اور تصنیفات پر ریویو اور تبصرہ ہے، اس حکیم کے خیالات نے جرمن قوم پر جو اثر ڈالا ہے، اور جدید فلسفہ کی تاریخ مین اوس کا جو درجہ ہے، اسکے لحاظ سے ضرورت تھی کہ اردو دان جمہور کو اس سے واقفیت کا موقع بہم پہنچایا جائے، یہ کتاب ایک جرمن فاضل گلّے کی کتاب کے انگریزی ترجمہ کا اردو ترجمہ ہے، یہ اردو ترجمہ ہمارے فاضل عزیز مولوی سید مظفر الدین ندوی ایم اے لکچرر ڈھاکہ یونیورسٹی کے قلم کا رہین منت ہے،

مقالات

مسلمان عورتون کے حقوق

خیار و خلع و طلاق و تفریق مین

آج کل کے زیر بحث مسائل مین مسلمان عورتون کے حقوق کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے، اور وقت کی نزاکت اور موسم کی آب و ہوا نے اسکو اور زیادہ اہم بنا دیا ہے، آج جہالت و بیخبری کے سبب سے مسلمان عورتون کو مذہبًا محروم اور قانونًا مظلوم سمجھا جا رہا ہے، اور یہ سمجھانے کی کوشش کیجا رہی ہے کہ عورتون کے لیے اسلام کا قانون حد درجہ تنگ نظر اور سخت گیر ہے، یہ کہتے وقت یہ حضرات اُس حالت اور پوزیشن کو بھول جاتے ہین جسمین یہ جنس لطیف اسلام سے پہلے تھی، اور نہ ان کو وہ آہنی اور طلائی طوق اور زنجیرین نظر آتی ہین جنھین آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے انکی نازک گردنین پھنسی تھین، نہ صرف عرب مین بلکہ تمام دنیا کی قومون مین انکی جو حالت اور کیفیت تھی اسکو سامنے رکھکر اسلام کے قانون کو دیکھو تو بس حقیقت کا سراغ لگ سکیگا،

اس وقت حقوق نسوان کے تمام اطراف اور پہلوؤن سے بحث نہین ہے، بلکہ صرف عورت کے اس حق سے بحث ہے جسکی بنا پر وہ مرد کے ظلم و ستم سے عاجز آ کر اس کے پنجہ سے رہائی پا سکے، ہندو دھرم شاستر کے رو سے یہ قطعی محال ہے کہ زن و شو کا ایک رشتہ یکدفعہ قائم ہو جانے کے بعد پھر کسی طرح وہ منقطع ہو سکے، اسلیے عورت و مرد کے باہمی انتخاب کی انسانی غلطی اگر ہو جائے، تو اسکی تلافی عمر بھر نہین ہو سکتی، یہان تک کہ اگر موت اس رشتہ کا خاتمہ بھی کر دے تب بھی عورت کسی دوسرے مرد کا انتخاب نہین کر سکتی، اور گویا وہ اب بھی مرنے والے کی غلامی سے آزاد نہین ہے، لیکن اب خود ہندو اصلاحات کے نام سے اس قانون کو توڑنے کی فکر کر رہے ہین، عیسائی قانون مین بے وفائی کے جرم اخلاقی کے سوا اور کوئی چیز اس تعلق کا خاتمہ نہین کر سکتی، اور اس پر بھی انجیل کے صحیح حکم کی بنا پر بیوفائی کے

ثبوت کے بعد میان بیوی مین تفریق تو ہو جائیگی مگر دونون مین سے کوئی پھر دوسرا تعلق اختیار نہین کر سکتا،

مگر یہ اتنا سخت قانون تھا کہ عیسائی اس کو برداشت نہ کر سکے، چنانچہ عام طور سے بیوفائی کے ثبوت کی تفریق کے بعد عورت اور مرد دونون کو باہم دوسرے ازدواج کی اجازت دینی پڑی، لیکن اس عیسائی قانون کا سب سے برا پہلو یہ ہے کہ علیحدگی کی خواہشمند عورت اس بات پر مجبور ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے ظالم شوہر سے علیحدہ ہونے کیلئے علانیہ بدکاری کا ارتکاب کرے، اور اگر یہ نہ بھی ہو تو بھی علیحدگی کی خواہش خواہ کسی سبب سے پیدا ہوئی ہو، مگر دونون مجبور ہین کہ وہ علانیہ عدالت مین ایک دوسرے پر بدکاری اور بیوفائی کا الزام لگائین، اور انگلستان مین تو عورت اپنے گناہ کی پاداش مین طلاق پا سکتی ہے، مگر مرد اپنے گناہ کا خمیازہ قانوناً اٹھانے پر مجبور نہین ہے، کیا یہ عورت پر رحم، اور اسکی نسوانی حیثیت کا احترام ہے، کیا ایسی ناموس برباد عورت، پھر کوئی نیا باعزت خاوند پا سکتی ہے،

یورپ نے جب سے تمدن کی زندگی اختیار کی ہے، اس غیر طبعی اور سخت و تنگ قانون کو دور کرنے کے لیے لگاتار کوششون مین مصروف ہے، اور یورپ اور امریکہ کے بعض ملکون نے بدکاری کے علاوہ جنون، حد سے زیادہ شراب خواری اور ظلم کو بھی تفریق و طلاق کے اسباب قرار دیئے ہین، اور بعض ممالک تو اس مین بہت آگے نکل گئے ہین، یعنی تفریط کی ایک سرحد سے نکلکر افراط آزادی کی آخری حد تک پہنچ گئے ہین، چنانچہ امریکہ مین عورت اور مرد دونون کو طلاق کا مساوی حق دے دیا گیا ہے، اور بالشویک روس مین دونون کو یہ اجازت حاصل ہے کہ تھوڑا روپیہ محصول ادا کر کے ایک دوسرے سے ہر وقت طلاق نامہ حاصل کر سکتا ہے، لیکن اس حد تک آزادی انسانی معاشرت کی بربادی کا پیش خیمہ ہے،

یہودی قانون ایک طرف نہایت تنگ اور دوسری طرف نہایت آزاد ہے، اس کے رو سے مرد کو ہر وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ جب چاہے اپنی بیوی کو طلاق دے کر اپنے گھر سے فوراً باہر کر دے لیکن عورت کو کسی مرد سے علیحدہ ہونے کیلئے کوئی شکل نہین بتائی گئی ہے،

اس تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے مذہب، بلکہ قانون نے بھی عورت کے ساتھ کوئی

انصاف نہین برتا ہے، اور اسکی ایک دفعہ کی خود قبول کی ہوئی مصیبت کے علاج سے وہ قطعاً عاجز ہین لیکن دنیا کے آخری ربانی پیغام اور تکمیلی دین نے مذاہب کی ان بے انصافیون کا بھی خاتمہ کر دیا، اور جس طرح مرد کیلئے طلاق کی صورت تجویز کی ہے، عورت کیلئے خیار، خلع اور تفریق کی مختلف صورتین رکھ دین۔

خیار | عموماً نکاح کے جو رکن ہیں فریقین اگر بالغ ہون تو انکی رضامندی شرط ہے۔ اس بنا پر اگر کسی بالغ عورت کا نکاح کوئی ولی اسکی رضامندی کے بغیر کر دے تو وہ اس وقت تک صحیح نہ ہوگا جب تک وہ عورت اپنی رضامندی ظاہر کرے، مگر چونکہ کنواری لڑکیان زبان سے رضامندی کے اظہار مین شرم کرتی ہین، اسلئے ان کی خاموشی ہی رضامندی کے قائم مقام تصور کیگئی ہے، یہ مسئلہ صرف قیاس پر مبنی نہین ہے، بلکہ خود شارع علیہ السلام نے اسکی تصریحات کی ہین، صحیحین مین ہے کہ خنساء بنت خذام ایک صحابیہ تھین جنکا پہلے بھی نکاح ہو چکا تھا، مگر ان کا شوہر یا مر گیا تھا یا طلاق پا چکی تھین، ان کے باپ نے ان کا نکاح انکی رضامندی کے بغیر کر دیا، وہ آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئین، اور واقعہ عرض کیا، آپنے اُن کا نکاح رد کر دیا، اسی طرح کتب سنن مین یہ واقعہ مذکور ہے کہ ایک کنواری لڑکی نے عدالت نبوی مین حاضر ہوکر فریاد کی کہ اس کے باپنے اسکی نارضامندی کے باوجود اس کا نکاح ایک شخص سے کر دیا، آپنے فرمایا کہ اسکو قبول یا عدم قبول کا مختار ہے،

صحیح بخاری مین ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کسی کنواری لڑکی کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے، جب تک اس سے اجازت نہ حاصل کر لیجائے، لوگون نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم، وہ کیسے بولے گی، فرمایا کہ وہ پوچھنے پر چپ رہے، صحیح مسلم مین یہ الفاظ ہین کہ کنواری لڑکی سے اسکی ذات کے معاملہ کی نسبت اجازت حاصل کر لی جائے اور اسکی اجازت اسکی خاموشی ہے،

وہ عورت جس کا ایک دفعہ نکاح ہو چکا ہو چونکہ وہ نسبتہً زیادہ آزاد ہوتی ہے، اس لیے اسکی خاموشی اس کی اجازت کے قائم مقام نہین ہو سکتی، اسکو زبان سے اور الفاظ مین اپنے متعلق اجازت دینی شرط ہے، شارع علیہ السلام نے فرمایا کہ بیوہ اور مطلقہ عورت کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے، جب تک اس کا امر حاصل کر لیا جائے، نیز فرمایا کہ ایک دفعہ جس عورت کا بیاہ ہو چکا ہو وہ اپنے معاملہ مین خود مختار ہے اور

ولی کو اس پر دباؤ کا کوئی حق حاصل نہین ہے؛

البتہ فقہا کی تصریحات کی بنا پر نابالغ لڑکیون کے نکاح کر دینے کا حق جائز ولی کو ہر وقت حاصل ہے؛ اور اس پر حضرت عائشہؓ کے نکاح سے استدلال کیا جاتا ہے، کہ حضرت عائشہؓ چھ برس کی کمسن بچی تھین، اور حضرت ابوبکرؓ نے ان کا نکاح آنحضرت صلعم سے کر دیا،

ایسی نابالغ لڑکیون کا نکاح اگر اون کے ولی کرین، تو کیا لڑکی کو اپنے بلوغ اور سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد اپنے نکاح کے منظور یا نامنظور کر دینے کا اختیار ہے؟ فقہا نے اس مین تفریق کی ہے، اور بیان کیا ہے کہ اگر یہ نکاح باپ نے یا باپ کے نہ ہونے کی صورت مین دادا نے کر دیا ہو تو لڑکی کو بالغ ہونے اور سنِ شعور کو پہنچنے کے بعد اس نکاح کے فسخ کرنے کا مطلق اختیار نہین، اور چار و ناچار اسکو اپنے باپ دادا کے فیصلہ کو جائز قرار دینا پڑیگا لیکن اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے یہ نکاح اپنے اختیار سے کیا ہو تو عین بالغ ہونے اور بلوغ کی علامت ظاہر ہونے کے بعد ہی اپنی ناراضامندی کا اظہار کرنے کا اور نکاح کو فسخ کر دینے کا حق حاصل ہے، اور اگر اس وقت وہ خاموش رہ جائے، یا کوئی ایسی بات کرے جس سے اس معاملہ کے قبول کر لینے کا اشارہ پایا جائے تو پھر یہ حق باقی نہ رہےگا، یہ فقہ حنفی کا مسئلہ ہے، امام مالک کے نزدیک نابالغ لڑکی کے نکاح کا حق باپ کے علاوہ کسی اور ولی کو حاصل نہین ہے، اگر کوئی دوسرا ولی کر دے تو وہ نکاح گو لڑکی کی رضامندی ہی سے کیون نہ ہو، جائز نہ ہوگا، امام شافعی باپ کیساتھ دادا کو بھی یہ حق دیتے ہین

باپ کی ولایت مین نابالغ لڑکی کے نکاح کا جواز عموماً تمام فقہاء کا مسلک ہے، اور ہر عہد مین تمام مسلمانون کا اس پر عمل رہا ہے، لیکن ائمہ سلف مین سے ابوبکر الاصم اور قاضی ابن شبرمہ اس کے عدم جواز کے قائل ہین (مبسوط سرخسی ۴-۲۱۲) اونکا فتوی ہے کہ نابالغ لڑکی کے نکاح کر دینے کا حق باپ کو بھی نہین ہے۔ وہ بلوغ کے بعد اپنی ہی رضامندی سے اپنا نکاح کر سکتی ہے، نابالغ لڑکی کی اجازت حاصل کئے بغیر اوس کے نکاح کے جواز پر عموماً محدثین اور فقہا نے حضرت عائشہؓ کے نکاح سے استدلال کیا ہے، مگر قاضی صاحب اس کو آنحضرت صلعم کی خصوصیات مین قرار دیتے ہین یعنی اسکی عام مسلمان پیروی نہین کر سکتے (نیل الاوطار شوکانی ۶-۲۰) حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ

سے دقیقہ سنج اس پر استدلال کرنا درحقیقت کمزور ہوئیونکہ یہ واقعہ مکہ کا ہی جب اسلام نے قانون کی شکل اختیار نہین کی تھی، اسلئے ممکن ہے کہ یہ آغاز اسلام کی حالت ہو اور اس وقت تک کواری لڑکیون سے اجازت حاصل کر لینے کا حکم نہین دیا گیا تھا[1]

قاضی ابوبکر اصم نے نابالغ لڑکون اور لڑکیون کے عدم جوازِ نکاح پر چند دلیلین قائم کی ہین،

۱- قرآن پاک مین یتیم یعنی بن باپ کے نابالغ لڑکون کے ولیون کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک وہ نکاح کی عمر کو نہ پہنچ جائین، اونکی موروثی جائداد و دولت ان کے سپرد نہ کیجائے، (سورۂ نساء) تو اگر لڑکپن مین ان کی شادی جائز ہو جائے تو اس احتیاط کا جو منشاے الٰہی ہے وہ فوت ہو جائے گا،

۲- نابالغون کے لیے ولی مقرر کرنے کی ضرورت انھین چیزون مین ہے جنکی اُنکو اس صغر سنی کی حالت مین ضرورت ہو، نابالغون کو نکاح کی کوئی ضرورت نہین، اسلیے بذریعہ ولایت کے نکاح ناجائز ہوگا،

۳- ولی کی ولایت نابالغون کے بلوغ کو پہنچنے کے بعد ختم ہو جاتی ہے، اسلئے وہ کسی نابالغ کے لیے کوئی ایسا معاملہ طے نہین کر سکتا جسکا اثر بلوغ کے بعد بھی قائم رہے، اور چونکہ شادی بیاہ تمام عمر کا سودا ہے، اسلیے یہ معاملہ کسی ولی کی ولایت کے تحت مین نہین آسکتا،

۴- شریعت اور فطرت کو نکاح کی مشروعیت سے خاص مقاصد پیش نظر ہین، یعنی بقاے عصمت اور بقاے نسل، اور چونکہ نابالغی کی حالت مین یہ دونون باتین مفقود ہین، اسلیے نکاح درست نہ ہوگا،

گرچہ ابن شبرمہ اور ابوبکر اصم کی یہ رائے جمہور فقہا کے خلاف ہے اور امام سرخسی نے مبسوط مین ان مین سے ہر ایک کا جواب دیدیا ہے اور مسلمانون کے تعامل اور صحابہ و تابعین کے آثار سے اسکا جواز ثابت کیا ہے، بلکہ قرآن مجید کی ایک آیت سے بھی استدلال کیا ہے جسمین اُس مطلقہ لڑکی کی بھی عدت لکھی ہے جو بلوغ کی ماہانہ علامت سے ہنوز محروم ہے، عدت طلاق کو مستلزم ہے اور طلاق کے لیے پہلے نکاح کا ثبوت ضروری ہے، اس سے ثابت ہوا کہ نابالغ لڑکیون کا بھی نکاح ہو سکتا ہے، تاہم ہمنے انکی رائے اور دلیلین اسلیے نقل کر دی ہین تا کہ معلوم ہو کہ چند علماے اسلام اس مسئلہ مین آزادی اور حریت کی اس منزل تک بھی گئے ہین،

[1] جلد ۴ صفحہ ۲۱۲

ہندوستان میں اس مسئلہ میں اصلی دقتیں یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کے معاملہ میں پیش آتی ہیں، کہ باپ نہ ہونے کی وجہ سے اکثر اولیاء اپنے اپنے فائدہ کی غرض سے ایسے نابالغوں کا نکاح اپنی اپنی قابو کی جگہ پر کر دینا چاہتے ہیں، اور اپنی ذاتی منفعت کے مقابلہ میں یتیموں کا فائدہ اور انکی جائداد کی حفاظت کا مسئلہ ان کے پیش نظر نہیں رہتا، یہ واقعہ دنیا کی کوئی نئی حالت نہیں ہے، دنیا ہمیشہ سے خودغرض واقع ہوئی ہے، اسلیے اسلام نے اس مسئلہ پر اپنی پوری توجہ صرف کی ہے، سورہ نساء میں ہے،

وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً (نساء ۱)

اگر تم کو یہ خوف ہو کہ یتیم لڑکیوں کے بارہ میں تم انصاف نہ کر سکوگے تو ان کو چھوڑ کر اور عورتوں سے دو دو تین تین چار چار نکاح کر لو، اور اگر تمکو یہ خوف ہو کہ ان میں بھی عدل نہیں کر سکتے تو صرف ایک

حضرت عائشہؓ اسکی تفسیر میں فرماتی ہیں کہ یہ آیت ان یتیم لڑکیوں کے بارہ میں نازل ہوئی ہے، جن کے پاس جائداد اور دولت ہوتی ہے، اور ان کے ولی نہیں چاہتے کہ وہ کسی اور سے بیاہ کریں، اسلیے وہ ان سے خود نکاح کر لینا چاہتے ہیں، تو فرمایا گیا کہ اگر یہ بدنیتی اور بے انصافی کا خیال تمھارے دل میں ہو تو ان سے تمھارا نکاح کرنا جائز نہیں، یہ حدیث اکثر کتب صحاح و سنن میں موجود ہے قرآن پاک میں دوسری جگہ ہے،

وَیَسْتَفْتُوْنَکَ فِی النِّسَآءِ قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِیْھِنَّ وَمَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فِی الْکِتٰبِ فِیْ یَتٰمَی النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَھُنَّ مَا کُتِبَ لَھُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْکِحُوْھُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْیَتٰمٰی بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِہٖ عَلِیْمًا (نساء ۱۹)

لوگ اے پیغمبر تم سے عورتوں کی نسبت حکم پوچھتے ہیں کہدو کہ اللہ ان کے بارہ اور ان میں سے ان یتیم عورتوں کے بارہ میں جنکی نسبت قرآن میں حکم دیا جا رہا ہے، جنکو تم وہ نہیں دیتے جو ان کےلیے حق لکھا گیا ہے اور چاہتے ہو کہ ان سے نکاح کر لو اور نابالغ لڑکوں کے بارہ میں بھی سوال ہے، تو یہ حکم ہے کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو، اور نیکی کا جو کام تم

انھیں ہدایات کی بنا پر یتیم لڑکیوں کے نکاح کر دینے کا مسئلہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا ہمارے ملک میں

لوگوں نے مجبور رکھا ہے، امام مالک کے نزدیک تو یتیم لڑکوں اور لڑکیوں کے نکاح کا اختیار کسی ولی کو قطعاً حاصل نہیں ہے، امام شافعی کے نزدیک صرف باپ دادا کو، امام ابو حنیفہ کے نزدیک گو ہر درجہ کے تمام اولیا کو یہ حق حاصل ہے لیکن لڑکے اور لڑکیاں جس وقت بالغ ہوں ان کو اپنے نکاح کے توڑ دینے کا پورا حق حاصل ہے۔

حضرت عثمان بن مظعون کی وفات کے بعد ان کی یتیم صاحبزادی کا نکاح ان کے بھائی حضرت قدامہ بن مظعون یعنی لڑکی کے چچا نے اپنی ولایت میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کر دیا، مغیرہ بن شعبہ نے لڑکی کی ماں کو جا کر سمجھایا تو لڑکی نے اس نکاح کے قبول کرنے سے انکار کر دیا، یہ معاملہ دربار رسالت میں پیش ہوا، لڑکی کے چچا یعنی حضرت قدامہؓ نے بہت کچھ کہا کہ بھائی نے یہ لڑکی میرے سپرد کی تھی، اور میں نے بہت کچھ دیکھ بھال کے یہ شادی کی ہے، اور مغیرہ نے صرف مال کا لالچ دلا کر انکار کرا دیا ہے، لیکن آپ نے یہی فرمایا کہ لڑکی یتیم ہے اور اسی کی رضامندی مقدم ہے، اسکی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہ ہوگا، آپ کے الفاظ یہ ہیں:-

هي يتيمة لا تنكح الا باذنها　　　یہ یتیم ہے، اسکی اجازت کے بغیر اسکا نکاح جائز نہ ہوگا،

یہ حدیث مسند احمد اور دارقطنی میں ہے، اور صاحب مجمع الزوائد کا بیان ہے کہ مسند کی اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں، اسی حدیث کی بنا پر امام مالک اور امام شافعی نے اولیا کو یتیموں کے نکاح کا حق نہیں دیا، علمائے احناف کہتے ہیں کہ لڑکی کو بلوغ کے بعد یہ اختیار عطا ہوا، اور اس اختیار کی بنا پر اس نے اس نکاح کو باطل قرار دیا، یہ کہ وہ لڑکی اس وقت بالغ تھی، اسلیے اس کو یہ حق ملا، بہرحال یہ حدیث بن باپ کی نابالغ لڑکیوں کے حق نکاح کو بہت اچھی طرح واضح کرتی ہے، امام مالک و شافعی اور امام ابو حنیفہ کے مسلک میں صرف اسی قدر فرق ہوگا کہ ایسی حالت میں ان دونوں اماموں کے نزدیک سرے سے نکاح منعقد نہ ہوگا، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک وہ منعقد تو ہو جائے گا، مگر بلوغ کے وقت ان کو اپنی نامنظوری اور نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار حاصل رہے گا،

(ناتمام)

پہلوی ادب

از

جناب سید وقار احمد صاحب بی اے، جامعۂ عثمانیہ

فارسی ادب کے تین مشہور دور ہین، ایک قدیم فارسی یا ہخمنشی، دوسرا ساسانی یا درمیانی تیسرا اسلامی یا جدید فارسی،

پہلے اور تیسرے دور کے ادب مین بہت فرق ہے، برخلاف اس کے دوسرے اور تیسرے دور مین بہت کچھ تعلق ہے، تیسرے دور کے ادب کو سمجھنے کے لیے دوسرے دور کے ادب کو اچھی طرح جاننا ضروری ہے،

دوسرے یا درمیانی یادہ زبان جو ساسانی دور مین رائج تھی اسکو پہلوی دور کہتے ہین، پارتھین (اشکانی) کے متعلق یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا وہ ایرانی تھے یا تورانی، بہرحال یہ بات یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ وہ ماد (میڈین) یا اشوری قوم کی طرح اجنبی نہ تھے، ان کا نشو و نما ایران ہی مین ہوا،

قومی داستان مین ان کے بہت ہی کم حالات درج ہین، فردوسی نے اپنے ضخیم شاہنامہ مین ان کو صرف ایک صفحہ دیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ جاہل تھے اور ناقابل یادگار ہین، برخلاف اس کے ساسانی اس بات کا دعوی کرتے ہین کہ انھون نے قوم و مذہب کو پھر زندہ کیا جو سکندر کے حملہ کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گیا تھا،

لفظ پہلوی[1] دراصل پارتھو سے پارتھوی تھا مگر بعد مین پہلوی بنگیا،

پہلوی ادب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس عہد مین سامی الفاظ ایرانی زبان مین شریک و مختلط ہوئے، ہمین پہلوی ادب کے قدیم ترین آثار ابدزوبہر کی داستانون اور اشکانی (اشغانی) اخیر

[1] بعض کا قول ہے کہ پہلوی دراصل بلخوی (بلخی) تھا،

عہدِ حکومت (یعنی تیسری اور چوتھی صدی ق م) کے سکّون مین ملتے ہین، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی عنصر بہت قلیل ہو گیا تھا، اس قدر کہنا کافی ہے کہ پہلوی کی ایک صنف مستعمل تھی جو آرامی حروفِ ہجا مین لکھی جاتی تھی،

کتاباتِ ساسانیہ

حقیقی پہلوی ادب کے قدیم ترین نمونون کا منبع شاہانِ ساسانی کے ابتدائی عہد (یعنی تیسری اور چوتھی صدی مسیحی) کے پہاڑی کتبے ہین، ان کتبون کو ماہرینِ السنۂ شرقیہ فلو ور، شاردان، نیوبہر، کرپورٹر، اوسلی، ویسٹرگارڈ، خصوصاً فلانڈن اور کوسٹ نے نقل کیا ہے، سٹولز ے اور اندریاس نے تصاویر لی ہین، دسے ساسی نے اردشیر پاپکان (۲۲۶-۲۴۱) اور اس کے جانشین شاپور (۲۴۱-۲۷۲) کا مثلث السنہ (تین زبانون والا) کتابات کا حل کر دیا جو نقشِ رستم اور نقشِ رجب کی ابھرتی ہوئی زمینت اسطح پر واقع ہین، ان کتبون مین اسماء و القاب ہین جو یونانی اور پہلوی کے دو لہجون (یعنی ساسانی پہلوی اور کلدانی پہلوی) مین کندہ کیے ہوئے ہین، دسے ساسی کی تحلیل و تشریح نے انکشافِ ساسانی کا دائرہ بہت وسیع کر دیا چنانچہ شاپور اور طاقِ بستان کے کتبے بھی حل کر لیے گئے جو ساسانی پہلوی مین ہین، ان مین نرسہ (۲۹۳-۳۰۲)، شاپور دوم (۳۰۹-۳۷۹) اور شاپور سوم (۳۸۳-۳۸۸) کے اسماء و القاب درج ہین،

ساسانیون کے سکّون پر جو نقشے درج ہین ان کی تحلیل و تشریح بھی کر لیگئی، لیکن ان کتبون مین محض اسماء و القاب تھے، ہاگ، ٹامس، فلانڈن اور کوسٹ کی متفقہ کوششون نے نہایت قابل قدر مواد ہندوستان کے پارسیون سے فراہم کیا، اور ہاگ نے شاپور (شاپور) اول کے کتبے واقع حاجی آباد قریب اصطخر کو انتخاب کیا، یہ کتبہ دو زبانون کلدانی پہلوی اور ساسانی پہلوی مین مرقوم ہے، دو زبانون مین ہونے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ ایک کے اغلاق و ابہام کو دوسرے کے ذریعہ رفع کر لیا گیا،

اس کتبے کا آغاز بادشاہ شاپور اس کے باپ اور دادا کے اسماء و القاب سے ہوتا ہے، اس کتبے کے

ایک ثلث الفاظ کلدانی پہلوی کے اور دو ثلث ساسانی پہلوی کے ہیں، اس کتبے کی تحقیق و تطبیق سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں بادشاہ کی تیر اندازی کی مشق کا حال ہے، جو اعیانِ دولت کے سامنے کی گئی تھی، اور بادشاہ کا ایک فرمان مندرج ہے کہ وہاں روح کے لیے نشانہ (چاند ماری) تیار کیا گیا تھا، اور روحانی بادشاہ نے لکھا کہ روح کے تیر چلانے کے بعد اور کوئی تیر اندازی کی جرأت نہ کرے"

ایک نہایت مکمل کتبہ ۱۲ سطروں کا نقشِ رجب کے قریب ہے جو ساسانی پہلوی میں ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آہورمزد (اہورہ مزدہ) بادشاہ کو تاج پیش کر رہا ہے۔

اگر ان کتبوں کی ترجمانی صحیح تصور کر لی جائے تو یہ غالباً بہرام دوم کے زمانے کے ہیں۔

فارس میں دو اور کتبے جو بمقام پرسی پولیس (استخر) قصرِ دارا پر ہیں، وہ تقریباً کل ہیں لیکن ان کا خط پڑھا نہیں جا سکتا ہے، اول ویسٹ ~~گارڈ~~ نے ان کا ذکر اپنے مضمون Bemerkung zu den Inschriften میں کیا ہے۔

وہ کتبہ جو اوپر ہے بارہ سطروں کا ہے، اور نیچے کے کتبے میں گیارہ سطریں ہیں، اوپر کے کتبے میں جس شاہ پور کا ذکر ہے، وہ شاہ پور دوم ہے، نیچے کے بھی کتبے میں اسی بادشاہ کا حال درج ہے، اور اس کی عبارت کسی قدر پڑھی جا سکتی ہے، اس کتبہ میں بادشاہ کا نام چھ سات دفعہ آیا ہے۔

اسی طرح اور بھی کتبے ہیں، ان تمام کتبوں سے دس ساسانی بادشاہوں کے حالات معلوم ہوتے ہیں، ان کتبات سے سب سے زیادہ بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اکثر پہلوی الفاظ کا صحیح تلفظ معلوم ہو گیا کیونکہ پہلوی زبان میں اعراب یا ظروف ہوتے ہیں برخلاف سامی زبان کے جنکی حرکات میں اغلاط کا بہت بڑا احتمال ہے۔

اوپر لکھا گیا ہے کہ پہلوی کے دو اقسام ہیں، (۱) کلدانی پہلوی (۲) ساسانی پہلوی، اول الذکر کا استعمال تیسری صدی عیسوی کے اواخر تک رہا بعد ازاں یہ متروک ہو گئی۔ برخلاف اس کے ساسانی پہلوی کے آثار قصص سلکی، مہری و جوہری کتبوں پر اس کے بعد بھی برابر پائے جاتے ہیں، لیکن اس کے

حروف تہجی میں تیسری صدی مسیحی سے لیکر چھٹی صدی کے آخر تک تدریجی تغیر ہوتا گیا، یہان تک کہ ان نے ایک نئی ہئیت اختیار کرلی جو جدید پہلوی کے نام سے موسوم ہوئی ہے،

قدیم ترین پہلوی تحریرات جو اب [illegible] میں

فی زمانہ مصر کے [illegible] ضلع انیوم میں قصبہ [illegible] پر جو مختلف تحریرات پائی گئی ہیں ان میں آٹھوین صدی مسیحی سے پہلوی کتب [illegible] ہیں یہ پہلوی زبان کے نہایت قدیم ذخیرہ میں جو اب تک ہم پہنچے ہیں،

ان تحریرون کا پڑھنا زیادہ دقت طلب نہیں ہے، ذرا سی کوشش سے با آسانی پڑھی جاسکتی ہیں، ان تحریرون میں یادداشتین اور روزانہ اخراجات کا حساب درج ہے، ان کا [illegible] مختلف ہے،

پارسیون کے پہلوی علم و ادب کا ماخذ

یہ قیاس غالب ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کے اختتام سے قبل پہلوی ادب میں تمام اصناف ادبیہ موجود تھے، لیکن سلطنت کی سقیم حالت اور بعدازان عربون کے حملہ نے اس میں رکاوٹین پیدا کردین تاہم اس کے آثار موجود ہیں کہ نوین صدی عیسوی کے اختتام تک پہلوی ادب میں کتابین لکھی گئین، اس کے بعد کا دور صرف دستایتر تک محدود ہوگیا، انھون نے پہلوی ادب میں اضافہ کیا چنانچہ بندہشت اس زمانہ کی یادگار ہے،

گیارھوین صدی کا زمانہ وہ ہے جب کہ موجودہ فارسی کے حروف تہجی کا استعمال ہونے لگا تھا اور اوستا کی شرح انھین حروف مین لکھی گئی، مگر اس عہد کے ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ سامی الفاظ کے بجائے ایرانی الفاظ استعمال کئے جانے لگے،

چونکہ فتح ایران کے پارسی رفتہ رفتہ مسلمان ہونے لگے، اس لیے ان کی تعداد میں روز بروز کمی ہوتی گئی، اور دستایتر کو جو مذہبی خدمت کو انجام دیتے تھے اپنی مذہبی کتابون کا محفوظ رکھنا مشکل ہوگیا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ گیارہ اور بارہ صدی عیسوی کے درمیان قدیم پہلوی ادب ضائع ہوگیا،

ایران سے جو دستایتر آٹھوین صدی مسیحی مین ہندوستان چلے آئے ان کے ساتھ مذہبی کتابین

بھی تھین مگر جہان تک معلوم ہوا ہے وہ کتابین بارھوین صدی مسیحی تک ضائع ہوگئین،

۱۷۲۰ء مین ہندوستان کے پارسیون نے وندیداد کا ایک نسخہ ایران سے منگوایا اور ارتا ویراف نامک کا ایک نسخہ ۱۶۹۶ء مین ہندوستان آیا، اسی طرح اور بھی کتابین ایران سے ہندوستان آتی رہین، ۱۷۲۰ء سے ۱۷۳۲ء تک معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان مین بعض اہم کتابون کی نقلین بھی کی گئین،

ایران کے جو خطوط ۱۴۷۸ء کے دستیاب ہوئے ہین ان سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کے پارسی پہلوی زبان بالکل بھول چکے تھے اور انھون نے بہت سی باتین پھر ایرانی پارسیون سے سیکھین، اس قسم کے خطوط جو ۱۷۷۳ء تک وصول ہوئے وہ ہندوستان کے پارسیون کی فارسی روایات مین محفوظ ہین،

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانون نے ایران مین کس قدر تساہل (رواداری) سے کام لیا اور ہندوستان کے دستاتیر کس قدر بے پروا تھے کہ انھین پھر ایرانی دستاتیر کا مرہون منت ہونا پڑا،

ایران سے ہندوستان کو فارسی کتابین برابر آتی رہین، چنانچہ پازیوشت فرمالو ۱۵۵۲ء مین آئی، اور وسپرد اور وشتاسپ یشت کرمان سے ۱۶۲۶ء مین آئی،

اٹھارھوین صدی مسیحی مین نیرنگستان اور دین کرت سرزمین ہند مین پہنچین، اس کے بعد داتستان دینیگ ایرانی بندہشن اور دوسری اہم کتابین اس صدی تک وصول ہوتی رہین، اس طرح اب ہندوستان کے پارسیون کے پاس ان تمام پہلوی ادب کی کتابون کا ذخیرہ موجود ہے جن کا آج تک پتہ چل سکا ہے اب ہندوستان کے دستاتیر ایران کے دستاتیر سے کہین زیادہ پہلوی کو سمجھ سکتے ہین،

پس پہلوی ادب کی تین قسمین ہوسکتی ہین،

۱- اوستا کے پہلوی ترجمے اور اسکی شرحین،

۲- پہلوی متن جو مذہبی امور سے متعلق ہین،

۳- پہلوی متن جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہین، اور جنکا تعلق مذہب سے نہین ہے،

۱۔ اوستا کے پہلوی ترجمے اور اسکی شرحین،

تعداد الفاظ تقریبًا ۱۴۱۰۰۰

۱۔ وندداد

۲۔ یسنہ

۳۔ نیرنگستان،

۴۔ وشتاسپ یشت

۵۔ ویسپرد

۶۔ فرہانگ اوایم اے وک

۷۔ اَاُو ہرمزد یشت

۸۔ بہرام یشت

۹۔ ہاتوخت نسک

۱۰۔ ااوگیم دئیت شا

۱۱۔ نشتی تک اوستاک گاسان

۱۲۔ آتخش نیایش

۱۳۔ ودشرکرت دینیک کا ایک جزو

۱۴۔ آفرینگان گاہانبار

۱۵۔ ہپ تان یشت

۱۶۔ سروش ہٹیت ہاتونت

۱۷۔ سیروزک خرم

۱۸۔ سیروزک اول

۱۹۔ خورشید نیایش

۲۰۔ آذن نیایش

۲۱۔ آفرین گان داہمان

۲۲۔ آفرینگان گاتھا،

۲۳۔ خورشید یشت

۲۴۔ ماہ یشت

۲۵۔ یشت (کا بائیسوان قطعہ)

۲۶۔ آفرینگان فرادت گان

۲۷۔ ماہ نیایش

. . . .

وندود۔ اس مین تقریبًا ۴۸۰۰۰ ہزار الفاظ ہین جنمین سے ۱۴۰۰ اوستا کے مقولے ہین جو مترجمون کی طرف سے اضافہ کئے گئے ہین،

اوستا کے تحت اللفظ ترجمے کو ہم صحیح معنون مین پہلوی ادب کا نمونہ نہین کہہ سکتے کیونکہ اس قسم

ترجمہ مین مترجمون کو آزادی نہین ملتی یعنی انھین اوستا کے الفاظ کی ترتیب کے مطابق ترجمہ کرنا پڑتا ہے مگر پھر کہین انھون نے جولانیِ طبع دکھلائی ہے، جس کا پڑھنا دلچسپی سے خالی نہین،

یسنہ پہلوی یسنہ مین تقریباً ۲۹۰۰۰ ہزار الفاظ ہین اس کا بھی ترجمہ وندیداد کے مانند تحت اللفظ ہے،

نیرنگستان نیرنگستان مین اوستا کے تقریباً ۳۲۰۰، اوستا کے متن اور پہلوی ترجمہ کے ۶۰۰۰ الفاظ اور ۲۲۰۰۰ پہلوی تفسیر کے اور ۱۸۰۰ اوستا کے مقولات کے الفاظ شامل ہین، اس کا پہلا نسخہ ہندوستان مین موبد جاماسپ سنہ ۱۷۲۰ء مین لایا، ہندوستان مین اسکی نقلین شائع ہوئین، اسکی اصل کاپی مفقود ہے، مگر اسکی صحیح نقل جاماسپ آسا نے سنہ ۱۷۲۶ء مین کی، یہ ہندوستان مین سب سے زیادہ مستند مانی جاتی ہے،

فرہنگ اوئیم ایک اس مین ۱۰۰۰ اوستا کے اور ۲۲۵۰ پہلوی کے الفاظ ہین اور ۱۸۰۰ اوستا کے الفاظ کے پہلوی معنی لکھے ہین جو بعض اوقات نسک سے مقتبس ہین، جو اب مفقود ہے، اس مین قانون اوستا کے اصطلاحات کی طویل تشریح و توضیح بھی ہے،

اوگیم دیچا اس مین اوستا کے ۲۹ مقولات ۷۰۰ الفاظ پر مشتمل ہین، جنکی تفسیر ۱۲۵۰ الفاظ مین کیگئی ہے، ان مقولات مین سے صرف پانچ اوستا مین موجود ہین، اس رسالہ مین اس امر کی تلقین ہے کہ موت لازمی چیز ہے لہذا اس کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے،

تتی تگ و ستگ گاسان اس مین ۴۰۰ اوستا کے اور ۱۱۰۰ یسنہ کے پہلوی حروف شامل ہین اس رسالہ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ نیکی اور بدی کے اثر کے فرق کو ظاہر کیا جائے، یہ کتاب چودھوین صدی عیسوی مین موجود تھی، اس مین شک نہین کہ اسکی اصلی کاپی ایران سے آئی ترنبان ہوشنگ نے سنہ ۱۸۴۳ء مین اسکی ایک کاپی یزد مین حاصل کی،

وجاکرت دینیگ یہ کئی پہلوی تراجم اور مذہبی کتابون کا مجموعہ ہے ان مین ۶۳۰ اوستا کے الفاظ ہین جنکی پہلوی مین ۹۰۰ الفاظ سے ترجمانی کیگئی ہے، مذہبی کتابون مین ۱۷۰۵ پہلوی کے الفاظ ہین نہین ت ۰،

اوستا کے مقولے ہیں،

۲- پہلوی متن جو مذہبی امور سے متعلق ہیں،

۲۸- دین کرت کتب سوم و نہم

۲۹- بوندہشن،

۳۰- داتستان دینیگ

۳۱- پہلوی زند و رکی تفسیر

۳۲- روایت متعلق نمبر (۳۰)

۳۳- روایت ہیمیت اشوہستان

۳۴- بقیۂ وجرکرت دینیگ

۳۵- انتخابات زاتسپرم

۳۶- شکند گومانیگ وزار

۳۷- شایست لاشایست مع ضمیمہ

۳۸- دنیائے مینوگ خرت

۳۹- رسائل (مکاتیب) مانوشچیہر

۴۰- ارتا ویراف نامک

۴۱- ستائشن سی روچک

۴۲- جاماسپ نامک

۴۳- بہمن یشت

۴۴- ماتیگان یوشت فریان

۴۵- سوالات کے جوابات آذرشت کے ذریعہ دیئے گئے،

۴۶- اندرزش آتورپات مہرسپندان مع حقیقت ورشاہ،

۴۷- پیت زرتشت،

۴۸- پندنامک زرتشت

۴۹- پیت آتورپات مہرسپندان

۵۰- پیدانک زرتشت

۵۱- اندرزش آتور فرنبغ و دانک،

۵۲- آفرین ششں گاہان بازند

۵۳- واژنکک آتورپات مارسپندان

۵۴- ماتیگان گزستک ابالش،

۵۵- ماتیگان سی روزنی۔

۵۶- پتیت وترگان،

۵۷- پتیت خورط،

۵۸- ماتیگان ہفت امیشسپند

۵۹- نصائح مزدیسنیان

۶۰- ہدایات بہ بہدینان،

۶۱- ماتیگان ماہ فروردین روزش خوردط

۶۲۔ خصائص مرد خوبِ نقیب
۶۳۔ مقالات آتور فرہنگ دبخت آذریت
۶۳۔ آفرین ہفت آمیشسپند
۷۴۔ نیرنگ یوئی داتو،
۶۴۔ تعلیم پدر به پسر
۷۵۔ نام ستا ششنیہ
۶۵۔ ستائش درون،
۷۶۔ کُند کے پانچ تنظمات اور دس مواعظ و تنبیہات
۶۶۔ آفرین ارتا فروش،
۷۷۔ آفرین درشورگان
۶۷۔ اندرزش داناک مرط
۷۸۔ آفرین گاہانبار تشاشتیہ
۶۸۔ آشیرواد،
۷۹۔ آمدو اہرام ور دشاوند
۶۹۔ آفرین میزد
۸۰۔ داروکِ خورسندیہ
۷۰۔ اندرزش خوسروِ کواتان
۸۱۔ تین علما کا بادشاہ کو جواب
۷۱۔ تشیم درون
۸۲۔ ماتیگانِ سی یزدان،
۷۲۔ تماترِ آ اُو ہرمزد
۸۳۔ ساسانی عہد مین پارسیون کا اجتماعی قانون،

دین کرت کتب سوم و نہم | اس کتاب کی تیسری جلد سے نوین جلد تک تمام جلدین، ۱۶۹۰۰۰ الفاظ پر مشتمل ہین، جو ۱۰۲۰ء مین بغداد مین پائی گئین، سنہ ۱۸۳۰ء مین ملا فیروز نے لکھا ہے کہ دین کرت یعنی "اعمال للمذاہب" کا مسودہ ۱۷۸۳ء مین ملا بہمن ابن ملا بہرام ایران سے سورت لایا، یہ نسخہ سورت کے دستور کو مستعار دیا گیا مگر جب مدت دراز کے بعد اس نے اس کو واپس کیا تو اس کے بہت سے حصے مفقود ہوگئے. اس ناقص مسودہ سے کئی نقلین کیگئین، اس لیے ہندوستان مین جس قدر اسکی نقلین ہین سب مین نقص باقی ہے، یہ ناقص نسخہ بعد مین ملا فیروز کے قبضے مین آیا اور اب تک اس کے کتب خانہ مین موجود ہے،

دین کرت مزدیرستی کے اصول، رسوم، روایات تاریخ اور ادب کا بڑا مجموعہ ہے،

بوندہشن | بوندہشن مین (جس سے ہندوستانی پارسی واقف ہین) ۳۰۰۰ لفاظ ہین. اس کو سب سے پہلے

انکوٹیل ڈو پرون یورپ سے گیا اور وہان اس نے ۱۷۷۱ء مین اس کا فرانسیسی زبان مین ترجمہ کیا،

اس کے بعد "ہاگ" نے ۱۸۵۵ء مین اس کے پہلے تین باب کا جرمانی مین ترجمہ کیا، ہیسپکل نے بھی اسکے بعض اقتباسات کا ترجمہ جرمانی مین کیا، "ٹی ڈی" ونڈش مین" نے ۱۸۶۳ء مین اس کا مکمل ترجمہ کیا، اور اس کے نامون اور مضامین پر بہت سے مفید حواشی لکھے، اس طرح اس کتاب سے تمام یورپ روشناس ہوگیا،

دانستان دینیگ | یہ پہلوی کتابون کے ذخیرہ مین دانستان دینیگ کے نام سے ملی اس مین ۲۸۰۰۰ الفاظ ہین اس کا تعلق مذہب سے ہے، قیاس ہے کہ یہ کتاب ۸۸۱ء مین ایران سے ہندوستان مین آئی،

پہلوی روایت | پہلوی روایت جس کے ساتھ دانستان بھی ملحق ہے تقریباً ۲۶۰۰۰ الفاظ پر مشتمل ہے، اس مین مذہبی اجتماعی اصول کی تفصیلی بحث ہے،

شکند گومانیک روشار | یہ کتاب مذہبی جدل کے متعلق ہے، اس مین تقریباً ۱۷۰۰۰ الفاظ ہین اس کے مصنف مرتان نے اس کتاب مین زرتشتی مذہب کے اثبات وتائید مین ملاحدہ کا ذکر، اسلام اور یہودیت اور مسیحیت کی تردید اور ابطال کیا ہے،

ارتاویراف نامک | اس مین تقریباً ۸۸۰۰ الفاظ ہین، اور جنت و دوزخ کا بیان ہے، ان کو حق پرست ویراف نے ہفت روزہ خواب مین دیکھا جو مقدس شے کے باعث وقوع مین آیا تھا،

بہمن یشت | اس کتاب مین ۴۰۰۰ الفاظ ہین، اس مین اہورمزد نے زرتشت کو ایرانی قوم اور مذہب کی آئندہ قسمت کا رسالتی بیان کیا ہے، جرمانی زبان مین اس کتاب کے بعض اقتباسات کا ترجمہ دربائی حصہ کا ۱۸۶۰ء مین شائع ہوا،

۳- پہلوی متن جو مختلف موضوعات پر مشتمل ہین اور جن کا تعلق مذہب سے نہین ہے،

۸۴- کارنامک ارتخشیر پاپکان
۸۵- یاتکار زریران (یادگار زریر)
۸۶- خوشرو دئے کواتان اور اس کا خادم
۸۷- فرہنگ پہلویگ،

۸۸- القاب (رسائل) مکاتیب ۹۱- درخت آسوریگ

۸۹- ایران زمین کے شہر ۹۲- شادی نامہ

۹۰- شتزنگ نامک ۹۳- عجائب زمین سگستان،

کارنامک ارتخشیر پاپکان | کارنامک مین ۵۰۰۰ الفاظ ہین نول دیک نے اس کا ترجمہ جرمانی زبان مین کیا ہے،
اس کتاب مین لکھا ہے کہ ایران مین سکندر کی وفات کے بعد چھوٹے چھوٹے حکمرانون کی طوائف الملوکی
تھی، ارتاوان سب کو مغلوب کر کے شاہنشاہ بن گیا، پاپک سرحد کا صوبہ دار تھا جس کے کوئی لڑکا نہ ہوتا تھا
ساسان جو دارا کی نسل مین تھا پاپک کا چرواہا تھا، پاپک نے خواب مین اس کا دارا کی نسل سے ہونا دیکھا،
پس اس نے اس کو اعلیٰ منصب پر سرفراز کر کے اپنی بیٹی سے اس کا نکاح کر دیا، اس کے بطن سے ایک لڑکا
پیدا ہوا جس کا نام ارتخشیر رکھا جب اس نونہال کی عمر ۱۵ سال کی ہوئی تو ارتوان (اردوان) نے اس کو طلب
کیا، بادشاہ کے لڑکے سے لڑائی کی وجہ سے اس کو اصطبل مین کام کرنے کے لیے بھیجا، اتفاقاً بادشاہ کی خادمہ
اس پر عاشق ہوگئی، ارتخشیر نے اس کو ترغیب دی کہ وہان سے بیش بہا جواہر لیکر گھوڑے پر سوار ہو کر فارس
فرار ہو جائین، اردوان نے ان کا تعاقب کیا مگر ناکام رہا، بعد ازان امراو شرفا کی تائید سے اس کو شکست
دے کر گرفتار کر لیا،

اس کتاب مین ارتخشیر اور اس کے فرزند شاہپور ہرمزد کے حالات جو اس کے باپ کی حکومت
کے دوران مین ہوئی تھین درج ہین، آخر کار ارتخشیر نے اپنے پوتے ہرمزد کو جو ۷ سال سے چھپا ہوا تھا پہچان لیا
فرہنگ پہلویگ | یہ پہلوی پازند کی قدیم فرہنگ ہے، اس مین ۱۳۰۰ پہلوی الفاظ ہین، اگر ضمیمون کو شمار نہ
کیا جائے تو اصل مین صرف ایکہزار الفاظ رہ جاتے ہین،

پہلوی ادب کی کتابون کی فہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود پہلوی ادب کے تباہ و برباد

۱؎ براؤن کا بیان اس سے کسی قدر مختلف ہے،

ہونے کے اب تک کتنی کتابین موجود ہین موجودہ پہلوی ادب سے ہمین ساسانی دور کے بہت سے واقعات معلوم ہوتے ہین اور پارسی مذہب کے متعلق تو اچھے معلومات حاصل ہو سکتے ہین،

فارسی علم ادب کے انکشافات اور ان کی کتابون کو حل کرنے کا فخر جرمانی ہی کو حاصل ہے پہلوی جیسی دقیق زبان کا ترجمہ کرنا کس قدر دشوار ہے، اسکی اہمیت اس سے بڑھ جاتی ہے جب ہم دیکھتے ہین کہ اب تک صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا کہ پہلوی کا اس زمانہ مین کیا صحیح تلفظ تھا،

اَوزوارشن[1] الفاظ کے پڑھنے کا جو طریقہ بیان کیا گیا وہ کہان تک صداقت رکھتا ہے اس کے متعلق بھی کامل یقین کے ساتھ نہین کہا جا سکتا کہ سامی تلفظ کو پڑھتے تھے یا نہین،

براؤن کی رائے یہ ہے کہ سامی الفاظ تو ضرور لکھے جاتے تھے لیکن پڑھنے مین ہم معنی یا مترادف ایرانی الفاظ بولے جاتے تھے ٹھیک اسی طرح جس طرح انگریزی مین ہم لکھتے تو .e (ال) مین لیکن اس کا تلفظ پوند کرتے ہین، اسی طرح ارد کے بجاے گبرا اور مردم کے بجائے گبرم لکھتے تھے

اس لحاظ سے نہروارشن (ہزوارش) کا مادہ زدار (تزدید سے) قرین قیاس معلوم ہوتا ہے،

ابھی فارسی ادب کی کتابون کے دستیاب ہونے کی بہت کچھ توقع ہے اور اس کے ترجمے کی بھی بے حد ضرورت ہے مگر پہلوی ادب کے ترجمہ مین ابہام ہونے کی وجہ سے بہت دقت پیش آتی ہے اور جو کچھ ترجمہ کیا جاتا ہے اس کو کامل یقین کے ساتھ نہین کہہ سکتے کہ وہ بالکل صحیح ہے، چونکہ اکثر حصے ایسے آجاتے ہین جو بہت مبہم ہوتے ہین، اس لیے ان کو یا تو چھوڑ دینا یا قیاس سے کچھ نہ کچھ ترجمہ کرنا پڑتا ہے،

لغات جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، مطبوعہ معارف پریس، قیمت عمر "منیجر"

---

[1] اوزوارش زداریدن سے مشتق ہے جس کے معنی کہنہ اور فرسودہ ہونا،

صوبۂ گجرات کا پہلا گورنر

از

مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی پروفیسر عربی و فارسی مہاودیالے کالج احمد آباد

مضمون نگار موصوف احمد آباد کے قیام کی مناسبت سے آجکل گجرات کے اسلامی دور کی تاریخ لکھنے میں مصروف ہیں جسکا کام مہاودیالے (گجرات قومی یونیورسٹی) نے شروع کیا ہے اور جسکے متعدد حصے کرکے اسلامی حصہ مولانا کے سپرد کیا ہے، جسکو وہ بخوبی انجام دے رہے ہیں،

"معارف"

گجرات کے پہلے گورنر کے متعلق عام تاریخون کے مطالعہ سے جو خیال پیدا ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ الماس بیگ الغ خان جو گجرات کا فاتح ہے، وہی وہان کا اولین ناظم (گورنر) بھی تھا جس نے تقریباً بیس برس گجرات پر حکومت کی، مرآۃ احمدی جو تاریخ گجرات کی مشہور کتاب ہے، اس نے ہر جگہ اس گورنر کا نام الغ خان ہی لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک ایک ہی شخص ہے جو فاتح بھی تھا اور ناظم بھی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"بعد فتح نہروالہ (انہل واڑا) الغ خان کے قبضہ مین حکومت گجرات سپرد ہوئی، اسی زمانہ سے گجرات مین ناظم مقرر ہوکر آنے لگے، پٹن (نہروالہ) کی جامع مسجد سرخ پتھر کی تعمیر کی ہوئی اسی الغ خان کی ہے"

غالباً اسی کی اتباع یادرایام کے مصنف مرحوم نے کی ہے، بلکہ ایک قدم اس سے بھی آگے رکھا ہے جو پایۂ اعتبار سے بالکل ساقط ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہین کہ:-

"قیدیون مین رانیان اور راجہ کی بیٹی دیول دیوی رانی بھی ہاتھ آئی۔ ان سب کو الغ خان نے دہلی

روانہ کردیا اور نہروالا کو مرکز حکومت قرار دے کر خاص نہروار مین جامع مسجد کی تعمیر شروع کردی[1]

جو غالبا گجرات مین سب سے پہلی مسجد تھی، یہی الغ خان کو اہل گجرات الپ خان اور الف خان کے نامون

سے تعبیر کرتے ہین؛

فرشتہ نے بھی ہرجگہ الغ خان ہی لکھا ہے، البتہ صرف ایک جگہ وہ اس نام پر لفظ "ناظم" کا اضافہ

کرتاہے، جس سے ناظرین کو بظاہر یہی معلوم ہوتاہے کہ یہ دونون ایک ہی ہین یعنی پہلے وہ فاتح تھا، اور

بعد مین وہی ناظم مقرر ہوگیا

مرأۃ احمدی (جو اس موضوع (تاریخ گجرات) پر جدید کتاب ہے) کے مصنف نے صفحہ ۳۳ مین

الماس بیگ الغ خان پر جو حاشیہ لکھا ہے، وہ منہ جذذیل ہے،

"تاریخ فرشتہ مین فاتح اور ناظم دونون کو الغ خان، اور طبقات اکبری مین دونون کو الف خان لکھا ہے،

مگر مرأۃ احمدی کے مصنف نے غلطی سے فاتح اور ناظم دونون کو ایک ہی شخص جان کر الغ خان

لکھدیا ہے، اور اسی کی تقلید اکثر انگریزی اور گجراتی مورخین نے کی ہے منتخب التواریخ نے ناظم کا نام الپخان لکھاہے"

اس تحریر کے بعد صفحہ ۳۵ مین جہان پہلے ناظم گجرات کے عنوان سے باب شروع کیا ہے، فرشتہ کی

پیروی مین اس نے گورنر کا جو نام تحریر کیا ہے وہ "الغ خان" ہی ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصنف

مذکور نے بھی یہی بات صحیح سمجھا ہے، اور اسی لیے اس نے دونون جگہ "الغ خان" تحریر کیا ہے، اور فرق کے لئے اسکا

فاتح اور ناظم کا اضافہ کیا ہے،

سیرالمتاخرین نے حسب عادت اس کی طرف توجہ ہی نہین کی، اسکو یہ بھی خبر نہین کہ خود

علاء الدین نے گجرات فتح کیا یا الغ خان نے،

[1] دیگر واقعات کی طرح یہ قیاس بھی غلط ہے، اس سے بہت پہلے بندر کھنبایت مین مسجد تعمیر ہوچکی تھین، جہان عرب

تاجر دوسری صدی سے مقیم تھے، (دیکھو مسعودی جلد اول و ابن بطوطہ جلد دوم)

مولوی ذکاءاللہ صاحب، اردو مین سب سے مبسوط تاریخ ہند کے مؤلف اپنی تاریخ جلد دوم "الغ خان" ہی لکھتے ہین، صرف خضر خان کی شادی کے موقع پر الپ خان لکھا ہے، جسکی لڑکی سے خضر خان کی شادی ہوئی تھی، لیکن جلد چہارم کے صفحہ صد ۱۵۵ پر تحریر فرماتے ہین کہ:

"۶۹۷ھ مین اُس نے (سلطان علاء الدین) گجرات کو سپاہ بسرکردگی الف خان (جسکو گجرات کے لوگ الپ خان کہتے ہین) اور نصرت خان کے بھیجی"

آگے چل کر لکھتے ہین:

ہو کر جب گجرات فتح ہو گیا اور راجہ کرن باگھیلہ شکست پاکر بھاگ گیا تو الف خان ملک کا حاکم مقرر ہوا

ان دونون عبارتون سے معلوم ہوا کہ وہ اصل حقیقت سے باخبر نہ تھے، اور بلا تحقیق اُسکو نقل کر دیا۔

مسٹر پنڈت صاحب نے جو تاریخ ہند اپنے نام سے لکھی یا لکھوائی ہے اس مین ہر جگہ الغ ہی لکھا ہے، حالانکہ اس مقام کا کل حصہ ضیاء برنی کی تاریخ فیروز شاہی سے ماخوذ ہے، اور اس مین دونون نامون مین فرق موجود ہے،

امیر خسرو نے مثنوی عشقیہ مین حملۂ گجرات کے وقت الغ خان کا نام لیا ہے، اور خضر خان کی شادی کے وقت "الپ خان" کا ذکر کیا، اور ایک مقام پر الف خان بھی لکھا ہے، جس کے متعلق یہ خیال ہے کہ الف خان درحقیقت "الپ خان" کی تصحیف ہے، چنانچہ ضیاء برنی نے عہد علائی کے امرا کی جو فہرست دی ہے اس مین الف خان کوئی شخص نہیں ہے، اسی طرح اکثر معتبر تاریخین بھی اس نام سے خالی ہین،

مندرجۂ بالا سطور سے بین طور پر یہ ظاہر نہ ہو سکا کہ فاتح اور ناظم دونون کی شخصیت دو ہے، اس لیے اس اشکال کے حل کرنے کے لیے ضرور ہے کہ دوسری کتابون سے مدد لیجائے،

گجرات کی عربی تاریخ ظفر الوالہ بمظفر والہ کے مصنف محمد بن عمر المکی نے ۶۹۷ھ کے تحت میں

ومن الغ خان الی نهروالہ وکانت للراے کرن واستولی علیہا،	الغ خان نہروالا (دارالحکومت گجرات) پہنچ گیا جہان کا حاکم راے کرن تھا قابض ہوگیا،

پھر ایک دوسرے مقام پر اسی سنہ کے ماتحت لکھتا ہے،

وبیامعا جھز علاء الدین، الغ خان ونصرت خان الی گجرات فلما کانا بالقرب من نهروالہ خرج الیھما صاحبھا الرائے کرن، وکانت بینھم شدۃ، انجلت بھزیمۃ الرائے الی دیوگیر واستاسر اھلہ[۵]	اور اس کا بیان ہے کہ علاء الدین نے الغ خان و نصرت خان کو گجرات سازو سامان کے ساتھ بھیجا جب دونون نہروالا کے قریب پہنچے تو راجہ کرن ان کے مقابلہ کے لئے نکلا حافین سے بڑی سخت جنگ کے بعد راجہ کرن شکست کھا کر دیوگڈہ چلا گیا، اور اسکا خاندان گرفتار ہوگیا،

اس کے بعد لکھتا ہے،

سلك الغ خان طریقا الی دہلی بجامعہما من غنائم گجرات وعائلۃ الرائے کرن ومنها زوجتہ،	الغ خان دہلی کی طرف چلا اوران دونون (الغ خان و نصرت خان) کے ساتھ گجرات کے لوٹ کا مال تھا، اور راجہ کرن کا خاندان جس مین اسکی رانی بھی تھی،

پھر جلد ثانی کے صفحہ ۷۹ مین لکھتا ہے،

الی ان قال یوما وعندہ الغ خان وظفرخان ونصرت خان والپ خان.	یہان تک کہ ایک دن علاء الدین نے کہا، اور اس کے پاس الغ خان، اور نصرت خان، ظفر خان اور الپ خان تھے،

ایک دوسرے مقام پر ۶۹۹ھ کے تحت حملہ رنتھنبور کے متعلق بحوالہ تاریخ حسام خان تحریر کرتا ہے،

تجھز الغ خان ونزل بظاھر بیانہ، وبلغ ھمیر دیو راے ذلك ،	الغ خان تیار ہوکر بیانہ کے سامنے اترا اور یہ خبر راجہ ھمیر دیو کو پہنچی،

---

۵ ظفر الوالہ جلد ثانی ص ۷۸۰

اسی سال جبکہ قلعہ کو فتح ہوگیا ہے تو علاء الدین نے اس قلعہ کو الغ خان کو دے دیا ہے، چنانچہ وہ

قال المؤرخ وفیها حین وجهد کان الفتح لعلاء الدین وظفر بالراي هنبیر دیو (همیر دیو) وبعث الی من هم من المغل وقتلهم جمیعا واعطی اخاه الغ خان القلعة وما فیها والولایة بتمامها[1]

مورخ کہتا ہے کہ بڑی کوشش کے بعد فتح علاء الدین کی ہوئی اور راجہ ہمیر دیو نے شکست پائی، وہ خود اور مغلوں میں سے جو لوگ اس کے پاس پناہ گزین تھے سب گرفتار ہوکر قتل کئے گئے اور سلطان نے اپنے بھائی کو وہ قلعہ مع تمام سامان کے اور پورا صوبہ اس کے حوالہ کیا،

آگے چلکر صفحہ ۸۱۵ میں اس کی پھر تکرار کرتا ہے:

وانعم بها وبجانبها وما یلیها من الولایة وبهابن لاخیه الغ خان ورجع الی دهلی وکان الفتح فی الثالث من ذی القعدة سنة سبع مائة ـ (۷۰۰ھ)

علاء الدین نے اپنے بھائی الغ خان کو وہ قلعہ اور جو کچھ اس قلعہ میں تھا مع مضافات صوبہ انعام دے کر دہلی کو لوٹا اور یہ فتح تیسری ذیقعدہ سنہ کو ہوئی،

الغ خان کے متعلق تمام حالات لکھکر اب الپ خان کے متعلق لکھتا ہے، کیونکہ نصرت، اور ظفر خان کے بابت وہ پہلے لکھ چکا ہے،

وسیاتی ما کان منه بالپ خان فی مرض موته،

اور علاء الدین کے مرض موت میں جو واقعہ الپ خان کے متعلق ہوا وہ آگے آئیگا،

اور صفحہ ۸۲۶ میں ہے،

واتفق بینه وبین الپ خان اخی محبوبته ماه رو من العداوة ما کان بها خراب

سلطان کی محبوبہ (زوجہ) ماہرو بیگم کے بھائی الپ خان اور ملک کافور کے درمیان عداوت پیدا ہوگئی، اور اس

[1] ظفر الواله جلد دوم صفحہ ۸۰۷

للملك العادل، واثناء ذالك ابتلى علاء الدين علّة الاستسقاء وكان يزداد كل يوم وكان كافور والپ خان في تضييق ولكن كان كافور في نيابة دهلي والپ خان في نيابة گجرات،

علاء الدین کے کاسہ کی تیاری [illegible] اور اسی دوران علاء الدین مرض استسقا میں مبتلا ہوگیا، اور دن بدن مرض ترقی پذیر تھا، اور کافور اور الپ خان ایک دوسرے سے برسر پیکار تھے، لیکن کافور دکن کا گورنر اور الپ خان گجرات کا گورنر تھا،

چند سطور کے بعد لکھتا ہے،

ثم احضر كافور وسلاحدية اعراض عن خضر خان واحكم السعي في قتل الپ خان بما عرف من تغير مزاجه،

پس جب کافور آیا اور [illegible] والدہ کو خضر خان اور بیوی سے ناراض پایا، تو علاء الدین کے تغیر مزاج کے سبب الپ خان کے قتل میں جد وجہد کرنے لگا،

پھر اس کے آگے ہے،

بلغ خبر قتل الپ خان من گجرات [illegible] تابعه فخرجوا من الطاعة وقامت الفتنة،

اور جب الپ خان کے قتل کی خبر گجرات میں پہنچی، تو اس کے کارندے جو گجرات میں تھے باغی ہو گئے اور فتنہ ہر طرف پھیل گیا،

اس بیان سے آپ کو صاف معلوم ہوگیا، کہ الغ خان اور الپ خان، دو الگ آدمی ہیں، البتہ امیر خسرو کے الغ خان کی طرح اس کتاب میں بھی دو جگہ بجائے الپ خان کے الغ خان آگیا ہے، جس کے متعلق آخر میں انشاء اللہ عرض کرون گا،

اسی مورخ کا ہمعصر عبد القادر بدایونی ہے، جس نے بہت زیادہ وضاحت سے اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے، سلطان علاء الدین خلجی کے عنوان سے لکھتا ہے،

در بست ودوم ذی حجه سنه خمس وتسعين وستمائة

۲۲ ذی الحجہ ۶۹۵ھ میں اپنے بھائی الماس بیگ کے

(۶۹۵) باتفاق برادر خویش الماس بیگ بونسے سلطنت دہلی برافراشت او را "الغ بیگ خان" و سنجر خسر پورہ خود راکہ میر مجلس بود "الپ خان" و ملک نصرت جلیسری را نصرت خان، و ملک بدرالدین ظفر خان خطاب دادہ در صحرائے سیری نزول نمودہ،[۱]

مشورہ سے دہلی کی سلطنت کا جھنڈا کھڑا کیا، اسکو (الماس بیگ) الغ بیگ خان، اور اپنے لڑکے کے سسر (سنجر) کو جو میر مجلس تھا الپ خان کا، اور ملک نصرت جلیسری کو نصرت خان اور ملک بدرالدین کو ظفر خان کا خطاب دیکر سیری (دہلی) کے میدان مین قیام کیا۔

اس عبارت سے مندرجۂ ذیل باتین معلوم ہوتی ہین،

سلطان علاء الدین خلجی کے بھائی کا نام الماس بیگ تھا، اور اسکو خطاب الغ خان دیا گیا، علاء الدین کے لڑکے (خضر خان) کے سسر کا نام سنجر تھا، اسکو خطاب الپ خان کا دیا گیا، یہ شخص اس وقت مجلس کے عہدۂ صدارت پر ممتاز تھا،

اسی کے ساتھ ملک نصرت جلیسری کو نصرت خان، اور ملک بدرالدین کو ظفر خان کا خطاب ملا،

پھر چند سطور کے بعد تحریر کرتا ہے کہ:-

درمحرم سنہ ستہ وتسعین وستہ مائۃ (۶۹۶) الغ خان والپ خان را بر سر ارکلی خان و سلطان رکن الدین نامزد کرد

محرم ۶۹۶ھ مین الغ خان اور الپ خان کو ارکلی خان اور سلطان رکن الدین کے لیے مقرر کیا،

۶۹۸ھ کے ماتحت لکھا ہے،

الغ خان را با عساکر قاہرہ در ولایت گجرات بر سر رائے کرن کہ سی ہزار سوار و ہشتاد ہزار پیادہ و سی زنجیر پیل داشت تعین فرمود، و الغ خان نہروالا را بعد از ہزیمت یافتن رائے کرن نہب و غارت کردہ تعاقب او نمود،

الغ خان کو ایک بڑی فوج کے ساتھ صوبہ گجرات مین راجہ کرن باگھیلہ کے مقابلہ کے لیے مقرر کیا، جس کے پاس تیس ہزار سوار اور اسی ہزار پیادہ اور تیس زنجیر ہاتھی تھا، اور الغ خان نے راجہ کرن کی شکست کے بعد نہروالا کو لوٹ کر اسکا پیچھا کیا

---

[۱] بدایونی ج ا ص ۱۸۲

اسی سلسلہ میں الغ خان کی واپسی گجرات کے متعلق اس فساد کا ذکر کرکے جو انور کے مقام پر لشکر نو مسلم نے برپا کیا تھا، آگے لکھتا ہے،

والغ خان بکوچ متواتر بحضرت دہلی رفت، | اور الغ خان پے در پے کوچ کرتا ہوا دہلی گیا،

پھر لکھتا ہے، کہ

وولایت جہاین درتصرف الغ خان سپردہ قصد چتور نمود، | اور جہاین کا علاقہ خان کے سپرد کرکے خود چتوڑ کی طرف کا ارادہ کیا،

رنتھنبور کے قلعہ کے محاصرہ کے وقت دہلی میں جو فساد حاجی مولا نے کیا تھا، اس کے فرو ہونے کے بعد الغ خان کو انتظام کے لئے دہلی بھیجا گیا ہے، جہاں اس نے اپنی سیاست سے امن قائم کر دیا ہے، اسکے متعلق بدایونی ج ا صفحہ ۱۹۲ میں لکھتا ہے،

وسلطان الغ خان را بہ دہلی نامزد فرمود، تا جماعت را کہ درین فتنہ متفق بودند، پیروی نمودہ بہ معرض تلف درآورد، | اور سلطان نے الغ خان کو دہلی جانے کے لیے نامزد کیا تاکہ اس جماعت کو جو اس بلوہ میں شریک تھی اسکی کافی سزا دے کر برباد کر دے،

اس کے صلے میں سلطان رنتھنبور کی ولایت اس کی جاگیر میں مقرر کرتا ہے،

وسلطان قلع رنتھنبور را با ولایت درجاگیر او مقرر فرمودہ بازگشت، | اور سلطان قلعہ رنتھنبور کو مع علاقجات کے اس کی (الغ خان) جاگیر میں مقرر کرکے واپس گیا،

اس کے بعد پھر کوئی تذکرہ الغ خان کا نہیں ہوتا ہے، بلکہ اب الپ خان کا ذکر کرتا ہے جس سے ملک کافور عداوت رکھتا تھا، کیونکہ کافور چاہتا ہے کہ تمام طاقت ور امرا اور وارثان سلطنت کا کانٹا نکال کر خود تخت شاہی حاصل کرے، اس سے علاء الدین کو برانگیختہ کرنے کے واسطے وہ الپ خان اور خضر خان کی شکایت کرتا ہے، اور بدگمان کرانے کی کوشش کرتا ہے، چنانچہ اس موقع پر بدایونی مورخ

ص ۱۹۸ جلد اول مین تحریر کرتا ہے،

ملک نائب آمدن خضر خان را بعید آب و تاب بہ سلطان باز نمود و گفت، کہ الپ خان از گجرات آمدہ بہ تدبیر دور اندیشی در کار ملک و طمع نیابت و وکالت خود خواہرزادہ را طلبیدہ،

اور ملک نائب نے خضر خان کے آنے کو بڑے آب و تاب کے ساتھ دکھلا کر کہا کہ گجرات سے آکر الپ خان نے ملکی امور کے لیے دور اندیشی سے، اور اپنی نیابت اور وکالت کے طمع سے اپنے بھانجے (خضر خان) کو بلایا ہے،

اس کے بعد الپ خان کے قتل کے متعلق لکھتا ہے،

و این سخنان را راست شمردہ در حال بہ سیاست الپ خان حکم فرمود و آن بے چارہ را ملک نائب و ملک کمال الدین گرگ چو گوسپند سلیم گرفتہ اند و در قصر بادشاہی پارہ پارہ کردند،

ان باتوں کو سچ سمجھ کر فوراً الپ خان کے متعلق سزا کا حکم صادر کیا اور اس بیچارہ کو ملک نائب اور کمال الدین گرگ نے بکری کی طرح قصر بادشاہی کے اندر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا،

اب اس کے بعد خضر خان کو پایۂ تخت سے دور بھیج دینے کے متعلق کہتا ہے،

کہ خضر خان چون از کشتن خال خویش ہراس یافتہ مناسب نیست کہ بجائے خود بر دو، فرمان شد تا بجہت اصلاح امور ملکی چند روز بجانب امروہہ رفتہ بسر برد،

چونکہ خضر خان اپنے ماموں کے مارے جانے سے ڈر گیا ہے اسلیے مناسب نہیں ہے کہ اسکو اس طرح چھوڑ دیا جائے حکم ہوا، کہ چند دن ملکی مصلحت کے بنا پر امروہہ مین رہے

ضیاء برنی جو گویا چشم دید گواہ ہے اس نے اپنی تاریخ مین ہر جگہ اسکا خیال رکھا ہے، چنانچہ ناظم گجرات کے متعلق وہ ہر جگہ الپ خان استعمال کرتا ہے، ایک جگہ لکھتا ہے،

و اورا از ملک نائب (کافور) و الپ خان کہ خسر دیگر خضر خان بود، عداوت جانی افتاد،

اور ملک نائب کافور اور الپ خان مین جو خضر خان کا خسر تھا، جانی دشمنی پیدا ہوگئی،

پھر دوسری جگہ تحریر کرتا ہے کہ۔

اسی طرح ایک اور جگہ لکھتا ہے :-

وہم درین سال کہ الغ خان و نصرت خان در گجرات نامزد شدہ بودند ظفر خان در سیوستان نامزد شد	اور اسی سال میں الغ خان اور نصرت خان گجرات بھیجے گئے ظفر خان سیوستان کے لیے نامزد ہوا،

ضیاء برنی[1] نے جہان امراء و عہدہ داران سلطنت کی فہرست لکھی ہے وہاں بھی الگ الگ نام لکھے،

الغ خان الماس بیگ برادر سلطان، ظفر خان ، عرض ممالک

نصرت خان ، وزیر الپ خان ، امیر ملتان

اس واقعہ کے تقریباً بیس برس بعد (سنہ ۷۳۴ھ) مغرب کا مشہور اسلامی سیاح ابن بطوطہ آتا ہے وہ بھی اسی کی تائید کرتا ہوا لکھتا ہے،

" پھر بادشاہ بیمار ہو گیا، اسکی بڑی ملکہ خضر خان کی ماں تھی، اس کا نام ماہک تھا، اس ملکہ کا ایک بھائی تھا، اس کا نام سنجر تھا، اس نے بھائی سے قسم لی کہ وہ اس کے بیٹے خضر خان کو بادشاہ بنانے میں کوشش کرے گا . . . . . ملک کافور نے بادشاہ کو خبر پہنچائی کہ اس طرح کا عہد ہوا ہے، بادشاہ نے اپنے خواص کو حکم دیا کہ جب سنجر میرے پاس آوے، اور میں اسکو خلعت دوں اور وہ پہننے لگے تو تم اسکی مشکیں باندھ کر نیچے گرا لیجو، اور اس کو مار ڈالیو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا . . . . . جب اس کو (خضر خان) معلوم ہوا، اس کے باپ نے اس کے ماموں کو قتل کر ڈالا تو نہایت غمگین ہوا، اور اپنا گریبان پھاڑ ڈالا -الخ"[2]

ان شواہد سے آپ کو یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ الغ خان اور الپ خان دو الگ آدمی تھے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ الپ خان ملکہ جہان ماہک بیگم کا بھائی تھا، اور خضر خان کا ماموں، اور اسی الپ خان کی لڑکی سے خضر خان کی پہلی شادی ہوئی، اور یہی الپ خان ہے جسکو علاء الدین نے گجرات سے علالت کے وقت (مرض الموت میں) مشورہ کی غرض سے بلایا تھا،

---

[1] ضیاء برنی کی تاریخ فیروز شاہی مطبوعہ کلکتہ بیان علاء الدین خلجی، [2] ابن بطوطہ جلد ۲ باب ۱۴ فصل ۹

نفسیاتِ شناخت

(۲)

از پروفیسر معتضد ولی الرحمن صاحب ایم اے معلم نفسیات جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

شناخت کی تمام بحث مین بلا واسطہ شناخت متنازع فیہ ہے، ہتنے اوپر کہا ہے کہ اس نوع کی شناخت مین ہم ایک شخص کو دیکھتے ہی پہچان لیتے ہین، اب یہان سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ یہ شناخت کس طرح ہوتی ہی؟ اسکی دو صورتین ہوسکتی ہین، اوّل تو یہ کہ ہم اس شخص کو دیکھین، اور حافظہ کے ذریعہ سے اسکی ایک تمثیل ذہن مین قائم کرین، اور اس موجودہ احضار کا اس تمثال سے مقابلہ کرین، اور دونون مین مشابہت کی وجہ سے اس شخص کو پہچان لین، دوسری صورت یہ ہے، کہ یہ شناخت اس تمام عمل کے بغیر واقع ہو یعنی یہ کہ ہم دیکھنے کے ساتھ ہی اس شخص کو پہچان لین، مقدم الذکر خیال پروفیسر ہفڈنگ کی حمایت مین ہے، اور مؤخر الذکر پر ماہرین نفسیات کا بالعموم اتفاق ہے، لیکن حال کے ماہرین مین سے پروفیسر کلپے اور پروفیسر جیمس نے پروفیسر ہفڈنگ کی بڑی شد ومد سے مخالفت کی ہے، کلپے جیمس اور ان کے ہم خیال مصنفین کی رائے ہے، کہ جن احساسات و احضارات کو ہم بلا واسطہ شناخت کر لیتے ہین، ان کے ساتھ ایک وصف "معلومیت" کا ہوتا ہے، اسی کی وجہ سے اسکی براہ راست شناخت ممکن ہوجاتی ہے،

پروفیسر ہفڈنگ کا خیال ہے، کہ اس قسم کی فوری اور بلا واسطہ شناخت مین ذہنی عمل اس طرح کا ہوتا ہے، کہ ہم ایک شخص زید کو دیکھتے ہین، یہ ہم کو مانوس اس وقت معلوم ہوتا ہے جب اسکی وجہ سے ہمارے ذہن مین اس کی گذشتہ ذات کی ایک تصویر پیدا ہوتی ہے، اگر یہ تصویر پیدا نہین ہوتی، تو یہ شخص اجنبی معلوم ہوتا ہے، یعنی کیفیت مانوسیت کی کیفیت دماغ مین دو مشابہ اعمال کے انضمام و امتزاج سے پیدا ہوتی ہے، اس خاص مثال مین یہ کیفیت ایک شخص کے ادراک اور اسکی ذہنی تصویر کے دو اعمال کے امتزاج کا نتیجہ ہوتی ہے، جس صورت مین یہ امتزاج نہین ہوتا، وہان مانوسیت کا احساس بھی نہین ہوتا، لہذا شناخت غائب ہوجاتی ہے، استدلال اس کا یہ ہے

کہ اگر ہم کسی شخص، یا چیز کی شناخت بلا متلازم خیالات کے احیا کے ہوتی ہے، تو آخر اسکی توجیہ کیا ہوگی؟ اسکا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس قسم کی شناخت مین تلازمی اعمال کو دخل نہین ہوتا، لیکن اس عمل کی غیر موجودگی مین بھی چیز ہم کو مانوس معلوم ہوتی ہے، اگرچہ ہم یہ معلوم نہین کر سکتے کہ ہم نے اس کو کہان اور کس وقت دیکھا تھا، اب اگر اس مین تلازمی اعمال داخل نہین ہین تو شناخت، یا مانوسیت، کا احساس آخر کس طرح پیدا ہوتا ہے، اسکی کوئی نہ کوئی علت ہونی چاہیئے، دوسرا مطلب یہ ہے، کہ ہم کو یہ احساس ہو جائے، کہ یہ ہمارے تجربے مین آچکی ہے، یعنی یہ کہ اس وقت کا ادراک اور کسی گذشتہ وقت کا ادراک دونون ایک ہی ہین، ان دونون ادراکات کی عینیت کو ہم اس وقت تک معلوم نہین کر سکتے جبتک کہ ان کا مقابلہ نہ ہو، اس مقابلہ کے لیے ہم اس چیز کے گذشتہ ادراک کا تصویر کی صورت مین احیا کرتے ہین، لہذا موجودہ ادراک اور گذشتہ ادراک کی تصویر، دونون ملکر مانوسیت کی کیفیت پیدا کرتے ہین، یعنی یہ کہ ہم اسکی شناخت کر لیتے ہین،

ہفڈنگ کا یہ نظریہ اور استدلال بہت دلکش معلوم ہوتا ہے، لیکن جب ہم مطالعۂ باطن کی طرف رجوع کرکے اس قسم کی شناخت کی ماہیت و نوعیت کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہین، تو ہفڈنگ کے نظریہ کی تصدیق نہین ہوتی، بلا واسطہ شناخت مین ہم باوجود غور و خوض کے اس قسم کی تصویر کو منکشف کرنے مین کامیاب نہین ہوتے، لیکن پھر سوال ہوتا ہے، کہ اگر یہ تصویر نہین ہوتی، تو آخر شناخت کس طرح واقع ہوتی ہے، اسکا جواب مطالعۂ باطن یہ دیتا ہے کہ "صرف اس قدر کہا جا سکتا ہے، کہ وہ چیز ہم کو مانوس معلوم ہوتی ہے" یعنی یہ کہ اسکی دیگر صفات کے ساتھ ایک صفت مانوسیت کی شامل ہو جاتی ہے، اسی کی وجہ سے ہم براہ راست اسکو شناخت کر لیتے ہین، اور ہم کو کسی متلازم خیال کی ضرورت نہین ہوتی، مانوسیت کا یہ حکم ان باتون پر مبنی ہوتا ہے (۱) یہ کہ مانوس ارتسامات منتظمہ کی تمثال، مرکزی تہیج کو پیدا کرنے مین خاص طور پر موثر ہوتے ہین، اور (۲) یہ کہ ان کی وجہ سے بالعموم ایک مخصوص کیفیت جذبی پیدا ہوتی ہے جس مین خوشگوار حسیت اور اس حسیت کے عضوی احساسات بھی شامل ہوتے ہین، اب ان کی تشریح کرینگے،

"یہ ثابت کرنے کے لیے کسی طویل استدلال کی ضرورت نہیں کہ معلومہ اشیا مجہولہ اشیار کی بہ نسبت مرکزی تہیج کو پیدا کرنے میں زیادہ موثر ہوتی ہیں، اور یہ کہ ان دونوں کی یہ تاثیر مختلف بھی ہوتی ہے، معلومہ اشیار بہت جلد ہی مختلف مقامی، مکانی، عقلی وغیرہ قسم کے تصورات پیدا کرتی ہیں، ہم نہایت آسانی کے ساتھ ان تصورات اور شے مدرک کے ہر قسم کے تعلقات کو معلوم کر لیتے ہیں، ان کے مقابلہ میں مجہول اشیا کیوجہ سے جو تہارتی ہیں، اگر ہم انکو اپنے موجود ووقوفی ذخیرہ کے ساتھ متعلق کرنا چاہتے ہیں تو مقابلہ وغیرہ مختلف اعمال کی ضرورت پڑتی ہے، یہ حق ہے کہ ترقی یافتہ شعور کے لیے کوئی شے ایسی نہیں ہے، جو بالکل مجہول ہو، ایک ارتسام یا احساس کیسا ہی قدر نیا کیوں نہ ہو، اس پر کوئی نہ کوئی تصور قابل اطلاق ہوگا، نفسیات کی زبان میں اسے اس طرح بیان کیا جائیگا کہ ہر احساس سے کسی نہ کسی قسم کا خیال پیدا ہونا لازمی ہے لیکن شناخت اس طرح کی عام تعیین کے ہم معنی نہیں ہے اس میں ایک مخصوص حکم لگایا جاتا ہے کہ یہ موجودہ ارتسام کسی گذشتہ موقعہ پر تجربہ میں آچکا ہے، اب اگر یہ سچ ہے کہ معلومہ اشیار کی وجہ سے مرکزی تہیجات زیادہ آسانی کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں، تو ظاہر ہے کہ بلاواسطہ اور فوری شناخت کی توجیہ کیلئے ہم کو کسی قسم کی تصویر کی ضرورت نہیں، اس قسم کی تصویر کی ضرورت وہاں پڑے گی، جہاں یہ مرکزی تہیجات پیدا نہ ہوں، یا مشکل سے پیدا ہوں یعنی یہ کہ اشیار جو ان کا باعث ہوتی ہیں، مجہول ہوں، پھر اسکے ساتھ اس نفسیاتی حقیقت کو بھی شامل کیجئے کہ کسی چیز کی عام شکل وصورت اور عام خصوصیات کا احیا آسان ہوا کرتا ہے، بہ نسبت اسکی تفاصیل کے احیار کے ہم نہایت آسانی کے ساتھ بتا سکتے ہیں، کہ فلان چیز کا عام نقشہ وخاکہ کس طرح کا ہے، لیکن اگر ہم سے اسکی تفاصیل دریافت کیجائیں، تو دقت کا سامنا ہوتا ہے، اشعار کے عام معنی تو ہم کو یاد رہتے ہیں، لیکن اُسکے الفاظ ہمارے ذہن سے خارج ہوجاتے ہیں، بلاواسطہ شناخت میں بھی چونکہ اسی کی ایک عمومی اور کلی تصدیق ہوتی ہے، لہذا یہاں بھی اس کے احیا کے لیے کسی خاص تصویر یا تمثال کی ضرورت لاحق نہیں ہوتی، شناخت کی اس صورت میں حکم صرف یہ لگایا جاتا ہے کہ "یہ معلوم ہے" اس میں کسی قسم کی کوئی تخصیص نہیں کیجاتی، کہ معلوم ہے، تو کیوں؟ یا یہ کہ گذشتہ

تجربہ مین یہ علم کہان اور کس وقت حاصل ہوا تھا؛ وغیرہ ، ان تمام خصوصیات کی موجودگی کے باوصف اگر ہم اس شناخت کی توجیہ کے لیے کسی تصویر وتمثال کی طرف رجوع کرین تو پراگندگی خاطر کے علاوہ اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

۲- اس کے علاوہ ہم کو یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ مانوس اشیاء کے ادراک سے جو جذبی کیفیت پیدا ہوتی ہے ، وہ غیر مانوس اشیاء کی پیدا کردہ کیفیت جذبی سے مختلف ہوا کرتی ہے ، مانوس اشیاء لازمی طور پر ایک قسم کی انبساطی، اور انشراحی کیفیت، کا باعث ہوتی ہین، ان کے مقابلہ مین غیر مانوس اشیا بعض بعض صورتون مین تو انقباضی حالت پیدا کرتی ہین، وجہ اسکی یہ ہے کہ ہر ایک ارتسام جاندار جسم مین ایک خاص قسم کے رد عمل کا مہیج بنتا ہے یعنی یہ کہ اس ارتسام سے اس جسم مین مخصوص تغیرات و اعمال پیدا ہوتے ہین ، اب ایک مانوس ارتسام سے بعینہ وہی احساسی اور حرکی ردعمل پیدا ہوتا ہے ، جو گذشتہ تجربے مین ہوا تھا ، اور جسکی ہم نے اس وقت اچھی طرح جانچ کرلی تھی، دوسرے الفاظ مین مانوس ارتسام سے گذشتہ حرکی و احساسی رد اعمال کا فقط احیا ہوتا ہے اور اس لئے ان کے واقع ہونے مین کسی قسم کی کوئی چیز یا بات مانع نہین ہوتی ، اور ہماری دماغی فعلیت بلا روک ٹوک ہوتی ہے ، اس کے مقابلہ مین غیر مانوس ارتسام کے ساتھ چونکہ کوئی احساسی و حرکی رد عمل متعلق ہی نہین ہوتا ، لہذا اس صورت مین ہم کو ان رد اعمال کو ایجاد کرنا پڑتا ہے ، یعنی یہ کہ ہماری دماغی فعلیت اس سہولت و سرعت کے ساتھ نہین ہوتی جیسی کہ مانوس ارتسام کی وجہ سے ہوا کرتی ہے ، حیاتیات کا دعویٰ ہے کہ دماغ کی بلا مزاحمت فعلیت خوشگواری اور انبساط کی مترادف ہے اور اگر یہ فعلیت بلا مزاحمت نہین ہوتی ، تو ناگواری اور انقباض لازمی نتیجہ ہوتا ہے ، اس کا مطلب یہ ہے کہ مانوس اشیاء لازمی انبساطی و انشراحی کیفیت پیدا کرتی ہین ، اور غیر مانوس اشیاء انقباضی کیفیت ، اس تمام کو اگر ہم پیش نظر رکھین ، تو کہا جاسکتا ہے کہ قابل شناخت ارتسام حسیات اور عضوی احساسات کو ایک مخصوص طریقے سے متغیر کر لیتا ہے۔

بلاواسطہ شناخت کا جو تخیل ہم نے سطور ماقبل مین پیش کیا ہے ، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تصدیقات شاذ ہی صحیح ہوتی ہین ، ہم مین سے ہر ایک شخص اپنے اپنے ذاتی تجربے سے ، ب بین ان کی تائید

کرسکتا ہے، یہ غلطیاں بالعموم دو قسم کی ہوتی ہیں:- (۱) ایسی چیز جو کبھی ہمارے تجربے میں نہیں آئی ہم کو مانوس معلوم ہو، اور (۲) مانوس چیز غیر مانوس دکھائی دے، اول الذکر غلطی بہت کثیر الوقوع ہے، بعض دفعہ ہوتا ہے کہ ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں، اور اس کو اپنا دوست سمجھ کر اس سے نہایت تپاک، اور بعض صورتوں میں بے تکلفی سے ملتے ہیں، لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ہم کو اپنی غلطی کا علم ہو جاتا ہے، ثانی الذکر غلطی کی مثالیں نسیان کے واقعات میں بھی ملتی ہیں، خود فراموشی اسکی ایک دلچسپ مثال ہے،

ان دونوں غلطیوں میں سے پہلی کی توجیہ تو اس طرح ہو سکتی ہے، کہ شناختی تاثرات ہمیشہ ایک ہی شئے یا اشیاء ہی سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ اگر دو اشیاء ایک دوسری سے کم و بیش مشابہت رکھتی ہوں یعنی یہ کہ ان کے آپس میں چند مشابہات ہوں، اور چند اختلافات، اور ان میں سے ایک ہمارے لیے مانوس ہو تو دوسری بھی بسبب اپنی مشابہات کے مانوس معلوم ہو سکتی ہے، پھر ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دو اشیاء میں قابلِ تمیز اختلافات نہ ہوں، اگر یہ صورت ہے، تو بلا واسطہ شناخت کی کارفرمائی کا احتمال بہت زیادہ ہوتا ہے، ہم نے اوپر مثال دی ہے کہ بعض دفعہ ہم ایک ناواقف شخص کو اپنا بے تکلف دوست سمجھ کر اس سے حسن سلوک کرتے ہیں، لیکن بعد میں خود فریبی کا طلسم باطل ہوتا ہے، اس قسم کی مثالوں میں ہوتا یہ ہے کہ یہ نیا شخص ہمارے بے تکلف دوست سے ایک یا چند صفات میں مشابہت رکھتا ہے، ہم ان دونوں کے اختلافات کو تو نظر انداز کر جاتے ہیں، اور محض مشابہت کی بنا پر اس کو اپنا بے تکلف دوست سمجھ لیتے ہیں، دوسری غلطی کی توجیہ و تشریح کے لیے بہت زیادہ اصطلاحی اور پیچیدہ بحث کی ضرورت نہیں، ظاہر ہے کہ اس کا سبب

لہ پروفیسر ڈرورتھ نے اسکو خواب بالتخیل کہا ہے، پروفیسر اینجل نے اس کو حافظہ کے التباس کے ضمن میں بیان کیا ہے، اور اسکی انتہائی مثال دی ہے، یعنی یہ کہ ہم کسی نئی جگہ جاتے ہیں، اور وہ ہم کو مانوس معلوم ہوتی ہے، لیکن واقعہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اس سے قبل وہاں کبھی نہ گئے تھے، اسکے نزدیک التباس کی مختلف حالتوں میں مختلف علتیں ہوتی ہیں، وہ خود اسکو مانوسیت کی حسیت کی مختل صورت سمجھتا ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ فی الواقع ایک جبلی التباس ہے جسمیں ایک غیر موزوں چیز ان عضوی ردِ اعمال کو پیدا کرتی ہے جو مانوس اشیا کا نتیجہ ہوتے ہیں لیکن یہ ردِ اعمال کیوں پیدا ہوتے ہیں، یہاں اینجل خاموش ہے۔

ایک تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ چیز بہت زیادہ عرصہ کے بعد ہمارے تجربے مین آئے، اور اس عرصہ مین اُنکی شکل و صورت ہمارے ذہن سے نکل گئی ہو، یعنی یہ کہ اس چیز کا ارتسام شناخت کی مذکورۂ بالا دو خصوصیات ممیزہ کو پیدا کرنے کے قابل نہین ہوتا، ایک علت یہ ہو سکتی ہے کہ اس چیز کے متعلق ہمارا پہلا تجربہ بہت عارضی اور بالکل ناکافی ہو، مثلاً یہ کہ کسی خاص موقعہ پر بہت سے آدمیون سے ہماری سرسری ملاقات ہو، کہ ہم انکی شکل و صورت اچھی طرح نہ دیکھ سکین، ایسے اشخاص سے اگر ہم بعد مین ملین تو یقیناً ہم ان کی شناخت نہ کر سکین گے، حالانکہ اس سے قبل ہمارے تجربے مین آچکے ہین، ایک تیسری وجہ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ چیز گاہے ماہے ہمارے تجربے مین آئے، ان تمام اسباب سے ایک مانوس چیز ہمارے لیے نامانوس ہو سکتی ہے،

یہ یاد ہوگا کہ ہم پیچھے کہین بلاواسطہ شناخت کو دو واقعات پر مبنی کیا ہے، اول مرکزی تہیجات کو پیدا کرنے مین موثریت، دوم ایک خوشگوار جذبی کیفیت، اب سوال یہ ہے کہ ان دونون مین سے کسی ایک کو دوسرے پر کوئی فضیلت حاصل ہے یا یہ کہ دونون مساوی رتبہ و درجہ رکھتے ہین، اس سوال کا جواب محض مطالعۂ باطن کی مدد سے ممکن نہین، لیکن "ذہنی اندھا پن" اور "ذہنی بہرا پن" کے مریضون پر جو مشاہدات ہوئے ہین، ان سے اس سوال پر کافی روشنی پڑتی ہے، یہ دونون اصطلاحات پروفیسر منک کی بنائی ہوئی ہین، ان سے اس نے وہ حالت مراد لی ہے جس مین ایک شخص کسی مدرک شے کے مفہوم کی شناخت مین [illegible] مثلاً یا اس کا نام نہین لے سکتا یا اس کو استعمال نہین کر سکتا، اس قسم کے شخص کے ہاتھ مین [illegible] تو وہ اس کو دیکھتا ہے اور مانوس پاتا ہے، لیکن اس کا نام نہین لے سکتا یا اس کا استعمال [illegible] بعض اوقات اس مرض کی نہایت مستبعد مثالین ملتی ہین، پروفیسر منک کا بیان ہے کہ [illegible] کانٹے کی شکل و شباہت نہایت صحت کیساتھ بیان کی، لیکن جب آپ کا نام اس کو [illegible] نہ سکا، اس مثال اور اسی نوع کی اور مثالون کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہین کہ اس مریض مین [illegible] کا فقدان تھا، دوسرے الفاظ مین یہ کہ یہ خاص ارتسام مرکزی تہیجات کو مطلقاً پیدا نہ کر سکا [illegible]

اس مرکزی تہیج کی عدم موجودگی تک، نوعیت باقی رہے، تو مانوسیت لازماً اس جذبی کیفیت کا نتیجہ ہوگی جو
اس ارتسام سے پیدا ہوئی یعنی یہ کہ بلاواسطہ شناخت کے یہ دونوں اسباب مساوی حیثیت نہیں رکھتے
جذبی کیفیت بغیر مرکزی تہیج کے، شناخت کی صورت پیدا کر سکتی ہے۔

اس تمام بحث سے ظاہر ہے کہ ہم محض بلاواسطہ شناخت کی بنا پر یہ دعویٰ نہیں کر سکتے ہیں کہ ہم حافظہ
کی تمثالات اور ادراکات کا اجمالی مقابلہ کرتے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ ہم بلاواسطہ شناخت میں ان کا باہم مقابلہ نہیں کرتے
لیکن بالواسطہ شناخت کی حالت اس سے مختلف ہے جن صورتوں میں کسی چیز کا ادراک بہت مشکل ہوتا ہے یا
جہاں کے ذہنی انتشار میں بہت وقت صرف ہوتا ہے وہاں ہم اپنے ادراکات اور تمثالات کے صریحی
مقابلے کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ بالواسطہ شناخت کی دو مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں، ایک
صورت تو یہ ہے کہ جس چیز کی ہم شناخت کر رہے ہیں، اس کا ماحول بعینہٖ وہی ہو جو گذشتہ تجربے میں تھا۔
دوسری حالت یہ ہے کہ یہ ماحول بالکل مختلف ہو۔ یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ماحول کی اصطلاح
کو ہم صرف مکانی معنوں میں استعمال نہیں کر رہے ہیں، اس کا عام اور غالباً غلط استعمال ہے۔ ماحول بالعموم ان
تمام اشیاء کے ہم معنی ہوتا ہے، جو ایک خاص شے کے ساتھ ساتھ ایک ہی مکان میں موجود ہوتی ہیں۔ ہمارا مفہوم
اس سے بہت زیادہ وسیع ہے، ہماری اصطلاح اس عام مفہوم کو حاوی ہے، اور اس کے علاوہ جس میں ہم وہ
تمام اعمال بھی داخل سمجھتے ہیں جنکا ہم ادراک کر سکتے ہیں، اور جو وقتاً فوقتاً واقع ہوتے ہیں۔ اس وسیع مفہوم
کو پیش نظر رکھنے کے بعد ہمارے بیان کے سمجھنے میں دقت نہ ہوگی۔ بالواسطہ شناخت کی پہلی صورت تو بلاواسطہ
شناخت کے ایک سلسلے میں تحویل ہو جاتی ہے۔ یہاں ہم ماحول کی تمام مختلف اشیاء و اعمال، اور اس شے کو جسکو
شناخت کر رہے ہیں، منفرداً مانوس سمجھتے ہیں۔ بالواسطہ شناخت اس کو صرف اس وجہ سے کہتے ہیں، کہ
اس چیز کی شناخت ماحول کی اشیاء و اعمال کی شناخت پر موقوف ہوتی ہے، لیکن اگر یہ ماحول اصلی گذشتہ
ماحول سے مختلف ہے، تو یہ بالواسطہ شناخت صرف اس طرح ممکن ہوتی ہے کہ ہم اس اصلی ماحول کا اپنے

ذہن مین احیار کرین، جہان ہم نے پہلی مرتبہ اس شے کو دیکھا تھا، ماحول کے اس ذہنی احیا مین گویا ہم ان احساسات کا احیار کرتے ہین جو اس کو، اور اس کے علم کو مستحضر کرتے ہین، اب اگر ہم اس احیا مین کامیاب ہو جاتے ہین یا بالفاظ اگر یہ شے مرکزی تہیجات کو پیدا کر سکتی ہے، تو یہ "اشیاء معلومہ" کی فہرست مین شامل ہو جاتی ہے، یعنی یہ کہ اسکی شناخت ہو جاتی ہے، ہم یہ نہین کہہ سکتے کہ جس چیز کی ہم شناخت کر رہے ہین، اس کا مقابلہ ہم اسی چیز کی تمثال سے کرتے ہین، یہ صورت بہت نادر الوقوع ہے۔ اگر یہ کبھی واقع ہوتی ہے، تو مذکورۂ بالا حالات مین اس تمام حالت کو پیش نظر رکھنے کے بعد یہ کہنا ناممکن ہو جاتا ہے، کہ کیفی مشابہت کو قائم کرنے کے لیے، ادراک اور حافظ کی تمثیل کا براہ راست مقابلہ ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونون کی عینیت کا مفروضہ کسی موجہ تجربی استقرار پر مبنی نہین، بلکہ یہ خیال اس قدیم خیال پر موقوف ہے کہ ہمارا ذہن حافظ مین کسی ایسی چیز کو محفوظ نہین کہہ سکتا جسکو اس نے حواس کے ذریعہ سے اخذ نہین کیا، عضویات کی زبان مین اسی کو اس طرح بیان کرینگے، کہ ادراک اور حافظے کی تمثالات کے عصبی مراکز مختلف نہین، بلکہ ایک ہی مراکز ان دونون اعمال مین عامل ہوتے ہین، ہم نے اس سے قبل پروفیسر منک کے کچھ مشاہدات ذہنی اندھاپن، اور ذہنی بہراپن کے متعلق بیان کئے ہین، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ادراک اور حافظ کی تمثال کے مراکز مختلف ہین کیونکہ بقول منک ایک شخص کو کانٹے کا ادراک ہوتا ہے، لیکن وہ اسکے حافظ کی تمثال قائم نہین کر سکتا، اگر ان دونون فعلیتون کے مراکز ایک ہی ہین، تو ادراک کے ساتھ حافظ کی تمثالات کا ہونا لازمی تھا، لیکن جس نتیجہ پر ہم پہنچے ہین، اس سے پروفیسر منک کے اس خیال کی تردید ہوتی ہے۔

شناخت کے اس مختصر مطالعہ کو ختم کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ اس تصویر کا دوسرا رخ بھی ناظرین کے سامنے پیش کر دیا جائے، یہان تک یہ مطالعہ خالصاً نفسیاتی نقطۂ نظر سے تھا، اب ہم اسی کو عضویاتی روشنی مین پیش کرینگے، اس بحث کو واضح کرنے کے لیے ہم شناخت کو ایک مختلف اصول پر تقسیم کرینگے، یہ تقسیم اس مواد کی نوعیت کی بنا پر کیجاتی ہے، جسکی ہم شناخت کرتے ہین، اس لحاظ سے اس کی دو قسمین

بنتی ہیں۔ ایک احساسی اور دوسری تمثیلی؛ احساسی شناخت اس صورت کو کہتے ہین، جہان ہم اپنی کسی ادراکی فعلیت کی شناخت کرتے ہین، ہماری تمام گذشتہ مثالین شناخت کی اسی قسم سے تعلق رکھتی ہین، ایک آلہ حس ، یا بہت سے آلات حس کا تہیج اسکی خصوصیت امتیازی ہے، اس کے مقابلہ مین جب ہم اپنے خیالات و افکار کی شناخت کرتے ہین، جیسا کہ حافظہ مین ہوا کرتا ہے، تو شناخت تمثیلی کہلاتی ہے، یہان آلۂ حس کا تہیج مفقود ہوتا ہے، اب ہم ان دونون پر علیحدہ علیحدہ غور کرینگے،

احساسی شناخت مین عصبی کیفیتون کو معلوم کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہم بچے کی حالت پر غور کرین اور دیکھین کہ اس مین یہ شناخت کس طرح ظہور پذیر ہوتی ہے۔ ہماری گذشتہ نفسیاتی بحث سے واضح ہوگیا ہوگا، کہ شناخت مین دراصل ہمارے گذشتہ تجربے کا احیاء ہوتا ہے، اسی حقیقت کو عضویات کی زبان مین اس طرح بیان کرینگے، کہ شناخت موقوف ہوتی ہے نظامِ اعصاب کے ان راستون کے دوبارہ تہیج پر، جنکو عصبی ہیجانات اس سے قبل قطع کر چکے ہین، اس دوبارہ تہیج کے عضوی ردعمل سے شعور مین اسکی صدائے بازگشت پیدا ہوتی ہے، اور غالباً یہین سے شناخت کی بسم اللہ ہوتی ہے۔ عضویاتی حیثیت سے شناخت کی ترقی اور عادت کی تشکیل مین بہت زیادہ فرق نہین، اس تمام عصبی عمل کو واضح کرنے کے لیے ہم اس بچے کی مثال لیتے ہین جو اپنی مان کو پہچاننا شروع کر رہا ہے،

شروع شروع مین مان اس بچے کو، دودھ پلانے کے لیے اٹھاتی ہے، تو وہ بچہ اپنی مان کی شکل دیکھتا ہے، اس کے لمس کو محسوس کرتا ہے، اور دودھ پینے مین دودھ کا ذائقہ چکھتا ہے، ان بصری لمسی اور ذوقی ہیجانات کی وجہ سے لازماً حرکات پیدا ہوتی ہین، لیکن چونکہ اس عمر مین اس بچہ کے نظامِ اعصاب کے احساسی راستون اور مخصوص حرکی راستون مین تعلقات نہین ہوتے، لہذا یہ تمام احساسی تہیجات مختلف و متفرق حرکی راستون مین منتقل ہوکر بہت سی غیر مطابق حرکات کا باعث بنتے ہین، یہ تمام حرکات بہت زیادہ تغیر پذیر ہوتی ہین لیکن ان احساسی ارتسامات کی تکرار کے ساتھ ساتھ جو خوش آیند تجربات حاصل ہوتے ہین، ان کی وجہ سے

یہ متفرق اور غیر متطابق حرکات آہستہ آہستہ متطابق ہوتی جاتی ہین اور محض تکرار کی وجہ سے یہ تطابقات عادت کی شکل مین مستقل ہونے کی طرف مائل ہوتے ہین، اس استقلال مین یہ تمام خوش آیند تجربات مدد دیتے ہین، یہی وجہ ہے کہ جب وہ بچہ اپنی ماں کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھتا ہے تو مسکراتا ہے، ہاتھ پاؤن مارتا ہے، اور اسی قسم کی اور حرکات کرتا ہے، یہ تمام حرکی ردّ اعمال اس مین عادی ہو چکے ہین،

اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ متواتر احساسی ارتسامات بہت جلد احساسی حرکی تطابقات قائم کرتے ہین اور شناخت کا شعور عمل اس تمام عصبی فعلیت کا نفسی لازمہ ہوتا ہے، بعد کو یہ ارتسامات مخصوص حرکات کے ہم معنی ہو جاتے ہین، یہان تک کہا جا سکتا ہے، کہ یہ حرکات ان ہی ارتسامات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہین، اور شناخت کی ذہنی حالت ان عضویاتی ردّ اعمال کا مشاہدہ اور ایک طرح سے ان کی رہنمائی کرتی ہے، قانون عادت کے مطابق یہ تمام ردّ اعمال رفتہ رفتہ قسری ہوتے جاتے ہین، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس تمام فعلیت کا نفسی عنصر ہونا شروع ہو جاتا ہے، نفسیات کی زبان مین اسی کو ہم کہین اس طرح بیان کر چکے ہین، کہ اگر ہم کسی چیز کو ایک ہی ماحول مین ہمیشہ دیکھین تو مانوسیت کا احساس، واضح اور معین صورت مین باقی نہین رہتا ہم اپنے مکان کی چیزون کو دیکھتے ہین لیکن ان کو شناخت نہین کرتے، اپنے لکھنے پڑھنے کی میز پر کی چیزون کو دیکھتے ہین، اور بغیر شناخت کئے ان کو صحیح طور پر استعمال کرتے ہین، یہ سچ ہے کہ یہ صحیح استعمال ان کی شناخت ہی کا نتیجہ ہے، لیکن یہ شناخت صریحی نہین ہوتی جیسی کہ اس وقت ہوتی ہے، جب مین ان اشیاء کو کسی اور ماحول یا بہت مدت کے بعد دیکھتا ہون، اس تمام عمل مین اور زیادہ ترقی ہوتی ہے، تو یہ ظاہری حرکات بھی بے کار ہو کر ختم یا خفی ہو جاتی ہین، بچپن مین ہم اپنی ماں کو دیکھکر ہاتھ پاؤن مارتے اور قسم قسم کی حرکات کرتے تھے، لیکن پانچ سات برس بعد ہی یہ تمام حرکات ختم ہو جاتی ہین،

اس تمام بحث کا ماحصل یہ ہے کہ احساسی قسم کی شناخت ان احساسی حرکی تطابقات کے احیا پر منحصر ہوتی ہے، جنکو ہم اپنے گذشتہ تجربات مین قائم کرتے ہین اور یہ کہ ان تطابقات کے قائم ہونے سے قبل ہیجانات اور حرکات مین

شروع ہوتا ہے، رفتہ رفتہ بعض حرکات کا ازالہ ہو جاتا ہے، اور تطابقات قائم اور مستقل ہو جاتے ہیں پھر مزید ترقی سے اس تمام عضوی فعلیت کا نفسی لازمہ بھی ختم، یا تقریباً ختم ہو جاتا ہے۔

جب ہم اپنے ادراکات کی بجائے اپنے خیالات و افکار کی شناخت کرتے ہیں تو شناخت تمثیلی کہلاتی ہے، ان دونوں میں ذہنی حیثیت سے کوئی اہم فرق نہیں، مانوسیت کی جذبی کیفیت دونوں قسموں کی شناخت میں مشترک ہے، بالعموم عمل شناخت خوشگوار ہوا کرتا ہے، یہ شناخت احساسی ہو یا تمثیلی، پھر دونوں قسموں کی شناخت کے اعمال کے مختلف حصے بلحاظ وضاحت اور درجۂ تکمیل مختلف ہوتے ہیں، چنانچہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے ذہن میں کوئی خیال خطور کرے، اور ہم کو ایسا معلوم ہو کہ اسے پہلے کہیں دیکھا تھا، یا یہ کہ مانوس معلوم ہوتا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خیال اور بہت سے متلازم خیالات کے، یا کا باعث ہو، اور ہم اسکی صریحاً شناخت کرلیں،

عضویاتی حیثیت سے بھی ان میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے، سب سے بڑا اور اہم فرق، جیسا کہ پہلے بیان کر آئے ہیں، یہ ہوتا ہے، کہ احساسی شناخت کے لیے آلۂ حس کا تہیج لازمی ہے، یعنی یہ کہ احساسی شناخت کی عصبی فعلیت کا آغاز آلۂ حس کے تہیج سے ہوتا ہے، اس کے برخلاف تمثیلی شناخت میں عصبی فعلیت کے شروع ہونے کے لیے آلۂ حس کے تہیج کی ضرورت نہیں ہوتی، یہاں قسری فعلیت بغیر آلۂ حس کے تہیج کے ہوتی ہے، لیکن باوصف اس کے حرکی ردعمل اور باقی ماندہ قسری فعلیت دونوں میں یکساں ہوتی ہے، اس تمام بیان کو ہم ذیل کی شکل سے واضح کرسکتے ہیں :-

احساسی شناخت میں عصبی فعلیت کی ابتدا اح (آلۂ حس) سے ہوتی ہے، اس کا تہیج، م (د، غ کا احساسی مرکز) میں پہنچتا ہے، اور ادراک کے نفسی عمل کا باعث ہوتا ہے، یہاں سے یہ یا تو براہ راست ح م
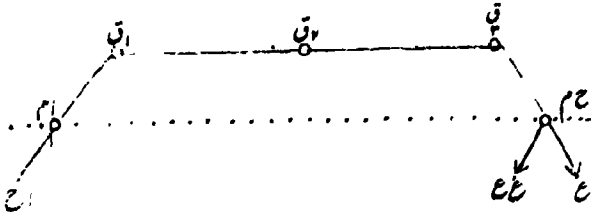
دماغ کا حرکی مرکز (مین منتقل ہوجاتاہے، اور اس طرح شناخت کی مذکورۂ بالا حرکات پیدا کرتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ یہ اخراج کا احساسی تہیج ق، ق، ق (مختلف قسری مراکز) مین منتقل ہو، اور یہان سے پھر حرام مین پہنچکر اخراج (ارادی عضلہ) اور غ غ (غیر ارادی عضلہ) کی تحریک کرے اور اس طرح احساسی حرکی دور ختم کرکے ایک عادی رد عمل پیدا کرے، تمثیلی شناخت مین تمام عمل اسی ہدایت کا ہوتا ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ قسری تہیج کی ابتدا اخراج حس سے نہین، بلکہ کسی قسری مرکز، مثلاً ق سے ہوتی ہے، اگر تمثیلی شناخت کا عصبی عمل بھی کسی احساسی عمل کا رہین منت ہوتا ہو تو یہ عمل اس تمام سلسلہ مین اس قدر پیچھے ہوتا ہے کہ ہم اس کو انجام کے ساتھ متعلق نہین کرسکتے، یہان یہ کہنے کی تو ضرورت نہ ہونی چاہیئے کہ حرکی رد عمل بہت خام اور منتشر بھی ہوسکتا ہو، لیکن ان کے کرنے کا میلان شناخت کے عصبی عمل کا اصلی جز و ہے،

اوراق گذشتہ مین ہم نے شناخت کا ذہنی مطالعہ کیا ہو، ذہنی اور جسمانی ارتقا کی اہمیت اس سے ظاہر ہے کہ اگر کسی چیز کی ماہیت اور خصائص معلوم کرنے کے لیے ہم کو ہر مرتبہ اس پر باقاعدہ توجہ کرنی پڑتی یا باضابطہ اختیارات کی ضرورت ہوتی، تو ہم اپنی زندگی کے کسی شعبہ مین بھی ابجد سے آگے نہ بڑھنے پاتے، اور ممکن ہے، کہ اسی توجہ و اختیار مین وہ چیز ہماری زندگی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیتی، بغیر شناخت کے حافظہ ناممکن التصور ہے، بغیر حافظہ کے گذشتہ تجربات سے استفادہ محال ہو، بغیر اس استفادہ کے ماحول کی مطابقت، اور ضروریات کا پورا کرنا ناممکن ہو، اور بغیر اس مطابقت کے زندہ رہنے کی خواہش خیال خام ہے، یعنی یہ کہ یہ بغیر شناخت زندگی خیال خام ہے، بغیر شناخت کے سانپ کا مارا رسی سے ڈرتا نہ دودھ کا جلا چھاچھ پھونک پھونک کر پیتا، بے سمجھ اور بے عقل بچہ بھی اگر کسی چیز سے ڈرتا ہے تو بعد مین صرف اسی چیز سے نہین، بلکہ اسکی ہم شکل اشیا سے بھی دور بھاگتا ہے، کیا اس کا یہ عمل شناخت کا نتیجہ نہین؟ بچہ کی یہی ابتدائی شناخت حافظہ کی بنا بنتی ہے، بعض ماہرین تو حافظہ کو شناخت ہی کی ترقی یافتہ صورت کہتے ہیں، مختصر یہ کہ شناخت کی اہمیت صرف نفسیاتی ہی نہین، بلکہ حیاتیاتی بھی ہے،

درختون کا حس و ادراک

از

جناب محمد احمد صاحب بی اے (علیگ)

لندن یونیورسٹی مین فخرِ ہندوستان سر جگدیش چندر بوس نے اپنی جدید نباتاتی تحقیقات پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ پودے، رنج و غم، خوشی و مسرت، خوف و خطر، اور زہر و ادویات سے ہماری طرح متاثر ہوتے ہین، اس کے علاوہ حیوانات اور نباتات کی ساخت ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہے" سر جگدیش کے ان جدید انکشافات نے سائنس کی دنیا مین ایک ہلچل ڈالدی، ورکم وبیش یہ سوالات ہین جنھون نے آج ماہران سائنس کے غور و تفحص کو مشغول کر رکھا ہے، کیا درختون مین قوتِ حاسہ پائی جاتی ہے؟ کیا ان مین سوچنے اور سمجھنے کا مادہ موجود ہے؟ کیا وہ آدمیون اور دیگر جانداروں کی طرح قوائے تمیز و ادراک سے آراستہ ہین؟

نئی دنیا (امریکہ) کے سائنس دان سر جگدیش کے ان خیالات کی قدر کرتے ہین، مگر ان سے کلیۃً متفق نہین ہین، ان مین سے بعض کا تو یہ خیال ہے کہ سائنس کا یہ ہندوستانی دیوتا جدید علوم مین ہندو ویدانت اور فلسفہ یوگ کو گڈمڈ کر رہا ہے، تاہم اس بات پر تو سبھی کا اتفاق ہے کہ ان انکشافات سے یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ کارزارِ حیات مین نباتات کی تگ و دو بالکل ہماری جیسی ہے بجز اس کے کہ پودے مقامی ہوتے ہین اور چل پھر کر اپنی ضروریات کو پورا نہین کر سکتے، باقی اپنے سارے لوازمِ حیات مین وہ ہم سے مماثلت رکھتے ہین، دنیا مین ان کا وجود نر و مادہ کے اتصال کا رہینِ منت ہے، افزائشِ نسل کے ان مین وہی ذرائع رائج ہین جو حیوانات مین ہین، ان کو بھوک بھی لگتی ہے اور پیاس بھی، اس لیے ان کو کھانے اور پانی دونون کی احتیاج رہتی ہے، وہ کھا پی کر اپنی خوراک ہضم بھی کرتے ہین، ان مین وہ اعضا بھی ہین جن سے

سائنس بتاتی ہے۔

ان کی اقتصادی زندگی بھی ہماری اقتصادی زندگی سے بہت ملتی جلتی ہے، ان میں تبادلۂ اشیاء کی رسم برابر جاری ہے، اور بعض اوقات تو وہ اپنی کاروباری ذہانت کا ایسا ثبوت دیتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، ان میں چور بھی ہیں، چلکے بھی، بدمعاش بھی نیک بھی، ان میں بھی انکی سوسائٹی کا ایک خاص معیار ہوتا ہے، جس میں امارت اور فلاکت کو بہت کچھ دخل ہے، وہ اپنے ماحول کے اثرات بہت جلد قبول کر لیتے ہیں، سردی اور گرمی سے بچنے کی فکریں کرتے ہیں، حملہ کے وقت مدافعت یا مقابلہ کی تدابیر اختیار کرتے ہیں، غرض آدمیوں اور دیگر جانداروں کی طرح وہ اس باغِ ہستی کی پرکیف فضا میں رونما ہو کر یہاں کی سردی گرمی، رنج و مصیبات، خوشی و مسرت کے مزے چکھتے ہوئے اپنی مدت معینہ پوری کر کے آخر منزل فنا پر جا پہنچتے ہیں،

جرمنی کے ایک بہت بڑے سائنس دان کا بیان ہے، کہ درختوں کے آنکھیں ہوتی ہیں، جو نہ صرف ان کو روشنی اور تاریکی کا فرق بتاتی ہیں، بلکہ ہر پتی کو دوسری پتیوں کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی اپنی جگہ مقرر کرنے میں مدد دیتی ہیں، تاکہ تمام پتیاں حرارت شمس سے برابر مستفیض ہو سکیں، پروفیسر ہیرلڈ (Harold) ایک انگریز سائنس دان نے اس تحقیق کا مزید ثبوت تصویر لیکر بہم پہنچایا ہے۔

اس بات کا کوئی قطعی ثبوت دینا کہ درختوں میں فہم و ادراک کس حد تک موجود ہے، بہرحال سخت مشکل ہے، سائنس نے ابھی اتنی بھی ترقی نہیں کی ہے کہ ہمیں جانوروں کے فہم و ادراک کا صحیح اندازہ ہو سکے، بہت چھوٹے چھوٹے جانوروں کا تیزاب سے ڈرنا اور ان سے بچنے کی کوشش کرنا ہم نے خوردبین سے معلوم کیا ہے، درختوں[1] کے متعلق بھی ایسی ہی باتیں مشہور ہوتی ہیں،

تقریباً ڈھائی لاکھ درختوں کی تحقیقات ہو چکی ہے، ہر جگہ حیات کے لیے ان میں ایک سفاکانہ

---

[1] سر جگدیش چندر بوس نے اپنے تجربہ گاہ میں جس نازک آلہ سے اس قسم کی تحقیقات کی ہے، اس کا نام Resonant Recorder ہے۔

جنگ جاری ہے، قدرت کا یہ اٹل قانون کہ "زور آور کے لیے بقا اور کمزور کے لیے فنا" عالم نباتات مین بھی بخوبی نافذ ہے،

زیادہ تر ماہران سائنس کا یہ خیال ہے کہ درختون مین قوت مدرکہ نہین ہوتی بلکہ ان مین ایسے قدرتی ذرائع موجود ہین جیسے وہ گرمی، روشنی، ہوا اور خوراک جو ان کی زندگی اور نشو و نما کا دار و مدار ہے حاصل کرتے ہین، بعض درخت حصول آب کی غرض سے دور دور تک اپنی جڑین پھیلا دیتے ہین، بعض کے پتے اس قدر مڑ جاتے ہین کہ وہ بخوبی دھوپ جذب کر لیتے ہین، جنوبی امریکہ کے ایک درخت کی پتیون مین ایک ایسا شگاف ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے دھوپ تنے مین لگتی ہوئی پتیون تک اچھی طرح پہنچ جاتی ہے، سورج مکھی کا مشہور و معروف پھول ہمیشہ اپنا رخ سورج ہی کی طرف رکھتا ہے، اب اس کو خواہ درختون کی جبلت کہا جائے یا ادراک، یہ حیرت انگیز ضرور ہے، اور ذیل کے قصون کی سچائی پر دال ہے جو اکثر سیاحون کی زبانی ہم تک پہنچے ہین،

آدم خور درخت

اس عجیب الخلقت درخت کے متعلق چند روز ہوئے ایک سیاح کا خط شائع ہوا تھا جسکو ساری دنیا نے نہایت دلچسپی کے ساتھ پڑھا، سیاح کا بیان ہے کہ جب وہ جزیرہ میڈگاسکر کے وسطی علاقہ مین پہنچا تو اس نے وہان ایک عجیب و غریب درخت دیکھا جو ۵ فیٹ بلند تھا، اور تقریباً اسی قدر ضخیم، اسکے بڑے لمبے لمبے پتے جنمین بڑے بڑے نوکیلے کانٹے لگے ہوئے تھے، زمین تک پہنچ رہے تھے، سیاح کے ہمراہ جزیرہ کے بہت سے باشندے تھے جو اس درخت کو کوئی دیوتا سمجھکر اسکی پرستش کرتے تھے اور بھینٹ چڑھاتے تھے، سیاح کے خوف و استعجاب کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ ان وحشیون نے اپنے ایک ہم قوم کو اس درخت کی طرف ڈھکیل دیا اور خود ہر چہار جانب بڑے بڑے بھالے تان کر کھڑے ہو گئے کہ وہ بھاگ نہ سکے، درخت نے آہستہ آہستہ اس شخص کو اپنے پتون مین لپیٹ لیا اور بڑے بڑے کانٹے اس کے جسم مین پیوست ہو گئے، چند ہفتون کے بعد جب سیاح کا اس طرف پھر گذر ہوا تو اس نے

دیکھا کہ درخت کے پتے کشادہ ہین اور اس کے قریب چند ہڈیان پڑی ہوئی ہین، وہ سمجھ گیا کہ اپنے شکار کو ختم کرکے وہ خونخوار درندہ کسی دوسرے بدبخت کو اپنی آغوشِ موت مین لینے کا منتظر ہے،

وسط امریکہ کا بھی ایک ایسا ہی قصہ سننے مین آیا ہے، ایک سیاح نے اپنی تقریر مین بیان کیا کہ وسط امریکہ مین اس نے ایک ایسا درخت دیکھا ہے کہ بدقسمت کا مارا جانور اس کے قریب جا پہنچتا ہے، وہ اسکو بغیر مارڈالے نہین چھوڑتا، چنانچہ سیاح کا کتا اس درخت کی لپیٹ مین آگیا اور جب اس نے کتے کو چھڑانے کی کوشش کی تو خود زخمی ہوگیا۔

ممکن ہے آپ کو ان قصون کی صحت مین شک ہو، مگر اہل علم کے تجارب کو آپ کہانتک جھوٹا سمجھینگے؟

ڈارون خود یقین کرتا تھا کہ بہت سے ایسے پودے ہین جو کیڑے مکوڑے کھاکر بسر اوقات کرتے ہین، اور آج بھی ماہران علم نباتات بہت سے ایسے پودون سے واقف ہین جو کیڑے اگر کھاتے نہین تو پکڑتے ضرور ہین،

مکھی مار درخت | ان کیڑے پکڑنے والے درختون مین[1] مکھی مار درخت (۲) اور پیالہ دار درخت بہت مشہور ہین، اول الذکر ایک نہایت خوبصورت پودا ہوتا ہے، اور اس مین بہت ہی خوشنما نازک نازک پھول لگتے ہین، اسکی پتیان دندانے دار ہوتی ہین، جہان کوئی مکھی یا کیڑا اس کے پاس سے گذرا یہ اسکو اپنی پتیون مین لپیٹ لیتا ہے، اس طرح ایک بار اپنے دام مین پھنساکر یہ اپنے صید کو زندہ نہین چھوڑتا اور آخر کار موت اس کو آزاد کرتی ہے،

دوسرے درخت کی پتیان پیالیون کی طرح ہوتی ہین، اور ان پر سرپوش لگے رہتے ہین، پیالیون کے اندر ایک بودار سیال مادہ ہوتا ہے، کیڑا مادہ کی بو پاکر پیالے کے اندر داخل ہوجاتا ہے، اب جو دیکھتا ہے تو دکھنا بند، نکلنے کی ہزار کوششین کرتا ہے مگر سب بیکار، آخر اسی شراب مین غرق ہوکر جس کا مزہ چکھنے وہ اس محبسِ ہلاکت مین داخل ہوا تھا جان دے دیتا ہے،

یہ اوپر بیان ہوچکا ہے کہ درخت حیوانات کی طرح نقل وحرکت پر قادر نہین، مگر قدرت نے ان کے لیئے

اور کیڑون کے متعلق بیان ہوا،

آپنے اوپر پڑھا ہے کہ عالم نباتات مین ایک طبقہ جرائم پیشہ درختون کا ہے، جرائم پیشہ لوگون کی طرح یہ درخت اپنی جماعت کے مستعد کارکن اور محنتی ارکان کو شکار کرتے ہین، ایک درخت سالہا سال بڑھکر برگ و بار سے اس قدر لد جاتا ہے کہ اسکو اپنی کسی نہ کسی شاخ سے دستبردار ہونا پڑتا ہے، وہ شاخ جس مقام سے جدا ہوتی ہے، وہان ایک زخم ڈالدیتی ہے، اس زخم پر کوئی بدمعاش اپنا گھونسلا بنا لیتا ہے، اور چپکے چپکے درخت کا خون چوستا رہتا ہے، خون کے برابر نکلتے رہنے سے درخت کمزور پڑجاتا ہے، اور آخرکار موت اپنا بھیانک چہرہ دکھاکر اس کا خاتمہ کردیتی ہے، بہت کم ایسے درخت ہوتے ہین جو اپنی موت مرتے ہین، بلکہ زیادہ تر وہ ان ٹھگون اور رہزنون کی نذر ہوجاتے ہین،

قدرت نے بعض درختون کو حفاظت ذاتی کے لیے اسلحے بھی دے رکھے ہین، جو اکثر زہر اور کانٹون کی شکل مین ہوتے ہین، بعض درخت اپنے دشمنون کے مقابلہ مین جانورون سے رابطۂ اتحاد قائم کر لیتے ہین چنانچہ کالیفورنیا کا ایک درخت اپنے پتون پر ایسی ہزارہا گوشت خور چیونٹیون کو جگہ دیتا ہے جو ان کیڑون کو کھا جاتی ہیں جنسے درخت مذکور کے پتون کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے،

ہمارے پاس اس کا کافی ثبوت ہے کہ دنیا مین نباتات کا وجود بہت قدیم ہے، بہت[1] پرانے پرانے درختون کے تنے اور بیج وغیرہ اکثر زمین سے برآمد ہوتی رہتی ہین لیکن پھر بھی روز بروز نئی نئی خاصیت کے پودے دریافت ہو رہے ہین، ابھی حال ہی مین پروفیسر سموئیل جے رکرڈ نے ایسے دو درختون کو دریافت کیا ہے جنمین سے ایک دودھ دیتا ہے، اور ایک سے خون ٹپکتا ہے،

ان اللہ فالق الحب والنوی یخرج الحی من المیت ومخرج المیت من الحی ذلکم اللہ فانی تؤفکون،

بیشک وہ خدا ہی ہے جو دانون اور گٹھلیون کو چیرتا ہے اور (وہ) چیزون کی زندہ چیزین اور زندہ چیزون سے مردہ چیزین باہر لاتا ہے یہ ہے تمہارا خدا تو تم کدھر جارہے ہو

برگ درختان سبز در نظر ہشیار — ہر ورقی دفتریست معرفت کردگار

[1] چند روز کا ذکر ہے آسنسول کے قریب ایک بہت پرانے درخت کا تنہ زمین سے برآمد ہوا، اور وہ اس وقت کلکتہ کے عجائب خانہ مین موجود ہے،

چند نایاب کتابین

از

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی

مولانائے ممدوح کا شمار اس وقت کے مشہور "عشاق کتب" مین ہے، وہ اس عشق مین ناکام نہین ہر مہینہ ان کو کچھ نہ کچھ کتابین بہم پہنچتی رہتی ہین، ان کے خاص کتب خانہ حبیب گنج (علی گڈھ) مین عربی و فارسی نوادر کا بڑا ذخیرہ فراہم ہے، جب کبھی کوئی نئی چیز ان کے ہاتھ آتی ہے، تو اپنے والا ناموں مین اوسکی اطلاع اڈیٹر معارف کو ضرور کرتے ہین، زیارت حرمین سے فارغ ہو کر جب ہندوستان آئے، دیگر روحانی فیوض و برکات کے ساتھ کچھ علمی تحفون کا بھی سامان ہاتھ آیا اپنے والا نامہ مورخہ ۱۹ رجب ۵۵ھ مین رقم فرماتے ہین،

"التقصی: حافظ ابن عبدالبر کی نقل ہو کر مدینہ طیبہ سے آگئی، یہ کتاب مشائخ امام مالکؒ کے حالات مین ہے، ہر شیخ کے ذکر مین اسکی وہ تمام حدیثین بیان کر دی ہین جو موطا مین ہین، اور اسی ضمن مین ہر حدیث کے متعلق محدثانہ بحث ہے، اپنی بڑی کتاب التمہید سے اس کو مختصر کیا ہے،

گذشتہ مہینہ حصول کتب کے لحاظ سے مبارک تھا، بعض اور نایاب کتابین بھی ہاتھ آئین،

امام سمان المتوفی سنہ ۴۴۳ھ نامور امام ہین، "کان عالماً عابداً ... اھلاً فقیھاً" ......

اماماً فی القرآت والحدیث والرجال والفرائض والفقہ وصنعت وردس والملی"، امام موصوف نے ایک کتاب لکھی "الموافقۃ بین اہل البیت والصحابۃ، و مایردہ من کل فریق فی حق الآخر"، اس کتاب کو علامہ زمخشری نے مختصر کیا، بہ حذف اسناد و مکررات اس مختصر کا قلمی نسخۂ نفیس ہاتھ آیا، یہ نسخہ مولف

تلخیص و تبصرہ

گذشتہ سہ ماہی کی بعض قابلِ ذکر مطبوعات

(یورپ مین)

جنوری، فروری اور مارچ مین جو قابلِ ذکر کتابین شائع ہوئی ہین ان مین ادلیت کا فخر یاقوت کی معجم الادبار کی ساتوین اور آخری جلد کو ہے، پروفیسر مارگولیتھ نے گب موریل سیریز (سلسلۂ یادگار گب) مین اسے نہایت قابلیت کے ساتھ اڈٹ کرکے شائع کرنا شروع کیا تھا اور بحمد اللہ کہ ان کی یہ محنت ٹھکانے لگی، کتاب کا اصلی نام ارشاد الاریب الی معرفۃ الادیب ہے،

اسی طرح ڈاکٹر سر ای، ڈی، راس نے پروفیسر براؤن کی کتاب "ایک سال ایرانیون مین" کو نظرثانی کرکے مطبع جامعۂ کیمبرج سے شائع کیا ہے اور اب اسی کے ساتھ پروفیسر آنجہانی کے ان مختلف تراجم اشعار کو جو مختلف رسائل وغیرہ مین شائع ہوتے رہے تھے، ایک جگہ جمع کرکے شائع کرنے کا انتظام کر رہے ہین، اس مجموعہ کی ابتدا مین تاریخ ادبیات ایران پر ایک مختصر جامع مضمون ہوگا اور مسٹر جے، بی، اٹکنس پروفیسر مذکور سوانحِ حیات بھی لکھین گے،

سر تھامس رو، انگریزون کا اولین باقاعدہ سفیر تھا جو دربار جہانگیری مین حاضر ہوا تھا، اوس نے اپنے اس سفر کے حالات قلم بند کئے تھے، ان حالات کو ہکلیوت سوسائٹی نے ۱۸۹۹ء مین اپنے سلسلۂ کتب مین شائع کیا تھا اور اسی مقبولیت کی وجہ سے اسی زمانہ مین بک گئی تھی، اب اسی کتاب کو حواشی، ضروری نوٹ وغیرہ کیساتھ سر ولیم فارسٹر نے مطبع جامعۂ آکسفورڈ سے شائع کیا ہے، تاریخی حیثیت سے اسے

جو اہمیت حاصل ہے اسکی وجہ سے تمام ادبی رسائل نے اس پر طویل تنقیدات شائع کی ہین،

جامعۂ کیمبرج نے کئی برسون سے دنیا کی تاریخ قدیم کا ایک وسیع و ضخیم سلسلہ شائع کرنا شروع کیا ہے اس وقت تک اسکی چار جلدین شائقین کے ہاتھون مین پہنچ چکی ہین، اب اس کے مہتممون نے اعلان کیا ہے کہ آئندہ بہار مین وہ اسکی تین اور جلدین شائع کریگا، پانچوین جلد کا نام اتھینز ہوگا، اور یہ ایرانی جنگ سے سقوط اتھینز کے حالات پر مشتمل ہوگی چھٹی جلد "مقدونیہ چوتھی صدی" کہلائیگی، اور ساتوین جلد مین پہلی شائع شدہ چار جلدون کے متعلق ... تصاویر ہونگی،

ہندوستان کے جنگلون کے متعلق یون تو سرکاری دفاتر مین کچھ نہ کچھ مل ہی جائیگا، لیکن انکی تنظیم ترتیب، تاریخ، حالات وغیرہ پر حال مین جو کتاب ہندوستان کے جنگل کے نام سے ۴ جلدون مین شائع ہوئی ہے، قابل ذکر ہے، اس کے مصنف مسٹر سٹیبنر اڈنبرا یونیورسٹی مین جنگل اور متعلقات جنگل کے استاذ ہین،

"ن"

مصر مین

دو تین ماہ مین جو اہم قدیم مؤلفات شائع ہوئی ہین ان مین سے چند یہ ہین،

اندلس کے مشہور مفسر ابوحیان متوفی ۷۵۴ھ جنکی نایاب تفسیر "البحر المحیط" حکومت مغرب اقصیٰ کے اہتمام سے ۱۳۲۸ھ مین شائع ہو کر اہل علم کے ہاتھون مین آچکی ہے، انکی علوم قرآن پر ایک اور نایاب تالیف "تحفۃ الاریب بما فی القرآن من الغریب" مصر کے مشہور علماء کی خاص توجہ سے یورپ کے جدید طرز ترتیب و تصحیح پر شائع ہوئی ہے،

عربی علم ادب و موسیقی کی مشہور کتاب ابوالفرج اصفہانی کی الاغانی جو ۲۰ ضخیم جلدون مین ہے، آسانی کی غرض سے لوگون نے اسکی تلخیص آجکل بھی کی ہے، رنات المثانی نام ہے، لیکن اس ضرورت کا احساس اس سے پہلے بھی ہو چکا تھا، چنانچہ عربی زبان کے مشہور اندلسی امام ابن منظور خزرجی مصنف لسان العرب (۶۳۰ھ - ۷۱۱ھ) نے مختار الاغانی کے نام سے اس کا خلاصہ کیا تھا، اس کا ایک حصہ چھپکر مصر مین شائع ہوا ہے

اور باقی حصص زیر طباعت ہین،

چند ماہ گذرے کہ ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ کی کتاب "اخبار الحمقاء والمغفلین" کا تذکرہ "معارف" کے ... مین کیا تھا، اب یہ کتاب شیخ ... راغب الطباخ رکن المجمع العلمی العربی دمشق کی خاص توجہ سے، وہ مضمون مین ... شائع ہوئی ہے، ... ایک فاضلانہ مقدمہ بھی ہے،

ان ایام مین ... دو دو تین ماہ مین شائع ہوئی ہین، حافظ ابو الخیر محمد بن محمد جزری دمشقی متوفی ۸۳۳ھ کی کتاب "النشر فی القراءات العشر" ... تاریخی ذکر ہے، اس مین قرآن مجید کے متعلق نزول ... لیکن اس کی جمع و ترتیب، حضرت صحابہ کے ہاتھون مختلف دیار اسلامی مین اس کے پہنچنے پھر صحابہ سے تابعین اور ان سے دیگر علماء کی ... اس کے جانے کے تفصیلی حالات سنداً درج ہین، اس کے بعد قراءۃ متواترہ پر نیز راویون، اسناد، قراء عشرہ اور دیگر ممتاز قراء مین سے دو سو سے زیادہ کے تراجم، ان کے طریقہ قراءت اور اصول قراءت پر تفصیلی بحث ہے، نیز علم تجوید کے تمام اصول و قواعد منضبط ہین، غرض کہ قرآن مجید کے متعلقہ مباحث اس ایک تصنیف مین یکجا ہین، اس تالیف کی اہمیت اسلیے اور بھی زیادہ ہے کہ ان کے بعد کے تمام مؤلفین کا ماخذ یہی واحد کتاب ہے، دمشق کے ادیب شیخ محمد احمد دہمان نے اس کتاب کے چار نسخے جو پردۂ عالم مین موجود تھے ان کو یکجا کئے جنمین سے بعض نسخون کے فوٹو لینے کی ضرورت پڑی جس پر خاص مؤلف کے قلم کی عبارتین موجود ہین، اور اس کے بعد انھون نے انھی چارون نسخون کی مدد سے خاص اہتمام کے ساتھ اس کو اڈٹ کرکے شائع کیا ہے،

علامہ نویری کی مشہور کتاب نہایۃ الارب فی فنون الادب جو ۳۰ جلدون مین گویا علوم و فنون کی انسائیکلوپیڈیا ہے، اب چھپنی شروع ہوگئی ہے، اور اسکی ایک دو جلدین سرکاری مطبع سے چھپکر شائع ہوئی ہین، آٹھوین صدی کی تصنیفات مین یہ کتاب سب سے زیادہ اہم سمجھی جاتی ہے،

"م"

ایران مین تعلیمی جدوجہد

جنگ عظیم کے بعد سے ایران مین جو حیرت انگیز انقلاب رضا شاہ پہلوی کے زیر سایہ پیدا ہو رہا ہے اس کا ایک منظر ایران مین تعلیمی جدوجہد کے کارنامے ہین، سیکڑون ایرانی طلبہ یورپ کی مختلف درسگاہون مین یا خود جارہے ہین یا حکومت کی طرف سے بھیجے جارہے ہین، قاچاری سلطنت کے عہد مین نئی طرز کا صرف ایک بڑا کالج دار الفنون نام طہران مین تھا جس نے ایک زمانہ مین ایران کی نئی نسل کے بڑے بڑے اشخاص پیدا کئے، مگر پچھلے انقلابات نے اسکو بھی صدمہ پہنچا دیا تھا، جدید حکومت دوسرے ملکی سیغون کی ترقی و ترتیب کے ساتھ تعلیم کی طرف بھی اپنی توجہ منعطف کر رہی ہے،

لڑکون کے ساتھ لڑکیون کی تعلیم کا بھی خاص اہتمام ہے، بلکہ بعض اونچے درجون مین تو لڑکیون کی تعداد لڑکون سے بھی زیادہ ہے، چنانچہ ایک مصری رسالہ نے ایک ایرانی صحیفہ سے یہ بیانات نقل کئے ہین،

"وہان سب سے بلند معیار کے دو مدرسے ہین، جنکو مدرسہ عالیہ کہا جاتا ہے، ان دونون مدرسون مین طلبہ کی مجموعی تعداد ۲۹۶ ہے، اور اس تعداد کی حیرت انگیز تفصیل یہ ہے کہ ان مین سے ۲۷۷ لڑکے اور باقی ۹۱۴ لڑکیان ہین،

ان مدارس کے بعد ثانوی مدارس ہین جنمین ۲۰۰۶ لڑکے اور ۳۰۴۸ لڑکیان زیر درس ہین، ۴۳ مدارس متوسطہ مین ۱۱۴۴۰ طلبہ اور ۲۷۰۹۲ لڑکیان ہین، ۴۸۴ مدارس ابتدائیہ مین ۴۴۹۰۸ طلبہ اور ۴۴۰۰ لڑکیان ہین، اس کے بعد ۲۸۳ مذہبی مدارس ہین جنمین ۲۳۷۰۵ طلبہ زیر درس ہین، اور ان سب کے علاوہ قدیم وضع کے ۲۸۰۲ مکتب ہین جنمین ۵۹۸۴۲ طلبہ تعلیم پاتے ہین،

ان تمام مدارس کی مجموعی تعداد ۳۱۰۱ ہے، جنمین ۱۱۴۰۰ لڑکے اور لڑکیان اور ۳۴۲۷ اساتذہ اور ۵۱۹ معلمہ ہین"

یہ رپورٹ مسلمانان ہند کے لیے خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ ان کی ہمسایہ سلطنت ایران

ایران مین خواتین طالبات علم کی کسقدر حیرت انگیز کثرت ہے، اور خصوصاً مدارس عالیہ اور ثانویہ مین تو مردون سے کہین زیادہ انکی تعداد ہے، مگر ابھی مسلمانانِ ہند مین یہی مسئلہ زیر بحث ہے کہ تعلیم نسوان ضروری ہے کہ نہین بلکہ یہ جائز بھی ہے یا نہین؟

"م"

دائرۃ المعارف یہود

اب جبکہ معارف نے اردو دائرۃ المعارف کی تحریک از سرنو شروع کی ہے، یہ معلوم کرنا دلچسپ ہوگا کہ یہودیون کی ایک معتدبہ علمی جماعت بھی اپنی قومی دائرۃ المعارف کی تصنیف کا بندوبست کر رہی ہے، موقر سہ ماہی رسالہ ایشیاٹک ریویو نے اس کا اس طرح خیر مقدم کیا ہے:-

"ہم کو بہت مسرت ہے کہ برلن کے اصحاب علم کی ایک معتدبہ جماعت نے ایک مجلس اس غرض سے قائم کی ہے کہ وہ یہودیون کے لیے انسائیکلوپیڈیا لکھے، تقریباً ربع صدی پہلے نیویارک مین یہودیون کی ایک دائرۃ المعارف (جیوریش انسائیکلوپیڈیا) لکھی گئی تھی، لیکن اس عرصہ مین نہ صرف معاشرت یہود بلکہ ان کے خیالات مین بھی زمین و آسمان کا فرق ہوگیا ہے، اس تصنیف کے مرتبین کا خیال ہے کہ ابتداء سے موجودہ زمانہ تک کے یہودی مذہب، ادبیات، تاریخ، فلسفہ وغیرہ کا مفصل ذکر ہوگا، اس کے ساتھ ہی مختلف اوقات مین ان کی جو اقتصادی حالت رہی ہے اور نیز جو نئے مسائل پیدا ہوگئے ہین ان پر کافی بحث کیجائے گی، یہ دائرۃ المعارف بیک وقت جرمنی اور عبرانی دونون زبانون مین شائع کیجائے گی، اور اگر سرمایہ مین گنجائش ہوئی تو اس کے ساتھ ہی انگریزی اڈیشن بھی طبع ہوگا، جیسی کہ اس وقت تجویز ہے، اسکی دس جلدین ہونگی، ہر جلد مین ۸۰۰ صفحات ہونگے اور تقریباً سات سال مین مکمل طور سے شائع ہو جائے گی،

یہ دائرۃ المعارف اس قسم کی دوسری کتابون سے دو حیثیتون سے ممتاز ہوگی، وہ سختی سے کسی متنازع فیہ معاملہ پر بحث نہ کرے گی بلکہ اس مین دونون گروہون کے دلائل دیدیئے جائین گے اور فیصلہ

پڑھنے والے پر چھوڑ دیا جائیگا، دوسرے یہودیون کی خاص تاریخ اور ان کے مخصوص خیالات، پر مستقل طویل مضامین ہونگے، لیکن ان کی شاخون کا تذکرہ سرسری طور سے کر دیا جائے گا، اس دائرۃ المعارف کے رئیس المرتبین (اڈیٹران چیف) ڈاکٹر جیکب کلٹزکن (Dr. Jacob Klatzkin) ہین، یہ فلسفۂ یہود کے بڑے ماہر و مصنف ہین، دوسرے ارکان پروفیسر ای، ایلبان، پروفیسر ایم گٹمین ڈاکٹر ایم ایہ نبرس اور ڈاکٹر ایم، وشنزر ہین، اسکی اشاعت کے فرائض بیت المقدس و برلن کا والگ اسکول انجام دے گا،

جرمنی اور عبرانی اوراق اس کتاب کے نمونہ کے طور پر شائع کئے گئے ہین، ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تصنیف علمی و عملی دونون حیثیت سے بہت بلند ہوگی، ان اوراق نمونہ مین الکیمیا، اسکندریۂ ارمی، ابدان (تشریح) دستکاری، انشٹین وغیرہ پران فنون و مباحث کے اساتذہ کے مضامین ہین ان سے اس کتاب کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے، دستکاری والے مضمون مین یہودیون کی دستکاری کی تاریخ ٹسیٹس کے زمانہ سے آغاز کر کے موجودہ عہد تک بیان کیگئی ہے، اسی طرح دوسرے پر از معلومات و دلچسپ مضامین ہین،

"ن"

سائنس کی ۱۹۲۶ء مین ترقیان

دنیائے علم و حکمت نے اس سال مختلف شعبون مین جو نمایان ترقیان کی ہین وہ یہ ہین کہ :-

بے تار کی برقیات لاسلکی تصویر کشی کا طریقہ بر سرکار آگیا اور امریکہ اور انگلستان کے درمیان تصویرون کے منتقل کرنے کے لیے ایک کمپنی بھی بنگئی،

چھوٹی چھوٹی شعاعون کے استعمال اور ان کو لاسلکی ذریعہ سے ادھر ادھر منتقل کر سکنے کی بحث مین مسٹر مارکونی نے کامیابی حاصل کرلی، عنقریب وہ انگلستان اور اسٹریلیا کے درمیان اس طریقہ سے نامہ و پیام کا سلسلہ قائم کرنے والے ہین

لندن اور نیویارک کے درمیان، لاسلکی ذریعہ سے رو بدو بات چیت کرنا بالکل سہل ہو گیا ہے،
ایک منٹ گفتگو کا خرچ ۵ گنی پڑتا ہے،

مسٹر بیرڈ نے جنوری ۲۶ء مین ثابت کردیا ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تک، لاسلکی ذرائع سے تصویرین منتقل کرنا بھی ممکن ہے، اب وہ یہ سوچ رہے ہین کہ اسکے لیے ایسے آلات ایجاد کرین جنمین سے کسی کی قیمت ۳۰ گنی سے زیادہ نہ ہو،

فنِ پرواز اس سنہ نے فنِ پرواز مین خاص ترقی کی ہے، اور اب لوگون کو اس کے ذریعہ سے کاروبار کرنے پر مزید وثوق پیدا ہوا، ایک کمپنی نے ڈاک اور مسافرون کے لانے اور لے جانے کے لیے ہلیوپولیس سے کراچی تک ایک ہوائی راہ بنادی، لندن سے اس راہ پر تین جہاز اڑے، جو بغیر کوئی نقصان اٹھائے عراق مین وقت موعود پر پہنچے، تیسرا جہاز جس پر انگلستان کے وزیر پرواز اور انکی خاتون سوار تھین دہلی آیا، لندن سے دہلی تک ۶۲ گھنٹے صرف ہوئے، ۱۷ جنوری ۲۷ء سے اس راہ پہ باقاعدہ پرواز کی آمد ورفت شروع ہو گئی ہے،

اس سنہ مین، امنڈسن، نوبلی، اور زور تھ نورج نامی غبارہ پر سوار ہو کر سپٹسبرگن سے اس کا مارین تک قطب شمالی کے اوپر، اور امریکی مسٹر ایک رسیتی، صرف ایک جہت کے ایک طیارہ پر سپٹسبرجن سے قطب شمالی تک اڑے اور سرالان کوبہم نے لندن سے کیپ تک پھر لندن سے اسٹریلیا تک کامیاب سفر کیا۔

خاص علمی ترقیان ۲۶ء کا خاص علمی کارنامہ یہ بھی ہے کہ پروفیسر ملکین امیرکی نے آسمانی شعاعون کا وجود، ان کے خواص، اور ان کی قوت کی مقدار معلوم کرلی، پروفیسر میکلسن نے ثابت کیا کہ روشنی کی رفتار فی سکنڈ ۱۸۶۱۷۳ میل ہے، ڈاکٹر کولیج امیرکی نے ایک نلی بنائی ہے، جس سے برق منفی کی شعاعین علٰحدہ پیدا ہوتی رہتی ہین، ڈاکٹر موصوف کو امید ہے کہ یہ نلی بھی سر ولیم کروکس کے خالی انبوبون کی طرح مباحث طبیعیہ مین نہایت اہم ثابت ہونگے، کیونکہ ڈاکٹر صاحب کا اندازہ ہے کہ ان نلیون سے بجلی اتنی زیادہ مقدار ہوا مین پھیل سکتی ہے جتنی روشنی ایک ٹن ریڈیم پیدا کرسکتی ہے اور چونکہ ریڈیم نادر الوجود اور نہایت قیمتی ہے اور اس نلی کی

کوئی بڑی قیمت نہ ہوگی،

پنیتھ اور پیٹرس (جرمنی پروفیسرزن) نے ہیڈروجن کو ہلیوم بنا دیا،

پروفیسر ہپکنس امریکی نے ۶۱ وین جوہر کو دریافت کرلیا، اور اس کا نام الینیوم رکھا ہے، اب صرف دو عنصر یعنی جوہر ۸۷ اور جوہر ۸۵ نامعلوم ہیں،

طبی | مرض سرطان کے اسباب اور اس کے علاج کے متعلق کینڈا کے ڈاکٹر ہبوٹ نے تحقیق کیا ہے کہ سرطان کے پیدا کرنے والے مادہ پر، جگر کے ست کا بہت اثر ہوتا ہے، چنانچہ انھون نے اپنی اس رائے کا امتحان چوہون پر کیا جنکے سرطان ہوگیا تھا، انھون نے سور کے (جنین) کی کلیجی کے ست کو انجکشن سے چوہون کے اندر داخل کیا تو نتیجہ خاطرخواہ نکلا اس کے بعد بہت سے آدمیون پر گائے کی کلیجی کے ست کا استعمال کیا تو اس کا بھی اثر اچھا رہا، کینڈا اور انگلستان کی حکومتون سے درخواست کیگئی ہے کہ اس طرز علاج کی اشاعت سے پہلے اس کو بعض شفاخانون مین اور جانچ لیا جائے،

جرمنی کے کسی شخص نے ملیریا کے لیے کونین کے بجائے ایک نئی دوا دریافت کی ہے، جسکا نام پلاسموکین رکھا ہے اس کا اثر کونین سے کہین زیادہ فوری ہے، بچون کو سل سے محفوظ رکھنے کے لیے بھی ایک ٹیکہ کی دریافت کا اعلان ہوا ہے،

(سقطف ۲-۲۷)　　"ج"

برکلے کی ڈائلاگس کا ترجمہ جس مین مکالمہ کی صورت مین برکلے نے مادیت کا ابطال کیا ہے، قیمت باختلاف کاغذ عہ ؍ و عہ ضخامت ۲۴۴ صفحے،

"منیجر"

باشندگانِ انگورہ، اس مہینہ مین انگورہ کی مردم شماری اختتام کو پہنچی اور بہت جلد اسکی رپورٹ شائع ہوگئی ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ تمام باشندگانِ انقرہ کی مجموعی تعداد ۵۹ ہزار ہے، جمین سے ۲۳ ہزار خواتین اور ۳۶ ہزار مرد ہین، لیکن اس کے دار الحکومت ہونے سے پیشتر اسکی آبادی ۱۰ ہزار سے کبھی بھی متجاوز نہین ہوئی تھی،

طلبہ کی بین الاقوامی مجلس:- جہان دنیا مین ہر چیز اندنون ملکی حدود سے نکلکر بین الاقوامی ہوتی جاتی ہے، وہین طلبہ کی جماعت مین بھی یہ تخیل پیدا ہوگیا ہے اور اس نے اب عملی صورت اختیار کرلی ہے، چنانچہ جینوا مین بین الاقوامی مجلسِ طلبہ قائم ہوچکی ہے، اور اس کا پہلا اجلاس اگست ۱۹۲۶ء مین یوگوسلاویا کے ایک شہر کارلووی مین منعقد ہوا تھا، اس مین مختلف ممالک کے ۲۰۰ طلبہ نے شرکت کی تھی، اس مین ۵ طلبہ ہندوستان کے بھی تھے، اس کا مقصد غریب طلبہ کی مدد، اور اپنی برادری مین اتحاد و اتفاق پیدا کرنا ہے، اسی مقصد کے لیے اس نے اپنا ایک رسالہ "سٹوڈنٹیم ؤکر Vox Studentium" نام بھی شائع کرنا شروع کیا ہے، اس مین فرانسیسی، جرمنی اور انگریزی زبان کے مضامین ہوتے ہین، یہ مجلس اس وقت ۵۰ ہزار پونڈ غریب طلبہ کی امداد مین صرف کرچکی ہے،

اصلاحِ تقویم، عیسوی مہینون کا اختلافِ تعداد اصحابِ تجارت، اربابِ سرمایہ اور مزدورون کے لیے یکسان طور پر غیر منفعت بخش تھا، چنانچہ اسی ضرورت کو محسوس کرکے مجلسِ اقوام نے اصلاحِ تقویم کے لیے ایک مجلس مقرر کی تھی کہ وہ اس بات پر غور کرے کہ کیا مساوی ایام کے مستقل مہینے بنائے جاسکتے ہین،

چنانچہ اس مجلس کے ارکان نے یورپ کے اکثر ممالک کا دورہ کیا، وہاں کے لوگوں سے تبادلۂ خیالات ہوا اور سبھوں نے اس کو پسند کیا، چنانچہ اب یہ سامان کیا جارہا ہے کہ ۱۹۳۳ء کی پہلی جنوری سے اس کا آغاز کردیا جائے، اس مسئلہ کو آخری مرتبہ طے ہونے کے لیے مجلس اقوام کے اجلاس اگست میں پیش کیا جائے گا۔

اس تجویز کے مطابق تمام مہینے صرف ۲۸ دن کے ہونگے، پہلی تاریخ ہمیشہ اتوار کو ہوگی اور آخری سنیچر کو، اس طرح ہر دن بھی ہمیشہ خاص خاص تاریخ ہی کو پڑا کرے گا، مثلاً بدھ کا دن ۴، ۱۱، ۱۸ اور ۲۵ ہی کو ہوگا مگر ایک بات ابھی غور طلب ہے اور وہ یہ کہ عیسوی مہینے میں ۳۶۵ دن ہوتے ہیں، اسلیے اگر دن اتنے ہی رکھے گئے تو ایک مہینہ اور بڑھانا پڑے گا اور اس پر بھی عام سال میں ایک دن چھوٹ جایا کرے گا،

ہندوستانی کارخانے، ہندوستان کے کارخانوں کی جو رپورٹ متعلق ۱۹۲۵ء شائع ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ ملک نے اس حیثیت سے خاص ترقی کی ہے، ۱۹۲۴ء میں کارخانوں کی تعداد ۶۴۰۰ تھی اور ایک سال کے اندر ان کی تعداد ۶۹۲۶ ہوگئی اسی کے ساتھ مزدوروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا، ۱۹۲۴ء میں وہ ۱۴۵۵۹۲ تھے اور ۱۹۲۵ء میں ۱۴۹۴۹۵۸، عورتوں کی تعداد میں بھی ترقی ہوئی، اور وہ ۲۵۲۳۲۵ سے ۲۵۴۲۱۵ ہوگئی، اسی کے ساتھ جرائم بھی ۰۰۰، سے ۱۰۰۰ ہوگئے، ایسے کارخانوں کی تعداد جو مزدوروں سے ۴۸ گھنٹے کام لیتے تھے، ۲۰ فی صدی تھی، ۵۴ گھنٹے والے ۲۲ فیصدی اور ۵۴ سے زیادہ والے ۶۱ فیصدی تھی،

معدنیات کی تعلیم، ہندوستان میں تقریباً ہر علم و فن کے خاص مدارس حکومت نے مختلف مقامات پر قائم کر رکھے ہیں، جہاں زراعت، تجارت، جنگل، فوج، صنعت، حرفت وغیرہ کی تعلیم دیجاتی ہے، لیکن معدنیات کی تعلیم کے لیے اب تک کوئی چیز نہ تھی، ۱۹۱۳ء ہی سے اس کے قیام کی کوشش ہورہی تھی، مگر اس نے گذشتہ دسمبر میں عملی وجود حاصل کیا ہے، دھنباد کا علاقہ معدنیات کے لحاظ سے ہندوستان کا امیر ترین علاقہ ہے،

بھی جگہ یہ اسکول قائم ہے، اس کے کامیاب طلبہ کا وہی درجہ ہوگا جو لندن کے شاہی مدرسۂ معدنیات کے کامیاب طلبہ کا ہوتا ہے،

ایک تاریخی خزانہ کی بربادی، راؤ بہادر پرسنیس اپنے ذوقِ کتب کے لئے تمام دنیا مین مشہور تھے، انھون نے تاریخِ ہندوستان کے متعلق جو عظیم الشان بیش قیمت ذخیرہ جمع کیا تھا وہ اس قدر اہم و مفید تھا کہ لوگ دور دور سے اس چشمۂ علم سے فیضیاب ہونے کو آتے تھے، اس سے بڑھکر جو کام انھون نے کیا تھا وہ یہ تھا کہ ہندوستان کے فنِ نقاشی و مصوری کا بہترین ذخیرہ جمع کیا تھا، اور اصحاب الرائے و واقف کار حضرات کا خیال ہے کہ اپنی وسعت و اختلافات کی وجہ سے یہ ہندوستانی تصاویر کا دنیا مین بہترین مجموعہ تھا، ابھی ایک سال بھی نہین گذرے کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے، اونکی اولاد ان کے اس بیش بہا سرمایۂ حیات کو الگ کرنا چاہتی تھی، لیکن صوبۂ بمبئی کے علم دوست اصحاب نے حکومت کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ اس خزانہ کو اپنے قبضہ مین لے لے، اور اس صلہ مین راؤ بہادر کی اولاد کو ماہوار دو سو روپیے برابر دیئے جائین، مگر اب یہ معلوم کر کے سخت افسوس ہوتا ہے کہ یہ معاہدہ صرف کتابون کے لیے ہوا تھا اور تصاویر کا وہ نادر مجموعہ جو دنیا مین اپنی مثال نہین رکھتا اس مین شامل نہین ہے اور راؤ بہادر کے ورثہ اون کی فروخت کے لیے امریکہ سے نامہ و پیام کر رہے ہین، ہندوستان نے اپنی غفلت مین اپنی تمام بیش بہا چیزین یورپ و امریکہ جانے دین لیکن اب جبکہ احساسِ خودداری و وقارِ قومی پیدا ہو چکا ہے، یہ خبر نہایت افسوسناک ہے، کیا ہندوستان اس طرح غریب تر ہوتا رہے گا،

یورپ کے جدید سکے، حال مین بلجیم کی حکومت نے اپنی مالی حالت کی اصلاح اور شرحِ تبادلہ کے استحکام کے خیال سے ایک نئے طلائی سکے کے رائج کرنے کا ارادہ کیا تھا، چنانچہ اب وہ سکہ جاری ہوگیا ہے،

کا نام بلکا ہے، آئندہ سے تمام قیمتین، مزدوریان اور دوسری رقمین اسی سکہ کے ذریعہ ظاہر کیجائینگی،

جنگ کے بعد سے مختلف ممالک نے جو سکے جاری کیے ہین ان مین بلکا آخری ہے ۔۔۔۔ الک

سکے یہ ہین:-

جرمن	ڈنمارک	ہنگریا	چکو
پولینڈ	زلوٹی	اسٹریا	ستیبنگ

شرق اردن مین بعض آثار قدیمہ، برٹش میوزیم کے وفد نے شرق اردن مین چند نہایت

نے کپڑے دستیاب کیے ہین، جو نہایت بیش قیمت اور زر و جواہر سے مرصع ہین، ان کپڑون کے

لق خیال کیا جاتا ہے کہ یہ بعض نہایت اہم خزانون کے ملنے کا پیش خیمہ ہین، جو مدت کے توت غنخ اہون

بھی زیادہ بیش قیمت ہونگے،

عراق کے آثار قدیمہ کے لیے گرانقدر عطیہ، ایک دولتمند انگریز کے وصیت نامہ کے مطابق

آثار قدیمہ کے لیے چھ ہزار پونڈ وقف کیے گئے ہین، تاکہ اس سے ایک مدرسہ کی بنا ڈالکر اس مین وہان

رقدیمہ کی تحقیق و تفحیص کیجائے،

برطانیہ کا خیراتی سرمایہ، اخبار ڈیلی میل کی سالانہ کتاب سے ظاہر ہو کہ برطانیہ عظمی و دارالسلطنۃ کی ان انجمنون

مدد کے لیے کسی شخص کی مخیرانہ جود کی ممنون احسان مین ۲۰۵۰ ہے، اور آخری مرتبہ انکی آمدنی کی جو میزان لگائی گئی تھی

تھی اس مین وہ رقمین جو لوگ وقتاً فوقتاً گرجا وغیرہ کے لیے دیتے رہتے ہین، شامل نہین ہین، جو مبلغین باہر کام کرتے ہین انکے اخراجات

لئے جو رقم وصول ہوئی ہے اسکی تعداد ...... ۲۰ پونڈ ہے، صرف لندن کے ۱۰۸ شفاخانون کی جو آمدنی ۱۹۲۵ء مین ہوئی ہے

لاکھ پونڈ ہے، انکے اخراجات ۶۷ لاکھ پونڈ تھے، ان شفاخانون مین اس سال تقریباً ستر لاکھ مریضون کا علاج ہوا،

بابُ التقریظ والانتقاد

انڈیا آفس لائبریری

کی

فہرستِ مخطوطاتِ اُردو

از

سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے، دار المصنفین

مرتبہ مسٹر جے، ایف، بلوم ہارٹ ایم، اے

یورپ اور ہندوستان کے چہار صد سالہ تعلقات کے سیاسی، اقتصادی و معاشرتی نتائج جس قدر بھی مفید یا مضر ہوئے ہون اس سے ہم کو بحث نہین، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان علمی خزائن کے اعتبار سے مفلس ہو گیا، علوم و فنون کے دفاتر برباد اور کتب خانے ویران ہو گئے، مکتبون مین گرد اڑنے لگی، مدارس کا شیرازہ بکھر گیا، مشرقی تعلیم کے اوراق پریشان ہو گئے اور یہان کے تمام علمی متاعہائے گران ارزیورپ کے مختلف ممالک مین عموماً اور انگلستان کے شاہی ایوانی و جوامع مین خصوصاً بھیکران کی زیب و زینت اور نمائش و زیبائش مین صرف ہو رہے ہین، سلاطینِ دہلی کا علمی خزانہ شاہانِ اودھ کا نادر کتب خانہ ٹیپو سلطان کا ذخیرۂ کتب متعدد علم دوست رؤسا، اور اصحابِ علم کی ذاتی لائبریریون کا آج دھندلا سا نشان بھی تلاش کرو تو تم کو نظر نہ آئے گا کہ یہ تمام خزانے یورپ کے مختلف ممالک مین منقسم ہو چکے ہین، اصحابِ فہرست نے ان

"غنائم" کی جو ضخیم فہرستین شائع کی ہین وہ ہماری علمی بربادی کا گویا مرثیہ اور خاموش ماتم ہین، لیکن جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا ہے اور جو دولت لٹ چکی وہ کسی دامون بھی واپس نہین مل سکتی، اسلئے اب اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہین کہ ہم ان علمی داغ کو ہمیشہ ہرا رکھین کہ کم از کم آئندہ ہم سے پھر یہ غفلت نہ ہو،

ایسٹ انڈیا کمپنی نے جس طرح ہندوستان مین اپنے کو روشناس کیا اور پھر جس طرح ملک کی حاکم بن بیٹھی، ایک معلوم عام تاریخی حادثہ ہے، اس کمپنی نے ابتدا ہی سے نہ صرف یہان کی دولت، یہان کی خام پیداوار، کپڑے وغیرہ لے جانا شروع کئے بلکہ علمی ذخائر کے حصول کی بھی داغ بیل ڈالدی، چنانچہ جب اس کمپنی نے انگلستان کی پارلیمنٹ کے حکم کے مطابق معاملات ہندوستان کے لئے مجلس نگہداران قائم کی اور اس کے ساتھ ہی اس کا دفتر عالم وجود مین آیا تو اس کے ساتھ ہی ایک گوشہ مین ایک کتب خانہ بھی بنا لیا گیا، انسائکلوپیڈیا برٹانیکا مین اس لائبریری کا سال قیام ۱۸۰۱ء دیا ہے، اور آج سے دس سال پہلے بھی اسکی کتابون کی تعداد ... بتائی ہے، مشہور اردو دوست فرانسیسی مستشرق گرسن دی تاسی اپنی تاریخ ادبیات ہند مین اس کتب خانہ کو مکتبۂ ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے یاد کرتا ہے، یہ کتابین زیادہ تر مشرق کے متعلق اور مشرقی زبانون مین ہین،

آج سے تقریباً سات سال پہلے دار المصنفین کے ناظم مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کو وفد خلافت کے رکن کی حیثیت سے یورپ جانے کا موقع ملا تھا، اس سلسلہ مین انھون نے اس علمی معبد کی بھی زیارت کی تھی اور اس کے مطبوعہ اردو ذخیرہ کے متعلق ایک مضمون ناظرین معارف کے لئے لکھکر بھیجا تھا، مولانا ممدوح نے اس مضمون مین اس کتب خانہ کی عام حالت کا ان الفاظ مین تذکرہ کیا تھا:-

"اس دوران مین اس دیوان حکومت مین جسکا نام انڈیا آفس ہے تین چار دفعہ جانے کا اتفاق ہوا، اس عمارت مین جہان سینکڑون حقیقی و مجازی زیارت گاہین ہین، ایک زیارت گاہ کا نام انڈیا آفس لائبریری ہے،

" یہ لائبریری ایک گوشۂ عمارت مین واقع ہے اور ہندوستان کی علمی تاریخ کا مجسمہ ہے، ایک گول ریڈنگ روم (مطالعہ کا کمرہ) ہے، اس کے پہلو مین کتب خانہ ہے، دوسرے پہلو مین متعدد چھوٹے کمرے ہین،

جو مہتممین کتب خانہ کے دفتر مین . . . .

" اس لائبریری مین عربی، فارسی، اردو، سنسکرت، بنگالی، گجراتی، ہندی، کتابون کا عظیم الشان ذخیرہ ہے[1]

مولانا ممدوح نے جیسا کہ بتایا جا چکا ہے اپنے مضمون کو صرف اردو کی مطبوعات تک محدود رکھا ہے، ان مطبوعہ کتابون کی ایک فہرست بھی ۱۹۱۰ء مین شائع ہو چکی تھی اور یہی فہرست مولانا کا ماخذ تھی، اس ذخیرہ کو دیکھ کر اردو کی وسعت کے متعلق جو مسرت زا جذبات پیدا ہوئے تھے ان کو انھون نے ان الفاظ مین ظاہر کیا تھا

" بہر حال مطبوعہ اردو کتابون کی اہمیت بھی یہان میری نگاہ مین کچھ کم نظر نہ آئی اور تھوڑی دیر کے لیے مجھے مسرور ہونا پڑا کہ الحمد للہ ہماری زبان بھی اس قدر ترقی یافتہ ہے کہ ۹۰ صفحہ مین اوسکی فہرست تمام ہوئی ہے[2]"

اگر مولانا کے سامنے مطبوعہ فہرست نے جو مطبوعہ کتب کے متعلق اردو کی وسعت کا نقشہ پیش کر دیا تھا تو زیر تنقید فہرست جو اردو کی غیر مطبوعہ کتب کے متعلق ہے یہ بتانے کے لئے تیار ہے کہ اردو کب عالم وجود مین آئی اس کا ابتدائی رنگ کیا تھا، پھر وہ رفتہ رفتہ کس طرح وسیع و ہمہ گیر ہوتی گئی، کس طرح سلاطین، امراء، اصحاب علم حکماء، اطباء، تجار، شعراء وغیرہ نے اس کو بڑھایا، کس طرح ہند و مسلم اور یورپین اصحاب نے اس کو ترقی دی اور کس طرح ابتدا ہی سے یہ ایک عام و ہر دلعزیز زبان بن گئی تھی،

کتب مطبوعہ کی فہرست کی طرح یہ فہرست بھی شعبۂ اردو کے مہتمم کتبیہ مسٹر جے، الیف، بلوم ہارٹ، ایم اے، کی محنت و مطالعہ کا نتیجہ ہے، اور ہمارے پاس بغرض تنقید بھیجی گئی ہے، یہ فہرست ۱۹۲۲ء مین تیار ہو چکی تھی مگر مرتب کی مسلسل علالت، اور بالآخر دسمبر ۱۹۲۲ء مین اونکی موت، پھر مسئلہ طباعت کے سوال نے ۱۹۲۶ء تک اوسے شائقین تک پہنچنے سے باز رکھا مسٹر بلوم ہارٹ کے بعد اس فہرست کی نظر ثانی [illegible] کا ذمہ نائب مکتبہ مسٹر سی، اے، اسٹوری C. A. Storey کے نام تھا، [illegible] مین جو کسی زمانہ مین علی گڈھ مین تھے، اسلئے ہم کو امید تھی کہ یہ فہرست تحقیق، صحت اور وسعت معلومات کے

---

[1] معارف ج ۹ صفحہ ۴۰۸　　[2] ایضاً صفحہ ۴۱۰

اعتبار سے ایک قابل قدر چیز ہوگی، لیکن اس کے مطالعہ نے ہم کو ایک بڑی حد تک مایوس کردیا اور مستشرقین انگلستان کے متعلق جو حسن ظن قائم تھا اس کو بہت صدمہ پہنچایا۔

اس فہرست میں ۲۶۹ قلمی نسخوں کا تذکرہ ہے، یہ نسخے مختلف علوم و فنون سے متعلق ہیں، اور ایک ایک عنوان کے ماتحت ان کو رکھا گیا ہے، انکی تفصیل یہ ہے:-

دینیات ۴۳ (اس میں فقہ، مناظرہ، حدیث، تفسیر، ترجمہ قرآن، غرض سب داخل ہیں) تاریخ ۱۰، سوانح ۳، تذکرہ ۱۲، جغرافیہ ۴، قصص ۷۰، نظم ۷۶، اخلاقیات ۲، طب ۳، موسیقی ۹، زراعت ۱، فوجی قواعد ۱، مجموعۂ الفاظ ۴، لغت ۲، قواعد ۷، اور متفرقات ۸ = ۲۶۹

ترتیب میں کسی خاص اصول کی سختی سے پابندی نہیں کی گئی ہے، مثلاً قصص میں نظم و نثر دونوں قسم کی حکایات درج کی گئی ہیں، لیکن پھر نظم کی سرخی میں بھی متعدد افسانے اور مثنویاں دی گئی ہیں، اسی طرح تاریخ کی کچھ کتابیں اسی سرخی کی ماتحت ہیں اور کچھ نظم کے زیر عنوان،

مرتب نے جس غیر محتاط طریقہ سے فہرست ترتیب دی ہے اس کا ثبوت قدم قدم پر ملتا ہے، پہلی ہی کتاب کو لیجئے۔ اس کا نام امواج خوبی دیا گیا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ اردو کتاب کا نام نہیں ہے، بلکہ اس کے ترجمہ و شرح کا جو فارسی میں ہے، اصل میں اس کا نام خوب ترنگ ہے، اس کے مصنف کے متعلق مرتب نے اس طرح اظہار خیال کیا ہے:-

"اصلی یعنی نظم خوب ترنگ حاشیہ پر لکھی ہے، سنہ ۹۸۶ھ میں خوب محمد نے لکھا تھا، یہ شیخ کمال محمد کے ارشادات کا مجموعہ ہے"[1]

اب ذرا اس کا بیان سنیئے:-

خوب (کمال الدین محمد چشتی) امواج خوبی کا مصنف ہے یہ اسی تخلص کے ایک صوفی کی ہندوستانی

---

[1] فہرست مخطوطات اردو صفحہ ۱،

مثنوی موسوم بہ خوب ترنگ کا فارسی مین ترجمہ و شرح ہے، یہ شرح سنہ ۹۹۱ھ مین لکھی گئی، اور خوب ترنگ کا سال تصنیف سنہ ۹۸۶ھ ہے۔[1]

اسی طرح نسخہ نمبر ۴ کا نام ترنجن ہے اور مصنف نے اس شعر مین اس کتاب کا نام خود بتایا ہے،

ہوا نزول عروج نام

جا کو بوجھ ترنجن نام

لائق مرتب نے یہ نہ سمجھا کہ ہندی مین "بوجھ" کے معنی سمجھ کے ہین اور بوجھ ترنجن نام رکھ دیا، اسی طرح نسخہ نمبر ۵ جو شیخ فریدالدین عطار کے تذکرۃ الاولیاء کے بعض سوانح کا ترجمہ ہے، اور اس کا نام منتخب ہے، منتخب نیک نام بتایا گیا ہے اور اس کے ثبوت مین یہ شعر پیش کیا گیا ہے،

ختم پایا فضل سون تیرے تمام

نام اس کا منتخب ہے نیک نام

حالانکہ اس کے بعد ہی دوسرا شعر لکھا گیا ہے،

برس بارہ اتھے ہجری تمام

ختم پایا منتخب اسے نیک نام

اسی طرح مصنفین کے نام کے سلسلہ مین بھی عجیب و غریب غلطیان کی گئی ہین مثلاً نمبر ۱۰ ایک "جنگ نامہ" ہے جسمین حضرت علیؓ کے صاحبزادہ محمد حنیف کی لڑائیون کا تذکرہ ہے، اسکے مصنف کا نام نہ معلوم کس طرح سیوک بتایا گیا ہے، حالانکہ تاسی نے صاف بتایا ہے کہ اس کا مصنف وحیدی ہے۔[2]

اسی طرح دنیا جانتی ہے منطق الطیر (عطار) کا دکھنی مین جو ترجمہ ہوا ہے وہ وجدی دکھنی کا ہے، تاسی نے یہی لکھا ہے، حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری نے بھی بیان کیا ہے،[3] جناب نصیرالدین ہاشمی نے بھی اسے

---

[1] تاسی جلد ۲ صفحہ ۲۰۰ [2] تاسی جلد سوم صفحہ ۲۷۶ [3] تاریخ اردو قدیم صفحہ ۷۲

وجدی ہی کا ترجمہ بتایا ہے[1] لیکن ہمارے لائق مرتب نے اسے اس شعر:-

جی موا ... فہم اپنے سے کے تضعیف

اس کتاب خاصہ کا نظم شریف

کی بنا پر اسے ... ت ضعیف کا ترجمہ بتایا ہے، فاعتبروا!

اس سلسلہ میں دو باتین معلوم کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہونگی، اول یہ کہ جس شعر کے ذریعہ سے سنہ ترجمہ نکالا جاتا ہے وہ ہر نسخہ مین جداگانہ لکھا ہے، اسلئے ہر شخص نے اس سے الگ ہی سنہ اخذ کیا ہے، تاسی نے ۱۲۲۱ھ دیا ہے اور میرا خیال ہے کہ تاسی نے جس نسخہ کو دیکھا تھا اوس مین یہ شعر اس طرح ہوگا:-

جب کیا تاریخ کا دل مین حساب

تب ہوا میزان مین خاصی کتاب

چنانچہ "خاصی کتاب" سے ۱۲۲۱ھ نکلتا ہے، انڈیا آفس کے نسخہ مین یہ شعر ہے،

جب کیا تاریخ کا دل مین حساب

تب ہوا میزان مین یو خاصا کتاب

مرتب نے یو خاصا کتاب سے تاریخ نکالکر ۱۱۵۱ھ دیا ہے:

جناب نصیر الدین صاحب کے یہان یہ شعر ہے:-

جب کیا تاریخ کا دل مین حساب

تب ہوا میزان مین کیا خاصی کتاب

"کیا خاصی کتاب" سے ۱۲۵۱ھ نکلتا ہے، (دکن مین اردو صفحہ ۵۶)

جناب حکیم شمس اللہ صاحب قادری نے اس شعر کو یون لکھا ہے،

---

[1] دکن مین اردو صفحہ ۵۵

جب کیا تاریخ کا دل مین حساب

تب ہوا میزان کیا خاصا کتاب

اور "کیا خاصا کتاب" سے ۱۱۴۲ھ اخذ کیا، (تاریخ اردوے قدیم صفحہ ۹۲)

اب سوال یہ ہے کہ حقیقی اور صحیح سال ترجمہ کون سا ہے، اس کے لیے ہم کو سب سے پہلے اس نظم کی بحر کی طرف متوجہ ہونا چاہیے، یہ مثنوی مولانا روم کی مثنوی کی بحر رمل مین، درست بن مقصور ہے، اب اس شعر کی تقطیع کیجئے" پہلا مصرع یون ہوگا،

جب کیا تا　ریخ کا دل　مین حساب

فاعلاتن　فاعلاتن　فاعلات

مگر دوسرا مصرعہ ان تینون مین اس وقت تک صحیح نہین ہو سکتا جبتک میزان کو نون غنہ کے ساتھ نہ پڑھا جائے، جو اس عہد کی زبان مین رائج نہین اور اب بھی خالص اردو مین نہین بولا جاتا اسلیے صحیح مصرعہ یہی

تب ہوا میزان مین خاصا کتاب

تب ہوا می　زان مین خا　صا کتاب

فاعلاتن　فاعلاتن　فاعلات

اور "خاصا کتاب" سے ۱۱۵۱ھ نکلتا ہے، خاصا کتاب اور خاصی کتاب کا فرق اس زمانہ مین نہین پیدا ہوا تھا، چنانچہ بلیو ٹھک ڈرمارگن لیانڈش گیش شافٹ کے نسخہ مین بھی ۱۱۵۱ھ ہی ہے، اور شاید یہ نسخہ صحیح ترین ہے، یا پھر تاسی کا دیا سنہ صحیح ہو،

دوسری بات یہ ہے کہ جناب ہاشمی نے نہ معلوم کہان سے تحفۂ عاشقان (جو اسی مصنف کی دوسری مثنوی ہے، اور وہ بھی عطار کی ایک مثنوی کا ترجمہ ہے) کا سالِ تصنیف ۱۱۵۰ھ نکالا ہے اور اس طرح دو وجدی پیدا کر لیے مین، حالانکہ حکیم شمس اللہ صاحب نے اس کا وہ شعر جس سے تاریخ نکلتی ہے دیا ہے

اور اس سے ۹۰۵ھ تاریخ نکالی ہے[1]،

اسی قسم کی سہ گانہ غلطیوں سے یہ فہرست ایک بڑی حد تک بھری ہوئی ہے، اور طباعت کی غلطیوں کا تو شمار ہی نہیں، اشعار جو نقل کئے گئے ہیں وہ اکثر جگہ صنعت بے بحری کی بہترین مثال ہیں،

مگر اس کے ساتھ ہی اب ہمارا فرض ہے کہ

عیبہا جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو،

کے مطابق اس فہرست کے روشن پہلو پر بھی نظر ڈالیں، چنانچہ اس فہرست کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اسکے ذریعہ ہم عام اردو کی عموماً، اور دکنی اردو کی خصوصاً مکمل تاریخ مدون کر سکتے ہیں، جناب ہاشمی صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ ان کے خیال میں دکن میں اردو کا گیارہویں صدی سے آغاز ہوا مگر اس فہرست کی کتابوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ دسویں صدی میں بھی کتابیں لکھی گئی ہیں، اسی طرح حکایت سوداگر اور نقش بوشش کہ پادشاہت می کرد ۹۵۵ھ اور ترجمۂ انوار سہیلی ۹۶۰ھ سے دکنی اردو کی اصل شکل و صورت ہمارے سامنے آجاتی ہے،

اس فہرست میں زیادہ تر کتابیں نظم کی ہیں اور مختلف فنون کے ماتحت جو کتب نظم دیکھی ہیں ان کے علاوہ نظم کے ماتحت جو کتابیں درج ہیں ان کی تعداد ۱۲۹ ہے، ان کتابوں میں متعدد چیزیں قابل ذکر ہیں، مثلاً ان سے ہم کو سعادت یار خان رنگین کی تمام تصانیف کا پتہ چلتا ہے، اور ان میں سے اکثر کتابیں خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں، جو کتابیں ان کی اس فہرست میں دیکھی ہیں، ان کی تعداد ۲۵ ہے،

۱- دیوان ریختہ ۱۲۰۲ھ (۲) دیوان بیختہ ۱۲۱۶-۲۰ھ (۳) دیوان آمیختہ ۱۲۲۲ھ (۴) دیوان انگیختہ یا ریختی ۱۲۲۳ھ ان چاروں دیوانوں کا مجموعہ چار عنصر رنگین کہلاتا ہے، (۵) حدیقۂ رنگین فارسی ۱۲۲۳ھ یہ پانچوں خمسۂ رنگین کہلاتے ہیں (۶) مجموعۂ رنگین ۱۲۳۵ھ یہ ۷ زبانوں میں ہے (۷) مجالس رنگین نثر ۱۲۱۵ھ (۸) اخبار رنگین، یہ آٹھوں ہشت بہشت رنگین کے نام سے موسوم ہیں (۹) امتحان رنگین ۱۲۳۶ھ یہ نورتن رنگین

[1] تاریخ اردوئے قدیم صفحہ ۹۳۔

ہوئے اور ان کے علاوہ رنگین کا ایک اور خمسہ ہے جسمین مندرجۂ ذیل کتابین ہین :-

(۱/۱۱) جنگ نامۂ رنگین (۲/۱۱) حکایت رنگین، (۳/۱۲) نصاب رنگین (۴/۱۲) حکایات رنگین (۵/۱۳) مثنوی فارسی، اس کے ساتھ ان کے سبعہ سیارہ کو بھی ملا لیجئے، (۱/۱۴) تصنیف رنگین (۲/۱۴) گلدستۂ رنگین (۳/۱۸) سجۂ رنگین (۴/۱۸) رنگین نامہ (۵/۲۰) ساقی نامہ رنگین، (۶/۲۱) تجربۂ رنگین (۷/۲۲) کلام رنگین، ان کے علاوہ پانچ اور کتابین ہین (۲۳) فرسنامۂ رنگین، (۲۴) قوت الایمان، (۲۵) ترجمۂ قصیدۂ غوثیہ (۲۶) ترجمۂ قصیدۂ بانت سعاد (۲۷) ترجمہ مدحیہ،

اسی طرح میر اثر کی نہ صرف مثنوی خواب خیال کا ایک نسخہ یہان موجود ہے، بلکہ ان کی ایک اور مثنوی کا بھی ایک نسخہ موجود ہے، جعفر زٹلی، کی متعدد تصانیف کے علاوہ افسوس، درد، سوز، سودا، میر کے متعدد دیوان ہین، دکن کے مشہور شعراء نشاطی، غواصی، نصرتی، قطبی، لطفی وغیرہ کی تصانیف بھی موجود ہین، اور وہ ہمارے موجودہ معلومات مین اضافہ کرتی ہین، مثلاً لطفی کے متعلق حکیم شمس اللہ صاحب خاموش ہین، اور جناب ہاشمی صاحب نے صرف نام اور دو شعر دینے پر اکتفا کیا ہے، حالانکہ اسکی ایک مستقل تصنیف قصۂ بہلول صادق (۹) موجود ہے، اسی طرح قطبی کے متعلق ہاشمی صاحب ساکت ہین اور حکیم صاحب نے اسکی ایک کتاب مترجمۂ تحفۃ النصائح کا ذکر کیا ہے، ان کو اس کا بھی علم ہونا چاہیئے کہ اسکا ایک تیرہ ماسہ بھی ہے، نصرتی کی تین تصانیف مین سے دو کا ذکر ہے گلشن عشق کے تین نسخے ہین، یہ قصہ دراصل میر عسکری عاقل خان رازی کی فارسی مثنوی مہر و ماہ کا ترجمہ ہے، دکن کے شمس المورخین نے اسے عاقل خان کی دوسری مثنوی شمع و پروانہ کا ترجمہ بتایا ہے حالانکہ موخر الذکر قصہ ملک محمد جائسی کی پدماوت سے اخذ کیا گیا ہے[1]، اس مثنوی کا بھی اردو ترجمہ ہو گیا ہے، اور اس کا ایک دکھنی ترجمہ (۱۶۶) یہان موجود ہے، اس کے علاوہ اس کے متعدد اور ترجمے بھی شائع ہو چکے ہین اسلیے جناب حکیم صاحب نے غریب خافی خان پر جو الزام لگایا ہے وہ بالکل غلط ہے، اور خافی خان کا بیان بالکل صحیح

---

[1] فہرست کتب خانۂ مشرقی پٹنہ جلد سوم صفحہ ۱۶۹،

غوثی کی دو کتابون مین صرف ایک قصہ سیف الملوک ہے، مرتب نے نہ معلوم کن معلومات کی بنا پر غریب کو شیعہ بتایا ہے، اور پھر اسکے ساتھ ہی لکھا ہے کہ مقدمہ مین حمد و نعت کے بعد حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ کی منقبت اور حضرت عبد القادر جیلانیؒ و حضرت گیسو دراز وغیرہ کی مدح لکھی ہے، اسی طرح مرتب نے ہاشمی کو شیعی بتایا ہے،

تاریخی حیثیت سے مندرجۂ ذیل کتابین قابلِ ذکر ہیں :-

جنگ نامہ بھاؤ راؤ (۲) جنگ نامہ بھاؤ مرہٹہ و شاہ درانی (۳) ان دونون کتابون مین احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر حملہ اور ۱۷۶۱ء مین جنگ سوم پانی پت کے اسباب و نتائج کا بیان ہے، مرہٹون نے نہ صرف اسلامی سلطنت بلکہ اسلام کو مٹانے کا جو بیڑا اٹھایا تھا اسے یون لکھا گیا ہے،

اس گردشِ سپہر کا دیکھو یہ کاروبار
کیا کیا کئے ہین رنگ زمانے نے اختیار
دکھن سے لا جماعتِ کفار نابکار
کی بند ملک ہند کے آتے ہی ایک بار
بانگ و صلوٰۃ و گاؤ کشی علم و اعتبار

جنگ کے خاتمہ کا نقشہ یون کھینچا ہے:-

جب دکھنیون کو تاب نہ آئی پٹھان کی
گئے بھول مردی کو پڑی سب کو جان کی
جتنے مرہٹے تھے بنیا نون کو وان کی ؟
چڑھ چڑھ اکیلے گھوڑون پہ کر کے اڑان کی
چڑیا کی بھانت اڑ گئے میدان سے ڈار ڈار

لہ ص ۱۷

روز جنگ کی تاریخ و نتیجہ ان دو شعرون سے ظاہر کیا گیا ہے،

گیارہ سئے پر سن چوہتر
پانی پت مین ہوا جا تر
چھٹی بدھ جمادی الثانی
ہار مرہٹا جیت درانی

اسی طرح انگریزون اور افغانیون سے جو جنگ ۱۸۳۹ء مین شاہ شجاع کے سلسلہ مین ہوئی تھی اس کا بیان جنگ خراسان (۴۰) مین ہے، سلطان حیدر علی اور اس کے بیٹے ٹیپو سلطان کے حالات مین دو کتابین ہین، پہلی کا نام حیدر نامہ اور دوسری کا فتحنامۂ ٹیپو ہے، علی عادل شاہ ثانی کے فتوحات کا حال علی نامہ مین، نادر شاہ کے حملہ کا ذکر، حالاتِ نادر شاہ و محمد شاہ مین ہے، اسی طرح شیر شاہ کی سوانح کے لیے تاریخ شیر شاہی کا ترجمہ موجود ہے،

اندنون جب کہ فرقہ وارانہ تعصبات نے افسوسناک و مہلک صورت اختیار کر لی ہے یہ دیکھنا باعث مسرت و سبق آموز ہے کہ اردو کی ترقی مین صرف مسلمانون کا ہی ہاتھ نہین ہے بلکہ نہ صرف ہندو بلکہ انگریز بھی اس مین ان کے دوش بدوش ہین، تنبیہ الغافلین، حضرت شاہ رفیع الدین کا فقہ کے عام مسائل مین فارسی کا ایک رسالہ ہے، اس کا اردو ترجمہ منشی بینی نراین کھتری نے کیا تھا، اسی طرح نادر شاہ کے حملہ کے جو حالات ہین وہ تلوک داس کی ہندی کتاب کا ترجمہ ہے، تاریخ اقوام ہند بھی ایک برادر وطن ہی کے زور قلم کا نتیجہ ہے، اور لغت اردو ایک انگریز کی تصنیف ہے،

بعض کتابون کے اوراق پر بعض وقت عجیب و غریب تاریخی معلومات مل جاتے ہین، مثلاً ایک بیاض (۲۲۲) مین پہلی کتاب بارہ والا شزادہ ہے، اس کے خاتمہ پر کاتب نے یہ عبارت لکھی ہے،

"تمام شد بعون الٰہی بتاریخ ۱۴ یوم پنجشنبہ ۱۲۵۱ھ حمید (جمادی ؟) الثانی دہم در این روز

تاریخ وماہ و سن نواب شمس الدین خان جنت رسید شد یعنی بہ تہمت خون فریزر، انگریزان سولی دادند و بر دار کشیدند،

یہ مسٹر فریزر دہلی کے کمشنر تھے اور ۸ اکتوبر ۱۸۳۵ء کو نواب مرحوم کو ان کے قتل کے سلسلہ مین پھانسی دی گئی تھی،

اسی طرح حیدرآباد کی مشہور مغنیہ شاعرہ چندا کا جو اپنے زمانہ مین وہان بہت با اثر تھی، جو دیوان ہے اس پر انگریزی مین ایک عبارت ہے اس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"مشہور ملکۂ حیدرآباد چندا کا دیوان، اس کتاب کو اس غیر معمولی خاتون نے کپتان (سر جان) ملکم کو ۱۸ اکتوبر ۱۷۹۹ء مین ایک دعوت مین بطور نذر پیش کی تھی، یہ بزم سرود مسٹر ریس ب نذر و کے یہان منعقد ہوئی تھی اور چندا اسکی روح و روان تھی"۔

اس ماہ تعابائی چندا کے مفصل حالات رسالہ تحفہ مین شائع ہوئے ہین اور ریختی کی ایجاد کا سہرا اسی کے سر باندھنے کی کوشش کیگئی ہے۔[۱]

اس فہرست کو وزیر ہند کے حکم سے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے شایع کیا ہے، کتاب بڑی تقطیع کے ۲۱۲+۱۷۲ صفحات پر مشتمل ہے اور اسکی قیمت ۳۰ شلنگ ہے، مذکورۂ بالا پریس کی شاخ کلکتہ سے دستیاب ہو سکتی ہے،

خطبات مدراس

اڈیٹر معارف نے پچھلے سال مدراس مین سیرۂ نبوی کے مختلف پہلوؤن پر جو آٹھ خطبے (لکچر) دیئے تھے، وہ نہایت اہتمام سے عمدہ کاغذ پر چھپ کر تیار ہین، چھپنے سے پہلے اس کے نصف آڈر آ چکے ہین، یہ اس لائق ہین، کہ مسلمانون کے علاوہ غیر مسلمون مین ہدیۃً تقسیم کیے جائین، ضخامت ۱۶۰ صفحے قیمت عہ

"منیجر"

---

[۱] رسالہ تحفہ حیدرآباد جلد ۱ نمبر ۲ صفحہ ۷۰-۷۱

مطبوعات جدیدہ

مثنوی خواب وخیال، میراثر کی مشہور مثنوی خواب وخیال ایک مدت تک خواب وخیال سمجھی گئی، آزاد، مولانا حالی، لالہ سری رام، مولانا شبلی سب نے اسکو عنقا سمجھا، یہ عنقا سب سے پہلے الاصلاح لائبریری دیسنہ بہار کے دام مین گرفتار ہوا، اور وہان سے طباعت واشاعت کی غرض سے یہ دار المصنفین بھیجا گیا، چنانچہ اسی نسخہ پر ۱۹۱۷ء مین معارف جلد ۴ نمبر ۲ مین تفصیلی ریویو کیا گیا، یہ نسخہ کسی قدر غلط تھا جسکی تصحیح کسی دوسرے نسخہ کے نہ ہونے کی بنا پر مشکل تھی، اسی لیے یہ کام ملتوی کرنا پڑا، اور نسخہ الاصلاح کو واپس کر دیا گیا، اسکے انجمن ترقی اردو کو اسکی طرف ملتفت کیا، خوش قسمتی سے اس کا دوسرا نسخہ مولوی ضیاء الحق صاحب ہاپوڑی برادر معظم مولوی عبد الحق صاحب ناظم انجمن ترقی اردو کے پاس موجود تھا، ان دونون نسخون کو سامنے رکھکر انجمن ترقی اردو نے موجودہ نسخہ چھاپ کر شائع کیا ہے، شروع مین جناب مرتب کا ایک مختصر مقدمہ ہے، جو ہر حیثیت سے تشنۂ بیان ہے، اصل مثنوی، اردو کے خزانۂ ادب کا ایک انمول موتی ہے، قدر شناسان اردو کو انجمن ترقی اردو کا شکرگذار ہونا چاہیئے کہ اس نے اس گران قیمت متاع کو وقف عام کر دیا، مولانا حالی کی راے کے مطابق درحقیقت یہی مثنوی ہے جو نواب مرزا شوق کی مثنویون کے لیے نمونہ بنی ہے، انجمن نے اپنی تالیفات کو اب ٹائپ مین چھاپنا شروع کیا ہے، چنانچہ یہ بھی ٹائپ مین چھپی ہے، امید ہے کہ اردو کے اصحاب ذوق اسکی پوری قدر کرین گے، ضخامت علاوہ مقدمہ ۱۳۵ صفحے قیمت عہ پتہ:- انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن،

انتخاب کلام میر، میر تقی میر کے کلام کے انتخاب کا مجموعہ مولوی عبد الحق صاحب بی اے معتمد انجمن ترقی اردو کے مقدمہ کے ساتھ مدت ہوئی شائع ہوا تھا، وہی مجموعہ جناب مرتب کی ترمیم ونظر ثانی کے بعد تیسری مرتبہ پہلے سے بہتر شکل وصورت مین آراستہ ہو کر شائع ہوا ہے، ضخامت علاوہ مقدمہ ۲۰۱ صفحے

قیمت ۶؍ پتہ :- انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن،

وید، قرآن اور بائبل کی دعائیں، جناب پادری سلطان محمد صاحب نے اس رسالہ میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، قرآن پاک، بائبل، اور وید کی دعاؤں کو ان کے معانی کی مناسبت سے یکجا کر کے تینوں کو آمنے سامنے نقل کیا ہے، اسکی ابتدا میں پادری صاحب کا ایک دلچسپ مقدمہ ہے، جسمین انھون نے "حقیقت دعا" "قرآن و بائبل مین دعا کرنے کا حکم" "قرآن و بائبل کے طریق دعا" "صفائی باطن" "اور دعا کے اصول موضوع کا یکسان ہونا" وغیرہ بیان کیا ہے، اور اس کے بعد اس مین ویدون کی دعا، طریقۂ دعا، وغیرہ پر تبصرہ ہے، اور ثابت کیا ہے کہ وید دعاؤن مین بھی جو مذہب کی جان ہے، سامی مذاہب کی روحانیت، بلندی، و تاثیر کا مقابلہ نہین کر سکتی، حجم ۴۴ صفحے کتابت و طباعت عمدہ ہے، پتہ ایم کے خان نہال سنگھ بارغ لاہور،

کشف الغطاعن مسئلۃ البنا، مدت ہوئی کہ اخبار اہلحدیث امرتسر مین مولانا ابراہیم صاحب سیالکوٹی کا ایک مضمون "بنا رعائشہؓ" پر شائع ہوا تھا، جسمین انھون نے حدیث عائشہؓ "بنا بی وانا بنت تسع سنین" مین لفظ "بنا" سے "رخصتی" مراد لیا تھا، جناب مولوی ابو المکارم محمد علی صاحب متوطن مئو ضلع اعظم گڈھ نے زیر تبصرہ رسالہ مین مناظرانہ طرز استدلال مین اسکی تغلیط کرنا چاہی ہے، جسمین وہ کامیاب نہین ہوسکے ہین، حجم رسالہ ۱۶ صفحے، جناب مؤلف سے طلب کیجئے،

مسئلۂ ربوا، ہندوستان مین مسئلۂ ربوٰ پر بحث و مباحثہ کا سلسلہ دو ڈھائی سال سے بڑی شدت سے جاری ہے، اور اب تو اسکی تبلیغ کے لیے ایک خاص رسالہ بھی جاری ہے، اسی سلسلہ مین مولانا نثار احمد صاحب کانپوری کے دو رسالے شائع ہوئے تھے جنمین بنک کے سود کو "حیلتہً" جائز کرنے کی صورت پیش کیگئی ہے، انھی رسائل کے رد مین بمبئی کی ایک جماعت "اہل السنۃ والجماعۃ" نے ہندوستان کے خاص قسم کے عربی مدارس مثلاً ٹونک، بدایون، رامپور، سہارنپور، الہ آباد، شاہجہان پور، اور بہار شریف وغیرہ کے مختلف علمائے کرام سے فتاوے حاصل کئے ہین اور ان سب کے مجموعہ کو "فتاوی العلما، فی ترک الربیۃ والربوا"

کے نام سے شائع کیا ہے، اور اسی موضوع پر جناب مولانا حکیم برکات احمد صاحب ٹونکی کا ایک مستقل رسالہ "الحجۃ البارقۃ علی تحریم الربوا" اور ایک تیسرا رسالہ "عمدۃ الوسیلہ فی رد جواز اخذ الربا بالحیلہ" کے نام سے شائع کیا گیا ہے، یہ تمام رسائل جمعیت اہل السنت قصاب محلہ بمبئی نمبر ۳ سے مل سکتے ہیں،

شہادت عظمیٰ، قوم بھونہار (براہمن) کے متعلق ایک قدیم نظریہ ہے کہ پہلے اسکی نسل، عراق عرب میں تھی اور وہاں سے افغانستان ہوتے ہوئے ہندوستان آئی، یہانتک کہ یہ کہا جاتا ہے کہ واقعۂ کربلا میں اس قوم میں سے ایک شخص رہب نامی اپنے خانوادہ کے ساتھ شریک تھا، اور اس کے سات نوجوان لڑکے اموی لشکر کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے، جناب مولوی سید شاہ نذیر ہاشمی صاحب غازیپوری نے اس نظریہ کو ایک قدم اور آگے بڑھانا چاہا ہے، اور ثبوت میں اس قوم کی ایک مشہور تکتب "پیش کی ہے، جسمیں اس شخص کا جنگ میں شریک ہونے اور امام حسین کے انتقام کے لیے اٹھنے، اور کامیاب ہونے اور اس کے بعد ہندوستان وغیرہ کا تذکرہ ہے، اس کے علاوہ اس قوم کے بعض ضرب المثل اور قدیم روایات بھی درج کئے ہیں، امید ہے کہ اہل علم کے لیے یہ جدید شہادتیں اصل نظریہ پر غور و خوض اور تحقیق و کاوش کرنے میں معاون ہونگی، رسالہ کی ابتدا ہی میں جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب زیدی کا ۱۲ صفحون کا ایک بے محل دیباچہ ہے جسمیں شیعی نقطۂ نظر سے امام حسین علیہ السلام کے حالات اور فضائل درج ہیں، اور آخر میں جناب مؤلف نے ایک جرمن اہل قلم کے بعض اعتراضات کے جواب دیئے ہیں جو اس نے واقعۂ کربلا پر کئے تھے، رسالہ کا حجم چھوٹی تقطیع پر ۴۰ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ متوسط ہے، قیمت ۸ہر پتہ:- مطبع حکیم برہم گورکھپور،

تحریک وہابیت، جناب مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب نے شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے مختصر حالات اور مسائل وہابیت پر ایک رسالہ "تحریک وہابیت" میں روشنی ڈالی ہے، حجم ۲۲ صفحے دو پیسے محصولڈاک بھیجکر منیجر اہلحدیث امرتسر سے طلب کیجئے،

"ن"

کلیات، مولانا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات، قطعات کا مجموعہ، جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستۂ گل، بوئے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اس میں سب یکجا کر دیئے گئے ہیں۔ ۲۰ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے۔ قیمت عہ،

کلیاتِ شبلی اُردو، مولانا کی تمام اُردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی تھیں، یکجا ہیں۔ یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ عہ

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

عربی زبان میں مولانا نے قرآن پاک کی تفسیر کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کے حسب ذیل نمبر چھپکر تیار ہیں۔ یہ تفسیر بالکل جدید طرز پر لکھی گئی ہے جس کی خاص خصوصیت قرآن پاک کی باہم آیتوں کا ربط و نظام اور بعض عجیب حقایق مستورہ کا تسلی بخش انکشاف ہے،

تفسیر سورۂ والذاریات، ۶ر
تفسیر سورۂ اللہب، ۴ر
تفسیر سورۂ والتین، ۴ر
تفسیر سورۂ والکوثر، ۴ر
تفسیر سورۂ القیامہ، ۴ر
تفسیر سورۂ عبس، ۴ر
تفسیر سورۂ والمرسلات، ۴ر

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح، عربی میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پر زور رسالہ، یہود یوں اور عیسائیوں کے اس باب میں ہر قسم کے اعتراضات کا قلع و قمع کر دیا ہے، ۱۲ر

اسباق النحو حصہ اوّل و دوم، اردو میں سہل طرز پر عربی گرامر، ۲ر ۵ر

دیوان حمید، مولانا کا فارسی دیوان جو صحت زبان اور خوبی بیان میں اس عہد میں بے نظیر ہے، ۱۲ر

تحفۃ الاعراب، عربی کی نحو جدید اُردو نظم میں چھوٹے بچوں کے حفظ کے لئے، ۲ر

خرد نامۂ منظوم، خاص فارسی زبان میں حضرت سلیمان کے امثال کا ترجمہ، ۸ر

دیوان فیض، مشہور ادیب زمانہ مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری کے عربی قصائد کا مجموعہ جو بڑی محنت سے مولانا حمید الدین صاحب نے فراہم کیا ہے، عہ

مولانا سید سلیمان ندوی،

سیرۃ نبوی حصہ معجزات، قیمت عہ، سے،

ارض القرآن حصہ اوّل، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی، لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، قیمت عہ

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن میں سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمٰعیل، اصحاب الرس،

اصحاب، بجوبنوجہار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۲۵۱
قیمت، ۲ؔ

سیرت عائشہؓ، (طبع دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات اور اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات ۲ؔ

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم قیمت ۲؍

دوسری ریڈر طبع سوم ۴؍

رسالۂ اہل السنت والجماعۃ، فرقۂ اہل سنت والجماعۃ کے اصولی عقائد کی تحقیق، طبع دوم ۸؍

حیات مالک، امام مالک کی سوانح عمری اور موطاے امام مالک پر تبصرہ ۱۲؍

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانان ہند اور خلفاے اسلام کے تعلقات اور سلاطین کے سکون اور کتبون سے ان کا ثبوت ۸؍

دنیاے اسلام اور خلافت، موجودہ عہد مین خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کیلئے دنیا کی مسلمان قومین کیا جدوجہد کر رہی ہین، مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہین، قیمت ۶؍

خلافت عثمانیہ اور دنیاے اسلام، اس مین یہ دکھایا گیا ہے کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانون اور اسلامی ملکون کی گذشتہ صدیون مین کیا کیا خدمتین انجام دی ہین، ۱۲؍

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتون کے اخلاقی بہادری کے کارنامے طبع سوم ۲؍

بشیری، عیسائیون کا اعتراض تھا کہ مسلمانون کا خدا قہار و جبار ہے، اس مین اس کا جواب دیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ اسلام مین محبت اور رحمت الٰہی کا کیا درجہ ہے، اور مذہب کس قدر ہمہ تن محبت ہے اور اس باب مین اسلام کی تعلیم کیا ہے؟ قیمت ۴؍

لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری مطبوعہ معارف پریس قیمت ۲ؔ

خطبات مدراس، یعنی سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤن پر آٹھ لکچر گویا آنحضرت صلعم کی تمام پیغمبرانہ زندگی کا خلاصہ ہین قیمت ۱۲؍

مولانا عبد السلام ندوی،

اسوۂ صحابہ جلد اول، صحابہؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر اور قرون اولیٰ کے اسلام کا عملی خاکہ، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے ضخامت ۴۰۰ صفحے قیمت ۳ؔ

ایضاً جلد دوم، صحابہؓ کے سیاسی، انتظامی اور علمی کارنامون کی تفصیل ضخامت ۴۵۰، قیمت ۳ؔ

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب تمدن کی ترقی و تنزل کے قوانین یعنی کا خلاصہ، طبع دوم قیمت ۵؍

اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی، اخلاقی اور علمی کارنامون کا مرقع، ۱۲؍

سیرت عمر بن عبد العزیزؒ، حضرت عمر بن عبد العزیز

مسعود علی ندوی منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ،

رجسٹرڈ نمبر اے ۷۸۱

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

مئی سنہ ۱۹۲۷ء

قیمت:- صہ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے شائع ہوا

فہرست کتبخانہ تجارتی دار المصنفین اعظم گڈھ

علامہ شبلی نعمانی،

سیرۃ النبی صلعم حصہ اوّل طبع دوم تقطیع ۲۰×۲۶ حالات نبوی از ولادت تا ختم غزوات قیمت باختلاف کاغذ سے، اور للعہ،

ایضاً حصہ دوم، کارنامہ نبوی تکمیل شریعت، تاریخ احکام، وفات اخلاق و شمائل وغیرہ طبع اول قیمت قسم اعلی تقطیع کلان عہ، عسہ،

ایضاً حصہ دوم، طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد قیمت عہ، بیہ،

ایضاً حصہ سوم تقطیع کلان قسم اول عسہ، قسم سوم سے،

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت مطبوعہ معارف پریس، قیمت، للعہ،

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات مطبوعہ معارف پریس، عہ،

الغزالی، امام غزالی کی سوانحعمری اور ان کا فلسفہ عہ،

سیرۃ النعمان، امام ابو حنیفہ کی سوانحعمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل، عہ،

سوانح مولانا روم مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحعمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ عہ،

رسائل شبلی مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ قیمت عہ،

مقالات شبلی مولانا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ، عہ،

شعر العجم حصہ اول، شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری کا آغاز و قدماء کا دور، سے،

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور، عہ،

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور، عہ،

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو سے،

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ، عہ،

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی میں ریویو، ۸،

موازنہ انیس و دبیر مرثیہ کی تاریخ اردو میں اصول تنقید اور فصاحت و بلاغت کی تشریح اور میر انیس کی شاعری کا اس معیار سے موازنہ قیمت سے، بیہ

سفرنامہ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ،

مضامین عالمگیر شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات قیمت باختلاف کاغذ طبع عہ، عہ، ۸،

علم الکلام مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اس کی عہد بعہد کی ترقیاں اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ،

الکلام مولانا کی مشہور تصنیف جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے اور ملاحدہ اور متکلمین کے دلائل کا رد کیا ہے طبع سوم مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ،

مجلد نوزدہم | ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ مئی سنہ ۱۹۲۷ء | عدد پنجم ۵

مضامین

دارالمصنفین کے ارکان مین پچھلے دنون بھی اضافہ ہوا، مگر ابھی ھل من مزید کی طلب اس جنت نگاہ و فردوس گوش کو باقی ہے، کتبخانہ کی زیر تعمیر عمارت نصف منزل طے کر چکی ہے، بقیہ کی تکمیل ہو رہی ہے اور کام جاری ہے، امید ہے کہ دو ماہ مین دو ہال اور دو کمرے تیار ہو جائینگے، جو موجودہ ضرورت کو کافی ہون گے۔

پچھلے دس برسون مین مین نے ہندوستان کا گوشہ گوشہ چھان ڈالا، مگر یہ کسقدر تعجب انگیز ہے کہ **پنجاب** جانا اس عرصہ مین نصیب نہ ہوا، پنجاب کے احباب نے بارہا تقاضا کیا، اور اصرار کیا، لیکن مجبوریان تعمیل سے مانع رہین، حمایت اسلام لاہور کے کارفرما ہر سال یاد فرماتے رہے، مگر عدم تعمیل کے لیے ہر سال کوئی نہ کوئی حیلہ ہاتھ آ گیا، اس سال مزید بہانہ جوئی کیلئے کوئی چیز ہاتھ نہ آئی، اور دوسرا اپریل [illegible] لاہور [illegible]

لاہور آج سے سترہ اٹھارہ برس پہلے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد گیا تھا، اور پھر اب گیا، اسی لیے انجمن کی تقریر مین مین نے کہا کہ لاہور پہلے اس وقت آیا تھا، جب میرا آغاز شباب تھا، اور اب آیا ہون جب انجام شباب ہے، کہ عمر کا توسن مرحلۂ اربعین سے بھی دو تین قدم آگے بڑھ گیا ہے، انجمن مین میری تقریر کا موضوع "ہمارے رسالت مین اشاعت اسلام" تھا، تقریر کا خلاصہ بعض اخبارات مین چھپ چکا ہے،

لاہور ہندوستان کا صدر دروازہ ہے، وہان کی حرکت و جنبش، چہل پہل، رونق و گرم بازاری، جوش و خروش، ہر چیز لوگون کے عزم اور ہاتھ پاؤن کی قوت کو ظاہر کرتی ہے، حمایت اسلام اس وقت نہ صرف پنجاب بلکہ تمام ہندوستان کی اسلامی انجمنون مین سے زیادہ باعمل اور کارکن جماعت ہے، نقائص و کمزوریون پر نہ جائیے کہ ان سے تو کوئی انسانی کام کبھی خالی نہین رہ سکتا، جو اس نے نہین کیا، اوسکا گلہ کیجئے، مگر جو اس نے کیا ہے، اسکا شکریہ بھی ادا کیجیے، اس وقت وہ ایک بڑا کالج، چند ہائی اسکول، متعدد پرائمری اسکول، زنانہ مدرسے، اور ایک یتیم خانہ چلا رہی ہے، اس کے اردو اور فارسی نصاب کی کتابون نے

تمام ملک مین مقبولیت حاصل کرلی ہے، تبلیغ کا صیغہ بھی اسی مین ہے، اور بھی رفاہ عام کے کام وہ انجام دے رہی ہے، اسکا آغاز چند مخلص اور غریب عملی مسلمانون کے ہاتھون سے ہوا، اور اب وہ امرار، و ذی اثر اشخاص کے حصول عزت کا سامان ہے، یہی اسکی کامیابی کی بڑی دلیل ہے،

تمام مسلمانان پنجاب عموماً اور مسلمانان لاہور خصوصاً مبارکباد کے مستحق ہین کہ وہ ہر سال اس کے کامون کے لیے ہزار ہا روپیے فیاضی کے ساتھ دیتے ہین، امسال وہ اسکے کالج کا (جو خود اسکا سرمایہ ناز ہے) دس لاکھ کا تھا، اس مین پانچ لاکھ کی رقم تھی جسکا قوم سے مطالبہ تھا، جلسہ مین شاید پچیس تیس ہزار کا چندہ ہوگیا ہوگا، گو یہ رقم اس کے مطالبہ سے بہت کم ہے، تاہم آجکل جبکہ آل انڈیا مجلسون سے لیکر معمولی مجالس تک کے سالانہ جلسے صرف اسی کو کامیابی سمجھتے ہین کہ جلسون مین حاضرین کی کافی تعداد آجائے، سالہا سال سے ہمارے قومی تعلیمی اور مذہبی جلسے چند دن کی پکار رہنے کے بعد خاموش ہو گئے ہین، ایسے اسقدر رقم کا جمع ہوجانا بھی ہمارے لیے تعجب کا باعث ہوا، یہ بھی دیکھکر خوشی ہوئی کہ انجمن کے ارکان اور ہمدرد اس موقع پر یا تو خود کچھ دیتے ہین، یا اپنی محنت سے دوست احباب سے وصول کرکے کچھ لاتے ہین،
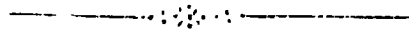
اس کے ماننے مین کسی کو کچھ تامل نہ ہوگا، کہ مدت سے لاہور، اردو مطبوعات اور اخبارات ورسائل کا مرکز ہے، اب تو اور دوسرون نے بھی کچھ کام شروع کیا ہے، مگر حق یہ ہے کہ نصف صدی تک صرف لاہور نے تنہا اس خدمت کو انجام دیا ہے، اور اب بھی وہ سب سے آگے ہے، اور بھلا برا جو کام بھی اسکے ہاتھ آیا، اس نے کیا، اور دوسرون کے لیے تقلید کا نمونہ پیش کیا،

اصحاب علم وارباب ادب کی جمعیت کے لحاظ سے بھی وہ آجکل ہندوستان کی سب سے بہتر جگہ ہے، ڈاکٹر سر اقبال، شیخ عبدالقادر، پرنسپل عبداللہ یوسف علی، پروفیسر محمود شیرانی، پروفیسر اقبال، پروفیسر محمد شفیع، پروفیسر سراج الدین آذر، مولوی محمد علی ایم اے، خواجہ کمال الدین، پروفیسر سید عبدالقادر، مولوی ظفر علیخان، اور متعدد ایسے باکمال اصحاب کی سکونت کا اسکو فخر حاصل ہے جنکے

لکھا تو کی مثال کسی اور شہر میں نظر نہیں آتی، پرانے لوگوں میں سید ممتاز علی صاحب، منشی محبوب عالم صاحب، اور مولوی انشاء اللہ خان اپنی بہارین گذار چکے تاہم انکی خزان بھی بہار کی یادگار ہے۔

انشا پردازون، ادیبون، شاعرون کی نسل بھی وہان کچھ کم پر رونق نہین، سالک، مہر، تاجور، ابوالاثر حفیظ، غلام ربانی تاثیر، حکیم یوسف حسن (نیرنگ خیال) مولانا عبداللہ، سید امتیاز علی تاج، اختر شیرانی (ہمارستان)، اور کئی مستعد اہل قلم آگے بڑھنے کے لیے مصروف عمل ہین، اور مستقبل ان کی کامیابی کا منتظر اور ان کے خیر مقدم کو تیار ہے۔ ان مین سے بعض تو آگے بڑھکر پہلی صف کے قریب پہنچ چکے ہین،

یہ لکھتے ہوئے میرا دل خوشی اور مسرت سے لبریز ہے کہ لاہور کے اہل علم اور اہل قلم طبقہ نے اپنی برادری کے اس کمترین ممبر کو خوش آمدید کہنے مین پوری فیاضی کا ثبوت دیا، مولوی ظفر علی خان نے تو اپنے گھر مہمان ہی اتارا اور یہ نامناسب بھی نہ ہوا کہ ایک دہقانی ایک زمیندار کا مہمان بنا، ڈاکٹر اقبال سے میری پہلی ظاہری ملاقات تھی، اور مراسلات کی باطنی ملاقات تو ۱۹۱۰ء سے قائم ہے، ڈاکٹر صاحب نے کرم فرمایا کہ ملنے مین پیش دستی فرمائی، قیامگاہ مین آئے، متعدد صحبتون مین ساتھ رہے، اور پھر خود اپنے کاشانہ مین مدعو کیا جسکو وہ دارالفقر اور بیت الاقبال

مولانا تاجور نے اپنے ہان چند ہندو و مسلمان نوجوان ادیبون کو میری عزت افزائی کیلئے چاء پر بلایا، پروفیسر آذر نے چند عشاق کتب کو مجھے اپنا قلمی کتب خانہ دکھانے کے بہانے سے یکجا کیا، خواجہ تیم الدین صاحب نے ممتاز اہل علم اور نوجوان دلدادگان فن کو اپنے خوان نعمت پر جمع کیا اور اس غریب الدیار کی عزت بڑھائی، حضر نسوان مولوی سید ممتاز علی صاحب نے جو تہذیب قدیم و جدید کے مجموعہ ہین، اپنے نوب کدہ مین یاد فرمایا۔

افسوس ہے کہ وقت کی قلت کے سبب مین، وہان کے مشہور کتبخانون کو نہ دیکھ سکا، وہان کی پبلک لائبریری اور یونیورسٹی لائبریری کی بڑی تعریف سنی ہے، تاہم قلمی کتابون کے دو گنج کے ذخیرے دیکھے، پہلا ذخیرہ پروفیسر سراج الدین آذر کے شوق اور محنت کا نتیجہ ہے، کئی سو قلمی کتابین ہونگی، اور یہ کل کی کل سرحد پنجاب کے حدود کے اندر سے جمع کیگئی ہین، اس ذخیرہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اسمین صرف فارسی کتابین ہین، فارسی تذکرے، دواوین، مثنویان، تاریخین، بیاضین اور اسی قسم کی چیزین ہین، فارسی ادبیات کا اتنا بڑا نادر ذخیرہ شاید کتبخانہ حبیب گنج (نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمان خان شروانی کا کتبخانہ) کے سوا اور کہین نہ ہوگا، کتب خانہ حبیب گنج مین بھی شاید اتنے دواوین اور مثنویان اور نظمون کے مجموعے ہون تو ہون مگر اتنے تذکرے اور تاریخین نہ ہونگی، مین نے اسکا نام "آذر کدہ" تجویز کیا، پروفیسر آذر کا بیان ہے کہ یہ کل

مدتی چند سال کی ہو، وہ کالج کی چھٹیوں میں باہر نکل جاتے ہیں، اور چند دنوں کی محنت میں اچھا خاصہ شکار کر لاتے ہیں، مزید یہ کہ وہ خود ہی ان میں سے زخمی، اور مجروح کتابوں کی مرہم پٹی بھی کرتے ہیں،

دوسرا ذخیرہ، خواجہ علیم الدین کے پاس نظر آیا، کتابیں ایک ٹرنک میں تھیں زیادہ تر عربی کی بعض فارسی، اور ایک دو اردو کی تھیں، عربی کتابوں میں علم النفس (سائیکالوجی) پر چند رسائل کا ایک مجموعہ دیکھا جس میں ایسے مباحث معلوم ہوئے جو اب تک اس موضوع کی عربی کتابوں میں نظر نہیں آئے مصنف کا نام نہیں، فارسی کتابوں میں رباعیات خیام کا نسخہ ۸۶۴ھ کا لکھا ہوا تھا، جو رباعیات کے بوڈلین لائبریری والے سب سے پرانے نسخہ کے دو برس بعد لکھا گیا ہے،

ڈاکٹر اقبال ان تمام صحبتوں میں شمع محفل تھے، انھوں نے تو شمع اور شاعر لکھا ہے، لیکن میں نے تو لاہور میں خود شاعر کو شمع اور دیکھا قدرتاً سوزش کا پروانہ پایا، انکی صحبت لاہور کے نوجوانوں کی دماغی سطح کو بہت بلند کر رہی ہے، ان کے فلسفیانہ نکات عالمانہ افکار، شاعرانہ خیالات انکی آس پاس کی دنیا کو ہمیشہ متاثر رکھتے ہیں، انکی "رموز بیخودی" کا نیا مجموعہ "زبور عجم" کے نام سے عنقریب سامعہ نواز ہونے والا ہے، میں نے کہا کہ فلسفۂ عجم کے دشمن کو مناسب بھی یہی تھا، کہ عجم کے ہاتھ میں زبور دیکر ان کے خیالی فلسفہ کو مزامیر داؤدی کی دعا سے بدل دے، اور ان کے کانوں کو زبور کا پردہ رکھکر قرآن کی نغمہ سنجیوں سے مانوس کر دے،

لاہور سے محبت کے پیکر مجسم مولوی عبد العزیز صاحب میمن ایم اے، بی ایس سی، نے گوجرانوالہ کھینچا احباب نے یہاں وہ قدر افزائی کی، جو مدتوں فراموش نہ ہوگی، شہر میں احناف اور اہل حدیث دونوں فرقے ہیں، اور میرا یہ حال ہے کہ دونوں مجھے غیر سمجھتے، مگر مسلمان مجھکو، اسلیے دونوں جماعتوں نے خیر مقدم کیا، یہاں دونوں جماعتوں کے الگ الگ مدرسے ہیں مولانا عبد العزیز صاحب نبراس الساری کے مؤلف یہاں کے جامع حنفی کے امام اور مدرسہ کے صدر المدرسین ہیں، مولانا سے ملکر طبیعت محظوظ ہوئی، اہل حدیث جماعت کی مجلس، اور اس کا نظام امارت بھی بہت پسند آیا، کاش تمام ملک کے اہل حدیث یہاں کے غیر مقلدین کی "تقلید" کر سکتے،

مقالات

مسلمان عورتوں کے حقوق کا مسئلہ

(۳)

خیار

تصحیح :- پہلے نمبر کے صفحہ ۲۴۹، سطر ۲ مین "صرف باپ اور دادا" کے بجائے "صرف دادا" اور اسی صفحہ کی سطر ۱۲ مین "اولیاء" کی جگہ "عام اولیاء"

گذشتہ مجلس مین یہ ذکر تھا کہ نابالغ لڑکی کے نکاح کا حق امام مالکؒ کے نزدیک صرف باپ کو حاصل ہے، امام شافعیؒ کے نزدیک صرف باپ اور دادا کو ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک درجہ بدرجہ تمام اولیاء کو ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک باپ کے علاوہ اگر کوئی اور نکاح کر دے گا تو خواہ اس کا باپ زندہ ہو یا نہ ہو بہرحال وہ نکاح جائز نہ ہوگا، امام شافعیؒ نے باپ ہی پر دادا کو قیاس کر کے یہ کہا ہے کہ باپ کے نہ ہونے کی صورت مین دادا باپ کا قائم مقام ہوگا، انکے علاوہ کوئی او نہین کر سکتا، اگر کر دیگا تو منعقد نہوگا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک باپ تو کر ہی سکتا ہے، اور باپ نہ ہو تو قرابت کے مدارج کے لحاظ سے ہر جائز ولی اپنے اذن سے اس کا نکاح کرا سکتا ہے، لیکن عام اولیا اگر نکاح کرا دین تو بلوغ کے وقت اس کو اپنے نکاح کے فسخ کر دینے کا اختیار ہوگا،

لیکن اگر اس نابالغ یا نابالغہ کا نکاح باپ نے کر دیا ہے تو عموماً فقہا اور مجتہدین کے نزدیک کسی وقت اس کے فسخ کرنے کا اس کو اختیار نہ ہوگا، اور بلوغ کے وقت بھی وہ نکاح لازم ہوگا، اور اس مین کوئی تغیر پیدا نہ ہوگا، اور اولاد باپ کے فیصلہ کی ہر طرح پابند ہو جائے گی، تابعین مین ابن شبرمہؒ اور عام اہلحدیث اس بات

۱؎ ابن شبرمہ کی طرف کسی نے یہ نسبت کی ہے کہ ... نابالغ کا نکاح ہی درست نہین ہے، اور بعض نے انکی طرف یہ نسبت کی ہے کہ وہ جائز کہتے ہین لیکن یہ کہتے ہین کہ بلوغ کے وقت اسکی منظوری یا نامنظوری کا کامل مین اسکو اختیار ہے خواہ باپ نے نکاح پڑھایا ہو یا کسی نے (محلی جلد ۹ ص ۴۱۵)

کے قائل ہیں کہ باپ نے بھی نکاح پڑھایا ہو تو بھی بلوغ کے وقت ان کو اس کے منظور یا نامنظور کرنے کا پورا حق حاصل ہے، اور ان کا یہ حق کوئی بھی نکاح کر دے کبھی چھن نہیں سکتا،

اس بحث میں چار باتیں تصفیہ کے قابل ہیں،

۱۔ کیا باپ کیلئے اپنی اولاد کا نابالغی میں نکاح کر دینا درست نہیں؟

۲۔ کیا باپ نہ ہو تو دوسرے اولیا کو نابالغوں کے نکاح کا اختیار ہے؟

۳۔ کیا باپ کو اپنی بالغ لڑکیوں کے نکاح کا کامل اختیار ہے؟

۴۔ کیا باپ اگر اپنی کسی نابالغ اولاد کا نکاح کر دے، تو پھر بلوغ کے وقت ان کو فسخ کا اختیار نہیں رہتا؟

۵۔ کیا فسخ کے لیے بلوغ شرط ہے؟

کیا باپ کیلئے اپنی نابالغ اولاد کا نکاح کر دینا درست نہیں

اس میں شک نہیں کہ نکاح کے اصلی مقاصد نابالغی کی حالت میں سراسر معدوم ہیں اسی بنا پر اصول طبعی کا اقتضا تو یہی ہے کہ اس حالت میں نکاح جائز نہ ہو، لیکن اس اصول طبعی پر بالا دست اخلاقی اصول ہیں، والدین بعض حالات میں مجبور ہوتے ہیں کہ اولاد ہی کے آئندہ تحفظ کے لیے وہ نابالغی ہی میں ان کا نکاح کر دیں کہ شاید ان کی عمر وفا نہ کرے، اور یہ فرض باقی رہ جائے بعض اوصورتیں بھی ایسی پیش آتی ہیں، جن کی وجہ سے اپنے سامنے وہ اس فرض کو ادا کر دینا چاہتے ہیں اور اس لیے نابالغی کی حالت میں ان کا نکاح کر دینا مناسب سمجھتے ہیں، اس بنا پر یہ اخلاقی اور جذباتی اصول طبعی اصول کی مخالفت پر کبھی مجبور کرتے ہیں، اور انھیں وجوہ سے، شریعت نابالغی کے نکاح کی اجازت دیتی ہے، الغرض نکاح کے طبعی اقتضا کے علاوہ نابالغ اولادوں کی دوسری مصلحتیں بھی ایسی ہیں جو اسکے جواز کی مقتضی ہیں،

یہ جواز قرآن پاک سے بھی ثابت ہے، احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے، صحابہ کے آثار اور عمل بھی اسکی تائید میں ملتے ہیں، حضرت عائشہؓ کا نکاح، حضرت علیؓ کی نابالغ لڑکی کا حضرت عمرؓ سے نکاح، اور دوسرے صحابہ کا اپنی نابالغ لڑکیوں کا نکاح کرنا آثار و سیر سے ثابت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں نابالغ لڑکیوں

کے نکاح و طلاق کے احکام ذکر کیے ہین، اگر ایسا نکاح جائز نہ ہوتا تو یہ احکام بیان نہ ہوتے، اسی بنا پر بالاتفاق تمام صحابہ، ائمہ مجتہدین اور فقہا ءنے باپ کا یہ حق سمجھا ہے کہ وہ اپنی نابالغ اولاد کا نکاح کر سکتے، اور تقریباً اس کے جواز پر اجماع عام ہے، جیسا کہ ابن عبد البر نے استذکار مین لکھا ہے، اور تمام علمائے احناف اور شوافع نے اس اجماع کا ذکر کیا ہے،

جہان تک معلوم ہے پہلے علماء مین صرف دو صاحبون نے نابالغی کی حالت مین نکاح کے عدم جواز کا فتوی دیا ہے، ایک ابن شبرمہ تابعی ہین، اور دوسرے قاضی ابو بکر اصم ہین،

ان مین سے ابن شبرمہ کی نسبت مشکوک ہے کہ انھون نے کیا کہا؛ آیا یہ کہا کہ سرے سے نابالغون کا نکاح درست نہین، یا یہ کہا کہ نکاح تو درست ہوگا، مگر بلوغ کے بعد اسکی اجازت اور رضامندی پر موقوف رہیگا، چنانچہ قاضی ابن عبد البر اور امام طحاوی نے ان سے اسی قسم کی روایت نقل کی ہے،

اس لیے باپ کا اپنی اولاد کا نکاح ان کی نابالغی کی حالت مین کر دینا درست ہے، اور اس مین کسی صحابی یا امام مجتہد کا کوئی اختلاف نہین، ورنہ اس مین اختلاف ہے کہ نابالغ خود اپنے اختیار سے ولایت کے بغیر نکاح نہین کر سکتے،

کیا باپ دادا کے سوا دوسرے ولی کو نابالغون کے نکاح کا اختیار ہے؟ | اس پر سب کا اتفاق ہے کہ باپ کی موجودگی، اور زندگی مین کسی اور کو یہ اختیار حاصل نہین، اور اگر کوئی دوسرا کر دے تو وہ درست نہوگا، لیکن اگر باپ زندہ نہ ہو، اور لڑکے نابالغ ہون تو ان یتیمون کا نکاح کوئی ولی اپنی مرضی سے اگر کر دے تو وہ جائز ہوگا یا نہین، اس مسئلہ مین علمائے تابعین اور ائمہ مجتہدین کے تین فریق ہین،

۱- اگر یتیم لڑکی اور لڑکے بھی کا نکاح نابالغی مین کر دیا جائے تو نکاح اس وقت تک موقوف رہیگا جب تک وہ بالغ نہ ہو جائے، بلوغ کے بعد ان کو اختیار ہوگا، چاہے اسکو قبول کرلے، اور چاہے اسکو رد کر دے،

یہ مسلک امام ابو حنیفہ، اور بعض تابعین اور دیگر علمائے سلف کا ہے،

۱؎ عینی شرح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۹ ۲؎ و المجموع منتقی ابن تیمیہ ثانی جلد ۲ صفحہ ۹، ۳؎ جامع ترمذی باب ما جاء فی اکراہ الیتیمۃ علی التزویج

۲۔ یتیم کا نکاح نابالغی مین کرنے کا کسی کو حق نہین، اگر کوئی کر دے تو وہ جائز نہ ہوگا، جب تک وہ خود بالغ نہ ہوجائے، یہ سفیان ثوری اور امام شافعیؒ وغیرہ کا قول ہے۔

۳۔ یتیم لڑکی کا سن اگر نو برس (جو بلوغ کی کم سے کم مدت ہے) سے کم ہے، تو جائز نہ ہوگا، اور اگر نو برس یا اس سے زیادہ ہے، تو وہ اگر اپنی رضامندی ظاہر کرے تو جائز ہے، اور علامت بلوغ ظاہر ہونے کے بعد پھر اسکا اختیار باقی نہ رہیگا،

دوسرے اور تیسرے مسلک مین کوئی فرق نہین، دونون کے نزدیک حالت نابالغی مین ناجائز ہوگا، اور بلوغ کے بعد اسکی رضامندی ہی سے نکاح ہوسکتا ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ دوسرے قول کی بنا پر رضامندی کے لیے اس کے واقعی بلوغ کی ضرورت ہے، اور تیسرے قول کے مطابق اسکی رضامندی کے قابل قبول ہونے کے لیے اس کا قانونی بلوغ جو کم از کم نو سال ہے، کافی ہے،

نو سال کی تحدید حضرت عائشہؓ کی روئے کی بنا پر ہے کہ جب لڑکی نو سال کی ہوجائے تو وہ عورت ہے، کیونکہ وہ نو ہی برس کی عمر مین آنحضرت صلعم کے گھر رخصت ہوکر آئی تھین مگر یہ درحقیقت شخصی واقعہ کو عام بنانا ہے، اگر ایک لڑکی اس عمر مین سن تمیز کو پہنچ جائے تو یہ قاعدہ عمومی نہین قرار دیا جاسکتا ہے، اس واقعہ کا نتیجہ صرف اس قدر ہوگا کہ اگر کوئی نو برس کی لڑکی بلوغ کا دعوی کرے، تو اسکی تکذیب نہین کیجا سکتی کہ طبعًا ایسا ممکن ہے،

ان اختلافات کی بنیاد یہ ہے کہ "یتیم" کا لفظ اصل لغت مین اس نابالغ کے لیے استعمال ہوتا ہے، جسکا باپ مرگیا ہو، مگر روزمرہ کے بول چال مین نوجوان اور نوخیز بالغون کے لئے بھی بول دیا جاتا ہے، اسلیے ہر فریق اوس آیت یا حدیث مین جو اس کے مسلک کے خلاف ہے، کبھی یہ معنی اور کبھی وہ معنی لے لیتا ہے، مثلاً حسب ذیل آیتون سے ائمہ احناف نابالغ یتیمون کے نکاح کا جواز ثابت کرتے ہین،

۱۔ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاۗءِ (نساء ۱)	اور اگر تم کو یہ خوف ہو کہ یتیم لڑکیون کے بارہ مین تم انصاف نہ کرسکو گے، تو ان کے سوا اور عورتون سے جو تم کو پسند ہون نکاح کرو،
۲۔ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَاۗءِ	اور جو تم کو قرآن مین ان یتیم عورتون کے بارے مین حکم

الّٰتِیْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ	دیا گیا ہے جنکو تم نہیں دینا چاہتے جو ان کے لیے
أَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ	مقرر کیا گیا ہے اور ان سے نکاح بھی کرنا چاہتے ہو، اور نابالغ
وَأَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۔ (نساء، ۱۹)	لڑکوں کی نسبت بھی تم پوچھتے ہو تو یتیموں کے ساتھ انصاف کرو

احناف تو اس بات کے قائل ہین کہ اولیا یتیموں کا نکاح کر سکتے ہین، وہ ان آیتوں سے استدلال کرتے ہین کہ اس مین یتیموں کے ساتھ انصاف کرنے اور یتیم لڑکیون کے پورا حق مہر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نفس نکاح کو منع نہین کیا گیا ہے، شوافع، مالکیہ اور دیگر علمائے مدینہ کہتے ہین کہ ان آیتون مین جن یتیمون کے نکاح کی اجازت ثابت ہوتی ہے، ان سے بالغ مراد ہین، کیونکہ پہلی آیت مین یہ کہا گیا ہے کہ اُن یتیمون کو چھوڑکر دوسری عورتون سے شادی کر لو، عورت کا اطلاق جوان لڑکی پر ہوتا ہے، اس سے ظاہر ہوا کہ جن یتیمون کی جگہ پر دوسری عورتون سے نکاح کا حکم دیا گیا ہے، وہ بھی یتیم ہی عورتین یعنی صاحب تمیز اور بالغ لڑکیان ہونگی، اور دوسری آیت مین تو صاف یہ کہا گیا کہ یتامی النساء یعنی عورتون مین سے یتیم (یا یتیم عورتین) اور عورت (نساء) کا اطلاق بالغ ہی لڑکی پر ہوگا، اور ان پر یتیم کا اطلاق عام بول چال کے مطابق کیا گیا ہے، جو کمسن بالغون کو بھی کہا جاتا ہے،

احناف کہتے ہین کہ اول تو یتیم لغت مین نابالغ ہی کے لیے بولا جاتا ہے، پھر آیت مین ایسا قرینہ موجود ہے جس سے نابالغی سمجھی جاتی ہے، کیونکہ حضرت عائشہؓ کی تفسیر کے مطابق ان آیتون سے جسمین بے انصافی کا ذکر ہے مراد یہ ہے کہ اولیاء بوجہ اپنے اختیار ولایت کے ان یتیمون کو مہر کم کرکے دینا چاہتے ہین، اور یہ اختیار ان کے ہاتھ مین اسی وقت ہے جب وہ خود ہی دینے والے اور ولی ہونے کی حیثیت سے خود ہی قبول کرنے والے ہون، تو جو چاہین وہ مہر باندھ لین، لڑکی کو نابالغی کے باعث کوئی اختیار نہ ہوگا، اگر ان کو بالغ فرض کیا جائے تو تعین مہر کا ان کو اختیار ہی نہ رہیگا جو وہ اپنے حسب مرضی کم مہر مقرر کر سکین، بالغ لڑکی تو خود انکار کردیگی، اسلیے یہ نابالغون ہی کے متعلق حکم ہو سکتا ہے،

مخالفین نے جو یہ کہا ہے کہ عورت (النساء) کا اطلاق صرف بالغہ پر ہوتا ہے یہ لغت کے اعتبار سے

صحیح ہے، مگر فقہ و قانون کی زبان مین اس کا اطلاق نابالغ لڑکیون پر بھی ہوتا ہے، جیساکہ وراثت کی آیت مین کہ

وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ، (نساء ۱۷۶)

اور اگر وہ وارث بھائی بہنین ہون، مرد اور عورت، تو مرد کو دو عورتون کے برابر حصہ ملے گا

توکیا یہ سمجھا جائے کہ یہان نساء سے صرف بالغ عورتین مراد ہین، اور نابالغ لڑکیون کا اپنے باپ کے ترکہ مین کوئی حصہ نہین، حالانکہ یہ سب کے نزدیک قطعاً غلط ہے

قرآن پاک کے بعد احادیث کا درجہ ہے، چارون سنن مین یہ حدیث صحیح موجود ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا

اليتيمة تستامر في نفسها فان صمتت فهو اذنها، وان ابت فلا جواز عليها (ابوداؤد و نسائی و دارقطنی و ترمذی و حاکم)

یتیم لڑکی سے اوسکی ذات کی نسبت اجازت لیجائے، اگر وہ خاموش رہے (یعنی شرم کے باعث) تو یہ اسکی اجازت ہے، اور اگر انکار کر دے تو پھر اس پر جبر روا نہین،

مستدرک حاکم مین یہ الفاظ ہین،

وان ابت فلا كره عليها (بشرط مسلم)

اور اگر وہ انکار کر دے تو پھر اس پر زبردستی نہین،

نابالغ یتیمہ کا نکاح جو جائز نہین سمجھتے وہ کہتے ہین کہ اس حدیث مین یہ حکم ہے کہ یتیمہ کا نکاح اسکی اجازت کے بغیر نہین ہو سکتا، اور ظاہر ہے کہ نابالغہ کی اجازت اور رضامندی کوئی معنی نہین رکھتی اگر وہ بے سمجھ ہے، اور اسی لیے اس کے دیگر معاملات کے لیے ولایت کی ضرورت ہوتی ہے، اس بنا پر اس حدیث کا صریح مطلب یہ ہے کہ یتیمہ اگر بالغہ ہے تو وہ خود اپنی اجازت سے نکاح کرے گی، اور اگر نابالغہ ہے تو اس وقت تک اوس کے نکاح کے لیے انتظار کیا جائے گا جب تک وہ بالغ ہوکر اجازت دینے اور رضامندی ظاہر کرنے کے لائق نہ ہو جائے۔

احناف کہتے ہین کہ یہ حکم صرف بالغہ یتیمہ سے متعلق ہے، اور اگر بالغہ اور نابالغہ دونون سے بھی متعلق ہو تو اس کے معنی یہ ہین کہ جو لڑکی بلوغ کے سبب سے اس قابل ہے کہ وہ رضامندی یا نارضامندی ظاہر کرکے اسکو جائز و ناجائز کر دے وہ اسی وقت کر دیگی، لیکن جو نابالغہ ہے، اس کا نکاح رائے کے اظہار کی قابلیت یعنی بلوغ تک

موقوف رہیگا، بالغ ہوکر وہ اپنی رضامندی اور اجازت ظاہر کرکے اس کو قبول کرلے یا انکار کرکے نکاح فسخ کردے اس بنا پر احناف کہتے ہین کہ ان کا مسلک اس حدیث کے بھی خلاف نہین ہے ،

ایک اور حدیث ہے جس مین رسالت مآب صلعم کے عہد کا ایک واقعہ مذکور ہے، اس واقعہ کا ذکر پہلے نمبر مین بھی آچکا ہے. اور وہ یہ ہے کہ حضرت قدامہ بن مظعون رضؓ نے اپنی یتیم بھتیجی کا نکاح حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کردیا، لڑکی نے کسی وجہ سے اسکو پسند نہین کیا. اور دربار رسالت مین جاکر فریادی ہوئی، چچا نے کہا یارسول اللہ بھائی نے وصیۃً اس لڑکی کو میرے سپرد کیا ہے، اور مین نے دیکھ بھال کر یہ شادی کی، اوسکی مان محض مال کے لالچ سے اس کو انکار پر آمادہ کرکے دوسرے سے بیاہ دینا چاہتی ہے، آپ نے فرمایا جو کچھ ہو،

ھی یتیمۃ لاتنکح الاباذنھا (دارقطنی واحمد بسند صحیح) وہ یتیم لڑکی ہے اسکا نکاح اوسکی اجازت کے بغیر نہین کیا جاسکتا،

شوافع اس سے استدلال کرتے ہین کہ نابالغ یتیم کا نکاح جائز نہین تاوقتیکہ وہ بالغ ہوکر اجازت دینے کے قابل نہ ہوجائے، احناف کہتے ہین کہ وہ لڑکی بالغ تھی، اسلیے آپ نے اوسکو خود مختار قرار دیا (جوہر النقی ج ۲ ص ۹،) یا یہ مطلب ہے کہ نکاح کے بعد جب وہ بالغ ہوگئی، تب آپ نے اسکو یہ اختیار دیا، (سرخسی ج ۲ ص ۲۱۵)

احناف کی تائید مین دوسری دلیل صحابہ اور تابعین کا طرز عمل ہے کہ انھون نے نابالغ یتیم لڑکون اور لڑکیون کی اپنی ولایت مین شادی کی ہے، اس سلسلہ مین بڑے بڑے صحابہ اور تابعین کے نام لیے جاتے ہین، چنانچہ ابوبکر رازی حنفی المتوفی ۳۷۰ھ نے اپنی کتاب احکام القرآن مین حضرت علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عمرؓ، زید بن ثابتؓ ام المومنین ام سلمہؓ کے اسمائے گرامی صحابہ مین، اور حسنؒ بصری، طاؤسؒ، اور عطاؒ، کے نام تابعین مین گنائے ہین[1]

ابن عبدالبر مالکی نے الاستذکار مین لکھا ہے کہ عروہ بن زبیر نے اپنی یتیم بھتیجی کا نکاح اپنے لڑکے سے کردیا تھا، اور لکھا ہے کہ یہی مذہب ابوحنیفہؒ، امام محمدؒ، حسن بصریؒ، عطاؒ، طاؤسؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، قتادہؒ، ابن شبرمہ (؟)، اور اوزاعی کا ہے[2] ترمذی کتاب النکاح مین ہے کہ بعض تابعین کا اور ان کے علاوہ اوروں کا یہی قول ہے[3]، حافظ ابن القیم جیسے ناظر فدار نے بھی

---

[1] احکام القرآن رازی جلد ۲ صفحہ ۵ مطبوعہ قسطنطنیہ [2] جوہر النقی ابن ترکمانی جلد دوم صفحہ ۹، حیدرآباد دکن [3] جامع ترمذی کتاب النکاح

اسکی تائید کی ہے[1]، اور امام سرخسی نے [illegible] حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، ابن عمرؓ اور ابو ہریرہؓ کے آثار کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ خود آنحضرت صلعم نے اپنی نابالغ یتیم چچازاد بہن سید الشہدا حضرت حمزہؓ کی لڑکی (امامہؓ) کا نکاح ابن ابی سلمہ سے کیا تھا[2]۔

لیکن یہین سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر یتیم لڑکی اگرچہ وہ نابالغ ہی کیون نہ ہو اپنے نکاح کی اجازت دینے سے یا نکاح کے قبول کرنے سے انکار کرے تو کسی ولی کو جبراً اور زبردستی کرنے کا حق نہین پہنچتا، اور نہ یہ صحیح ہے کہ وہ بلوغ کی علامت خاص ظاہر ہونے تک خاموش بیٹھی رہے اور اس علامت کے ظاہر ہونے کے بعد وہ نکاح فسخ کرسکتی ہے، اور اس سے پہلے وہ ولی کے ہاتھ مین مجبور محض ہے آیات، احادیث اور آثار سے جو کچھ ثابت ہوسکتا ہے وہ یہ ہے کہ اولیاء نے یتیم لڑکیون کی شادیان کردین، اس سے اتنا ثابت ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے، ایسے کہ ان لڑکیون نے انکی مخالفت نہ کی، اور ان کے فیصلون کو اپنی رضامندی سے بسر و چشم قبول کرلیا، لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ اس وقت ہوش اور تمیز رکھتی مین، گو وہ بالغ نہ ہون، اور وہ اسی وقت اسکے تسلیم کرنے سے انکار کردین، یا ہوش و تمیز آنے کے بعد انکار کردین تو کیا یہ ان کا انکار قانوناً اس وقت تک تسلیم نہ ہوگا، جب تک وہ "باقاعدہ" بالغ نہ ہو جائین،

متعدد احادیث اور آثار سے اس کے خلاف ثابت ہے، اور یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اقرار و انکار کے لیے بلوغ کی شرط نہین، بلکہ اس کے لیے صرف ہوش و تمیز کافی ہے، (تفصیل آگے آئے گی) اور نکاح اس وقت تک موقوف رہیگا جب تک وہ زبانی یا عملی، یا دریافت کرنے پر خاموشی کے اظہار سے اپنی رضامندی ظاہر نہ کردے یا انکار نہ کردے، حضرت عثمان بن مظعونؓ کی کمسن لڑکی (جاریہ) کا واقعہ اس کا ثبوت ہے، کہ ان کے چچا نے لڑکی کی رائے دریافت کئے بغیر اس کا نکاح حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کردیا، لڑکی نے ماں کے کہنے سے اسکے تسلیم کرنے سے انکار کردیا، اور جب یہ مقدمہ دربار رسالت مین پیش ہوا، تو چچا کے یہ کہنے کے باوجود کہ بھائی نے یہ لڑکی میرے سپرد کی ہے، آنحضرت صلعم نے لڑکی کے حق مین فیصلہ کیا، اور فرمایا کہ یہ بن باپ کی لڑکی ہے، اس کا نکاح

[1] زاد المعاد ابن قیم، جلد دوم صفحہ ۲۰۹ مصر، [2] مبسوط سرخسی جلد ۴ صفحہ ۲۱۴،

اسی کی اجازت سے ہو سکتا ہے، یہ حدیث مسند احمد، دارقطنی، ابن ماجہ اور حاکم میں ہے، یہ الفاظ دارقطنی کے ہیں اور تھوڑے سے الفاظ کے تغیر کے ساتھ مختلف سندون سے اسکی روایت کی ہے،

اس واقعہ سے دو باتین ثابت ہوتی ہین، ایک یہ ہے کہ باپ کے نہ ہونے کی صورت مین دوسرے اولیا، اگر کسی یتیم کا نکاح پڑھادین تو وہ جائز ہوگا، کیونکہ آپنے حضرت قدامہؓ کو یہ نہین فرمایا کہ تم کو اسکا حق نہ تھا اور یہ نکاح باطل ہے، حضرت ابن عمر کہتے ہین جیسا کہ احادیث مین ہو کہ وہ میری ملکیت ہو جانے کے بعد مجھ سے چھین لیگئی، (وانتزعت منی واللہ بعد ان ملکتہا)، اور حاکم مین بشرط صحیحین ہے کہ آپنے ابن عمرؓ کو اسکے چھوڑنے (مفارقت) کا حکم دیا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ نکاح فی نفسہ جائز ہوا، دوسری بات اس حدیث سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ یہ نکاح گو جائز ہوگا، مگر موقوف رہیگا، یعنی اسکا نفاذ لڑکی کی رضامندی یا نا رضامندی پر موقوف رہیگا، اگر اس نے علم اور ہوش کے بعد اسکو زبانی یا عملی طور سے قبول کرلیا تو نافذ ہوگا، اگر قبول کیا اور انکار کردیا تو فسخ ہو جائے گا،

دوسری حدیث سے بھی، جو سنن کی اکثر کتابون مین ہے، یہی بات صراحۃً ثابت ہوتی ہے، آپنے فرمایا،

عن ابی موسیٰ سمع النبی صلعم یقول تستامر الیتیمۃ فی نفسہا فان سکتت فھو رضاھا وان کرھت فلا کرہ علیھا (حاکم بشرط بخاری و مسلم و دارقطنی)	ابو موسیٰ کہتے ہین کہ مین نے رسول اللہ صلعم کو فرماتے سنا کہ یتیم لڑکی سے اوسکی ذات کے بارہ مین دریافت کیا جائیگا اگر وہ خاموش رہے تو یہ اوسکی رضامندی ہے، اور اگر انکار کرے تو اس پر جبر نہین،

یہ حدیث اپنی سند کی صحت کے لحاظ سے بخاری اور مسلم کی حدیثون کے برابر ہے، دوسری حدیث اسی معنی کی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے،

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلعم الیتیمۃ تستامر فی نفسہا فان صمتت فھو اذنھا	ابو ہریرہ کہتے ہین کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ یتیم لڑکی سے اسکی ذات کے بارہ مین اسکی مرضی دریافت کیجائے گی اگر

وان ابت فلا جواز علیھا (ترمذی وابوداؤد وغیرہ) — وہ چپ رہی تو یہ اسکی اجازت ہے، اور اگر انکار کیا تو اسپر جبر نہین

نسائی مین ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ

ان النبی صلعم قال والیتیمۃ تستامر فصمتھا اقرارھا، — رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ یتیم لڑکی کی مرضی دریافت کیجائے گی، تو اسکی خاموشی اسکا اقرار ہے۔

یہ مسئلہ کہ اسکو اپنی رضامندی اور نارضامندی کا کب، اور کیونکر اظہار کرنا چاہیئے اس کا بیان آگے آتا ہے

کیا باپ کو اپنی بالغ لڑکیون کے نکاح کا کامل اختیار ہے؟

اس مسئلہ مین، حنفیہ اور شوافع کا اختلاف ہے،

امام شافعیؒ کے نزدیک جس عورت کا نکاح ایک دفعہ ہو چکا ہے، وہ خود مختار ہے اور اپنی رضامندی سے وہ جہان چاہے اپنا نکاح کرسکتی ہے، باپ کو اس مین کوئی دخل نہ ہوگا، لیکن جبتک وہ کنواری ہے، خواہ وہ بالغ ہو یا نابالغ ہو، اسکو اپنی ذات کا کوئی اختیار نہین، وہ باپ کے اختیار مین ہے جہان چاہے وہ اس کا نکاح کردے، بشرطیکہ وہ غیر کفو مین نہ کردے، یا دین مہر کم نہ قبول کرلے، اگر ایسی کوئی بات ہے، تو ان باتون کی وجہ سے وہ فسخ کا دعویٰ کرسکتی ہے، ورنہ وہ اس معاملہ مین مطلق بے اختیار اور ناچار ہے اور اپنی نارضامندی اور ناپسندیدگی کے باوجود وہ باپ کے فیصلہ کے سامنے سر اطاعت خم کردینے پر مجبور ہے،

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے بالغہ عورت کو خواہ وہ کنواری ہو یا اس کا پہلے بیاہ ہو چکا ہو، دونون صورتون مین خود مختار تسلیم کیا ہے اور باپ کا کوئی حق نہین سمجھا ہے، کہ وہ بالغہ عورت پر جبر کرسکے، اور اوسکی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح کہین کرسکے، ان دونون امامون کی فقہ کے درمیان اصلی فرق یہ ہے کہ امام اعظم کے نزدیک لڑکی کی بے اختیاری کی وجہ اسکی کمسنی، اور عدم بلوغ ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک کنوارپن ہے، اسلیے امام اعظم کے نزدیک جب لڑکی بالغ ہوجائے گی تو اس کو اپنے معاملہ کا اختیار اور حق حاصل ہوجائے گا، اور امام شافعی کے نزدیک جب تک اس کا کنوارپن دور نہ ہوگا اسکو اپنی ذات کا اختیار اور حق حاصل نہ ہوگا،

حق یہ ہے کہ اس مسئلہ مین حق امام اعظم کیساتھ ہے۔ یہی اکابر تابعین کا مسلک ہے، اور قرآن پاک اور احادیث

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار اور عمل سے ثابت ہے، یہاں تک کہ حافظ ابن قیم نے بھی باوجود کٹر ادعی تقلید بڑے زور شور سے زاد المعاد میں اسکی تائید کی ہے، وہ لکھتے ہیں،

"یہی جمہور سلف کا قول، اور امام ابو حنیفہ اور ایک روایت میں امام احمد بن حنبل کا مذہب ہے اور یہی وہ قول ہے جس میں ہم خداوند تعالیٰ کی اطاعت سمجھتے ہیں اور اس کے خلاف کے ہم معتقد نہیں اور یہی بات رسول اللہ صلعم کے فیصلہ اور حکم اور ممانعت، اور آپکی شریعت کے قواعد اور امت کے مصالح کے مطابق ہے، آپ کا فیصلہ یہ ہے کہ آپ نے کنواری لڑکی کو جو باپ کے نکاح کر دینے سے خوش نہ تھی، اختیار دیا کہ وہ چاہے نکاح باقی رکھے یا توڑ دے، ..... آپ کا حکم یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کنواری عورت کی اجازت حاصل کرلی جائے، اور یہ تاکیدی صیغہ ہے جو وجوب کے لیے آتا ہے، جب تک اس کے خلاف قرینہ سے یہ نہ ثابت ہو جائے کہ یہاں وجوب مراد نہیں ہے، اور یہاں کوئی قرینہ ایسا نہیں ہے، آپکی ممانعت یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کنواری لڑکی کا نکاح اس وقت تک نہ کیا جائے جب تک اوسکی اجازت نہ لے لی جائے قواعد شریعت کی مطابقت یہ ہے کہ عاقل، بالغ، سمجھدار کنواری لڑکی کی کسی ملکیت میں باپ کو اسکی رضامندی کے بغیر تصرف کا کوئی حق حاصل نہیں ہے، اور کوئی معمولی سی چیز بھی وہ بغیر اس سے نہیں لے سکتا، پھر یہ کیونکر ممکن ہو کہ اس کے جسم کو وہ اوسکی رضامندی اور پسند کے بغیر زبردستی کسی ایسے کے حوالے کر دے، حالانکہ وہ اسکو سخت ناپسند کرتی ہو، اور اس سے اوسکو سخت نفرت ہو، اور وہ اسکی قیدی قرار دی جائے، . . . . امت کی مصلحتوں کے مطابق ایسے ہے کہ لڑکی اپنے اختیار اور پسند سے جو نکاح کرتی ہے اور اس سے نکاح کے جو مقاصد حاصل ہوتے ہیں، وہ مخفی نہیں ہیں، اگر سنت صحیحہ کا یہ فیصلہ موجود بھی نہ ہوتا تو بھی قیاس صحیح اور شریعت کے قواعد کا یہی فیصلہ ہوتا"[۵]

امام شافعی نے کتاب الام[۶] میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے، مگر تعجب ہوتا ہے کہ انھوں نے کنواری لڑکی

---

[۵] زاد المعاد حکمہ صلعم فی الثیب والبکر ج ۲ ص ۲۰۰، مصر، [۶] کتاب الام امام شافعی جلد ۵ صفحہ ۱۵۰

کی اجازت اور باپ کے مقابلہ مین ان کی ترجیح حق کی کوئی حدیث نقل نہین کی، اور صرف ایک حدیث کے اشارہ (مفہوم شرط) سے یہ ثبوت بہم پہنچانا چاہا ہے کہ کنواری لڑکی کو اپنی نسبت آپ فیصلہ کا حق حاصل نہین، اور باپ کو اس پر کلی اختیار حاصل ہے، اور وہ حدیث یہ کہ الثیب احق بنفسہا من ولیہا یعنی جس عورت کا ایک دفعہ بیاہ ہوچکا وہ ولی سے زیادہ اپنے اوپر اختیار رکھتی ہے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ کنواری لڑکی پر اس سے زیادہ اس کے ولی کو جابرانہ حق حاصل ہے، لیکن یہ پوری حدیث یون ہے،

الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستأمر واذنہا سکوتہا (صحیح مسلم)

ایک دفعہ کی بیاہی عورت اپنی نسبت اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے، اور کنواری عورت سے اسکی اجازت لیجائے اور اسکی اجازت اسکی خاموشی ہے،

امام ابن الہمام حنفی نے فتح القدیر[1] مین لکھا ہے، کہ اول تو نص کے ہوتے ہوئے جسمین کنواری عورت کا نکاح اسکی اجازت کے بغیر کرنے کی ممانعت ہے، مفہوم شرط کو لینا، کہ چونکہ ایک دفعہ کی بیاہی کو خود مختار بنایا گیا ہے، اسلیے کنواری خود مختار نہین ہے، صحیح نہین ہے، دوسرے یہ کہ اگر کنواری لڑکی کی مرضی کا کوئی اعتبار نہین ہے، تو باپ کو اسکی رضامندی دریافت کرنے کا حکم کیون دیا گیا، اور اسکی رضامندی اور نارضامندی کا جب کوئی اثر نہین، تو پھر اس دریافت، تحقیق اور پرسش کی ضرورت کیا ہے؟ امام شافعی کہتے ہین کہ یہ دریافت، یہ پرسش محض لڑکی کی خوشی کے لیے استحباباً ہے، مگر سوال یہ ہے کہ جب اس لڑکی کو معلوم ہے کہ اس پرسش کا اس کے حق مین کوئی فائدہ نہین ہے تو اس کو کیا خوشی ہوسکتی ہے، پھر اس حدیث کا کیا جواب دیا جائے گا جس مین یہ الفاظ ہین کہ کنواری لڑکی کا اسکی مرضی دریافت کئے بغیر نکاح نہ کیا جائے، اور آنحضرت صلعم کے ان فیصلون کا کیا جواب ہوگا جنمین آپنے کنواری لڑکیون کو باپ کے مقابلہ مین، حق ترجیح عنایت کیا، اور ان کی ناپسندیدگی پر نکاح کو رد کردیا ہے بلکہ امام شافعی کی کتاب الام مین اس قسم کی کسی حدیث کا اس موقع پر تذکرہ نہین ملتا، نیز ان روایات مذکورہ مین جنمین اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ اگر لڑکی کی مرضی دریافت کرنے کا کوئی ثمرہ نہین ہے تو اس سے پوچھنے کی کیا

[1] فتح القدیر ابن ہمام جلد ۳

حاجت ہے؟ جواب یہ دیا ہے کہ دریافت اور مشورہ کے لیے یہ ضرور نہیں کہ اس کو قبول بھی کر لیا جائے، آنحضرت صلعم کو امتیون سے مشورہ کا حکم دیا گیا ہے کہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ، مگر ان کے مشورہ کے تسلیم کر لینے پر رسول کو مجبور نہیں کیا گیا ہے، بلکہ خود امت کو رسول کے فیصلہ کی تعمیل کا حکم دیا گیا ہے، اور فرمایا،

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (نساء ۹)

نہیں، قسم ہے تیرے پروردگار کی کہ وہ مومن نہ ہونگے جب تک کہ آپس کے اختلافات مین وہ آپکو حکم نہ بنائین پھر جو آپ فیصلہ کرین اس سے اپنے دل مین تنگی نہ پائین، اور پوری طرح اسکو تسلیم نہ کرلین

مگر یہ جواب اس وقت مسلم ہو سکتا ہے، جب اسی طرح کی کسی نص سے اس مسئلہ مین باپ کی اطاعت بھی اسی طرح واجب التعمیل ثابت ہو جائے جیسی کہ رسول کی اطاعت کے اس نص اور دوسرے نصوص کے روسے واجب التسلیم ہے، علاوہ ازین جن امور مین رسول کو مشورہ کے لیے کہا گیا ہے، وہ عام امت (امر) کے عمومی بلکہ سیاسی مصالح سے متعلق ہین، اور یہان خود اپنی ذات اور شخص کے متعلق بحث ہے، اور ان دونون مین بڑا فرق ہے، بلکہ ذاتی معاملات مین بھی رسول کے فیصلہ کی اطاعت اور تعمیل واجب ہے جیسا کہ خود اس آیت کے شانِ نزول کے قصہ مین مذکور ہے، مگر باپ کی اطاعت ان امور مین اولاد کا اخلاقی فرض ہے، قانونی نہین ہے، سا کہ آنحضرت صلعم نے حضرت ابن عمرؓ کو انکی محبوب بیوی کی طلاق کے بارہ مین اپنے والد بزرگوار کی اطاعت کا حکم دیا اور حضرت ابن عمرؓ نے آپکے ارشاد کے مطابق اپنے والد کے حکم کی تعمیل کی، اور بیوی کو طلاق دیدی، یہ واقعہ تمام کتبِ احادیث مین مذکور ہے، تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ باپ کو اپنے بیٹے سے طلاق دلوانے کا قانونی حکم حاصل ہے؟ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہین، غرض اخلاقی اطاعت اور چیز ہے، اور قانونی حق اور بات ہے، لڑکی پر بھی اخلاقاً فرض ہے کہ وہ باپ کی مرضی پر عمل کرے، مگر شریعت کے روسے وہ قانوناً مجبور نہین ہے، اور یہان بحث اخلاقی فرائض سے نہین بلکہ قانونی حقوق سے ہے،

امام شافعیؒ نے آگے فرمایا ہے کہ اگر آنحضرت صلعم کا یہ مقصود ہوتا کہ کنواری اور ایک دفعہ کی بیاہی دونوں اپنے اوپر ولی سے زیادہ اختیار رکھتی ہیں اور دونوں آپس میں برابر ہیں، جیسا کہ تم کہتے ہو، تو عبارت یہ نہ ہوتی، کہ ایک دفعہ کی بیاہی کو اپنے اوپر ولی سے زیادہ اختیار ہے اور کنواری سے دریافت کر لیا جائے۔ بلکہ یہ ہوتی کہ کنواری اور ایک دفعہ کی بیاہی دونوں کو اپنے اوپر ولی سے زیادہ اختیار ہے، یا یہ ہوتا کہ نفس بالغ عورت کو اپنے اوپر ولی سے زیادہ اختیار ہے، مگر آپ نے یہ نہیں فرمایا، اس اختلافِ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دفعہ کی بیاہی عورت کو جو اختیار حاصل ہے وہ کنواری کو نہیں ہے۔

امام ابن الہمام نے اس کا اچھا جواب دیا ہے، وہ یہ ہے کہ عرب کا دستور اور عرف یہ تھا اور ہے کہ ایک دفعہ کی بیاہی عورت سے لوگ براہِ راست پیغام بھیج سکتے تھے، اور بھیجتے تھے، اور بھیجتے ہیں، اور کنواری لڑکیوں کے لیے پیغام ولی کو دیتے تھے اور دیتے ہیں، اسلئے عبارت کا یہ اختلاف ہے، نیز یہ کہ دونوں کی اجازت میں بھی فرق ہے، ایک دفعہ کی بیاہی عورت زبان سے اجازت دیگی، اور کنواری لڑکی عموماً اس قدر بیباک نہیں ہو سکتی اسلیے اگر وہ زبان سے کچھ نہ کہے اور خاموش رہے تو بھی اسکی اجازت سمجھی جائے گی، اس بنا پر بھی آنحضرت صلعم نے دو اسلوب بیان اختیار نہیں فرمایا، اس کے علاوہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں وہ الفاظ بھی مذکور ہیں جن میں کنواری اور ایک دفعہ کی بیاہی کا فرق نہیں رکھا گیا ہے، بلکہ "مطلق" بے شوہر عورت کے الفاظ آئے ہیں آپ نے فرمایا،

الایم احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستاذن فی نفسہا، واذنہا صماتہا،	بے شوہر کی عورت اپنے ولی سے زیادہ اپنے اوپر حق رکھتی ہے، اور کنواری لڑکی سے اجازت لیجائے اور اسکی اجازت اسکی خاموشی ہے

یہ حدیث صحیح مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، اور موطا امام مالک میں بسندِ صحیح مذکور ہے اسمیں "ایم" کا لفظ آیا ہے، عربی میں ایم بے شوہر کی عورت کو کہتے ہیں، خواہ وہ کنواری ہو یا بیوہ اور مطلقہ ہو، چنانچہ قرآن پاک میں باتفاقِ مفسرین اسی معنی میں یہ لفظ آیا ہے، جہاں کہا گیا ہے "انکحوا الایامیٰ منکم" (اپنے میں سے بے شوہر والیوں کا بیاہ کردو)

میری سمجھ میں کنواری اور ایک دفعہ کی بیاہی عورت کی اجازت کے متعلق اس اختلاف بیان کی وجہ یہ ہے،

جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ کنواری عورت مین شرم وحیا زیادہ ہوتی ہے، وہ اپنی نسبت اپنی زبان سے کچھ نہین کہہ سکتی، اسلیئے اگر زبان سے اقرار اس کے لیے ضروری قرار دیا جاتا تو سخت مشکل پیش آتی، چنانچہ حضرت عائشہؓ وغیرہ نے اس خیال کو ظاہر کیا ہے، اور ایک دفعہ کی بیاہی عورت نسبۃً دلیر ہوتی ہے، اور بول سکتی ہم اور بولتی ہے، اس لیے اس کیلئے زبان کا اقرار ضروری قرار دیا گیا، اب اس اختلافِ عبارت پر غور کیجئے، آپ نے فرمایا کہ ایک دفعہ کی بیاہی عورت اپنی نسبت اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے، اسلیئے اسکی طرف سے ولی کو کچھ کہنے کی حاجت نہین، وہ خود کہہ لے اور وہی خود اپنی زبان سے اجازت دے، اور کنواری عورت چونکہ ایسے موقع پر زبان سے کچھ نہین بولتی، اسلیئے وہ پوچھنے پر خاموش رہے تو اسکی اجازت سمجھی جائے، اور دریافت اور خاموشی کے بعد اس کا ولی اسکی طرف سے نیابت کر دیگا، اور اسکی خاموشی کے معنی اسکی رضامندی کے قرار دیگا اور نکاح ہو جائے گا، اور اگر وہ بھی اپنی زبان سے رضامندی ظاہر کر سکے تو اسکی طرف سے اس نیابت کی بھی کوئی ضرورت نہین، بہر حال کرنے نہ کرنے کا اختیار خود لڑکی کے ہاتھ مین ہے، اس تفسیر کی تائید حضرت عدی کی روایت سے جو ابن ماجہ مین ہے پوری طرح ہوتی ہے، الثیب تعرب عن نفسھا والبکر رضاھا صمتھا "بیاہی خود اظہار مطالب کرے، اور کنواری کی خاموشی رضامندی ہے" پھر امام شافعی جو الفاظ چاہتے ہین، وہ بھی نسائی اور مستدرک کی حدیثون مین موجود ہے، استامروا النساء عن ابضاعھن "عورتون سے (یعنی کنواری ہون یا ایکدفعہ کی بیاہی دونون سے یکسان) اون کے جسم کی نسبت دریافت کر لیا کرو" نسائی مین ہے ولا تنکحوا النساء حتی تستامروھن "عورتون کا نکاح نہ کرو، جب تک ان سے دریافت نہ کر لو" پھر ایک روایت مین حصر کیساتھ بھی حکم موجود ہے کہ ولا ابکر الا باذنھا "کنواری کا نکاح نہین ہو سکتا لیکن اوسکی اجازت سے" کیا اس تفصیل کے بعد اس مسئلہ مین کوئی شک رہ جاتا ہے،

اب سوال وجواب سے قطع نظر کر کے، اس بارہ مین جو احکام اور واقعات احادیث مین بیان ہوئے ہین، ان کو بھی سن لیجئے،

احکام | حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جو احسانات اپنی جنسی بہنون پر ہین، اونکی تفصیل سیرۃ عائشہؓ مین بیان ہوچکی ہے، ان مین سے ایک یہ ہے کہ انھون نے آنحضرت صلعم سے انکی نسبت دریافت کیا کہ یارسول اللہ کمسن لڑکی (جاریہ) کا نکاح اس کے گھر کے لوگ کردیتے ہین، تو اس مین اوسکی مرضی بھی دریافت کیجائے یا نہین، فرمایا ہان لیجائے، عرض کی یارسول اللہ وہ تو شرم کرتی ہے، (یعنی شرم کی وجہ سے زبان سے بول نہین سکتی) فرمایا اوسکی اجازت یہی ہے کہ وہ چپ رہے" صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہین، سألت رسول اللہ صلعم عن الجاریۃ ینکحہا اھلہا تستأمر ام لا، فقال رسول اللہ صلعم نعم تستأمر، فقالت عائشۃ فقلت لہ فانہا تستحیی فقال رسول اللہ صلعم فذالک اذنہا اذا ھی سکتت (بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپنے فرمایا،

لا تنکح الایم حتی تستأمر ولا تنکح البکر حتی تستاذن قالوا یارسول اللہ وکیف اذنہا قال ان تسکت (بخاری ومسلم ونسائی)

بن شوہر کی عورت کا نکاح نہ کیا جائے جبتک اسکا امر نہ دریافت کرلیا جائے، اور کنواری عورت کا نکاح کیا جائے جبتک اس سے اجازت نہ لیجائے، لوگون نے کہا یارسول اللہ اسکی اجازت کیونکر ہوگی فرمایا اس طرح کہ وہ خاموش رہے،

اسی روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہین،

الثیب احق بنفسہا من ولیہا، والبکر تستأمر واذنہا سکوتہا (مسلم)

ایک دفعہ کی بیاہی عورت اپنے ولی سے زیادہ اپنے اوپر حق رکھتی ہے اور کنواری سے اسکی اجازت لیجائے، اور اسکی اجازت اوسکی خاموشی ہے،

یہی روایت ان الفاظ مین بھی ہے،

الثیب احق بنفسہا من ولیہا والبکر یستاذنہا ابوھا فی نفسہا واذنہا صماتہا (مسلم ونسائی)

ایک دفعہ کی بیاہی عورت اپنے ولی سے زیادہ اپنی نسبت حق رکھتی ہے، اور کنواری عورت سے اس کا باپ، اوسکی ذات کی نسبت اجازت لے، اور اسکی اجازت اوسکی خاموشی ہے،

اس روایت مین ایک خاص لفظ ابوھا کا ہے، کہ باپ کو بھی لڑکی سے اذن لینا ضرورت ہے، اس سے امام شافعی کی اس رائے کی کہ باپ کو اپنی کنواری لڑکی پر استبدادی حق حاصل ہے، اور اس سے پوچھنا ضروری نہین ہے قطعاً تردید ہو جاتی ہے، شوافع کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ چونکہ دوسری روایتون مین یہ لفظ نہین آیا ہے اسلیے یہ زیادتی محفوظ نہین، لیکن یہ جواب اسلیے صحیح نہین کہ ثقہ کی زیادت مسلم ہے۔

ابو داؤد مین بھی روایت ان الفاظ مین ہے،

لا تنکح الثیب حتی تستامر ولا البکر الا باذنہا، قالوا وما اذنہا، قال ان تسکت

ایکدفعہ کی بیاہی عورت کا نکاح نہ کیا جائے جب تک اوسکی اجازت نہ حاصل ہو جائے، اور کنواری کا نکاح نہ کیا جائے لیکن اسکی اجازت سے، لوگون نے کہا اسکی اجازت کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ چپ رہے

یہ الفاظ لڑکی کے حق کو پوری وضاحت سے ظاہر کر رہے ہین جسمین کسی تاویل کی گنجائش نہین، ایک اور طریقہ مین حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ان الفاظ مین ہے،

لا تنکح الثیب حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن واذنہا الصموت، (ترمذی ونسائی)

ایک دفعہ کی بیاہی عورت کا نکاح نہ کیا جائے یہان تک کہ اس کا امر نہ لیا جائے، اور نہ کنواری کا نکاح کیا جائے یہان تک کہ اسکی اجازت نہ لیجائے، اور اسکی اجازت اسکی خاموشی ہے

حضرت ابن عباسؓ کی روایت بھی اسی طرح مختلف الفاظ مین حدیث کی مختلف کتابون مین ہے، وہ کہتے ہین کہ آپ نے فرمایا،

الایم احق بنفسہا من ولیہا والبکر تستاذن فی نفسہا واذنہا صماتہا، (ترمذی ونسائی وغیرہ)

بے شوہر کی عورت اپنے بارے مین اپنے ولی سے زیادہ حقدار ہے، اور کنواری عورت کی اجازت اسکی خاموشی ہے۔

حضرت عثمان بن مظعونؓ کی صاحبزادی جو اپنے چچا کے کئے ہوئے نکاح سے ناخوش تھین، ان کے معاملہ مین آپنے فرمایا،

لا تنکحوا النساء حتی تستامر وھن فاذا سکتن فھو اذنھن (مستدرک حاکم بشرط بخاری مسلم)
عورتون کا نکاح نہ کرو جب تک ان سے دریافت نہ کرلو جب وہ چپ رہین تو یہی ان کی اجازت ہی۔

اس روایت مین "مطلق عورت" کا لفظ ہے، جسمین کنواری اور بیاہی کی تفریق نہین، اور دونون سے اجازت لے لینے کا یکسان حکم ہے، ممکن ہے کہ اس حدیث مین قرینہ اور طریق اجازت سے یہ اشارہ نکالا جائے کہ بکر (کنواریون) کی نسبت ارشاد ہوا ہے، مگر حضرت عائشہؓ کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہین، جو ہر تاویل اور بحث سے بالاتر ہین، آپنے فرمایا،

استامروا النساء فی ابضاعھن قیل فان البکر تستحیی تسکت فقال ھی اذنھا (سنن نسائی)
عورتون کے جسم کی نسبت ان سے اجازت لیلو، عرض کیا گیا کہ کنواری لڑکی تو شرم کرتی ہی اور چپ رہتی ہی، فرمایا یہی اسکی اجازت ہی۔

اس حدیث مین دیکھو بالکل وہی الفاظ ہین، جنکا امام شافعی ہم سے مطالبہ کرتے تھے، اس مین کنواری اور ایک دفعہ کی بیاہی دونون کو ایک ہی لفظ سے ادا کرکے، ان سے استمزاج لینے کا یکسان اور برابر کا حکم دیا گیا ہے، صرف ان دونون کی اجازت کی نوعیت مین فرق کیا گیا ہے، اجازت کی نوعیت کا یہ فرق حضرت عدیؓ والی روایت سے جو سنن ابن ماجہ مین ہے، بالکل واضح ہو جاتا ہے، وہ روایت کرتے ہین کہ آپنے فرمایا،

الثیب تعرب عن نفسھا والبکر رضاھا صمتھا (ابن ماجہ)
ایک دفعہ کی بیاہی عورت (یعنی بیوہ اور مطلقہ) خود اپنا اظہار مطلب کرے، اور کنواری لڑکی کی رضامندی کا اظہار اسکی خاموشی سے ہوگا،

اس سے ظاہر ہوا کہ کنواری اور بیوہ و مطلقہ (یعنی جسکا پہلے ایک دفعہ بیاہ ہوچکا ہو) ان دونون کی خودمختاری کے حق مین کوئی فرق نہین ہے، بلکہ صرف رضامندی کے اظہار کی نوعیت مین فرق ہے؟

باقی

مولٰنا حالیؒ

کی

خود نوشت سوانحعمری

ہمارے پچھلے نامور مصنفین مین مولانا حالی کا جو درجہ ہے وہ مخفی نہین، وہ حیات جاوید کے مصنف ہوکر خود حیات جاوید پا چکے ہین، انکی سخنوری، سخن فہمی، نکتہ رسی، اور متانت تحریر اپنا جواب نہین رکھتی، ایسی ہستی اگر کسی دوسری قوم کو حاصل ہوتی، تو اسکی مستقل سوانحعمریون اور اس کے کارنامون کے تبصرون کا ایک غیر منقطع سلسلہ قائم ہوتا، مگر ہماری غفلت کی انتہا ہے کہ چند صفحون کے سوا انکے سوانح حیات کا کوئی ورق بھی نہین ملتا، ایسی حالت مین معارف کسقدر خوش قسمت ہے کہ اکو مولانا حالی کی خود نوشت سوانحعمری کا مسودہ ہاتھ آگیا ہے،

یہ چند صفحون کی تحریر ہے جس مین مولانا نے اپنے کل حالات قلمبند کئے ہین اور اسکو نواب عماد الملک بلگرامی مرحوم کی خدمت مین بھیجا تھا، بلکہ عجب نہین کہ نواب صاحب مرحوم کی فرمائش ہی سے اسکو لکھا ہو، نواب صاحب کی وفات کے بعد ان کے کاغذات مین یہ مسودہ ملا، اور آج وہ معارف کے صفحات کی زینت بن رہا ہے،

ہم نے چاہا تھا کہ اس کا چربہ اور عکس اتار کر چھاپین، مگر گو اس پر مصنفانہ کاٹ چھانٹ اور حک و اصلاح موجود ہے، تاہم یقین نہین ہے کہ وہ خود مولانا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر ہو، اور خط بھی بد ہے اسلئے اس خیال کو چھوڑ دیا،

اصل تحریر بعینہ حسب ذیل ہے،

"معارف"

تراجم

الطاف حسین حالی انصاری پانی پتی

میری ولادت تقریباً ۱۲۵۳ھ ہجری مطابق ۱۸۳۷ء عیسوی مین بمقام قصبہ پانی پت، جو شاہجہان آباد سے جانب شمال ۵۳ میل کے فاصلہ پر ایک قدیم بستی ہے، واقع ہوئی، اس قصبہ مین کچھ کم سات سو برس سے قوم انصار کی ایک شاخ جس سے راقم کو تعلق ہے آباد چلی آتی ہے، ساتوین صدی ہجری اور تیرھوین صدی عیسوی مین جبکہ غیاث الدین بلبن تخت دہلی پر متمکن تھا، شیخ الاسلام خواجہ عبد اللہ انصاری معروف بہ پیر ہرات کی اولاد مین سے ایک بزرگ خواجہ ملک علی نام، جو علوم متعارفہ مین اپنے معاصرین مین امتیاز رکھتے تھے، ہرات سے ہندوستان مین وارد ہوئے تھے، جنکا سلسلۂ نسب ۲۶ واسطہ سے حضرت ابو ایوب انصاریؓ تک اور ۱۸ واسطہ سے شیخ الاسلام تک اور دس واسطہ سے ملک محمود شاہ انجو ملقب بہ آتی خواجہ تک، جو غزنوی دور مین فارس و کرمان و عراق عجم کا فرمانروا تھا، پہنچتا ہے، چونکہ غیاث الدین بلبن اس بات مین نہایت مشہور تھا کہ وہ قدیم اشراف خاندانون کی بہت عزت کرتا ہے اور اس کا بیٹا سلطان محمد علما و شعرا و دیگر اہل کمال کا حد سے زیادہ قدردان تھا، اسلیے اکثر اہل علم اور عالی خاندان لوگ ایران و ترکستان سے ہندوستان کا قصد کرتے تھے، اسی شہرت نے خواجہ ملک علی کو سفر ہندوستان پر آمادہ کیا تھا، چنانچہ سلطان غیاث الدین نے چند عمدہ اور سیر حاصل دیہات پرگنہ پانی پت مین اور معتد بہ اراضی سواد قصبہ پانی پت مین بطور مدد معاش کے اور بہت سی زمین اندرون آبادی قصبہ پانی پت واسطے سکونت کے ان کو عنایت کی اور منصب قضا و صدارت و تشخیص نرخ بازار اور تولیت مزارات ائمہ جو سواد پانی پت مین واقع ہین، اور خطابت عیدین ان سے متعلق کردی، پانی پت مین جو اب تک ایک محلہ انصاریون کا مشہور ہے وہ انھین بزرگ کی اولاد سے منسوب ہے مین باپ کی طرف سے اسی شاخ انصار سے علاقہ رکھتا ہون اور میری والدہ سادات کے ایک معزز گھرانے کی، جو یہان سادات شہدا پور کے نام سے مشہور ہین، بیٹی تھین،

اگرچہ خواجہ ملک علی کی اولاد مین سے بہت سے لوگون نے اوّل سلطنت مغلیہ کے عہد مین اور پھر شاہان اودھ کی سرکار مین نہایت درجہ کا امتیاز حاصل کیا تھا، مگر زیادہ تر یہ لوگ اسی ملک و مدد معاش پر قانع رہے جو سلاطین اسلام کی طرف سے وقتاً فوقتاً ان کو عطا ہوتی رہی، میرے آبا و اجداد نے جہان تک کہ ان کا حال معلوم ہے، ظاہرا کوئی خدمت دلی یا لکھنؤ مین اختیار نہین کی، سب سے پہلے میرے باپ نے سرکار انگریزی کی نوکری سر رشتہ پرمٹ مین اختیار کی تھی میری ولادت کے بعد میری والدہ کا دماغ مختل ہو گیا تھا اور میرے والد نے چالیس برس کی عمر مین جب کہ مین نو برس کا تھا، انتقال کیا، اسلیے مین نے ہوش سنبھالکر اپنا سرپرست بھائی بہنون کے سوا کسی کو نہین پایا، انھون نے اوّل مجھکو قرآن حفظ کرایا، اس کے بعد اگرچہ تعلیم کا شوق قدرتی طور پر میرے دل مین حد سے زیادہ تھا، مگر باقاعدہ اور مسلسل تعلیم کا کبھی موقع نہین ملا، ایک بزرگ سید جعفر علی مرحوم، جو میر ممنون دہلی کے بھتیجے اور داماد بھی تھے، اور بوجہ تعلق زناشوئی کے پانی پت مین مقیم تھے، اور فارسی لٹریچر، تاریخ اور طب مین ید طولیٰ رکھتے تھے، ان سے دو چار فارسی کی ابتدائی کتابین پڑھین اور انکی صحبت مین فارسی لٹریچر کے ساتھ ایک نوع کی مناسبت پیدا ہو گئی، پھر عربی کا شوق ہو گیا، انھین دنون مولوی حاجی ابراہیم حسین انصاری مرحوم لکھنؤ سے اجتہاد کی سند لیکر آئے تھے، ان سے صرف نحو پڑھی مگر چند روز بعد بھائی اور بہن نے جنکو مین بمنزلۂ والدین کے سمجھتا تھا تاہل پر مجبور کیا، اس وقت میری عمر سترہ برس کی تھی اور زیادہ تر بھائی کی نوکری پر سارے گھر کا گذارہ تھا کہ یہ جوا میرے کندھے پر رکھا گیا، اب بظاہر تعلیم کے دروازے چارون طرف سے مسدود ہو گئے، سب کی یہ خواہش تھی کہ مین نوکری تلاش کرون، مگر تعلیم کا شوق غالب تھا اور بیوی کا میکا آسودہ حال تھا، مین گھر والون سے روپوش ہو کر دلی چلا گیا اور قریب ڈیڑھ برس کے وہان رہ کر کچھ صرف و نحو اور کچھ ابتدائی کتابین منطق کی مولوی نوازش علی مرحوم سے، جو وہان ایک مشہور واعظ اور مدرس تھے، پڑھین، اگرچہ اس وقت قدیم دہلی کالج خوب رونق پر تھا مگر جس سوسائٹی مین مین نے نشو و نما پائی تھی وہان علم صرف عربی اور فارسی ہی مین منحصر سمجھا جاتا تھا، انگریزی تعلیم کا خاصکر قصبہ پانی پت مین اول تو کہین ذکر ہی سننے مین نہین آتا تھا، اور اگر اسکی نسبت لوگون کا کچھ

خیال تھا تو صرف اس قدر کہ سرکاری نوکری کا ایک ذریعہ ہے نہ یہ کہ اس سے کوئی علم حاصل ہوتا ہے بلکہ برخلاف اس کے انگریزی مدرسوں کو ہمارے علما مجلے کہتے تھے، دلی پہنچکر جس مدرسہ مین مجھکو شب و روز رہنا پڑا وہان سب مدرس اور طلبہ کالج کے تعلیم یافتہ لوگون کو محض جاہل سمجھتے تھے غرضکہ کبھی بھولکر بھی انگریزی تعلیم کا خیال دل مین نہ گذرتا تھا ڈیڑھ برس دلی مین رہنا ہوا اس عرصہ مین کبھی کالج کو جاکر آنکھ سے دیکھا تک نہین اور نہ ان لوگون سے کبھی ملنے کا اتفاق ہوا، جو اس وقت کالج مین تعلیم پاتے تھے جیسے مولوی ذکاء اللہ، مولوی نذیر احمد، مولوی محمد حسین آزاد اور مولوی ضیاء الدین وغیرہ وغیرہ،

مین نے دلی مین شرح سلم ملاحسن اور میبذی پڑھنی شروع کی تھی کہ سب عزیزون اور بزرگون کے جبر سے ناچار مجھکو دلی چھوڑنا اور پانی پت واپس آنا پڑا، یہ ذکر ۱۸۵۵ء کا ہے، دلی سے آکر برس ڈیڑھ برس تک پانی پت سے کہین نہین گیا، اور بطور خود اکثر بے پڑھی کتابون کا مطالعہ کرتا رہا، ۱۸۵۶ء مین مجھے ضلع حصار مین ایک قلیل تنخواہ کی اسامی صاحب کلکٹر کے دفتر مین ملگئی، لیکن ۱۸۵۷ء مین جبکہ بلوہ یا غدر کا فتنہ ہندوستان مین برپا ہوا، اور حصار مین بھی بعض سخت واقعات ظہور مین آئے اور سرکاری عملداری اُٹھ گئی تو مین وہان سے پانی پت چلا آیا اور قریب چار برس کے پانی پت مین بیکاری کی حالت مین گذرے، اس عرصہ مین پانی پت کے مشہور فضلا مولوی عبد الرحمن، مولوی محب اللہ اور مولوی قلندر علی مرحوم ان سے بغیر کسی ترتیب اور نظام کے کبھی منطق یا فلسفہ کبھی حدیث کبھی تفسیر پڑھتا رہا اور جب ان صاحبون مین سے کوئی پانی پت مین نہ ہوتا تھا تو خود بغیر پڑھی کتابون کا مطالعہ کرتا تھا اور خاصکر علم ادب کی کتابین شروح اور لغات کی مدد سے اکثر دیکھتا تھا، اور کبھی کبھی عربی نظم و نثر بھی بغیر کسی کے اصلاح اور مشورہ کے لکھتا تھا مگر اس پر طبیعت کو اطمینان نہ ہوتا تھا، میری عربی اور فارسی تحصیل کا منتہا صرف اسی قدر ہے جسقدر کہ اوپر ذکر کیا گیا،

جس زمانہ مین میرا دلی جانا ہوا تھا میرزا اسد اللہ خان غالب مرحوم کی خدمت مین اکثر جانے کا اتفاق ہوتا تھا اور اکثر ان کے اردو اور فارسی دیوان کے اشعار جو سمجھ مین نہ آتے تھے ان کے معنی ان سے پوچھا کرتا تھا

اور چند فارسی قصیدے انھون نے اپنے دیوان مین سے مجھے پڑھائے بھی تھے، انکی عادت تھی کہ وہ اپنے ملنے والون کو اکثر فکرِ شعر کرنے سے منع کیا کرتے تھے مگر مین نے جو ایک آدھ اردو یا فارسی کی غزل لکھ کر انکو دکھائی تو انھون نے مجھ سے یہ کہا کہ اگرچہ مین کسی کو فکرِ شعر کی صلاح نہین دیا کرتا لیکن تمھاری نسبت میرا یہ خیال ہے کہ اگر تم شعر نہ کہو گے تو اپنی طبیعت پر سخت ظلم کروگے، مگر اس زمانہ مین ایک دو غزل سے زیادہ دلی مین شعر لکھنے کا اتفاق نہین ہوا۔

غدر کے بعد جب کئی برس پانی پت مین بیکاری کی حالت مین گذر گئے تو فکرِ معاش نے گھر سے نکلنے پر مجبور کیا، حسنِ اتفاق سے نواب مصطفےٰ خان مرحوم رئیسِ دہلی و تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر جو فارسی مین حسرتی اور اردو مین شیفتہ تخلص کرتے تھے اور شاعری کا اعلیٰ درجہ کا مذاق رکھتے تھے ان سے شناسائی ہوگئی، اور آٹھ سات برس تک بطور مصاحبت کے ان کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہوا، نواب صاحب جس درجہ کے فارسی اور اردو زبان کے شاعر تھے اسکی بہ نسبت ان کا مذاقِ شاعری بمراتب بلند تر اور اعلیٰ تر واقع ہوا تھا، انھون نے ابتدا مین اپنا فارسی اور اردو کلام مومن خان کو دکھایا تھا مگر ان کے مرنے کے بعد وہ مرزا غالب سے مشورۂ سخن کرنے لگے تھے، میرے وہان جانے سے انکا پرانا شعر و سخن کا شوق، جو مدت سے افسردہ ہو رہا تھا، تازہ ہوگیا، اور انکی صحبت مین میرا طبیعی میلان بھی جو اب تک مکروہات کے سبب اچھی طرح ظاہر نہ ہونے پایا تھا چمک اٹھا، اسی زمانہ مین اردو اور فارسی کی اکثر غزلین نواب مرحوم کے ساتھ لکھنے کا اتفاق ہوا، انھین کے ساتھ مین بھی جہانگیر آباد سے اپنا کلام مرزا غالب کے پاس بھیجتا تھا، مگر میرزا کے مشورہ و اصلاح سے مجھے چندان فائدہ نہ ہوا، بلکہ جو کچھ فائدہ ہوا وہ نواب صاحب مرحوم کی صحبت سے ہوا، وہ مبالغہ کو ناپسند کرتے تھے، اور حقائق و واقعات کے بیان مین لطف پیدا کرنا، اور سیدھی سادی اور سچی باتون کو محض حسنِ بیان سے دلفریب بنانا اسی کو منتہائے کمال شاعری سمجھتے تھے، چھچھورے اور بازاری الفاظ و محاورات اور عامیانہ خیالات سے شیفتہ اور غالب دونون متنفر تھے، نواب شیفتہ کے مذاق کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ ایک روز میر انیس کا ذکر ہو رہا تھا انھون نے انیس کے مرثیہ کا یہ پہلا مصرعہ پڑھا "آج شبیر پہ کیا عالمِ تنہائی ہے" اور کہا کہ انیس نے ناحق مرثیہ لکھا

یہی ایک مصرع بجائے خود ایک مرثیہ کے برابر تھا، ان کے خیالات کا اثر مجھ پر بھی پڑنے لگا اور ایک خاص قسم کا مذاق رفتہ رفتہ پیدا ہو گیا،

نواب شیفتہ کی وفات کے بعد مجھکو پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو مین ایک اسامی ملی جسمین مجھکو یہ کام کرنا پڑتا تھا کہ جو ترجمے انگریزی سے اردو مین ہوتے تھے انکی اردو عبارت درست کرنے کو مجھے ملتی تھی، تقریباً چار برس مین نے یہ کام لاہور مین رہ کر کیا، اس سے انگریزی لٹریچر کے ساتھ فی الجملہ مناسبت پیدا ہو گئی اور نامعلوم طور پر آہستہ آہستہ مشرقی لٹریچر اور خاصکر عام فارسی لٹریچر کی وقعت دل سے کم ہونے لگی، لاہور ہی مین کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب کے ایما سے مولوی محمد حسین آزاد نے اپنے پرانے ارادہ کو پورا کیا یعنی مئی ۱۸۷۴ء مین ایک ایسے مشاعرہ کی بنیاد ڈالی جو ہندوستان مین اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل نیا تھا اور جسمین بجائے مصرع طرح کے کسی مضمون کا عنوان شاعرون کو دیا جاتا تھا کہ اس مضمون پر اپنے خیالات جسطرح چاہین نظم مین ظاہر کرین، مین نے بھی اسی زمانہ مین چار مثنویان، ایک برسات پر، دوسری امید پر، تیسری رحم و انصاف پر اور چوتھی حب وطن پر لکھین،

اس کے بعد مین لاہور سے دہلی مین اینگلو عربک اسکول کی مدرسی پر بدل آیا، یہان آکر مین نے اول ایک آدھ نظم بطور خود اسی طرز کی جسکی تحریک لاہور مین ہوئی تھی، لکھی، پھر سید احمد خان مرحوم نے ترغیب دلائی کہ مسلمانون کی موجودہ پستی اور تنزل کا حال اگر نظم مین بیان کیا جائے تو مفید ہوگا، چنانچہ مین نے اول مسدس مدوجزر اسلام اور اس کے بعد اور نظمین جو چھپ چھپکر بار بار شائع ہو چکی ہین لکھین،

نظم کے سوا نثر اردو مین بھی مین نے چند کتابین لکھی ہین، سب سے پہلے غالباً ۱۸۶۷ء مین ایک کتاب تریاق مسموم ایک نیٹو مشنری کی کتاب کے جواب مین جو میرا ہم وطن تھا، اور مسلمان سے عیسائی ہوا تھا، لکھی تھی، جسکو اسی زمانہ مین لوگون نے مذہبی میگزینون مین چھاپکر شائع کر دیا تھا، اس کے بعد لاہور مین ایک عربی کتاب کا جو جیولوجی مین تھی اور فرنچ سے عربی مین کسی مصری فاضل نے ترجمہ کی تھی، اردو مین ترجمہ کیا اور اس کا کاپی رائٹ بغیر کسی معاوضہ کے پنجاب یونیورسٹی کو دے دیا، چنانچہ ڈاکٹر لائٹنر کے زمانہ مین اسکو یونیورسٹی نے چھاپ کر

شائع کر دیا تھا، مگر اول تو وہ اصل کتاب پچاس ساٹھ برس کی لکھی ہوئی تھی، جبکہ جیولوجی کا علم ابتدائی حالت مین تھا، دوسرے مجھکو اس فن سے محض اجنبیت تھی، اسلیے اصل اور ترجمہ دونون غلطیون سے خالی نہ تھے، لاہور ہی مین ایک کتاب عورتون کی تعلیم کے لیے قصہ کے پیرایہ مین موسوم بہ مجالس النساء لکھی تھی، جس پر کرنل ہالرائڈ نے ایک ایجوکیشنل دربار مین مجھے لارڈ ناتھ بروک کے ہاتھ سے چار سو روپیہ کا انعام دلوایا تھا اور جو اودھ اور پنجاب کے مدارس نسوان مین مدت تک جاری رہی اور شاید اب بھی کہین کہین جاری ہو،

پھر دلی مین سعدی شیرازی کی لائف اور انکی نظم و نثر پر ریویو لکھکر شائع کیا جسکا نام حیاتِ سعدی ہے، اور جس کے دس بارہ اڈیشن اب سے پہلے شائع ہو چکے ہین، پھر شاعری پر ایک مبسوط اسّے لکھکر بطور مقدمہ کے اپنے دیوان کے ساتھ شائع کیا، اس کے بعد میرزا غالب مرحوم کی لائف جسمین انکی فارسی اور اردو نظم و نثر کا انتخاب بھی شامل ہے اور انکی شاعری پر ریویو بھی کیا گیا ہے، یادگارِ غالب کے نام سے لکھکر شائع کی اور اب سرسید احمد خان مرحوم کی لائف موسوم بہ حیات جاوید جو تقریباً ہزار صفحہ کی کتاب ہے لکھی جو امید ہے کہ مارچ یا اپریل مین شائع ہو جائے گی، اس کے سوا اور بھی بعض کتابین فارسی گرامر وغیرہ مین لکھی ہین جو چندان ذکر کے قابل نہین ہین، اس کے علاوہ تیس بتیس مضمون بھی مختلف عنوانون پر مین نے اوقات مختلف مین لکھے ہین جو تہذیب الاخلاق، علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ اور دیگر اخبارون یا میگزینون مین شائع ہو رہے ہین،

نیز اردو کے علاوہ فارسی مین کسی قدر زیادہ اور عربی مین کم میری نظم و نثر موجود ہے، جو اب تک شائع نہین ہوئی، جب سے ان دونون زبانون کا رواج ہندوستان مین کم ہونے لگا ہے، اس وقت سے انکی طرف توجہ نہین رہی، میری سب سے اخیر فارسی نظم وہ ترکیب بند ہے جو سرسید کی وفات پر مین نے لکھا تھا اور اردو مین سب سے اخیر وہ نظم ہے جو حال ہی مین حضور ملکہ معظمہ ایمپرس وکٹوریا کی وفات پر لکھی ہے، اور جو علی گڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ مین شائع ہوئی ہے،

سنہ ۱۳۰۵ ہجری مین جبکہ مین اینگلو عربک اسکول دہلی مین مدرس تھا نواب سر آسمان جاہ بہادر مرحوم

مدار المہام سرکار عالی نظام اثنائے سفر شملہ مین علی گڈہ محمڈن کالج کے ملاحظہ کے لیے سر سید احمد خان مرحوم کے مکان پر فروکش ہوئے تھے، اور مین بھی اس وقت علی گڈہ گیا ہوا تھا، نوابصاحب ممدوح نے بصیغہ امداد مصنفین ایک وظیفہ تعدادی ۷۵ ماہوار کا میرے لیے مقرر فرمایا اور ۱۸۹۱ء مین جب کہ مین سر سید مرحوم کے ہمراہ بشمول دیگر ممبران ڈپوٹیشن ٹرسٹیان محمڈن کالج علی گڈہ حیدرآباد گیا تھا اس وظیفہ مین پچیس روپیہ ماہوار کا اضافہ کرکے سو روپیہ سکۂ عالی کا وظیفہ میرے لیے مقرر کر دیا جو اب تک مجھکو ماہ بماہ سرکار عالی سے ملتا ہے اور اسی وقت سے مین نے انیگلو عربک اسکول کا تعلق قطع کر دیا ہے۔

صوبۂ گجرات کا پہلا گورنر

(۲)

از مولانا سید ابو ظفر صاحب ندوی پروفیسر عربی و فارسی بہاؤالدین کالج احمد آباد

اب یہ کہنا چاہتا ہون کہ الغ خان نے بے شک گجرات فتح کیا، لیکن الماس بیگ، الغ خان کبھی اور کسی وقت اپنی تمام عمر مین گجرات کا گورنر نہین ہوا، کیونکہ فتح گجرات کے بعد وہ کچھ زیادہ عرصہ تک زندہ نہین رہا، وہ رنتھنبور کی فتح کے بعد ہی چند روز مین دہلی جاتے ہوئے فوت ہوا، اور اس سبب سے اسکو کسی جگہ کی گورنری کا موقعہ ہی نہین ملا، البتہ جالور اور جہاین مین جو اس کے جاگیر مین تھے کچھ دنون مقیم رہا،

چنانچہ بدایونی لکھتا ہے :-

و سلطان قلعہ رنتھنبور را با ولائت در جاگیر او مقرر فرمو	اور سلطان نے قلعہ رنتھنبور کو مع اس کے صوبہ کے
بازگشت و او در ہمان روز در راہ بیمار شد و رخت	اسکی (الغ خان کی) جاگیر مین مقرر کر کے واپس ہوا
ازین جہان برد، و رنتھنبور نسبت باو حکم بہشت	اور وہ (الغ خان) اسی روز راہ مین بیمار ہوا، اور اس دنیا
شداد پیدا کردہ بود[۱]	چل بسا، اور رنتھنبور اس کے لیے ایسا ثابت ہوا جیسا
	شداد کے لیے اسکی جنت،

فرشتہ رنتھنبور کی فتح کے سلسلہ مین الغ خان کی نسبت لکھتا ہے،

"پھر بطور سیر کے بادشاہ اوپر گیا، وہان کے نقد و جواہرات جو شمار سے باہر تھے، مع قلعہ وغیرہ کے الماس بیگ کو عطا فرما کر دہلی کی طرف روانہ ہوا، الماس بیگ پانچ چھ ماہ کے بعد سخت بیمار ہو کر دہلی روانہ ہوا، لیکن راہ مین مرگیا[۲]"

ضیاء الدین برنی اپنی تاریخ فیروز شاہی مین گویا اپنی آنکھون کی دیکھی اس طرح ...

[۱] تاریخ بدایونی ج اص ۱۹۱، [۲] تاریخ فرشتہ ج ا بیان علاء الدین،

الغ خان چهار و پنج ماه در غیبت سلطان حشم بسیار گرفت و خواست که عزم تلنگ و معبر مصمم گرداند، و تا اجل در آمد و او را بوقت آمدن در شهر مبارک دریافت، و مرده او را در شهر آوردند و هم در خانه او دفن کردند و مصیبت او سلطان را اندوهگین کرد، و بر روح او صدقات بسیار داد[1]

اور الغ خان نے سلطان کی غیر حاضری میں چار پانچ ماہ کے اندر بڑی شان پیدا کر لی، اور اس کا قطعی ارادہ تھا کہ تلنگ اور معبر (مدراس) جائے، موت پیچھے سے آ گئی اور اس کا علم لوگوں کو شہر مبارک (دہلی) لاتے وقت ہوا (یعنی اسکی موت شہر دہلی لاتے وقت راستہ میں ہوئی) اور اسی کے گھر میں اسکو دفن کیا گیا، اور اس مصیبت نے سلطان کو غمگین

ظفر الوالہ بمظفر وآلہ میں ہے۔

و توفی الماس بیگ الغ خان بن نصر الخلجی . . . . . وهو احد الاربعة الذین هم ملاک امره، و مع ذلک کان لیادرتهم تیمنی ان یری ذهابهم فی الظاهر غیره،[2]

اور الماس بیگ الغ خان بن نصر الخلجی مر گیا، اور وہ ان چار آدمیوں میں سے تھا جن پر اس (علاء الدین) کی سلطنت کا دار مدار تھا، اور باوجود ان باتوں کے اسکی دلی خواہش تھی کہ اسکی موت غیر کے ہاتھوں سے ہو جائے،

تاریخ حسام خانی میں واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ علاء الدین خلجی اپنے چاروں جرنیلوں سے جو اس کے قوت بازو تھے، اور اس کے فتوحات کو ہمیشہ ترقی دیتے رہے، ہر وقت خوفزدہ رہتا، اس کا ہر لمحہ اس فکر میں گذرتا تھا کہ کس طرح ان کا زور کم کیا جائے، وہ ان کی موت کا برابر خواہاں تھا لیکن دوسروں کے ہاتھ سے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اس نے اپنے ہاتھوں کو ان وفاداروں کے خون سے رنگین کیا، چنانچہ تاریخوں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ امور اس کے حسب منشا پورے ہو گئے، ظفر خان جنگ مغل میں شہید ہوا، اور نصرت خان نے جنگ رنتھنبور میں ایک پتھر کی ضرب سے اس دار فانی کو الوداع کہا، اور الغ خان کو فتح کے چار پانچ ماہ بعد زہر دیا گیا، اور بہت سخت علیل ہونے پر دہلی روانہ ہوا، مگر راستہ ہی میں مر گیا،

---

[1] فیروز شاہی برنی صفحہ ۲۸۲

[2] ظفر الوالہ بمظفر وآلہ ج ۲ صفحہ ۸۱۱

مین کیا، اور اسی سے بعد کے مورخون مین غلط فہمی پیدا ہوئی، کیونکہ فرشتہ کے بعد جس قدر تاریخین
ان مین لکھی گئین، بیشتر ان مین سے وہ ہین جو فرشتہ کی روش پر لکھی گئی ہین، خود فرشتہ نے
لکھا ہے، میرے خیال مین اس نے ذرا سے پروائی سے کام لیا ہے، کیونکہ تاریخ فرشتہ کو اگر غور سے
دیکھئے تو معلوم ہو جائیگا کہ خود فرشتہ نے تو صحیح لکھا ہے، لیکن اسکی اس تھوڑی سی بے احتیاطی نے دوسرون
کو غلط فہمی مین مبتلا کر دیا، ایک بات یہ بھی ہے کہ لوگون کو عام طور پر لفظ الغ اور الپ وغیرہ کے معنی
معلوم نہ ہونے کے سبب اتنی غلط فہمی پیدا ہوئی، اس لیے اس مسئلہ کو صاف کرنے کے واسطے ان الفاظ کی تحقیق
ذیل کرتا ہون، الغ" بہ ضمہ اول و ثانی و غین معجمہ بزبان ترکی بمعنی بزرگ ہے، چنانچہ توحید باری مین
یا ملا کہتا ہے:

کافر ترسا یہود گبر و مغ ، جملہ را رو، وسوئے آن سلطان الغ
کافر، ترسا، یہود، گبر، مغ ، سب کی نظر اسی بڑے بادشاہ (خدا) کی طرف ہے

الپ بہ فتح اول و ثانی با بائے فارسی بہ معنی "بہادر" یہ بھی ترکی لفظ ہے اور اسی سے الپ
ارسلان اور قزل ارسلان ہے، جس کے معنی "بہادر شیر" اور "سرخ شیر" کے ہین، اسی طرح لفظ "اکت"
کے معنی چھوٹے کے ہین، اور دوسرا ترکی لفظ "قتلغ" ہے جس کے معنی متوسط اور میانہ کے ہین،
ممکن ہے کہ اکت خان، اور قتلغ خان کا خطاب بھی لوگون کو دیا جاتا ہو، مگر الغ خان، اور الپ خان
کی نسبت تو یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچکر محقق ہو گئی ہے کہ شاہان اسلام اس کا استعمال بطور خطاب کیا کرتے
تھے، اور جب تک ترکون کا دور رہا، اس کا رواج بہت زیادہ رہا، اور مغلیہ سلطنت مین متروک
ہوا، چنانچہ ہم تاریخون مین پڑھتے ہین کہ سلطان ناصر الدین محمود کے وقت مین الغ خان کا خطاب
غیاث الدین بلبن کا تھا، اور علاء الدین خلجی کے وقت الماس بیگ الغ خان ہوا، اور اسی طرح سلطان

بسم جلد اول باب الف و لام،

غیاث طغلق (تغلق) کے عہد میں اس کا لڑکا محمد طغلق (تغلق) الغ خان ہوا،

غرض الغ خان اور الپ خان اس عہد کے خطابات ہیں جو امرا کو ملا کرتے تھے، اور یہ دونون عہدے آج کل کے امیرالامرا (   ) اور خان بہادر کے ہم معنی ہیں، چنانچہ جیسے آپ پڑھ چکے ہیں کہ محمد علاء الدین خلجی نے تخت نشین ہو کر سب سے پہلا ہی کام کیا کہ الماس بیگ کو الغ خان اور سنجر کو الپ خان، اور ملک نصرت کو نصرت خان کا خطاب دے کر عزت افزائی کی کیونکہ یہ وہی اشخاص تھے جنکی جانفشانیون سے اس کو سلطنت کے تخت پر بیٹھنا نصیب ہوا تھا، انھین کی قوت بازو سے ملک مسخر و پا جگداز بنا، اور انھین کی بہادری سے چنگیزی ترکون مین علاء الدین کی صولت (دھیت) بیٹھی،

پس جب تک یہ چارون امرا زندہ رہے، سنجر صرف الپ خان رہا، لیکن جب ظفر خان، نصرت خان الغ خان وفات پا گئے اور انکی جگہ خالی ہو گئی تو علاء الدین نے ان عہدون پر دوسرون کو فائز کرنا چاہا، ساتھ ہی وہ اس بات سے بھی ڈرتا تھا کہ امرا کی طاقت پھر کہین زبردست نہ ہو جائے، لیکن ان جرنیلون کو ان کے فتوحات اور بہادریون کے صلے دیئے بغیر بھی چارہ نہ تھا، جو دن رات ملک کی حفاظت مین ان سے ظاہر ہوتے رہتے، اور اب پرانے جرنلون مین سے صرف گنتی کے چند لوگ رہ گئے تھے، اور خود اس کے خاندان مین تجربہ کار اور لائق الپ خان ہی تھا، اسی وجہ سے جب ۷۰۳ھ مین ملک غازی (غیاث الدین طغلق) اور عین الملک ملتانی اور الپ خان نے بڑی بہادری سے مغلون کا منہ پھیر دیا، تو اس صلہ مین ملک طغلق کو پنجاب و ملتان کا گورنر بنایا، اور عین الملک کو فتح مالوہ کے بعد مالوہ کا گورنر اور الپ خان چونکہ پہلے ہی سے ایک بڑے صوبہ پر قابض تھا، اس لیے اسکی ہمت افزائی کے واسطے امیرالامرا (یا الغ خان) کا خطاب [1] دیا، اور ایک بڑے لشکر کے ساتھ باعزاز تمام گجرات روانہ کر دیا، اور اسی عہدۂ امیرالامرائی پر آخر مین ملک کافور کو بھی سرفراز کیا تھا،

بہرحال بشاید اسی لحاظ سے فرشتہ نے ہر جگہ الغ خان لکھا ہے، اور دوسرون نے

[1] فرشتہ ج اول علاء الدین خلجی،

بھی کہین کہین اس کا استعمال کیا، جو ممکن ہے کہ صحیح ہو لیکن فرشتہ نے ایک معمولی فروگذاشت سے الماس بیگ الغ خان اور ملک سنجر الغ خان (سابق الپ خان) مین ناظرین کو مشتبہ کر دیا، اور غلط فہمی سے لوگ سمجھنے لگے کہ دونون ایک ہی ہین، حالانکہ وہ کسی جگہ بھی سنجر یا الپ خان کا نام لے لیتا تو غلط فہمی دور ہو سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہین کیا اور اس طرح عام لوگون مین ایسی بات پھیل گئی، جو واقعہ کے بالکل خلاف تھی،

اس متذکرہ بالا عبارت مین مین نے فرشتہ کے "الغ خان" اور "امیر نامرز" لکھنے کی تاویل کی ہے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ سب سے پہلے فرشتہ ہی نے اس غلطی کا ارتکاب کیا ہے، ضیاء الدین برنی نے کسی جگہ بھی الپ خان کو الغ خان نہین لکھا ہے، جو گویا چشم دید گواہ ہے، فرشتہ کا ہمعصر بدایونی بھی اس معاملہ مین ضیاء الدین برنی کا مؤید ہے، بعد کی تاریخون مین فقط فرشتہ کی اتباع کے سبب سے غلطی واقع ہوئی، اس لیے میرے نزدیک علاء الدین خلجی کے عہد مین گجرات کا کوئی گورنر الغ خان نامی ہوا ہی نہین،

وفوق کل ذی علم علیم

اَلفَارُوق

سوشیالزم کی مختلف حیثیتین

اور

اوسکی اشاعت کے اسباب

از

مولانا عبد السّلام ندوی،

(۱)

ڈاکٹر لیبان نے سوشیالزم کی تردید مین ایک کتاب لکھی ہے، جسکا ترجمہ "روح الاشتراکیہ" کے نام سے عربی مین ہوا ہے، اور اب مین اسکو اردو مین منتقل کر رہا ہون، لیکن مکمل ترجمہ سے پہلے اوس کے اہم مباحث کا خلاصہ معارف کے ذریعہ سے شائع ہو جانا چاہیئے، چنانچہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ناظرین کے پیشِ نظر ہے،

(۱) تمدنی اور قومی تغیرات کی بنیاد، تین چیزیں یعنی سیاسیات، اقتصادیات، اور نفسیات جنمین سوشیالسٹ گروہ سیاست کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے، لیکن اہل نظر کے نزدیک کسی کا اثر بہت کم پڑتا ہے، اور اسکی اصلی حالت اوس کے عقائد و اخلاق سے نمایان ہوتی ہے، البتہ، مین، اقتصادیات کا دائرۂ اثر نہایت وسیع ہوتا جاتا ہے، اور صنعت و حرفت کی ترقی ایک طرف قوم کو فقیر بینوا اور دوسری طرف دوسری قوم کو بادشاہ ہفت کشور بنا دیتی ہے، نفسیات کا اثر ان دونون سے بھی کم ہو گیا ہے، قدیم زمانہ مین قومون پر صرف عقائد و افکار کا اثر پڑتا تھا، لیکن

اقتصادی موثرات نے لی ہے، آج جدید تمدن قدیم تمدن سے صرف اسلیے مختلف ہوگیا ہے کہ ان موثرات کی نسبی طاقت بدلگئی ہے، مثلاً پہلے عقائد کا اثر تھا اور اب اقتصاد کا اثر ہے، لیکن باانہمہ نفسیات یعنی عقائد و نظام کا اثر اب بھی قائم ہے، کیونکہ اگر ایک قوم اقتصادی موثرات پر غالب آجاتی ہے اور دوسری قوم ان سے مغلوب ہوجاتی ہے تو اس کا سبب صرف اس کے مزاج نفسی کا اختلاف ہی ہوتا ہے،

(۲) سوشیالزم پر انھی تینون حیثیتون سے بحث کیجا سکتی ہے، انمین اسکی اقتصادی حیثیت سب سے زیادہ آسان ہے، اور اس کا خلاصہ صرف اس قدر ہے کہ مرد ... کیونکر حاصل کیجائے کیونکر اوسکی تقسیم ہو؟ محنت، سرمایہ اور ذہانت کا کیا درجہ ہے؟ اور اقتصادی تغیرات کا تمدنی انقلابات پر کیا اثر پڑتا ہے؟ لیکن اگر ہم نفسیاتی حیثیت سے نظر ڈالیجائے یعنی اسکو ایک مذہب اور ایک عقیدہ تسلیم کرکے اس کے اخلاقی نتائج زیر بحث ہون تو اس مسئلہ کی شکل نہایت پیچیدہ ہوجاتی ہے، اور اس کے سمجھنے کے لیے جماعت کے روحانی خصوصیات اور مذاہب و معتقدات کی تاریخ کو سامنے رکھنا پڑتا ہے، کیونکہ سوشیالزم کے اصول اگرچہ عقل کے بالکل مخالف ہین، لیکن باانہمہ علمائے اقتصاد کے تمام دلائل اوسکی تردید مین ناکامیاب ثابت ہوتے ہین جسکی وجہ صرف یہ ہے کہ عقائد و مذاہب کی تردید مین دلائل کو ہمیشہ ناکامیابی ہوئی ہے، سوشیالزم کبھی شکل ایک فلسفیانہ نظریہ کی صورت بھی اختیار کرلیتی ہے، یعنی یہ کہ سوشیالزم درحقیقت اُس نزاع کا نام ہے جو فرد و جماعت مین قائم ہے، اور جماعت یہ سمجھتی ہے کہ افراد کا غلام بنانا اس کا پیدائشی حق ہے، اب سوال یہ ہے کہ آیا ان دونون مین صلح و آشتی ممکن ہے یا نہین؟ دنیا مین صرف مذہب ہی ایک ایسی طاقت ہے جس نے افراد کے مصالح کو جماعت کے مصالح پر قربان کردیا ہے، لیکن آج مذہب کا اثر بالکل زائل ہوگیا ہے، اور صرف اقتصادی اسباب ایک حد تک ان دونون مین مصالحت کرا سکتے ہین، اور جب ہم تضامن اجتماعی پر بحث کرین گے تو اس حد کی توضیح و تعیین کر دینگے،

اس سلسلے مین قومون کی اخلاقی حالت کے اختلاف کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کیونکہ اس سے بھی سوشیالزم

کے اثر کی تحدید یا توسیع ہوتی ہے، مثلاً جو قومین نہایت مستعد اور سرگرم ہوتی ہین اور صرف اپنی ذات پر اعتماد رکھتی ہین وہ حکومت پر بہت کم بھروسہ کرتی ہین، اور اپنے کامون کو خود انجام دیتی ہین، لیکن جن قومون مین خود اعتمادی نہین پائی جاتی، وہ اپنے تمام اعمال کو حکومت کے سپرد کر دینا چاہتی ہین، اسلیے شخصی زندگی تمامتر حکومت کے شکنجے مین جکڑکر ایک عام قومی یا سیاسی زندگی ہو جاتی ہے، اور جب اس اصول کو زیادہ وسعت دیدیجاتی ہے، تو وہی سوشیالزم کی صورت اختیار کر لیتا ہے جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ سوشیالزم ضعیف الاخلاق قومون مین زیادہ بارآور ہوتی ہے، بلکہ خود اخلاقی ضعف ہی سوشیالزم کی تحریک واشاعت کا بھی سبب ہے، کیونکہ یہ کوئی بالکل نئی چیز نہین ہے بلکہ اس سے پہلے بھی قدیم تمدنی دور مین اسکی مدہم سی آواز سنائی دیتی ہے چنانچہ اسکی سب سے بدترین صورت تو فرقۂ اباحیہ کے اس اصول مین نمایان ہوئی کہ "زن، زر، زمین انسان کی مشترکہ ملک ہین" لیکن اس ذلیل اصول کو چھوڑکر یونان مین فلاطون نے جمہوریت کے نام سے جو کتاب لکھی تھی اس مین سوشیالزم کے تمام اصول مشرح طور پر مذکور تھے، اور یونان مین بہت سی سیاسی شورشون کا مقصد صرف اس قدر تھا کہ دولتمندون کو مال و دولت سے محروم کرکے معاشرتی زندگی کے فرق مراتب کو مٹا دیا جائے انبیائے بنی اسرائیل بھی گویا سوشیالسٹ گروہ کے زعیم و قائد تھے، جنمین حضرت مسیح علیہ السلام سب سے زیادہ بلند آہنگی کے ساتھ فقراء و مساکین کے حقوق کا مطالبہ کرتے تھے، اور انھون نے صاف صاف کہدیا تھا کہ "آسمان کی بادشاہت صرف غریبون کے لیے ہے، اور اس مین دولتمندون کا داخل ہونا اوس سے زیادہ دشوار ہے جتنا اونٹ کا سوئی کے نوک مین داخل ہونا" البتہ اس زمانہ مین یہ آواز بہت زیادہ بلند ہو گئی ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ تمدنی لطافتون نے ہم کو نہایت رقیق الطبع اور شدید الانفعال بنادیا ہے، ہماری معاشرتی زندگی اگرچہ پہلے سے بہت زیادہ بہتر ہو گئی ہے، لیکن ہم اس پر قانع نہین ہین، بلکہ عقائد و اخلاق سے معرا ہوکر ہم نے صرف اپنی ذات کو اپنا مطمح نظر بنالیا ہے، اور اس مختصر سی زندگی کو جہانتک ممکن ہو عیش و تنعم مین بسر کرنا چاہتے ہین، تمدنی ترقیون نے اس کے بہ کثرت نئے نئے سامان بھی پیدا کر دیئے ہین، اور وہ ضروریات زندگی کا ایک جزو بنگئے ہین

ل و دولت کی ترقی اگرچہ بہت زیادہ ہوگئی ہے، لیکن اسی کے ساتھ ضرورتین بھی بے انتہا بڑھ گئی ہین، بنا بریں
ولت اور ضرورت کا مقابلہ ہوگیا ہے، اور اس صورت مین قناعت کی صرف دو صورتین نکل سکتی ہین، ایک
یہ کہ جس قدر ضرورتین ہین، ان کے پورا کرنے کے لیے اسی قدر دولت بھی ہونی چاہئیے، اور اس صورت
ین دولت اور ضرورت کا یہ عادلانہ توازن قناعت کا سبب ہو سکتا ہے، دوسری صورت یہ ہے کہ ضرورتون
کم کرکے اس توازن ہی کا خاتمہ کر دیا جائے، اور اس حالت مین توازن نہین، بلکہ اختلال توازن موجب
ناعت ہوگا، اور مشرق اسی اصول پر عمل کر کے راضی برضائے الٰہی ہوگیا ہے، لیکن یورپ مشرق کی طرح
ناعت پسند نہین ہے، وہ اپنی ضرورتون کو کم کرنا نہین چاہتا، اسلیے توازن قائم کرنے کے لیے ہر ممکن طریقے
حصول دولت کی کوشش مین مصروف رہتا ہے، جسکا نتیجہ یہ ہے کہ یورپ مین روز بروز خود غرضی بڑھتی جاتی
ہے، اور دولت ایک ایسا مقصدِ زندگی بنگئی ہے، جس نے اس کے لیے اور تمام مقاصد کو خواب فراموش بنا
یا ہے، اسلیے جس قدر دولت کی طلب بڑھتی جاتی ہے اسی قدر ان لوگون کی تعداد مین بھی اضافہ ہوتا جاتا
ہے، جو دولت کو مساویانہ حصون مین تقسیم کرنے کے موید ہین،

اس زر طلبی نے یورپ مین ایک عام اخلاقی انحطاط پیدا کر دیا ہے جسکا بدترین نتیجہ یہ ہوا ہے کہ طبقۂ متوسط
بقۂ سافلہ کی نگاہون سے بالکل گر گیا ہے،

یہ تو ان لوگون کا حال ہے، جنکے پاس بقدر ضرورت دولت نہین ہے لیکن جن لوگون کے پاس ضرورت
سے زیادہ دولت ہے، ان کے عز و ناز، فخر و غرور، نمائش و آرائش اور تبذیر و اسراف نے اور بھی سوشیالزم کی
ریک کو مدد دی ہے، موسیو (فاغیہ) کہتے ہین کہ "آدمی کو صرف دوسرے کی خوش نصیبی سے دکھ پہنچتا ہے، اور
پس فقیر کی بدبختی صرف یہی ہے، سوشیالسٹ گروہ گو یہ جانتا ہے کہ وہ سب کو یکسان طور پر دولتمند نہین
کر سکتا، تاہم اس کو یہ توقع ضرور ہے کہ وہ سب کو یکسان طور پر محتاج اور فقیر بنا دیگا، اور اسی لیے وہ جد وجہد
کر رہا ہے، اس جد وجہد مین اسکو بہت زیادہ مستحقِ ملامت بھی نہین قرار دیا جاسکتا، کیونکہ دولتمند طبقہ نے دنیا کے سامنے

کوئی اچھا اخلاقی نمونہ نہیں پیش کیا ہے، بلکہ تمام اخلاقی پابندیوں سے آزادی حاصل کرلی ہے، اور فرض کو ایک تمسخر انگیز چیز سمجھنے لگا ہے، اب اس کا صرف یہ کام ہے، کہ جب روپیہ ہاتھ آئے، تو اس کو ذلیل شہوانی لذائذ میں بیدریغ صرف کردے،

یونیورسٹیوں کے نوخیز طلبا نے بھی کوئی اچھی اخلاقی مثال نہیں قائم کی ہے، وہ ان تمام حقوق سے بےخبر ہیں، جنسے اجتماعی زندگی کا تحفظ کیا جاتا ہے، اور ان کے نزدیک وطنیت جیسا کہ مجمع العلمی کے ا... نے بیان کیا ہے، صرف ضعیف العقل، غلو پسند و معرا از عقل و حکمت وطن پرستوں کا خیال ہی خیال ... قوم کے طبقات عالیہ کی اخلاقی خرابی، دولت کی غیر مساویانہ بلکہ زیادہ تر ظالمانہ تقسیم اور عیش پرستی کی خواہش نے سوشیالسٹ گروہ کو اعتراض کا موقع دیا ہے، اور وہ آسانی کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ... میں بڑی سے بڑی دولت لاکھوں غریبوں سے لوٹ کر جمع کیگئی ہے، مثلاً جب اسپین اور ولایات ... کے درمیان جنگ چھڑی اور گیہوں کا نرخ گران ہوگیا تو ایک دولتمند امریکن تاجر نے دنیا کا کل گیہوں ... بار خرید لیا اور اس سے ایک ایسا قحط نمودار ہوا کہ ہزاروں غربا بھوکھ سے مرگئے، تو کیا اس تاجر کو اگر ... گروہ ڈاکو کہتا ہے، تو وہ اس تشبیہ میں غلطی کرتا ہے؟ ایسی حالت میں اس زمانے کا سب سے پیچیدہ مسئلہ ... کہ تمدن کو بڑے بڑے سرمایہ داروں سے جو اخبارات کو خرید کر اور سیاسی مدبرین کو رشوت دے کر مخفی لیکن نہایت طاقتور حکومت قائم کر رہے ہیں، کیونکر بچایا جائے؟ موسیو (فاغیہ) لکھتے ہیں کہ:-

"یہ نوخیز حکومت ذرہ برابر خیال، اخلاق اور عقل نہیں رکھتی، وہ نہ مضر ہے نہ مفید، وہ انسانوں کو بھیڑوں کا گلہ سمجھتی ہے، جسکو کام کی طرف ڈھکیل دینا چاہیے، اور اس کے بال تراش لینے چاہئیں، اسکو عقلی اختراعات، علم و فن اور تہذیب کی مطلق پروا نہیں، اس کا کوئی وطن نہیں، بلکہ وہ دنیا سے وطنیت کے تخیل ہی کا استیصال کرنا چاہتی ہے،،

ایک علانیہ ظالم کا مقابلہ تو ممکن ہے لیکن ایک مخفی طاقت کا مقابلہ کیونکر کیا جاسکتا ہے؟!

چند ون کے ذریعہ سے دنیا کے تمام حصون مین پھیلائی گئی ہے اس پر کیونکر ڈاکہ ڈالا جاسکتا ہے؟

اس حالت مین ارباب نظر پر ایک عام مایوسی کی کیفیت طاری ہے، اور یہ اس زمانہ کی سب سے بڑی مصیبت ہے، چنانچہ موسیو (لوالیہ) لکھتے ہین کہ:-

طاقتور لوگ بے باکانہ ضعیفون کو پیس رہے ہین، امریکن لوگون نے (لوروج) کو تباہ کردیا، انگریزون نے ہندوستانیون کی ہڈی کا مغز چوس لیا، اور یورپ نے تہذیب وتمدن کے نام سے افریقہ کے حصے بخرے کرلیے، حالانکہ یہ سب کے سب صرف تجارتی منڈیون کی تلاش مین سرگرم ہین، اس نے سلطنتون مین ایک ایسی رقابت قائم کردی ہے جسکی نظیر نہین ملتی، جرمنی، اسٹریا اور اٹلی کا اتحاد اسی حرص و اضطراب سے پیدا ہوا ہے، اور روس نے صرف ذاتی اغراض کے لیے ہم سے میل جول کیا ہے،

باایں ہمہ بعض فلاسفہ کے نزدیک یہی کشمکش قومی ترقیون کا سنگ بنیاد بھی ہے، ولیس کہتا ہے،

بے شبہہ معاش کا یہ فرق مراتب بہت بڑی مصیبت ہے، لیکن مساوات مین اس سے بھی زیادہ بدبختی ہے اگر ہر شخص اپنی تقدیر پر قانع ہوجائے، اور یہ سمجھ لے کہ وہ اسکو بہتر نہین بنا سکتا تو دنیا بجھ کر رہ جائے، حالانکہ وہ بجھنے کے لیے نہین پیدا ہوئی ہے، ہر شخص کی بدبختانہ ناراضی ہی انسانی ترقیون کا محرک ہے،،

اس کے ساتھ یہ امر بھی تسکین بخش ہے، کہ ہمارے آبا و اجداد نے اس سے بھی زیادہ مصیبتین برداشت کی ہین اور غلامی، لوٹ، مار، قحط، وبا، اور جنگ وغیرہ سیکڑون مصائب سے ان کو دوچار ہونا پڑا ہے، یہ امر قابل مسرت ہے کہ صنعت وحرفت کی ترقی کی بدولت ایک معمولی سے معمولی آدمی کو عیش وعشرت کے وہ سامان حاصل ہین جو قدیم زمانے مین قیصر وکسری کو بھی حاصل نہ تھے،

علم الحیات کا ایک نامعلوم راز

نخزمایہ (PROTOPLASM)

از پروفیسر محمد سعید الدین معلم حیاتیات، جامعہ عثمانیہ،

فروری کے معارف مین کیستہ الحیات پر جو مضمون شائع ہوا تھا، اسکی تکمیل کے طور پر پروفیسر صاحب نے یہ مضمون عنایت کیا ہے، امید ہے کہ وہ آیندہ اپنا یہ دلچسپ سلسلہ قائم رکھین گے، ٹھوس مضامین کیلئے نہایت ضرورت ہے کہ اسکی عبارت مین شگفتگی اور دلکشی پیدا کیجائے تاکہ اس زہر کا یہ تریاق بن سکے۔

"نخزمایہ" جامعہ عثمانیہ کی مجلس اصطلاحات کا بنایا ہوا لفظ ہے، اسکی اصل ہمین معلوم نہ ہوسکی، لیکن اس سے مراد "مادۂ حیات" ہے،

حیاتیات کے ماہرون نے اپنی تحقیق سے یہ ثابت کردیا ہے کہ تمام جاندار اجسام ایک نہایت ہی غیر[...] اور نازک مادہ سے بنے ہوئے ہین جسے انھون نے نخزمایہ کے نام سے موسوم کیا ہے، ہمین نہین معلوم کہ ا[س] جاندار مادہ کی حقیقت کیا ہے، ممکن ہے کہ اس کے مزید کیمیائی اور طبیعی خواص معلوم ہونے پر ہمارے معلومات [مین] اضافہ ہو، اس وقت تو ہم اسکی حقیقی ترکیب سے بالکل ناواقف ہین،

نخزمایہ ایک ایسا غیر قائم مادہ ہے کہ امتحان کرنے پر مرجاتا ہے، لہذا زندہ نخزمایہ کا امتحان کرنا [...] ہے، مردہ نخزمایہ کا امتحان کیا گیا ہے، بتایا جاتا ہے کہ اس مین پروٹینس (Proteins) کاربوہیڈریٹ شحمیات اور کچھ غیر نامیاتی اجزاء کا ایک پیچیدہ آمیزہ ہوتا ہے، اور ۷۰-۹۰ فیصدی پانی بھی شامل ہے، یہا[ن]

لہ اس مین وہ عمل شامل ہین جنکی وجہ سے جاندار جسم مین اضافہ ہوتا جاتا ہے اور وہ عمل بھی جو فضلاتی مادہ کو علٰحدہ کرکے خارج کرتے ہین،

(META BOLISM) کے کاروبار ہوتے رہتے ہین جب کسی خلیہ[1] (جسے انگریزی مین سل کہتے ہین)
ہ کو رنگ کر جما دیا جاتا ہے اور خوردبین مین دیکھا جاتا ہے تو ایک پیچیدہ جالدار اور ریشہ دار ساخت دکھائی
ہے، جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے یہ اسکی اصلی ساخت نہین، بلکہ مردہ ساخت ہے۔ یہ تصور کر لیا گیا ہے کہ جاندار
یکات اس مادہ مین کیمیائی اور طبیعی تبدیلیون کی وجہ سے عمل مین آتی ہین،

پروفیسر تھامسن لکھتے ہین کہ یہ مناسب ہوگا کہ کسی ایک جاندار مادہ کو مخزن مایہ نہ کہین، کیونکہ عزیزی
ہر کا انحصار کئی پیچیدہ مادّون کے باہمی عمل پر ہوتا ہے،

بس یہی ہماری تحقیق ہے جس پر ہم نازان ہین، جب اصلی جز یعنی جان ہی جسمی مادہ سے غائب ہو جائے
م اس مردہ مادہ کی تحقیق مین اپنا سر کھپائین تو کیا فائدہ۔ علمائے سائنس کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اس اصلی
ت نہین پہنچ سکتے، اس وجہ سے کہ بنانے والے نے اسکو اپنے قبضہ مین رکھا ہے، اگر یہ راز بھی انسان کو
م ہو جائے تو پھر کونسی چیز باقی رہ سکتی ہے، باوجود اتنی نزاکت کے جاندار جسم آسانی کے ساتھ برباد نہین
تا، اس کے برخلاف بہتر سے بہتر انسانی ہاتھون کی بنائی ہوئی مشین بھی جسکی بناوٹ مین مضبوط سے مضبوط
ئیا استعمال کیجاتی ہین نسبتہً بہت جلد جواب دیدیتی ہین، اس سے بخوبی پتہ چلتا ہے کہ انسانی کاروبار
درت کے کاروبار مین کتنا بڑا فرق ہے،

سیرۃ عائشہؓ

(دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی، اور انکے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے، اور انکے اجتہادات
ت نسوانی پر ان کے احسانات، اسلام کے متعلق انکی نکتہ سنجیان، اور معترضین کے جوابات، کاغذ، لکھائی چھپائی اعلیٰ ضخامت
۲ صفحے، قیمت ؎
منیجر

---

[1] تصور کیا جاتا ہے کہ جاندار جسم کئی چھوٹے چھوٹے خانون پر مشتمل ہے، ہر ایک کو سل یا خلیہ کہتے ہین،

تلخیص و تبصرہ

مدرسۂ السنۂ مشرقیہ لندن

اگرچہ مشرق مین سب سے بڑی حکومت برطانیہ کی ہے، لیکن آج سے دس قبل تک اس کے دارالسلطنت مین السنۂ مشرقیہ کی مستقل تعلیم کا کوئی بندوبست نہ تھا، حالانکہ اس کے مقابلہ مین فرانس مین اس قسم کا مدرسہ ۱۸ وین صدی ہی مین قائم ہو چکا تھا اور برلن کے مدرسہ کو بھی عالم وجود مین آئے پورے چالیس سال گذر چکے ہین، اس وقت اس کالج مین تقریبًا ۴۲ مشرقی زبانون مین تعلیم دیجاتی ہے، اور ان مین بعض ایسی ہین جو صرف برطانوی حکومت ہی مین بولی جاتی ہین، حال ہی مین اس مدرسہ کی دسوین سالگرہ کے موقع پر اسکی مزید توسیع واستحکام کے لیے ۱۵۰۰۰ پونڈ کی اپیل کیگئی ہے، اسی سلسلہ مین ٹائمس لندن کے تعلیمی ضمیمہ نے اس مدرسہ کی تاریخ بھی شائع کی ہے، اخبار مذکور لکھتا ہے کہ اگرچہ نوآبادیات کے مرکزی شہرون مین مشرقی زبانون کی تعلیم کا بہت معقول بندوبست تھا، لیکن خود حکومت کے دارالسلطنت کا دامن اس سے خالی تھا، اس کے قیام کا فخر سر گمبل نبرمین کو حاصل ہے کہ انھون نے اس مدرسہ کے قیام کے لیے سرکاری امداد کا نہ صرف وعدہ کیا بلکہ اسکے لیے سرکاری عمارت اور مستقل اعانت حاصل کی، یہ عمارت لندن انسٹیٹیوشن کے فنسبری لوکس مین ہے، اس کے اخراجات کا تقریبًا نصف بار یعنی ۳۲۵۰۰ پونڈ سرکاری خزانہ ادا کرتا ہے، کیونکہ حکومت کے فوجی وملکی دونون صیغون کے افسر اس سے مستفید ہوتے ہین، حکومت ہند سالانہ ۲۲۵۰۰ پونڈ دیتی ہے، لندن کی مجلس بلدیہ ۱۳۳۳ پونڈ،

اس مدرسہ کی مجموعی آمدنی تقریبًا ۲۴۰۰۰ پونڈ ہے، اور ۵۵۰۰ پونڈ فیس سے وصول ہوتے ہین، اور اگرچہ کسی جگہ سے کوئی معقول وظیفہ یہان پڑھنے کے لیے مقرر نہین ہے، پھر بھی تین ہزار طلبہ اس مدرسہ مین

نام لکھا چکے ہین، اس مدرسہ کا تعلق جامعہ لندن سے ہے؛ اور اگرچہ جامعہ کا خیال ہے کہ اسکو مستقلاً ایک شعبۂ تعلیمات قائم کر دیا جائے لیکن مالی مشکلات کی وجہ سے اب تک یہ ایک عارضی شے کی حیثیت رکھتا ہے، یہ مدرسہ ایشیا و افریقہ کے نہ صرف السنہ، ادبیات، مذاہب، تاریخ، علوم و فنون کا مرکز ہے بلکہ مختلف برطانوی ممالک کو جانے والون کو وہان کی مروجہ زبانین بھی سکھاتا ہے،

تجارتی حیثیت سے بھی یہ مدرسہ خاص اہمیت رکھتا ہے، حال ہی مین ولیعہد برطانیہ نے جو اپیل شائع کی تھی، اس مین بتایا تھا کہ محکوم ممالک کی زبانون سے عدم واقفیت کی بنا پر برطانوی مال اچھی طرح ان ممالک مین نہین پھیلایا جا سکتا، دوسری طرف دوسرے تجارتی ممالک کے ارکان، ان ملکون کی زبانین سیکھ کر وہان جاتے اور اپنی چیزون کو خوب رائج کرتے ہین، بعض کارخانون اور بنکون نے بھی یہ اصول قائم کر رکھا ہے کہ وہ اپنے افسرون کو مشرقی ممالک مین بھیجنے سے پہلے ان ممالک کی زبانون مین تعلیم دیتے ہین، اس طرح یہ مدرسہ سیاسی، ملکی، فوجی، اور تجارتی حیثیت سے یکسان مفید و کارآمد ہے،

دنیا کے آزاد اور محکوم ملکون کے رقبے

آج دنیا مین آزادی کا دور دورہ ہے، شخصی آزادی، جنسی آزادی، مذہبی آزادی، قومی آزادی، وطنی آزادی، غرض ہر نوع کی آزادی کی پکار ہے، یہ آزادی کی آواز یورپ سے اٹھکر دنیا کے گوشہ گوشہ مین پھیل رہی ہے، اگر تم کو معلوم ہے کہ اس آزادی کی جنت کا شجر ممنوعہ کیا ہے؟ سیاسی آزادی!

دنیا کے بر اعظم کا رقبہ یہ ہے

ایشیا	۱۶۴۳۰۰۰۰ مربع میل	جنوبی امریکہ	۶۸۶۰۰۰۰
افریقہ	۱۱۰۹۰۰۰۰ "	یورپ	۳۶۶۰۰۰۰
شمالی امریکہ	۸۴۲۰۰۰۰	اسٹریلیا	۳۰۱۰۰۰۰

قسطنطنیہ کے محدود علاقہ کے علاوہ تمام یورپ مین اہل یورپ ہی آباد ہین، اور انھی کی حکومت ہے،

اسٹریلیا کا بھی تقریبًا یہی حال ہے، شمالی وجنوبی امریکہ کا حال بھی اس کے مشابہ ہے. ایشیا مین مندرجۂ ذیل ممالک کو آزاد ومختار سمجھا جا سکتا ہے ،

جاپان	۲۳۶۰۰۰ مربع میل	افغانستان	۲۴۶۰۰۰ مربع میل
چین	۴۳۰۰۰۰۰ "	سیام	۲۰۰۰۰۰ "
ایران	۶۳۰۰۰۰ "	نیپال	۵۴۰۰۰ "
میزان			۵۶۶۶۰۰۰ "

اگر ایشیا کے مجموعی رقبہ سے ان ممالک کے رقبون کو گھٹا دیا جائے تو ہم کو نظر آئے گا کہ ۱۰۷۲۰۴۰۰ مربع میل رقبہ کسی نہ کسی طرح، کسی نہ کسی یورپین قوم کے ماتحت ہے. اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایشیا کا بیشتر حصہ محکوم ہے۔

اب افریقہ کو لیجئے، اسمین مندرجہ ذیل ممالک کو اس حیثیت سے آزاد کہا جا سکتا ہے کہ وہان کسی غیر آفریقی قوم کی حکومت نہین ہے ،

حبش	۳۵۰۰۰۰ مربع میل	لیبیریا	۴۰۰۰۰ مربع میل
مصر	۳۶۳۱۸۱ "	میزان	۷۵۳۱۸۱ "

اس کو مجموعی رقبہ سے گھٹائیے تو معلوم ہو گا کہ اس براعظم کا بھی بڑا حصہ یعنی ۱۰۳۳۶۸۱۹ مربع میل اہل یورپ کے زیر نگین ہے ،

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تقریبًا کرۂ ارض پر ان لوگون کی حکومت ہے جو یورپین نسل سے اور یورپین زبان بولنے والے ہین، شمالی وجنوبی امریکہ اور اسٹریلیا مین محکوم قوم اتنی تعداد مین ہے ہی نہین کہ وہ آزادی کا مطالبہ کر سکے کیونکہ اہل یورپ نے یہان کے قدیم باشندون کو تقریبًا فنا کر دیا ہے ،

تعجب ہے کہ مضمون نگار نے ایشیا کے آزاد ملکون مین ٹرکی کا نام داخل نہین کیا ہے، بہرحال جنگ کے بعد اسکی حکومت کا بھی اب کوئی بڑا رقبہ نہین رہ گیا ہے، تاہم فارص اور اناطولیہ کے علاقے روس سے نکل کر اب پھر

ترکی مین شامل ہو چکے ہین،

سنسکرت کی تعلیمی امداد مین حکومت کا حصہ

دنیا کو کسی ایسے تاریخی زمانہ کا علم نہین جب سنسکرت زبان پر دہ عام مین کہین بولی جاتی ہو، اگر کبھی تاریخ سے پیشتر وہ بولی جاتی تو آج جب محکمۂ آثار قدیمہ کا ہاتھ زمین کے ساتون طبقون کو الٹ کر تاریخی دفینے باہر نکال رہا ہے کسی سنسکرت بولنے والی قوم کی لکھی ہوئی، پتھر، یا لوہے یا پیتل کی کوئی تختی، یا مہر، یا اینٹ تو ہاتھ آتی،

بہرحال وہ ہمارے ملک کی سب سے بڑی آبادی کی مذہبی اور علمی زبان ہے۔ اور اسکو قائم اور باقی رکھنا اس کا فرض ہے، چنانچہ ہندو قوم اس کے لیے جو ذاتی اور غیر سرکاری کوششین کر رہی ہے وہ ہردوار، بنارس پونہ، مدراس اور دیگر مذہبی حلقون کو چھوڑ کر ہندو ریاستون مین میسور، بڑودہ، اور بعض ریاستون کے کارنامون سے ظاہر ہے، نیز انگریزی کالجون مین روز بروز اسکو جو ترقی حاصل ہو رہی ہے، وہ بھی لحاظ کے قابل ہے۔

ان چیزون کو چھوڑ کر ہمارے وطنی بھائیون کی کوششون نے خود حکومت کو بھی اسکی سرپرستی اور امداد پر مجبور کر دیا ہے، چنانچہ اس وقت ہر صوبہ کے سرمایۂ تعلیم کا ایک معقول حصہ اس زبان کی اشاعت و حفاظت پر صرف کیا جا رہا ہے اندرجۂ ذیل اعداد و شمار ہمارے اس بیان کی تصدیق کرینگے،

نام صوبہ	آمدنی	تعلیمی رقم	سنسکرت کے لیے
مدراس	۱۶۹۳۵۹۷۸۳	۱۸۷۴۷۵۲۰	۵۴۲۹۶
بمبئی	۱۵۰۰۰۵۴۹۶	۱۹۲۳۸۲۴۳	۱۰۰۳۶
بنگال	۱۰۷۰۵۸۰۰۰	۱۳۱۷۲۵۹۹	۲۱۹۹۱۱
صوبہ متحدہ	۱۲۷۱۱۰۴۷۸	۱۸۵۰۰۰۰	۸۶۰۰۰
پنجاب	۱۲۶۵۴۰۰۰۰	۱۳۳۰۴۸۵	نہ معلوم ہوسکا
برما	۱۰۵۲۰۲۹۶۸	۹۷۰۱۱۲۴	×

نام صوبہ	آمدنی	تعلیمی قسم	سنسکرت کے لیے
بہار واڑیسہ	۵۷۸۶۴۰۰۰	۸۸۴۷۴۱۴	۱۴۹۹۲۴
صوبہ متوسط	۵۴۶۱۵۴۷۵	۵۳۴۷۶۰۷	۶۳۰۱۹
آسام	۲۵۶۸۳۰۰۰	۲۵۱۱۰۰۰	۱۶۰۰۰
کرگ	۱۳۹۶۲۶۶	۱۴۳۴۸۳	۱۵۰۰
دہلی	۲۲۶۰۷۶۲	۵۸۱۱۴۷	معلوم نہ ہوسکا
بلوچستان	۲۲۰۰۰۰۰	۲۷۸۰۰۰	۸۴۰
اجمیر مارواڑ	۲۱۷۲۲۲۳	۲۰۰۳۰۷	نہ معلوم ہوسکا
صوبہ سرحدی	×	۱۸۳۹۵۶۷	۱۹۸۲

اس مین وہ رقمین شامل نہین ہین جو عمارات کی مدمین صرف ہوئی ہین، اور نہ بعض مین وہ قمین مین جو عام اسکولون اور کالجون کے اساتذۂ سنسکرت کو تنخواہ کی شکل مین دیجاتی ہین۔

لاسلکی کی نئی ترقیان

لاسلکی (بے تار کی برقیات) کے سلسلہ مین حیرت انگیز ایجادات و اختراعات کا اضافہ ہوتا جاتا ہے، ابھی چند ماہ گذرے کہ لاسلکی کے ذریعہ تصویر کے منتقل ہونے کی اطلاع ملی تھی، پھر بے تار کے ٹیلیفون کی ایجاد عمل مین آئی، یہان تک کہ لندن اور نیویارک کے درمیان مین گفتگو کامیابی کے ساتھ عمل مین آئی، اب لاسلکی برقیات کی ترقی نے ایک اور حیرت انگیز قدم اٹھایا ہے، چنانچہ یورپ کے بعض رسائل کے حوالہ سے المقتطف مصر کا بیان ہے کہ اسکاٹ لینڈ کے ایک ماہر مسٹر بابرڈ نے ایک ایسا آلہ ایجاد کیا ہے جس سے انسان دور دراز کی چیزون کو ان کی اصلی شکل وصورت، وضع قطع اور کیفیت دحالت مین دیکھ سکتا ہے، کیونکہ اسکی آنکھون کے سامنے کے تمام پردے برق کی تیز رفتار شعاعون سے چاک ہوجاتے ہین، اس لیے

جن چیزون کو دیکھنا مقصود ہوتا ہے وہ اپنی اصلی حالت وکیفیت مین نظر آجاتی ہین، موجد نے اس آلہ کا تجربہ اہل علم کے ایک بڑے مجمع مین کیا، اور پورے مجمع نے بداہتہ اس کے دعویٰ کی تصدیق کی،

اس آلہ مین اور لاسلکی کے ذریعہ تصویر منتقل کرنے مین باہم کوئی مماثلت نہین ہے، کیونکہ تصویر منتقل کرنے مین کسی خاص فلم یا فوٹو گرافی لوح پر جو فوٹو ہوتا ہے اور وہ اس طرح رکھا جاتا ہے کہ برقی رو اس فوٹو پر سے چلتی ہے اور ایک ایسی لطیف الحس بیٹری پر جاکر وہ پڑتی ہے جو روشنی کے تغیرات کو قبول کرتی رہتی ہے، یہ روشنی پیدا ہونے والی برقی رو فضا مین لاسلکی لہرین پیدا کرتی ہین پھر جہان تصویر لیجاتی ہے، وہان ایک ایسا آلہ لگا ہوتا ہے جو ان برقی لہرون کو جمع کرکے روشنی مین منتقل کرتا رہتا ہے، یہ روشنی ہلکے اور گہرے خطوط لوح پر بناتی جاتی ہے، اور سایہ اور نور کی جگہون کو نمایان کرتی جاتی ہے اور اس طرح تصویر لوح پر ایک دھندلی سی شکل بنجاتی ہے جسکو بعد مین ابھار لیا جاتا ہے،

یہ جدید آلہ اس اصول پر نہین بنایا گیا ہے، اس کے ذریعہ سے ہم جس شخص کو چاہین اپنی آنکھون سے اسکو اسی حالت مین دیکھ سکتے ہین، اگر وہ کھڑا ہے تو ہم کو کھڑا اور اگر چل رہا ہے تو چلتا دکھائی دیگا، گویا ہماری قوت بصارت اس قدر تیز ہو جاتی ہے کہ وہ میلون کی دور چیزونکو صدہا پردون کے حائل ہونے کے باوجود دیکھ لیتی ہے،

موجد نے ابھی تک اس آلہ کے پرزون اور اس کے طریق عمل کا اعلان نہین کیا ہے، اور وہ ہنوز پردۂ راز مین ہے، بظاہر اب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آلہ ایسی غیر مرئی برقی شعاعون سے مترتب ہے جو دیکھی جانے والی چیزون سے منعکس ہونے والے نور کو میلون تک پھیلا دیتی ہین اور انسان کے لیے ممکن ہو جاتا ہے کہ وہ تاریکی کے پردہ مین چھپی ہوئی چیزون کو دیکھ لے،

امید ہے کہ یہ آلہ لاسلکی ٹیلیفون کی طرح گھر گھر پھیل جائے گا، کیونکہ ابتدا مین اسکی قیمت صرف تیس پونڈ ہے، اور پھر رفتہ رفتہ اس مین بھی کمی ہوتی جائے گی،

خیال کیا جاتا ہے کہ اس جدید اختراع سے دنیا کی سیاست اور علمی جدوجہد مین عظیم الشان انقلاب برپا ہو جائے گا، کیونکہ بہت ممکن ہے کہ صرف اسکی وجہ سے موجودہ طریقۂ جنگ مین کوئی اہم تغیر و تبدل ہو جائے

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس آلہ اور لاسلکی ٹیلیفون کی بیک وقت مدد سے دور دراز کے لوگون سے بالمشافہ گفتگو کرسکین اور انسان اہم مقاصد کے سلسلہ مین دو بدو گفتگو کرنے کے لیے دور دراز کے سفر کی زحمت اٹھانے سے نجات پاجائے،

جدید عربی تالیفات

آجکل مصر، شام اور عراق مین مختلف علوم و فنون پر عربی زبان مین بعض عمدہ اور محققانہ کتابین شائع ہو رہی ہین تاریخی کتابون مین سب سے اہم تالیف شام کے مشہور وسیع النظر مورخ شیخ محمد کرد علی رئیس المجمع العلمی العربی دمشق کی خطط الشام ہے جو علامہ مقریزی کی خطط مصر کے طرز پر لکھی گئی ہے، اور نہایت تحقیق، جامعیت اور بسط و تفصیل کیساتھ شام کی گذشتہ تاریخ، تمدن، معاشرت، عمارات اور علوم و فنون کے متعلق صدہا کتابون سے چنکر معلومات جمع کئے گئے ہین، اسکی تین جلدین پیشتر شائع ہو چکی تھین، جو شام کی سیاسی تاریخ پر مشتمل ہین، اب اسکی چوتھی جلد "شامی تمدن" پر ہے جسمین پہلے عربی و اسلامی تمدن پر ایک تبصرہ ہے، اس کے بعد شامی تمدن کو پانچ ابواب مین تقسیم کرکے نہایت توضیح سے واقعات لکھے گئے ہین، اسی سلسلہ مین شام کے علما، مورخین، مہندسین، اہل موسیقی، اور مصورین وغیرہ کے تذکرے بھی علوم کے ذیل مین آگئے ہین، ابھی اسکی اور جلدین زیر تالیف ہین،

السوریۃ والسوریون (شام اور شامی) کے نام سے ڈاکٹر فیلپ پروفیسر جامعہ امریکیہ بیروت کے تین خطبون کا مجموعہ ہے، ان تینون خطبون کے عنوانات یہ ہین، شام کے تعلقات دیگر سامی قومون سے، صلیبی لڑائیون مین اہل یورپ نے شام سے کیا سیکھا، اور اسلام کی تاریخ مین شام کا مرتبہ،

پروفیسر انیس زکریا نصولی کی الدولۃ الامویۃ فی الشام بھی لائق ذکر ہے جسمین انھون نے اموی حکومت پر اجتماعی حیثیت سے نظر ڈالی ہے اور اس کے محاسن بتائے ہین، مصنف بغداد کے جامعۂ آل البیت مین تاریخ کا پروفیسر تھا، مگر اس کتاب کی تالیف نے بغداد کے شیعہ حلقہ اور طلبہ مین ایسی بےچینی پیدا کی کہ شہر مین فتنہ و فساد کی نوبت پہنچی، طلبہ اور پولیس مین جنگ ہوئی، اور آخر کار حکومت کو مجبور ہو کر مؤلف کو نہ صرف یہ کہ جامعہ سے علیحدہ کردیا بلکہ عراق سے بھی نکال دیا، یہ ابھی پچھلے چند مہینون کا تازہ واقعہ ہے،

فلسفۂ اخلاق مین موسیو لیبان کی ایک نئی کتاب کا ترجمہ الآراء والمعتقدات کے نام سے شائع ہوا ہے جسمین عقائد اور خیالات کی پیدائش، رسوخ اور انقلاب کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے، عبدالقادر مغربی جامع دمشق کے استاد نے الاخلاق والواجبات کے نام سے ایک خاص کتاب لکھی ہے جسمین اُنھون نے مذہب اسلام کے اصول کو فلسفۂ اخلاق کے اصول سے موازنہ کرکے حقائق کی گرہ کشائی کی ہے،

موسیو لیبان کی ایک اور مختصر کتاب تاریخ تمدن مصر ترجمہ ہوئی ہے جسمین مصنف نے تعمیرات اور آثار کی روشنی مین قدیم مصری تمدن، مذہب، اخلاق اور علوم پر بحث کی ہے اور اس باب مین اپنے غور و فکر کے نتائج پیش کئے ہین

ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی کتاب الشعر الجاہلی کا تذکرہ کسی گذشتہ معارف مین آچکا ہے، اس کے جواب مین متعدد کتابین لکھی گئین جنمین سے مشہور مصری اہل قلم محمد فرید وجدی کی نقد الشعر الجاہلی استاذ محمد لطفی کی الشہاب الراصد استاذ مصطفٰے الرافعی کی تحت رایۃ القرآن (قرآن کے جھنڈے کے نیچے) ایسی کتابین ہین جنھون نے عربی مین بعض اہم ادبی اور تاریخی مباحث کا اضافہ کیا ہے، اور ڈاکٹر صاحب کے خیالات و افکار اور نظریون کی اُن مین ہر مصنف نے اپنے طرز پر تردید کی ہے،

قرآن مجید کے متعلق دو کتابین قابل ذکر ہین، شیخ مصطفٰے صادق رافعی کی اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ اور شیخ محمد سعید الباني قاضی عجلون کی الفرقان البرہان فی بعض المباحث المتعلقۃ بالقرآن، پہلی کتاب مین قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر جدید طرز و اسلوب سے بحث کیگئی ہے، اکثر موجودہ علماء نے اوس پر اچھی تقریظین لکھی ہین، اور پسند کی ہے،

"م"

لغاتِ جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، قیمت عہ ضخامت ۱۶۱ صفحے،

"منیجر"

اخبارِ علمیہ

شاہی تعلیمی کانفرنس، جس طرح جنگ کے بعد برطانوی حکومت کے مقبوضات کے نمائندون کی سالانہ مجالس، سیاسی مسائل پر غور کرنے کے لیے ہوا کرتی ہین، اسی قسم کی ایک عام شاہی مجلس ہر تیسرے برس تعلیمی مسائل پر تبادلۂ خیال کے لیے منعقد ہوتی ہے، اس سال اس کا اجلاس لندن مین ۲۰ جون سے ۸ جولائی تک ہوگا، ہر نوآبادی کی حکومت اپنا نمائندہ اس مین بھیجیگی اور یہ نمائندہ اس حکومت کے محکمۂ تعلیم کا ایک افسر ہوگا، سر آبرتے منڈ جو مجلس تعلیمات برطانیہ کے مستقل معتمد ہین، اس کانفرنس کی مجلس استقبالیہ کے صدر ہین،

اس کانفرنس مین جن مسائل پر بحث ہوگی ان کو پانچ شعبون مین تقسیم کیا گیا ہے، ایک جماعت طالب علم کی حالت بعد تکمیلِ تعلیم پر بحث کرے گی، دوسری جماعت ان ممالک کے متعلق گفتگو کرے گی جو خطِ استوا پر واقع ہین اور جہان مختلف اقوام کے لوگ رہتے ہین، تیسری جماعت دیہاتون مین تعلیم کے موضوع پر اظہارِ خیال کریگی، چوتھی جماعت جدید خیالات و حالات پر نظر ڈالے گی، اور پانچوین جماعت عام تعلیمی مسائل کے متعلق ہوگی، عام مسائل مین لاسلکی اور سینما کے ذریعہ تعلیم کا مسئلہ بھی ہوگا،

گویا سینما، عرصہ سے اس بات کی کوشش ہو رہی تھی کہ سینما مین متحرک تصاویر کے ساتھ ہی اتحادِ صوت بھی پیدا کیا جائے اور اگرچہ اس کے متعدد ابتدائی تجربے بھی ہو چکے تھے، لیکن ان مین یہ نقص تھا کہ آواز اور تصاویر کی حرکت ایک ساتھ نہین ہوتی تھی، اب نیویارک امریکہ کی جنرل الکٹرک کمپنی نے اپنے تجربہ گاہ مین عرصہ کی کوشش کے بعد اس کمی کو بھی پورا کرنے مین کامیابی حاصل کرلی ہے، اور حال مین جو تصویرین دکھائی گئی تھین ان مین خیالات کا اظہار تحریری نہین بلکہ صوتی تھا، اور اشتراک حرکت اور صوت

تھا، امید کہ یہ ایجاد بہت جلد عام تماشہ گاہوں میں بھی پہنچ جائے گی،

زہر سیماب، جامعہ کارنل کے مشہور استاذ ایل ایم ڈنس نے ایک مضمون میں اس حقیقت کو ظاہر کیا ہے کہ وہ اشخاص جو سیماب کے کارخانوں میں کام کرتے ہیں، در اصل تدریجی طریقہ سے اپنے کو نیست گور پہنچاتے ہیں، کیونکہ سیماب سے جو بخارات پیدا ہوتے ہیں، وہ سانس کے ذریعہ غیر محسوس طور پر پھیپھڑوں میں داخل ہوکر ان کو خراب ہی نہیں کر دیتے بلکہ دوسری ناقابلِ علاج بیماریاں بھی پیدا کر دیتے ہیں، برلن کے مشہور استاذ کیمیا پروفیسر الفریڈ سٹاک نے بھی اس کی تصدیق کی ہے،

عکس ریزی کی ترقی کا ایک اور قدم: اس وقت تک عکس ریزی کے ذریعہ صرف ہڈیوں وغیرہ کے بیرونی حالات کی تصاویر لیجا سکتی تھیں، لیکن حال میں اساتذۂ فن کی جو مجلس برلن میں منعقد ہوئی تھی، اس میں ڈاکٹر السنر نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ اب عکس ریزی کے معدہ اور اس کے اندر جو اشیاء موجود ہوں اور جس حالت میں ہوں ان کی صاف و واضح تصویر لے سکتے ہیں، ان تصویروں کیلئے انھوں نے خاص قسم کا کمرہ بھی ایجاد کیا ہے اور وہ پندرہ سکنڈ کے اندر سات تصاویر کھینچ لیتا ہے،

تیزاب کے ذریعہ حلق وصدر کا علاج: ڈاکٹر ای اتھولا نے دعوی کیا ہے کہ مسلسل تجربہ کے بعد وہ اس انکشاف میں کامیاب ہوئے ہیں کہ اگر تیزاب کو بخارات کی شکل میں منتقل کر کے اس کی سانس لیجائے تو اس سے نہ صرف یہ کہ حلق وصدر کی کوئی بیماری پیدا نہیں ہوتی، بلکہ سل و دق کے ابتدائی مدارج کے مریض بھی اس سے صحتیاب ہو سکتے ہیں، انھوں نے اس کا تجربہ ایک ایسے کارخانہ میں کیا ہے جہاں تیزاب استعمال ہوتا تھا اور جس کمرہ میں تیزاب استعمال ہوتا تھا، اس نے کام کرنے والوں کو نہ صرف یہ کہ کوئی حلقی یا صدری مرض نہیں ہوا

بلکہ وہ عام متعدی امراض سے بھی محفوظ رہے،

سب سے بڑا خطرہ:۔ ڈاکٹر ایل، او، ہورڈ نے سائنٹفک امریکن مین ایک دلچسپ طویل مضمون مین یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ اگرچہ بنی نوع انسان کی مختلف جماعتین سیاسی، تجارتی، مذہبی و معاشی عداوت کی وجہ سے ایک دوسرے کے خون کی پیاسی ہو رہی ہین، لیکن وہ اپنے اصلی دشمنون سے ناواقف ہین، ان کا خیال ہے کہ یہ کرۂ ارض انسان سے زیادہ زہریلے کیڑون کے لیے زیادہ موزون ہے، اور خدا کی یہ خاموش لیکن خطرناک مخلوق انسان اور اس کے کام آنے والے جانورون کو تباہ کرنے کے کام مین مشغول ہے، ان کی پیشین گوئی ہے کہ اگر موجودہ صورتِ حال باقی رہی تو وہ زمانہ زیادہ دور نہین جب یہ ناقابلِ التفات دشمن انسان کو اس دنیا سے فنا کر دے گا، اس لیے انسان کا فرض ہے کہ حفاظتِ خود اختیاری کے اصول پر باضابطہ اعلانِ جنگ کرکے یا تو دشمنون کو فنا کر دے یا پھر خود ہی فنا ہو جائے،

دنیا کی آبادی، سر چارلس کلوز نے حال ہی مین شاہی مجلس جغرافیہ کے سامنے دنیا کی آبادی کے متعلق بعض اعداد پیش کئے تھے، انھون نے بتایا کہ ۱۹۲۴ء مین تمام دنیا کی آبادی ۱۸۵۹۰۰۰۰۰۰ انفوس پر مشتمل ہے، ہر سال ۲ کرور آبادی کا اضافہ ہوتا ہے، اس صورت مین ۱۹۲۷ء مین یہ تعداد بڑھکر ۱۹۵۷۰۰۰۰۰۰ ہو جائے گی، برفستانی و ریگستانی علاقہ کو مستثنیٰ کرکے ہر مربع میل کے حدود کے اندر ۳۸ اشخاص آباد ہین، لیکن مختلف ممالک کی آبادی مختلف ہے، مثلاً انگلستان و ویلز مین ہر مربع کیلو مٹر مین ۲۵۱ اشخاص آباد ہین، بلجیم مین ۲۴۵، اطالیہ مین ۱۳۰، جرمن مین ۱۲۷، فرانس مین ۷۱، اسکاٹلینڈ مین ۶۳، خود مختار ریاست آئرلینڈ مین ۴۶، اسپین مین ۴۲، روس مین ۲۴، ناروے مین ۸،

"ن"

ادبیات

حسنِ باقی

از جناب شبیر حسن صاحب جوشؔ ملیح آبادی

چونک اے دل کہ ابھی تک ہے وہ محمل باقی — وہی صحرا ہے، وہی جلوۂ محمل باقی

ہے بدستور ہلالِ شبِ اوّل ضَو ریز — ہے اسی طرح جمالِ مہِ کامل باقی

اب بھی ہر چیز ہے آئینۂ رخسارِ حبیب — اب بھی ہر شے ہے یہان ناز کے قابل باقی

اب بھی ہر دل پہ ہے اس کاکلِ شبرنگ کا دام — اب بھی ہر روح مین ہے شورِ سلاسل باقی

دشت پیما نظر آتا نہین کوئی ورنہ — وہی جادہ ہے ابھی تک وہی منزل باقی

سرفروشانِ محبت ہی نہین ہین ورنہ — وہی قاتل ہے، وہی خنجرِ قاتل باقی

غور کرنے سے الجھتا ہے ترا دل، ورنہ — ہے وہی کشمکشِ حلِّ مسائل باقی

تو نے سننے کی قسم کھائی ہے نادان، ورنہ — اب بھی گلشن مین ہے گلبانگِ عنادل باقی

آج تک رسم و رہِ عشق کا محکم ہے نظام — وہی ناخن ہین، وہی عقدۂ مشکل باقی

ہوش مین آ، کہ ازل سے ہے برابر اب تک — خندۂ شاہدِ مطبوع شمائل باقی

تو نے کیا سوچ کے یون میان مین رکھ لی تلوار — دیکھ اب تک ہے نزاعِ حق و باطل باقی

سن کہ اب تک ہے بیابان مین جرس گرمِ فغان — اُٹھ، کہ اب تک ہین بہت واقفِ منزل باقی

راہ کو منزلِ مقصود سمجھنے والے! — جانتا ہے ابھی کتنے ہین مراحل باقی؟

ذرۂ خاک کو جوہر بنا دیتا ہے، — آج بھی تجھ مین ہے وہ جوہرِ قابل باقی

دل مین جو آگ تھی، ہر چند پڑی ہے ٹھنڈی — پھر بھی اک آنچ سی ہے متصلِ دل باقی

نبضِ فطرت کی دھمک جوش ہو کیونکر معلوم
جو دھڑکتا تھا وہ پہلو مین نہین دل باقی

امید

از جناب مولوی سید سراج الحسن صاحب ترمذی وکیل ہائیکورٹ حیدرآباد دکن

تو ہے شمعِ انجمن، عالم ہے پروانہ ترا — تو نشاطِ روح ہے نغمہ ہے روح افزا ترا

اے بہارِ بےخزان اے شاہدِ رنگین قبا! — کتنا دلکش ہے نظر مین جلوۂ زیبا ترا

لذتِ فردا تری آغوشِ ساغر مین ملی — رنجِ دوشین کا مداوا نشۂ صہبا ترا

تیرے خاکستر سے ہوگا مہرِ خاور پھر بلند — طالبانِ نور کی محفل مین ہر چرچا ترا

مطربِ خوش نغمہ پھر دیتا ہے پیغامِ حیات — یادِ ماضی ہے مری ہر نغمۂ فردا ترا

ہوگا پھر ابرِ بہاری خیمہ زن کہسار پر — دے گا پھر پھولون سے بھر دامن مرا صحرا ترا

مرتبہ کیا جانے اپنی خاک کا تو اے امید! — سجدہ گاہِ قیس ہے، سنگِ درِ لیلا ترا

تیری پیشانی خبر دیتی ہے صبحِ عید کی
جلوہ گر پھر ہوگی عالم مین کرن امید کی

آ نظر اے ساقیِ خمار! میخانہ بدوش — تیری صہبا کے تصور سے آ جاتے ہین ہوش

خانۂ ہستی ہے پر رونق ترے انوار سے — گرم تیرے دم سے محفل مین صلائے نوش نوش

ہستیِ انسان عبارت تیری ہستی سے ہوئی — بحرِ امکان مین تری تحریک سے جوش و خروش

اے کہ تو بھولا ہوا ہے مژدۂ لا تقنطوا — سن ذرا گوشِ حقیقت سے پیغامِ سروش

ایک بار اور انقلابِ آسمان ہونے کو ہے
پھر ترے زیر نگین سارا جہان ہونے کو ہے

نغمہ ہو کیون آشنا، لذتِ تاثیر سے — سوزِ نہان سے ترے جب سازہی بیگانہ ہو

گرم پھر ہو جا دلِ ویرانہ کی تعمیر مین — تیری تسکین، رازِ تعمیرِ دلِ ویرانہ ہو

ذرہ ذرہ دہر کا، جلوہ سے تیرے مستنیر — شمعِ محفل تو ہے اور سرمایۂ پروانہ ہو

سچ بتا کس خاک کا جو ہر ہے تو جامِ اُمید — شیخ کا کشکول ہے، رندون کا تو پیمانہ ہو

تو جہان آئی کہ دل سے فکرِ فردا دور ہے — تیری موجِ بحر کا ہر قطرہ اک میخانہ ہو

تو شرارِ عشق ہے برقِ دلِ حساس ہے
نور ہے سینہ کا تو اور روح کا احساس ہے

منزلین طے کر کے پہنچی مصر سے سینا مین تو — شوقِ موسیٰ تو بنی پھر وادیِ ایمن بنی

چمکی تیشہ مین وہان سے آئی جوئے شیر مین — ناتوانی مین تو زورِ بازوے کوہکن بنی

چشمِ بلبیناکو تیرا نور روشن کر گیا — دیدۂ یعقوب کی خاطر تو پیراہن بنی

شکل مین شبنم کی اتری آسمان سے رات کو — دن کو کشتِ سبز مین سرمایۂ خرمن بنی

ابرِ رحمت بنکے چھائی تو فضائے دہر پر — دشت ویران مین برس کر صحنِ گلشن بنی

یون تو ظاہر مین تمناؤن کا بتخانہ ہے تو — پر حریمِ دل مین تو اللہ کا مسکن بنی

کچھ سہارا ہے تو بس تیرا ہے اے بیکس نواز
مظہرِ لطفِ الٰہی، دو جہان کی کارساز

نالۂ بسمل

از جناب مولوی امین احسن صاحب بسمل موہانی، ناظم پائے گاہ سالار جنگ

تیری عنایتون نے گرانبار کر دیا — آمرزشون نے اور گنہگار کر دیا

کس ذوقِ شوق سے مین چلا حشر دیکھنے — رحمت نے اس کی واقفِ اسرار کر دیا

مین رازِ کائنات سے بیگانہ تھا مگر　　اے عشق تو نے مجھکو خبردار کردیا

ہون مبتلائے کشمکشِ جبر و اختیار　　خود سر بنا دیا مجھے ناچار کردیا

آنکھین فسون طراز تو غمزے مسیح دم　　بیخود بنا دیا کبھی ہشیار کردیا

دعوے مین سادگی تھی مگر پیچ پڑ گئے　　افشا جو قصۂ رسن و دار کردیا

ہم زندگی سمجھتے تھے جس کو وہ خواب تھا　　بالین پہ آکے موت نے بیدار کردیا

کیا چاہتا ہون اُنسے مین سرگشتۂ وفا　　میری نگاہِ یاس نے اظہار کردیا

بسمل کو میکدہ سے سروکار کیا مگر　　ساقی کی چشمِ مست نے میخوار کردیا

کلامِ اکبر

از جلال الدین صاحب اکبر بی اے، (لاہور)

ہجومِ صد بلا ہے اور مین ہون　　تمنائے قضا ہے اور مین ہون

دلِ درد آشنا ہے اور مین ہون　　محبت کا مزا ہے اور مین ہون

نہ پوچھو بے دلیہائے تمنا　　دلِ حسرت فضا ہے اور مین ہون

نہ چھیڑو قصۂ بے تابیِ غم　　دلِ محشر نوا ہے اور مین ہون

ادھر وہ بت ہے اور ساری خدائی　　ادھر میرا خدا ہے اور مین ہون

مری دون ہمتی کا رد دیکھو　　مقدر کا گلہ ہے اور مین ہون

نہین کوئی ٹھکانا بیکسون کا　　تری دولت سرا ہے اور مین ہون

کیا مجھ کو یہ برباد عاشقی نے　　کہ اب دست دعا ہے اور مین ہون

وہی مین ہون وہی دردِ محبت　　وہی صبح و مسا ہے اور مین ہون

مین اکبر قیدیِ الفت ہون یعنی　　وہی نا آشنا ہے اور مین ہون

باب التقریظ والانتقاد

باقیاتِ فانی

از

مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین

دلی و لکھنؤ سے لیکر میر و سودا تک اور میر و سودا سے لیکر داغ و امیر و جلال تک اردو شاعری کا ایک خاص رنگ تھا، جو تمامتر ایران و ہندوستان کے ممزوج تمدن کا نکھار تھا، غدر کے بعد ہندوستان کے تمدن، علوم اور خیالات کا یورپ کے تمدن، علوم اور خیالات سے جو تصادم ہوا، اس کے اثر سے اردو شاعری بھی متاثر ہوئی، شمس العلما آزاد اور مولانا حالی، اور اس کے بعد میر اکبر حسین ہمارے شعراء کی پہلی جماعت ہے جس نے اس اثر کو قبول کرکے اردو شاعری کا رنگ بدلا، اس کے بعد وہ دور آیا جب خود جدید تعلیم کے آثار و نتائج نے برگ و بار پیدا کیا، آزاد و حالی اور اکبر شاعری کی دوسری صنفون کو مثلاً قصائد، قطعات، رباعیات کو قدیم طرز کے تنگ کوچہ سے آزاد کرکے جدید طرز شاعری کے وسیع میدان مین لے آئے، مگر غزل مین آکر یہ بوڑھے بھی اپنے عشق و محبت کی قدیم داستانون کو نہ بھلا سکے، اور اپنی جوانی کی روداد حسن و عشق کے اظہار مین کوئی تاویل، تحریف اور تغییر مناسب نہ سمجھی، نوجوان **اقبال** نے جدید تعلیم و خیالات کے زور سے اپنے لئے نیا راستہ نکالا، اور یکہ و تنہا اپنے ہوائی جہاز پر بیٹھکر اپنا سفر شروع کر دیا، غزل کی دنیا مین انقلاب درحقیقت **حسرت** نے پیدا کیا، اگر وہ قید خانہ کی بیگاری مین کام پیدا کرنے کے لیے شاعری نہ کیا کرتے تو اونکی اولیت کے تمبر کو کوئی مٹا نہین سکتا تھا، جو ان کا

حالات سے مختلف رہا، ان کو زلیخائے شاعری کا دیدار زندانِ یوسف ہی میں نظر آتا رہا، جب باہر آئے تو مصر قومی کے قحط کے بندوبست سے ان کو فرصت نہ ملی، حسرت کے بعد عزیزؔ، فانیؔ، اصغرؔ اور جگرؔ نے موسم کے اس تغیر کو بالکل نمایان کر دیا، اور غزل کی زمین میں پرانے گل و ریاحین کے بدلے نئے نئے رنگ اور نئے نئے پھول کھلائے، اس دور کے خیالات جو ابھی تک درجۂ تکوین میں ہے، پچھلے دور سے جو ختم ہو چکا بالکل مختلف ہین، اصطلاحات، محاورات، اور زبان و طرزِ ادا میں غیر معمولی فرق پیدا ہے،

اس وقت ہمارے سامنے فانی کا دیوان باقیاتِ فانی ہے، اور اسی کے متعلق کچھ عرض خیال کرنا ہے، اس سے پہلے ان کے کلام کا مجموعہ دیوانِ فانی کے نام سے شائع ہوا تھا، اس میں ابتدائی مشق کا منتخب اور ۱۹۱۷ء تک کا کل کلام شامل تھا، اب حال میں انھون نے اپنے کلام کا مکمل مجموعہ باقیاتِ فانی کے نام سے ارباب ذوق کے سامنے پیش کیا ہے، جو چار مختلف اجزاء پر مشتمل ہے،

پہلے حصہ میں جناب رشید احمد صاحب صدیقی پروفیسر اردو مسلم یونیورسٹی کا اردو شاعری پر ... صفحہ کا مبسوط ریویو ہے، اس میں موصوف نے اپنے خاص رنگ اور طرز میں نہایت خوبی اور جامعیت کے ساتھ عام شاعری پر بحث کی ہے، ریویو کے مباحث کا خلاصہ یہ ہے،

شاعری فطری ہے کسبی نہیں، مفہوم شعریت، تعریفِ شاعری موجودہ شعرا کے اقسام شاعر کے لیے کیا کیا چیزین ضروری ہیں، شاعری کا طریقۂ علی الترتیب خیال، اس کے لیے موزون الفاظ، خیالات ... کی ندرت، ندرتِ خیال کے لیے نئی ترکیبین اور بندشین، "حسنِ منجمد"، "لرزشِ النعطافی"، "رقصِ ..." ... جیسی مہمل اور بے معنی ترکیبون سے احتراز، قدما کے کلام سے فائدہ اٹھانا، شعرا کا مطمح نظر قوم ملک کے روایات ورجحانات سے بلند ہونا چاہیئے، کسی مخصوص فرد یا خاص کلام کو نمونہ نہ بنانا چاہیئے روح القدس سے کسبِ نطق کرنا چاہیئے، شاعر کو پارینہ دفتر کے بجائے جس پر سیکڑون نقاش اپنی مصوری کے نمونے دکھا چکے ہون، بیاضِ فطرت کے سادہ اوراق پر نقش آرائی کرنا چاہیئے، حقیقی شاعر کون ...

شاعری کے اجزا کیا ہونے چاہئیں، شاعری کی مختلف تعریفیں، آخر میں آرٹ پر دلچسپ بحث کی ہے،

دوسرے حصہ میں ۵۰ صفحہ میں پروفیسر صاحب نے فانی کی شاعری پر ریویو کیا ہے اور اس کے بعض پہلوؤں پر کافی روشنی ڈالی ہے، یہ دونوں حصے "سرو دبستان" کے نام سے علحدہ بھی شائع ہو چکے ہیں، شعر و شاعری کے موضوع پر اس سے پہلے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، چنانچہ مولانا حالی اور مولانا شبلی نے مقدمہ اور شعر العجم میں اس بحث مفصل کی ہے، مولانا اقبال سہیل نے بھی نشاط روح کے مقدمہ میں دلنشین طرز سے نئے مضامین ادا کئے ہیں، لیکن اس موضوع پر اب بھی بہت کچھ کہنے کی گنجائش باقی ہے، اس حیثیت سے پروفیسر صاحب کا یہ مقدمہ فائدہ سے خالی نہیں ہے اور اس میں شاعری کے بہت سے نکات اور نوجوان شعرا کی بیراہ روی کو روکنے کے لیے بہت سی کارآمد ہدایات ملتی ہیں،

دوسرے جزکا بڑا حصہ فانی اور غالب کے موازنہ پر مشتمل ہے، اس میں شک نہیں کہ فاضل ناقد نے نہایت خوبی سے اس فرض کو ادا کیا ہے، لیکن یہ پہلی رشید کی خوبی تھی کہ اسکو فانی نے وہ آتشہ کر کے امرتیز کر دیا ورنہ غالب کی گلاب آمیز بادہ کو فانی کی سوڈا واٹر کی ہوئی شراب سے کوئی مناسبت نہیں، فانی کے صرف دس پانچ اشعار ایسے مل سکتے ہیں جو غالب کے اشعار کے مقابل میں پیش کئے جا سکتے ہیں، لیکن غالب کے بیسیوں اشعار ایسے ہیں کہ [illegible] کا خیال وہاں تک بمشکل پہنچ سکتا ہے، بہرحال یہ ایک ناقد کی رائے ہے، اگر بجائے اس طول موازنہ [illegible] فانی کی شاعری کے مختلف پہلو دکھائے جاتے تو انکی شاعری کے تمام محاسن سامنے آجاتے،

رشید صاحب کے خیالات کا جہان تک تعلق ہے ان کا مقدمہ نہایت دلپسند اور مفید ہے، مگر [illegible] زبان اور طرز ادا کا تعلق ہے وہ صرف ایک خاص قسم کے خیالات کی تعبیر و ادا کے لئے موزون ہے، سنجیدہ ظریفانہ مضامین کے طرز خاص کے وہ موجد ہیں، اور اس بزم میں ان کے یہ قہقہے محفل میں رونق پیدا کرتے ہیں، مگر فلسفیانہ اور ٹھوس خیالات ان کے قہقہوں کی گونج میں منتشر ہو جاتے ہیں، بہرحال وہ سرود دبستان ہے، امید ہے کہ یہ سرود بعض سرستون کی یاددہانی کا فرض ادا کرے گا،

تیسرے حصہ مین، جناب جگر مرادآبادی کا، اصغر کا تبصرہ ہے، ہمارے خیال مین یہ حصّہ بالکل غیر ضروری
تھا، نقاد شاعر نے خود بھی اس کلیہ کو سمجھ لیا ہے کہ ہر شاعر کا ناقد ہونا ضروری نہین، بہرحال، ان سب مراحل کے
بعد منزلِ مقصود آتی ہے، یعنی اصل دیوان جسمین زیادہ حصہ غزلون کا ہے اور کچھ قطعات، رباعیات اور متفرق اشعار بھی ہین،

فانی کے دیوان کو پڑھکر جو بات سب سے پہلے ذہن مین آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایسے شاعر ہین جو دنیا کی
بے ثباتی اور یاس سے سرتاپا محزون اور غمگین ہین، اور ان جذبات کے اظہار مین وہ حقیقی شاعر ہین،

حقیقی شاعر کی خصوصیات

ایک عام خیال کا معمولی طریقہ سے ایک مخصوص وزن مین ادا کردینا معمولی بات ہے جسکو ہر
ناظم باسانی کرسکتا ہے، لیکن حقیقی شعراء کے کلام کے لیے بعض خصوصیات درکار ہین، اس مین سب سے مقدم
خیال کی ندرت ہے یعنی شاعر کا خیال اتنا وسیع اور بلند ہو کہ عام نگاہین وہان تک بمشکل پہنچ سکین، اس کے
بعد ندرتِ ادا کا درجہ ہے، یعنی مضمون اگرچہ پامال ہو، لیکن اسکو اس سلوب سے باندھا جائے کہ بالکل نیا ہو جائے
اس کے بعد پھر بندش، جوشِ بیان، لطفِ زبان، وغیرہ کا درجہ ہے، ان خصوصیات کے علاوہ اس کا ایک
خاص رنگ ہونا چاہیے جو اس کا طغراے امتیاز ہو، فانی کا کلام ان تمام اوصاف کا جامع ہے،

ندرتِ خیال وندرتِ ادا

مرنے کے بعد خاکِ عاشق کا دامنِ یار سے لپٹ کر دل کی بھڑاس نکالنا ایک پامال
مضمون ہے جسکو سیکڑون شعراء نے نظم کیا ہے، لیکن فانی کی ندرت سے ان کو کوئی نسبت نہین، انکی
خاک بھی دامنِ یار سے لپٹتی ہے، لیکن ساتھ ہی احترامِ حسن کا دامن بھی ہاتھ سے نہین چھوٹتا ہے، خاکِ عاشق
کی گستاخ دستی پر یار کی عتاب آلود نگاہ پڑجاتی ہے، ذرہاے خاک مین احساسِ تقصیر پیدا ہوتا ہے اور
وہ حالتِ فنا مین بھی کانپ اٹھتے ہین،

کس نظر سے اس نے دیکھا اپنے دامن کی طرف　　کانپ اٹھا ہر ذرہ میری خاکِ دامنگیر کا

خزان کی بربادیون اور بہار کی رنگینیون کے بہت سے مناظر دیکھے ہونگے لیکن فانی کی تعبیر نے
جو بہار پیدا کردی ہے اسکی مثال مشکل سے مل سکیگی، ان کے یہان خزان اور بہار صرف معشوق کی دو مختلف

کیفیتون کے مظاہر ہین،

بہار نذرِ تغافل ہوئی، خزان ٹھہری   خزان شہید تبسم ہوئی، بہار ہوئی

دوسرے مصرعہ کی لطافت ورنگینی کس درجہ پرکیف ہے،

آہ ونالۂ عشاق کا کارگر حربہ ہے کہ اسی کے اثر سے محبوب مشق ستم چھوڑ کر مائل بہ کرم ہوجاتا ہے، لیکن اسی عجز آہ عشاق کی تاثیر، فانی کے یہان سرمایۂ انفعال وندامت بنجاتی ہے اور اسکے بدولت کرم توکجا لطف ستم بھی چھین جاتا ہے،

وہ بے وفا جفا سے بھی اب آشنا نہین   کیا منفعل ہون آہ کی تاثیر دیکھ کر

شعراء عموماً ہجر کے مصائب اور عشق کی نامرادیون سے تنگ آکر موت سے مصائب کا خاتمہ چاہتے ہین لیکن فانی کا عشق ان سے بلند تر اور پاکیزہ تر ہے ان کے یہان عشق مین مرنا سعادت کا ہم پایہ اور کسی کی یاد مین جان دے دینا خدا کی راہ مین کام آنے کے برابر ہے، جسمین ظاہری موت کے بعد ایسی دائمی زندگی ہے جسکو کبھی فنا نہین، اسلئے وہ عشق کے مصائب سے موت کے خواہان نہین ہوتے کیونکہ وہ شے جو مصائب کا سبب ہے یعنی زندگی وہ اور مستقل اور پائدار ہوجاتی ہے، اور جب چندروزہ مصائب ناقابل برداشت ہین تو دائمی مصائب کے برداشت کے لئے کہان سے قلب، جگر لائے،

ہو غم ہستی جاوید گوارا کیون کر   جان کیا دین کہ بہت جان سے بیزار ہین ہم

فراق کی راتون مین دل کی تڑپ کا مضمون شعراء نے مختلف پہلوؤن سے باندھا ہے، لیکن فانی کی تڑپ سے اسکو کوئی مناسبت نہین،

دل کیون شب فراق تڑپ کر ٹھہر گیا
کیون اضطراب کیا تری صورت بدل گئی

ہر درد وہر کرب کی آخری حد یہ ہے کہ سکون ہوجائے اسلئے انتہائی اضطراب کے بعد سکون لازمی ہے

لیکن فانی اس سکون کو سکون ہی نہیں مانتے بلکہ اضطراب کی دوسری شکل سمجھتے ہیں،

"وہم رشک" کو اس لطیف انداز سے باندھا ہے کہ اس کے بعد رشک کا کوئی درجہ باقی نہیں رہجاتا، رشک و رقابت کے بہت سے مضامین ناظرین کی نظر سے گذرے ہونگے لیکن رشک کی یہ صورت شاید پہلی بار دنیا میں ظاہر ہوئی ہے، عاشق نگاہ التفات کا پیاسا موجود ہے، معشوق آئینہ خانہ میں اپنے حسن و جمال کی رعنائی دیکھتا ہو ساتھ ہی اسکو یہ بھی خیال آتا ہے کہ عاشق کو میرے عکس پر رشک نہ آجائے کہ وہ حیرت سے مجھکو تک رہا ہے، اسلیے فوراً عاشق کے چہرہ پر نظر ڈالتا ہے کہ اسکے جذبۂ رشک کا اندازہ لگائے،

شرمندہ وہم رشک سے آنا نہ کیجئے ۔۔۔ آئینہ دیکھکر مجھے دیکھا نہ کیجئے

معشوق کے ہاتھوں عاشق کا قتل اور اس قتل بے گناہی کا قصاص روز حشر پر اٹھا رکھنا ایک عام بات ہے لیکن فانی دنیا ہی میں انتقام لیتے ہیں اور کیسا زبردست انتقام لیتے ہیں،

قاتل سنبھل کہ یہ نگہ واپسیں نہیں ۔۔۔ خنجر ہے مرے دل کے لہو میں بجھا ہوا

ایک معشوق اپنے وفادار شیدائی کو بے دردی سے قتل کرتا ہے، قتل کے وقت عاشق آخری حسرت بھری نگاہ جس میں بے گناہی اور آخری وفاداری کا نور جھلک رہا ہے، عاشق کے چہرہ پر ڈالتا ہے، کیا اس حسرت انگیز نگاہ کی تاثیر سے زیادہ کوئی انتقام ہو سکتا ہے؟

طاقت صبر اس وقت جواب دیتی ہے جب کوئی حالت ناقابل برداشت ہو جاتی ہے لیکن فانی دامن صبر چھوڑنے کا ایک نرالا اور پرکیف سبب بیان کرتے ہیں،

بنتی نہیں ہے صبر کو رخصت کئے بغیر ۔۔۔ کام ان کی بے قرار نگاہوں سے پڑگیا

صبر اور بے قراری کا بے تکلف تقابل تضاد بھی قابل توجہ ہے۔

عشق کی ابتدا اور اسکی انتہا کا بیان اس سے زیادہ بلیغ اور اچھوتے پن سے اور کیا ہو سکتا ہے،

ہائے کیا دن ہیں کہ نقش سجدہ ہو اور سر نہیں ۔۔۔ یاد ہیں وہ دن کہ سر تھا اور وبال دوش تھا

اسی ابتدا و انتہا کا دوسرا رنگ بھی ملاحظہ ہو ابتدائے عشق مین نالہ و شیون اور فریاد و فغان سب کچھ ہوتا ہے لیکن انتہا یہ ہے کہ طاقت فریاد تک مسلوب ہو جاتی ہے، اس وقت معشوق فریاد رسی کرنا چاہتا ہے لیکن طاقت فریاد جواب دے چکتی ہے،

آمادۂ فریاد رسی ہے وہ ستمگر　　　فریاد کہ اب طاقت فریاد نہین ہے

کلیم اور طور کا واقعہ شعرا کا خاص موضوع ہے، اور ہر شاعر نے اس پر طبع آزمائی کی ہے، ان سب مین اتنا قدر مشترک ضرور ہے کہ کلیم نے طور پر برق تجلی دیکھی اور خرمن ہوش پر بجلی گر پڑی، لیکن فانی صورت واقعہ مین مشتبہ ہین، ان کے نزدیک جمال یار بے نقاب نہین ہوا تھا بلکہ نقاب یار پر نظر پڑی تھی، اور موسیٰ جسکو برق تجلی سمجھے وہ اسی زرتار نقاب کا تار تھا، کچھ اور نہین،

جمال بے حجاب تھا کہ جلوہ تھا حجاب کا　　　کلیم برق طور تھی کہ تار تھا نقاب کا

اس شاعرانہ تخیل کو حقیقت کی نگاہ سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ فانی "در پردہ" یہ کہنا چاہتے ہین کہ طور پر ذات کی تجلی نہ تھی، صفات کی جلوہ آرائی تھی،

برق و نشیمن کی چشمک بہت قدیم ہے ادھر غریب بلبل نے کوئی تنکا رکھا، ادھر برق کی نگاہ غضب سے جلا کر خاکستر ہو گیا، فانی کے یہان اس رسم کے ادا کرنے کے لیے برق کی ضرورت نہین کہ خود تنکون مین آتشگیر مادہ موجود ہے،

زہے فریب کہ پروردۂ فنا ہون مین　　　بنا ہے برق کے تنکون سے آشیان اپنا

بلکہ اس سے بھی بڑھکر صرف ہوس تعمیر کا نام برق ہے، اور یہ سچ ہے کہ صرف "خواہش" ہی کے وجود سے مصائب اور مشکلات کا دنیا مین وجود ہے،

تعمیر آشیان کی ہوس کا ہے نام برق　　　جب ہم نے کوئی شاخ چنی، شاخ جل گئی

اسی برق کو تیسرے آشیانہ پر گرتے دیکھئے،

اس کے سوا نہین خبر آشیان مجھے　　　مین تھا اسیرِ دام تو بجلی چمن مین تھی

فراق عاشق کے لیے پیامِ مرگ ہے، لیکن یہی فراق درد آشنا قلوب کے لیے ایک نعمت اور ایک زندگی ہے،

عمرِ خضر کے انداز ہر نفس مین پاتا ہون　　　زندگی نئی پائی آپ سے جدا ہو کر

عامیون کے لیے حسن کا اپنی جفاؤن پر پشیمان ہونا، فالِ نیک اور مظالم کی حسن تلافی ہے، لیکن اس پشیمانی سے خواص کی روح لرز جاتی ہے،

روح اربابِ محبت کی لرز جاتی ہے　　　تو پشیمان نہ ہو، اپنی جفا یاد نہ کر

عشق کی اس عالی ظرفی، پاکیزگی، اور احترامِ حسن مین مانیت کی شان جھلکتی ہے، اسی عالی ظرفی کو دوسرے الفاظ مین یون ادا کرتے ہین،

صبر شایانِ محبت تو نہین ہے لیکن　　　شکر اگر بن نہ پڑے شکوۂ بیداد نکر

زخمِ عشق کے لیے تلاشِ مرہم ننگ عاشقی بلکہ نمک پاشی ہے،

دوست تسلی دینے آئے لیکے دوائین چارہ گرِیا　　　لیجئے آئی زخمِ جگر پر آک اور تازہ آفتِ مرہم

جبینِ نیاز سجدہائے شوق کے لئے بے قرار ہے لیکن نقش کفِ پا کی شناخت نہین، اسلیے ہر نقش کو دیکھکر ذوقِ سجدہ بے قرار ہوجاتا ہے اور سر مین آشفتگی پیدا ہوجاتی ہے،

ہر نقشِ پا کو دیکھ کے دھنتا ہون سر کو مین　　　پہچانتا نہین ہون تری رہگذر کو مین

اسی زمین مین غالب نے تھوڑے سے تغیر کے ساتھ اسی جذبۂ حیرانی کو اس طرح ادا کیا ہے،

چلتا ہون تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ　　　پہچانتا نہین ہون ابھی راہبر کو مین

فصلِ بہار مین سودائیانِ عشق کا گریبان کو نامدامن کر دینا ایک عام مضمون ہے لیکن فانی کی ندرتِ بیان اسکو بالکل اچھوتا کر دیتی ہے، چاک گریبانی انھون نے بھی دکھائی ہے لیکن اسکو چاک سے

نہین تعبیر کرتے بلکہ گریبان کا دامن سے گلے ملنا کہتے ہین،

بہار آئی کہ یارب عید آئی اہل زندان کو ۔۔۔ گریبان نے گلے لپٹا لیا بڑھ بڑھ کے دامن کو

بہار، دیوانون کی عید، عید اور گلے لپٹانے کی مناسبتین قابل لحاظ ہین،

ناوکِ مژگان کی چھیڑ ملاحظہ ہو،

کیا پھر ترے ناوک نے کیا عزمِ نوازش ۔۔۔ لبیک کی آتی ہے صدا چاکِ جگر سے

ناوک کے عزمِ نوازش پر چاکِ جگر کا لبیک کہنا دونون مین ربطِ معانی کی طرف لطیف اشارہ ہے،

آنکھین صرف اس لئے تھین کہ جمالِ یار کا شوق ان کی نگاہون سے ظاہر ہو لیکن جب شوق کی جگہ

یاس نے لے لی تو پھر آنکھون کو زمانۂ شوق کی یادگار کے سوا اور کیا کہا جائے،

نگاہِ شوق کے دم تک تھین آنکھین ۔۔۔ اب آنکھین یادگارین ہین نظر کی

نظر تو زمانۂ شوق کی یادگار تھی، یادگارِ وفا بھی ملاحظہ ہو،

اب جفا ہے نہ وفا، یادِ وفا باقی ہے ۔۔۔ تھی جہان شمع وہان خاک ہے پروانون کی

غمِ عشق کی داستان سرائی، درحقیقت اسکی رسوائی ہے، لیکن تغافل پرسش کی طرف مائل نہین

ہوتا، اور وفا کی شرط یہ ہے کہ دل پر کچھ بھی گذر جائے لیکن زبان عرضِ حال سے آلودہ نہ ہو، ان دونون

نے عاشقی کی شرم رکھ لی،

حسن مجبورِ تغافل ہے ادب شرطِ وفا ۔۔۔ رہ گئی شرم غمِ عشق کے افسانون کی

حصولِ آرزو ایک خیالِ خام ہے، لیکن فریب خوردہ دل نہین سمجھتا،

ہان ہم نہ تھے فریبِ تمنا سے بے خبر ۔۔۔ کیا کہئے کیا کیا دلِ امیدوار نے

عاشق کی موت وحیات کچھ بھی اس کے اختیار مین نہین ہے یہ سب کسی کی نظر کا کرشمہ ہے،

قضا بہ اسکے مری زندگی کا دار و مدار ۔۔۔ سو وہ بھی انکی اداؤن کے اختیار مین ہے

غم اسی وقت تک غم ہے جب تک اسمین احساس تکلیف باقی ہے، شاعر کہنا چاہتا ہے کہ پہلے غم دیا لیکن مسلسل مشق ستم سے برداشتِ غم عادت ثانیہ ہوگئی اور احساسِ غم کا مزا جاتا رہا، غالب نے اس سے پہلے اسی خوگریِ رنج سے اپنی مشکل حل کی تھی،

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج ... مشکلین اتنی پڑین مجھ پر کہ آسان ہوگئین

فانی نے کہا،

غم مٹا دیا غم کا لذت آشنا کرکے ... کیا کیا ستمگر نے خوگرِ جفا کر کے

میرا خیال ہے کہ غالب کے شعر سے فانی کے شعر مین زیادہ شعریت ہے، غالب نے صرف فلسفہ کی حیثیت سے اس حقیقت کو پیش کر کے حلِ مشکل کیا ہے، لیکن فانی نے اسکو بھی معشوق کا ایک نیا ستم بتایا ہے کہ جسکو اس نے اسلیے کیا کہ ستم کی لذت سے محروم ہوجاؤن،

دردمندی کی آخری حد یہ ہے کہ غم مین مزا آنے لگے، اور اسکی بربادی دل کی بربادی کے مترادف ہو، چنانچہ فانی کا دردآشنا دل نگاہِ التفات سے التجا کرتا ہے کہ دلِ مایوس ناز پروردۂ غم ہے خدارا اس کو نگاہ لطف وکرم سے برباد نہ کر،

دلِ مایوس کو اے عہد کرم شاد نہ کر ... ناز پروردۂ غم ہے اسے برباد نہ کر

فانی کی ندرتِ خیال وبیان کی یہ چند مثالین تھین اس چھوٹے سے دیوان مین ابھی اور بکثرت اسکی مثالین مل سکتی ہین،

اخلاق وتصوف فانی کی شاعری محض عشق کے جذبات لطیفہ تک محدود نہین ہے، بلکہ وہ شاعری کی زبان مین اخلاق وتصوف کے حکیمانہ اور نازک مسائل کو نہایت خوبی سے بیان کرتے ہین، اور درحقیقت یہی شاعری کی جان ہے اور اس سے شاعری کی زمین آسمان بنجاتی ہے،

وحدۃ الوجود تصوف کا بڑا معرکۃ الآرا مسئلہ سمجھا جاتا ہے یعنی عالم کون وفساد مین جو کچھ بھی ہے، اسکا

کوئی حقیقی وجود نہین بلکہ عناصر کی تمام نیرنگیان صرف اسی ایک ذات کے مختلف مظاہر ہین، فانی اس کو نہایت سادگی اور بے تکلفی سے یون ادا کرتے ہین،

آپ ہی اپنی آڑ مین تو ہے　　　تو حقیقت ہے اور تو ہی مجاز

خدا انسان کو ہر قسم کی قوتین عطا کر کے دنیا مین بھیجتا ہے، اور دنیا کا گوشہ گوشہ دلفریبیون اور رنگینیون سے معمور ہے، لیکن پھر بھی تاکید ہے کہ خبردار! دامن آلودہ نہ ہو،

مست کو چاہیئے بلا کا ہوش　　　خم دئے اور و بانہ اذن خروش

فارسی کے مشہور شاعر نے اسی خیال کو اس پیرایہ مین ادا کیا ہے،

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ　　　باز می گوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

مختلف نمونے ملاحظہ ہون،

ہے عکس روئے دوست یہ اک پرتو مجاز　　　میری نظر بھی کھچ گئی تصویر یار مین

تعینات کی حد سے گذر رہی ہے نگاہ　　　بس اب خدا ہی خدا ہے نگاہ والون کا

بیخودی مایۂ عرفان خودی ہے یعنی　　　محرم جلوۂ اسرار ہے نامحرم ہوش

ہم نہ ازل سے آئینہ سمجھ دے سر اٹھا سکے　　　چھپ گئے ہے جلوہ ہائے دوست کب کے حریم ناز مین

کچھ نہ وحدت ہے نہ کثرت نہ حقیقت نہ مجاز　　　یہ ترا عالم مستی وہ ترا عالم ہوش

یہ تصوف کا رنگ تھا اخلاق کے نمونے ملاحظہ ہون،

خود داری،

محتاج اجل کیون ہے خود اپنی قضا ہو جا　　　غیرت ہو تو مرنے سے پہلے ہی فنا ہو جا

دعا گدائے اثر ہے گدا پہ تکیہ نہ کر　　　کہ اعتماد اثر کیا ملا ملا نہ ملا

وہ پائے شوق دے کہ جہت آشنا نہ ہو　　　پوچھون نہ خضر سے بھی کہ جاؤن کدھر کو مین

دنیا ایک معمہ ہے،

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا | زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

دنیا مین آکر کیا ملا،

ملا ازل مین مجھے میری زندگی کے عوض | وہ ایک لمحۂ ہستی جو صرف خواب ہوا

شوخی وظرافت | شوخی وظرافت شاعری کے چہرہ کا غازہ ہے، بغیر اس کے شاعری حسن بے نمک اور شراب بے کیف رہتی ہے، لیکن اعتدال اور سلامتِ مذاق سب سے پہلی شرط ہے ورنہ یہی شوخی عریان ہو کر شاعر کو بدمذاق اور لطفِ سخن کو بے مزہ کر دیتی ہے، بہت سے اساتذۂ فن ایسے ہین کہ انکی شاعرانہ عظمت مسلم ہے لیکن انکی شاعری کے اعتبار سے ان کے کلام کو درجۂ مقبولیت حاصل نہین، اس کا سبب یہی ہے کہ وہ اعتدال پر قائم نہ رہ سکے، اور انکی شوخی اعتدال سے بڑھکر سوفیانہ پھکڑ ہو گئی، اگرچہ فانی کا رنگ یاس وناکامی ہے جس مین شوخیون کی زندہ دلی کو بار نہین، تاہم ان کا کلام اس سے یکسر خالی نہین، ذرا ان کی شوخ اداؤن کی بہار دیکھئے،

مجکو مضطر دیکھ کر ان کو حجاب آنے لگا | ہو چلی ہین وہ نگاہین رازدان اضطراب

کیون سادگی مین طور کچھ اب بانکپن کے ہین | کل تک تو سادگی کی ادا بانکپن مین تھی

آپکی آزردگی بھی بے سبب کی خوب ہے | کیا مزے کا ہے تقاضا عذرِ بے تقصیر کا

ہر آن فتنہ ہے ہر فتنہ اک قیامت ہے | ترا شباب ہوا وہ بلا جو آسمان نہ ہوا

نہ بن پڑا کوئی عذرِ جفا کسی سے تو ہائے | ادا وہ یاد ہے گھبرا کے روٹھ جانے کی

لبریز تموج تھا اک خطِ پیمانہ | محفل سے جو وہ اٹھے لیتے ہوئے انگڑائی

رُخ مری جانب نگاہِ لطف دشمن کی طرف | یون ادھر دیکھا کئے گویا ادھر دیکھا کئے

تمھین کس دل سے اپنی جان کہئے | وفا اس نے تو کی اور عمر بھر کی

زبان زبان بھی شاعری کا ایک حسن ہے لیکن اس باب میں نہ اس قدر غلو کرنا چاہئے کہ اصل الاصول اسی کو قرار دیدیا جائے اور اس سے زیادہ ضروری چیزیں مثلاً خیالات کی وسعت اور پاکیزگی وغیرہ کو بالکل قطع نظر کردیا جائے اور نہ اس قدر بے نیاز ہو جانا چاہئیے کہ زبان کے تمام قیود کو توڑ کر آزادی حاصل کرلیجائے، اگر دوسرے محاسن کے ساتھ زبان کی چاشنی بھی موجود ہو تو شعر اور زیادہ لطیف اور پسندیدہ ہو جاتا ہے، فانی کے یہان اس کی حلاوت بھی موجود ہے،

کہتے ہین کیا ہی مزے کا ہے فسانہ فانی | آپ کی جان سے دور آپکے مرجانے کا
آپ ہم اپنی آگ مین سے غم عشق جل بجھے | آگ لگے اس آگ کو پھونک دیا جلا دیا
سمجھو تو بہت فرق ہے اغیار مین مجھ مین | مین آپ پہ قربان وہ قربان تمنا
خفا نہ ہو تو یہ پوچھون کہ تیری جان کی دد | جو تیرے ہجر مین جیتا ہے مر بھی سکتا ہے
نہ بن انجان ظالم لاکھ بے تاثیر ہون نالے | خبر دل کی نہ ہو دل کو کہین ایسا بھی ہوتا ہے
میرے مرتے ہی دل بیتاب کو چین آگیا | زندگی صدقے مین اتری گردش تقدیر کے
جاتے ہوئے کھاتے ہو مری جان کی قسمین | اب جان سے بے زار ہوا بھی نہین جاتا

بندش وحسن ترکیب مضمون کے اختلاف کے ساتھ الفاظ اور ترکیب بھی بدلتی رہتی ہے، لطیف تخیل کے لئے نرم و نازک اور شیرین الفاظ مناسب ہین، اہم حادثہ، تیز و تند جذبہ اور ولولہ انگیز تخیل کے لیے پرشکوہ اور موثر الفاظ کی ضرورت ہے، اگر کسی لطیف تخیل کو پرشوکت الفاظ مین ادا کیا جائے تو اسکی ساری لطافت خاک مین ملجائے گی، اسی طریقے سے اگر کسی بلند جذبہ کے اظہار کے لیے نازک الفاظ استعمال کئے جائین گے تو مضمون پھسپھسا ہو جائے گا، اور سامع پر اس کا اثر کم پڑے گا، اگر یہ دونون باتین بھی موجود ہین لیکن الفاظ کی نشست نامناسب اور بندش چست نہین ہے تو شعر پست ہو جائے گا، فانی ان تمام باریکیون کی طرف پوری نظر رکھتے ہین، طالب و مطلوب کے باہم مقابلہ کے وقت طرفین پر جو حیرت طاری ہوتی ہے اس کو ان

الفاظ مین ادا کرتے ہین،

ان کو شباب کا نہ مجھے دل کا ہوش تھا ۔۔۔ اک جوش تھا کہ محو تماشائے جوش تھا

آخر مصرعہ کے الفاظ اور بندش کسطرح دونون کے منتہائے جذب کو واضح کرتے ہین،

انھین دونون نظرون کا تقابل چقماق کا پتھر سے رگڑ کھانے کے مساوی ہے، اور معشوق کا سامنے آنا برق کوندنے کے مرادف ہے،

بجلیان ٹوٹ پڑین جب وہ مقابل سے اٹھا ۔۔۔ مل کے پلٹی تھین نگاہین کہ دھوان دل سے اٹھا

الفاظ کی شوکت اور ترکیب، واقعہ کی اہمیت کو کس طرح ظاہر کر رہی ہے،

آنسوون کی حدت اور کثرت ملاحظہ ہو،

مری آنکھون مین آنسو تجھ سے ہمدم کیا کہون کیا ہے ۔۔۔ ٹھہر جائے تو انگارہ ہے بہ جائے تو دریا ہے،

جنون و دیوانگی کا اظہار اس طرح کرتے ہین،

ہے ہے وہ اہل ذوق کی زندان نوازیان ۔۔۔ سر پیٹتا ہون خانۂ زنجیر دیکھ کر

یہ مثالین جوش بیان شوکت الفاظ کی تھین، اب نازک اور شگفتہ ترکیبین بھی ملاحظہ کیجئے

سکون خاطر بلبل ہے اضطراب بہار ۔۔۔ نہ موج بوئے گل اٹھتی نہ آشیان ہوتا

بہار اپنی چمن اپنا قفس کی تیلیون تک ہے ۔۔۔ مبارک نکہت گل کو چمن بردوش ہو جانا

زندان کی چمن بندی و گل آرائی دیکھیے،

خون کے چھینٹون سے کچھ پھولون کے خاکے ہی سہی ۔۔۔ موسم گل آگیا زندان مین بیٹھے کیا کرین

اس مریض غم کا نقشہ ملاحظہ ہو جسکی تمام قوتین جواب دے چکی ہین اور اسکی ہستی حباب سے زیادہ نہین ہے

نالہ کیا ہان اک دھوان سا شام ہجر ۔۔۔ بستر بیمار سے اٹھا کیا

مذکورۂ بالا اصناف کے علاوہ سادگی اور برجستگی بھی اک کمال ہے، یعنی ایک خیال کو بلا تکلف

اور تصنع اس طرح سے کہدیا کہ معمولی گفتگو معلوم ہو،

مرا قتل ان کے ہاتھوں یہ تو باتیں   کچھ ان کے منھ کی ہیں کچھ نامہ بر کی

لکھ چکے ہم جا بجا خط گرہی حالت رہی   ہاتھ میں آیا قلم اور شوق کا دفتر کھلا

اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا   زندگی کاہے کو ہے خواب ہے دیوانے کا

فانی کو یا جنون ہے یا تیری آرزو ہے   کل نام لے کے تیرا دیوانہ وار رویا

سوز و گداز

فانی کا خاص رنگ سوز و گداز، خستگی و افتادگی ہے، اس سے مطلب نالہ و شیون یا مرثیہ و ماتم نہیں بلکہ درد آشنا دلوں کی وہ واردات ہیں جو سامع کے دل پر بھی وہی تاثرات طاری کردیتی ہیں جنھوں نے فانی کے قلب کو ایک حسرتکدہ بنا دیا ہے، فانی کی پرواز تخیل کا یہی اصلی جولانگاہ ہے جہاں آکر انکی شاعرانہ عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ سوز و گداز ہی شاعری کی روح ہے، شعر وہی ہے جو دل سے نکلے اور دل پر اثر کر جائے اور یہ اثر سوز و گداز کے علاوہ دوسرے جذبات میں کم پایا جاتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ سوز و گداز کا جذبہ تمام جذبات میں قوی تر ہے، اگرچہ سوز و گداز کا عنصر شاعری میں ابتدا سے تھا، لیکن میر تقی نے ان جذبات میں اس قدر رقت اور درد پیدا کر دیا کہ ان کے اشعار ٹوٹے ہوئے دلکی صدا ہوگئے کہ ان کو پڑھیے اور سر دھنیے، قدرت نے فانی کو بھی درد آشنا دل دیا ہے، اسلئے ان کی مجروح نے سے بھی وہی لے نکلتی ہے جس کے سننے کے لیے مولانا روم نے سینہ پاش پاش کی شرط لگائی ہے، مضمون بہت لمبا ہوگیا ہے، اسلیے اتنی گنجائش نہیں کہ اس رنگ کے تمام پہلو دکھائے جائیں، اسلئے ہم بلا کسی تشریح کے صرف ان اشعار کو نقل کئے دیتے ہیں جنمیں میر کی روح بولتی ہے،

دل کا اجڑنا سہل سہی بسنا سہل نہیں ظالم   بستی بسنا کھیل نہیں ہے بستے بستے بستی ہے

پھر ابر میں وحشت کی تصویر نظر آئی   لہرائی ہوئی بجلی زنجیر نظر آئی

سنکے تیرا نام آنکھیں کھول دیتا تھا کوئی   آج تیرا نام لے کر کوئی غافل ہو گیا،

مری محرومیون کا فیض جاری ہے رگ و پے مین بدن مین جو لہو کی بوند ہے خونِ تمنا ہے

کل تک جو تم سے کہہ نہ سکا حالِ اضطراب ملتی ہے آج اسکی خبر اضطراب سے

کوئی گھڑی اے بیخودیِ غم دم لینے دے سنبھلنے دے آ کوئی دم اسے ہوش کہ تجھ سے پوچھین گے کچھ ہی خبر ہم

دست تسلی دینے آئے لیکے دوائین چارہ گر آیا یعنی آئی زخم جگر پر اک اور تازہ آفت مرہم

نازک ہے آج شاید حالت مریضِ غم کی کیا چارہ گر نے سمجھا کیون زار زار رویا

فانی کو یا جنون ہے یا تیری آرزو ہے کل نام لے کے تیرا کیون بار بار رویا

شوق سے ناکامی کی بدولت کوچہ دل ہی چھوٹ گیا ساری امیدین ٹوٹ گئین دل بیٹھ گیا جی چھوٹ گیا

لیجئے کیا دامن کی خبر اور دست جنون کو کیا کہیئے اپنے ہی ہاتھ سے انکا دامن مدت گذری چھوٹ گیا

اف اس آزادی بے ہنگام کی مجبوریان مین قفس کے پاس بیٹھا ہی رہتا در کھلا

یا کہتے تھے کچھ کہتے جب اس نے کہا کہیئے تو چپ ہین کہ کیا کہیے کھلتی ہے زبان کوئی

نئی ترکیبین | فانی کے اشعار مین ناظرین کو جابجا نئی بندشین اور ترکیبین ملین گی، اور یہ اختراع ہر وسیع الخیال شاعر کے لیئے ناگزیر ہے، کیونکہ جب نئے خیالات نئے مضامین پیدا ہونگے تو اس کے لیے نئی بندشین نئی ترکیبین منئے اسالیبِ بیان بھی اختیار کرنا پڑین گے، اگرچہ یہ ارتقا فطری ہے تاہم ایک صاحب قلم اور صاحب زبان کا فرض بھی ہے کہ اپنے خیالات خوشنما الفاظ اور شگفتہ ترکیبون مین ادا کرے تاکہ حسن معنی کے ساتھ ظاہری دلکشی مین بھی فرق نہ آئے اور اگر قدیم الفاظ کا ذخیرہ اس کے خیالات کے احاطہ کرنے سے قاصر ہو تو شگفتہ اور دلکش ترکیبین، وضع کرے، لیکن اس کا لحاظ ضروری ہے کہ ترکیبین سبک، ہلکی اور شگفتہ ہون، ثقیل بھدے اور نامانوس الفاظ سے مرکب نہ ہون، تاکہ وہ زبان مین بلا تکلف کھپ جائین اور اس مین کسی قسم کی گرانی نہ پیدا ہو، فانی کے کلام مین اس قسم کی ترکیبین بکثرت ہین اور ان کو وہ اس خوش سلوبی سے ترکیب دیتے ہین کہ ذرا بھی نامانوس نہین معلوم ہوتین ذیل کی مثالون سے اسکا اندازہ ہوگا،

دلِ وفا خراب، اشکِ آوارۂ دامن، زندان نوازی، آشوبِ ہوش، سرمۂ تقاضا کھینچ، روشناسِ آگہی، ذراتِ صحرا بیزِ نالۂ شورش سلسل، ابتدائے قیامت آل وغیرہ،

ذاتی انسان ہین فرشتہ نہین، اسلیے ان گوناگون محاسن کے باوجود ان کا کلام اسقام شاعری سے بالکل پاک نہین، لیکن چونکہ خوبیون کے مقابلہ مین نقائص بہت کم ہین، اسلیے ہم ان کو نظر انداز کرتے ہین،

بزمِ ایران

یہ ایک جامع فرحت بخش و نصیحت آموز کتاب ہے، بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی، بزم آرائی، حاضر جوابی، رجال، تاریخ و ادب، اخلاق، عادات، حالات و حرکات، جسمیات و نفسیات پر پیچیدہ مضامین مستند و کم یاب ذرائع سے آیۃ اللہ زادہ یزدی حاجی سید محمد رضا صاحب طباطبائی نے اپنی ہمروزہ فارسی مین فراہم کرکے شائقین علم ادب و ماہرین فن علم مجالس کو نعمت غیر مترقبہ بخشی ہے، انبیا و اولیا، حکما، شعرا، فلاسفر و شاہان کے لطائف، و بزرگان دین و یورپین مصنفین کے مقالات، مروجہ فارسی کلام سے کتاب کو مزین کیا ہے، نہایت خوشخط، چھپائی دلفریب بندش، صفحات ۴۸۵ قیمت مجلد صعہ، غیر مجلد سے علاوہ محصول ڈاک،

مرزا محمد علی کشمیری آریاست رامپور سے طلب فرمائیے،

اسلامی خلافت کا کارنامہ حصہ دوم، جناب حاجی محمد موسیٰ خان صاحب رئیس دتاؤلی ضلع علیگڈہ کی کتاب "اسلامی خلافت کا کارنامہ" کے حصہ اول پر تفصیلی تبصرہ معارف بابتہ اکتوبر ۱۹۲۵ء مین ہوچکاہے اب اس کا دوسرا حصہ مولوو ہمایون شائع ہوا ہے، جس مین آنحضرت صلعم کی ولادت باسعادت سے بعثت عقبہ تک کے جامع حالات مختصر طور پر ایک خاص اسلوب مین بیان کئے گئے ہین، اور آخر مین آپکی مذہبی و اخلاقی اصلاحون کا تذکرہ ہے، کتاب ۱۰۲ صفحون پر تمام ہوئی ہے، قیمت درج نہین ہے، مشرف منزل علیگڈہ سے ملیگی،

خلق محمدی، انجمن خدام الدین لاہور اسلام کی اشاعت وحفاظت کے سلسلہ مین مدت سے چھوٹے چھوٹے مفید رسالے شائع کر رہی ہے، اسی سلسلہ مین اس کا ایک جدید رسالہ "خلق محمدی" تبصرہ کے لیے آیا ہے جس مین پہلے انسان کو شریعت اسلامی کے رو سے کافر محارب، غیر محارب، منافق اور مومن مین تقسیم کیا گیا ہے، اور اس کے بعد ان مین سے ہر ایک کے ساتھ آنحضرت صلعم کے جو مکارم اخلاق تھے، ان کا نمونہ آیات واحادیث سے پیش کیا گیا ہے، زبان صاف اور طرز ادا بہتر ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۴۰ صفحے لکھائی چھپائی اور کاغذ اچھا ہے، انجمن خدام الدین لاہور کو دو پیسے کا ٹکٹ بھیجکر رسالہ مفت طلب کرین اور اگر دو پیسے کے اور ٹکٹ بھیجدین تو چند مفید رسالے اور بھی مفت بھیجے جائینگے،

کلید، مولوی عبد الستار خان صاحب عربی علم ادب کے شائقین کے لیے عربی صرف ونحو اور مشق ترین پر کلید کے نام سے رسالے لکھ رہے ہین، اس کا دوسرا حصہ پیش نظر ہے، جسمین عربی سے اردو اور اردو سے عربی بنانے کے لیے چھوٹے چھوٹے جملے بتدریج بڑھاتے ہوئے مختلف اسباق مین جمع کئے گئے ہین، اسکی خصوصیت یہ ہے کہ اکثر مشقین قرآن مجید کی آیات سے تیار کیگئی ہین، حجم چھوٹی تقطیع پر ۵۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اچھی

قیمت ۱؍ پتہ: - جناب مولوی عبدالستار خان صاحب بتوسط جناب مولوی شرف الدین صاحب تاجر کتب
مصریہ بھنڈی بازار بمبئی نمبر ۳

سب دھرموں کی ایکتا، جناب بابو شری بھگوان داس صاحب کی ایک تقریر کو اس رسالہ
کی صورت میں شائع کیا گیا ہے، اس میں سب سے پہلے ۱۹۲۰ء کی تحریک شدھی سے کانگریس کے وقار اور اسکی
جد و جہد کو صدمہ پہنچنے اور اس کے علل و اسباب سے بحث کیگئی ہے، پھر سوراج، اور مذہب کی تشریح کر کے
اصول ادیان کی یکسانی، باری تعالیٰ، انبیائے کرام، شرائع و احکام، طریق عبادت، قومی خصوصیات، اور مذہبی ادوار
کو تمام موجودہ مذاہب خصوصاً ہندو دھرم اور مذہب اسلام میں دکھا کر بتایا گیا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب در حقیقت
ایک ہیں صرف اسماء و تعبیرات کا فرق ہے، اور آخر میں اشاعت مذہب کے مروجہ طریقہ کے نقائص دکھا کر انسانیت
کی اشاعت کی تلقین کیگئی ہے، مؤلف نے اپنے دلائل میں ہندو دھرم کی مقدس کتابوں اور قرآن مجید کی آیات
پیش کی ہیں، جناب مؤلف سے اگرچہ ایک آدھ موقع پر مثلاً مسئلۂ تناسخ میں ہمیں اختلاف ہے، لیکن ان کے یہ
صلح کل جذبات لائق صد آفرین ہیں، رسالہ کا حجم ۵۰ صفحے باریک ٹائپ میں ہے اور اتنے ہی صفحات پر ہندی
رسم الخط میں اردو کے بالمقابل یہی مضمون درج ہے، پتہ: - منیجر صاحب گیان منڈل پریس بنارس،

گلشن حیات، حضرت شاد عظیم آبادی مرحوم دور حاضر کے میر سمجھے جاتے تھے، اور جائے مسرت ہے
کہ سخن شناسوں نے ان کی زندگی ہی میں ان کے شایان شان انکی قدر و منزلت کی جس کا بہترین ثبوت یہ ہے
کہ ان کی حیات ہی میں، ان کے سوانح "حیات شاد" کے نام سے شائع ہوئے، یہ کتاب اس درجہ مقبول ہوئی کہ جناب مولوی
سید معین الدین صاحب قیس رضوی سید آبادی و عظیم آبادی کو جو ان کے ارشد تلامذہ میں ہیں، اس کا دوسرا اڈیشن
بہت جلد شائع کرنا پڑا، دوسرا اڈیشن "گلشن حیات" کے نام سے بہت کچھ حذف و اضافہ اور ترتیب و تہذیب میں
تغیر و تبدل کے بعد شائع کیا گیا ہے، چنانچہ اس میں ان کے عام سوانح حیات کے علاوہ ان کی شاعری پر تبصرہ
کر کے مختلف اصناف شاعری پر ان کے کلام کا نمونہ پیش کیا گیا ہے، اس کے علاوہ "طرز اصلاح" اور نمونہ

اصلاح بر کلام تلامذہ" بھی ایک دلچسپ باب ہے، اور اس کے بعد تلامذہ کا تذکرہ ہے جسمین ان کے ممتاز اور ارشد تلامذہ کے مختصر حالاتِ زندگی انتخابِ کلام کے ساتھ پیش کئے گئے ہین جسکی وجہ سے چودھوین صدی کے تقریباً ۴۳ شعرائے بہار کے حالات اور نمونۂ کلام منضبط ہو گئے ہین، رسالہ کی زبان صاف شستہ اور طرز ادا بہتر ہے، اگر جناب مؤلف اسی سلسلہ مین "تذکرۂ شعرائے بہار" کا بیڑا اٹھائین تو مزید شکریہ کے مستحق ہون گے، ضخامت ۱۶۴ صفحے، لکھائی چھپائی اور کاغذ خاصہ ہے، قیمت عہ، جناب مؤلف سے اقبال منزل لودی کٹرہ پٹنہ سٹی کے پتہ سے ملے گی،

انقلابِ فرانس، فرانس مین ۱۷۸۹ء مین شاہ پسندون کے خلاف ایسا عظیم الشان انقلاب برپا ہوا جس نے سارے یورپ کی تاریخ مین ایک جدید دور کی بنا ڈالی، اس انقلاب کے صحیح سبق آموز اور دلچسپ حالات ناول کے طرز مین یورپ کی متعدد زبانون مین لکھے گئے، انہی مین سے کسی ایک کا ترجمہ مصر کے اہلِ قلم نے سورۃ فرنسا کے نام سے کیا، اور مولانا عبد الرزاق صاحب ندوی ملیح آبادی مدیر اخبار پیغام کلکتہ نے اس عربی ترجمہ کو کسی قدر تلخیص کے ساتھ، "انقلابِ فرانس" کے نام سے اردو مین منتقل کیا ہے جس مین انقلابی تحریک کی نشو و نما، خفیہ انجمنون کی ساز باز، سیاسی ہنگامہ آرائیان اور خونریز معرکہ آرائیان خاص طور پر نمایان ہین، ترجمہ کو عام فہم بنانیکی خاص کوشش کیگئی ہے، حجم ۱۹۲ صفحے، کاغذ عمدہ، اور لکھائی چھپائی خاصی ہے، قیمت قسم اول عہ، قسم دوم ۱۲؍ پتہ :- جناب منیجر صاحب صدیق بک ڈپو لکھنؤ،

ازہار العرب، مولوی دین محمد خانصاحب ثاقب لکچرر ڈھاکہ یونیورسٹی نے مدارس کے ابتدائی درجون کو عربی انشا، اور خط و کتابت سکھانے کے لیے یہ رسالہ تالیف کیا ہے جسمین پہلے چھوٹے چھوٹے پر لطف قصے ہین، پھر حیوانات کے متعلق معلومات ہین، اور آخر مین مختلف اعزہ و احباب وغیرہ کے نام خطوط کے نمونے ہین، ہر سبق کے مشکل الفاظ کا حل بھی دیدیا ہے۔ قیمت ۶؍ جناب مولف سے مولوی بازار ڈھاکہ کے پتہ سے طلب کرین،

"م"

کلیات ۔ مولانا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنوی آ
قطعات کا مجموعہ، جو ایک مستقل طور سے دیوان شبلی، دستۂ گل
بوئے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اس میں
یکجا کر دیئے گئے ہیں، ۲۰ پونڈ کے ولایتی کاغذ پر نہایت
عمدہ چھپا ہے، قیمت عہ ر

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ
جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے، اور
وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور کی
طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی
گئی تھیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے پچھلے سال
جدوجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے لکھائی چھپائی کاغذ اعلی ۸ر

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

عربی زبان میں مولانا نے قرآن پاک کی تفسیر کا جو سلسلہ
شروع کیا ہے اس کے حسب ذیل نمبر چھپکر تیار ہیں، یہ تفسیر
بالکل جدید طرز پر لکھی گئی ہے جس کی خاص خصوصیت قرآن پا[ک]
کی باہم آیتوں کا ربط و نظام اور بعض عجیب حقایق مستور[ہ]
کا تسلی بخش انکشاف ہے،

تفسیر سورہ والذاریات، ۲ر
تفسیر سورہ اللهب، ۴ر
تفسیر سورہ والتین، ۴ر
تفسیر سورہ والکوثر، ۴ر
تفسیر سورہ القیامہ، ۴ر
تفسیر سورہ عبس، ۴ر
تفسیر سورہ والمرسلات، ۴ر

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح، عربی میں حضرت اسمعیل
کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پر زور رسالہ، یہودیوں،
عیسائیوں کے اس باب میں ہر قسم کے اعتراضات کا
دفع کر دیا ہے،

اسباق النحو حصہ اول و دوم، اردو میں
عربی گرامر، ۲ر ۵

دیوان حمید، مولانا کا فارسی دیوان جو صحت
اور خوبی بیان میں اس عہد میں بے نظیر ہے،

تحفۃ الاعراب، عربی کی نحو جدید اردو نظم میں
بچوں کے حفظ کے لئے،

خرد نامہ منظوم، خاص فارسی زبان میں حضرت
کے امثال کا ترجمہ،

دیوان فیض، مشہور ادیب زمانہ مولانا فیض
صاحب سہارنپوری کے عربی قصائد کا مجموعہ جو پڑ
سے مولانا حمید الدین صاحب نے فراہم کیا ہے،

مولانا سید سلیمان ندوی،

سیرۃ نبوی حصہ معجزات، قیمت عـہ ر
ارض القرآن حصہ اول، عرب کا قدیم جغرافیہ
سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تا[ریخ]
طرح لکھی گئی ہے جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واق[عات]
یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ
سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، قیمت
ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن میں
مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمعیل، اصحاب

اصحاب، بجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۴۵۱ قیمت، عہ

سیرت عائشہؓ، طبع دوم، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات اور اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات ہے

دروس الادب عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترجمہ قیمت ۲ر

دوسری ریڈر طبع سوم ۴ر

رسالہ اہل السنت والجماعہ، فرقہ اہل سنت والجماعہ کے اصولی عقائد کی تحقیق، طبع دوم ۸ر

حیات مالک، امام مالک کی سوانح عمری اور موطائے امام مالک پر تبصرہ عہ

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانان ہند اور خلفائے اسلام کے تعلقات اور سلاطین کے سکوں اور کتبوں سے ان کا ثبوت ۸ر

دنیائے اسلام اور خلافت، موجودہ عہد میں خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کیلئے دنیا کی مسلمان قومیں کیا جد و جہد کر رہی ہیں، مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہیں، قیمت ۶ر

خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام، اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانوں اور اسلامی ملکوں کی گذشتہ صدیوں میں کیا کیا خدمتیں انجام دی ہیں، عہ

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتوں کے جنگی اور اخلاقی بہادری کے کارنامے طبع سوم، ۴ر

البشریٰ، عیسائیوں کا اعتراض تھا کہ مسلمانوں کا خدا قہار و جبار ہے، اس میں اس کا جواب دیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ اسلام میں محبت اور رحمت الٰہی کا کیا درجہ ہے، اور مذہب کس قدر ہمہ تن محبت ہے اور اس باب میں اسلام کی تعلیم کیا ہے؟ قیمت ۸ر

لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ

خطبات مدراس، یعنی سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ لکچر جو گویا آنحضرت صلعم کی تمام پیغمبرانہ زندگی کا خلاصہ ہیں، قیمت عہ

مولانا عبد السلام ندوی،

اسوۂ صحابہ جلد اول، صحابہؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر، اور قرون اولی کے اسلام کا عملی خاکہ، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے، ضخامت ۴۰۰ صفحے قیمت ہے

ایضاً جلد دوم، صحابہؓ کے سیاسی انتظامی اور علمی کارناموں کی تفصیل ضخامت ۴۵۰، قیمت للعہ

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ، طبع دوم قیمت ۵ر

اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارناموں کا مرقع، عہ

سیرت عمر بن عبد العزیزؒ، حضرت عمر بن عبد العزیز

مسعود علی ندوی منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۷۸

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

جون ۱۹۲۷ء

قیمت ۵؎ سالانہ

مطبع معارف میں چھپکر

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ سے شائع ہوا

فہرست کتبخانہ تجارتی دارالمصنفین اعظم گدھا

علامہ شبلی نعمانی

سیرۃ النبی صلعم حصہ اوّل طبع دوم تقطیع ۲۰×۳۰ حالات نبوی از ولادت تا ختم غزوات قیمت باختلاف کاغذ [illegible]

ایضاً حصہ دوم، کارنامہ نبوی تکمیل شریعت، تاریخ احکام، وفات اخلاق و شمائل وغیرہ طبع اول قیمت قسم اعلیٰ تقطیع کلان [illegible]

ایضاً حصہ دوم، طبع دوم قیمت باختلاف کاغذ تقطیع خورد قیمت [illegible]

ایضاً حصہ سوم تقطیع کلان قسم اول [illegible] قسم سوم [illegible]

الفاروق، حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت مطبوعہ معارف پریس، قیمت، [illegible]

المامون، خلیفہ مامون الرشید کے عہد سلطنت کے حالات مطبوعہ معارف پریس، [illegible]

الغزالی، امام غزالی کی سوانحعمری اور ان کا فلسفہ [illegible]

سیرۃ النعمان، امام ابوحنیفہ کی سوانحعمری اور ان کے اجتہادات اور مسائل، [illegible]

سوانح مولانا روم مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانحعمری مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر تقریظ [illegible]

رسائل شبلی مولانا کے گیارہ مختلف علمی مضامین کا مجموعہ قیمت [illegible]

مقالات شبلی مولانا کے تیرہ مختلف مضامین کا مجموعہ، [illegible]

شعر العجم حصہ اوّل، شاعری کی حقیقت، فارسی شاعری کا آغاز، قدماء کا دور، [illegible]

ایضاً حصہ دوم، شعرائے متوسطین کا دور، [illegible]

ایضاً حصہ سوم، شعرائے متاخرین کا دور، [illegible]

ایضاً حصہ چہارم، فارسی شاعری پر ریویو [illegible]

ایضاً حصہ پنجم، فلسفیانہ صوفیانہ اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ، [illegible]

الانتقاد علی التمدن الاسلامی، جرجی زیدان کے تمدن اسلامی پر عربی میں ریویو، [illegible]

موازنۂ انیس و دبیر، مرثیہ کی تاریخ اردو میں اصول تنقید اور فصاحت و بلاغت کی تشریح اور میر انیس کی شاعری کا اس معیار سے موازنہ قیمت [illegible]

سفرنامۂ روم و مصر و شام، مطبوعہ معارف پریس قیمت [illegible]

مضامین عالمگیر شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر پر اعتراضات اور ان کے جوابات قیمت باختلاف کاغذ طبع [illegible]

علم الکلام، مسلمانوں کے علم کلام کی تاریخ اس کی عہد بعہد کی ترقیاں اور علمائے متکلمین کے نظریات اور مسائل، طبع چہارم مطبوعہ معارف پریس قیمت [illegible]

الکلام مولانا کی مشہور تصنیف جدید علم کلام جس میں عقلی دلائل سے مذہب کو فلسفہ کے مقابلہ میں ثابت کیا ہے اور ملاحدہ اور منکرین کے دلائل کا رد کیا ہے، طبع سوم مطبوعہ معارف پریس قیمت [illegible]

مجلد نوزدہم	ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۵ھ مطابق ماہ جون ۱۹۲۷ء	عدد ششم

مضامین

شذرات

ہندوستان کے کہنہ مشق اور فارسی کے مسلم الثبوت شاعر حضرت گرامی نے ۲۶ مئی ۱۹۲۷ء کو چند روزہ علالت کے بعد اس دنیائے فانی کو الوداع کہا، مرحوم پنجاب کے ضلع جالندھر کے رہنے والے تھے، فارسی شاعری سے ان کو فطری لگاؤ تھا، کچھ دنوں امرتسر کے ایک اسلامی مدرسہ مین معلم رہے، پھر اعلیٰ حضرت نظام سابق مرحوم کی قدر شناس نگاہ نے ان کو تاکا، اور اپنے دربار کا فارسی شاعر مقرر کیا، اخیر عمر مین حیدرآباد سے جالندھر آکر جب قیام کیا، تو ان کی صحبت اور فیض اثر سے متعدد نوجوان اردو شاعر پیدا ہوئے جنمین ابوالاثر حفیظ، اور سالک کے نام سب سے اونچے ہین، ڈاکٹر اقبال نے بھی جب سے فارسی مین کہنا شروع کیا، ان سے استفادہ مین دریغ نہین کیا، زبان کے معاملہ مین وہ ان کی سند تھے، افسوس ہے کہ اب کشور ہند ایسے یگانہ نادر کے وجود سے ہمیشہ کے لیے خالی ہوگیا،

مرحوم سے صرف ایک دفعہ آل انڈیا شعراء کانفرنس دہلی منعقدہ ۲۳ء مین ملاقات ہوئی تھی، بے حد ملنسار، متواضع اور مرنج مرنجان آدمی تھے، ایک سال پہلے تک ان کے اکثر خطوط میری عزت بڑھاتے رہتے تھے، اور کبھی کبھی معارف کے صفحون کو بھی اپنے نغمون سے معمور کیا کرتے تھے، مولانا شبلی مرحوم کے تعلق اور ان سے حیدرآباد کی یکجائی اور شاعری کی ہم آہنگی کا اثر یہ تھا کہ وہ مولانا مرحوم کی اس یادگار کو بزرگانہ محبت کی نگاہون سے دیکھا کرتے تھے، افسوس کہ یہ فیض اب ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا،

اسلامی ممالک کو اپنی بیداری کے بعد اپنے سیاسی اور اقتصادی مشکلات کے حل کرنے مین، اور

اپنی بقا اور قیام کے لیے جد و جہد مین اس قدر منہمک رہنا پڑا کہ خالص علمی مباحث خواہ وہ قدیم ہون یا جدید ان سے مجبوراً ان کو بے اعتنائی روا رکھنی پڑی۔ اس بڑی لڑائی کے بعد جب کہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا، اور بہت حد تک ان کو اب اطمینانِ خاطر نصیب ہوا، تو ان کو اب ادھر بھی توجہ اور التفات کی فرصت ہاتھ آئی، اس سلسلہ مین جامعۂ ترکیہ قسطنطنیہ، جامعۂ آل البیت عراق، اور جامعہ دمشق اور مجمع علمی عربی کے نام لیے جا سکتے ہین، ایران اور افغانستان کی علمی اور تعلیمی کوششین بھی اس ضمن مین ذکر کے قابل ہین،

موجودہ عربی زبان کے سب سے بڑے شاعر احمد شوقی بے مصری کی بزم تہنیت اور جوبلی مین جسمین عربی ممالک کے تمام شعرا اور اہل قلم نے تقریراً یا تحریراً شرکت کی تھی، یہ تجویز زیر غور آئی ہے کہ تمام عربی ممالک جو سیاسی حیثیت سے متفرق اور منقسم ہین، کم از کم علمی حیثیت سے ان کو ایک نظام اتحاد مین منسلک کر دینا چاہیئے یعنی عربی زبان کی ایک ایسی علمی و ادبی مجلس قائم کیجائے جسمین عراق و شام و مصر و عرب ہر ملک کے باشندے شریک ہو کر اپنی قومی و لسانی وحدت کا ثبوت دین، امید ہے کہ یہ تجویز اگر عمل مین آگئی تو عربی زبان کی ترقی کا یہ ایک نیا انقلابی قدم ہوگا، اور ہر ملک مین جو علحدہ علحدہ ملکی عربی زبان پیدا ہو گئی ہے، وہ مٹ کر ایک متحدہ عربی زبان پیدا ہو جائے گی،

اس سلسلہ مین یہ خبر بھی مسرت کے ساتھ سنی جائے گی کہ ہندوستان کی اردو زبان بھی اسلامی ممالک مین اپنا اثر اور رسوخ پیدا کرتی جا رہی ہے، افغانستان کے محکمۂ تراجم نے اردو زبان سے مولانا شبلی نعمانی کی المامون اور شعر العجم کا، مولانا نذیر احمد کی بنات النعش، مولوی سید علی بلگرامی کی تمدن عرب، مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی کی فلسفۂ جذبات کا فارسی مین ترجمہ کیا ہے، ترکی مین ہندوستان کے ایک انگریزی تعلیم یافتہ صاحب ذوق اہل قلم مولوی ظفر حسن صاحب کے قیام کے سبب سے ترکون کو اردو تصنیفات یا ہندوستان

مین لکھی گئی انگریزی اسلامی تصنیفات سے واقفیت کا ذریعہ بہم پہنچاہے، اس سلسلہ مین ڈاکٹر آرنلڈ کی دعوت اسلام (پریچنگ آف اسلام) کا ترجمہ پروفیسر خلیل خالد بے نے "انتشار اسلام تاریخی" کے نام سے اور جان ڈی وینپورٹ کی اپالوجی فار محمد اینڈ قرآن کا ترجمہ حضرت محمد و قرآن کریم "کے نام سے اور مسٹر امیر علی کی اسپرٹ آف اسلام کا ترجمہ روح اسلام کے نام سے اور مولوی محمد علی ایم اے لاہوری کی لائف آف محمد کا ترجمہ پیغمبر مز کے نام سے عمر رضا بے نے کیا ہے،

اردو کتابون مین سے مولانا شبلی مرحوم کی مشہور آفاق کتاب الفاروق کا ترجمہ حضرت عمرؓ کے نام سے ترکی مین بھی شائع ہوا ہے، ظفر حسن صاحب نے پہلے اس کا اردو سے انگریزی مین، اور عمر رضا بے نے اس انگریزی ترجمہ سے اس کا ترکی مین ترجمہ کیا، جو ۴۱۵ صفحون مین متوسط تقطیع پر ٹائپ مین چھپا ہے، یہ اچھا کیا ہے کہ اصل کتاب کے حوالے بھی حاشیہ مین باقی رکھے ہین آخر مین دو ضمیمے ہین، پہلے ضمیمہ مین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کے مختصر حالات اس تعلق سے دیئے گئے ہین کہ الفاروق مین شاہ صاحب رحمہ اللہ المغفور کا بار بار حوالہ آتا ہے، دوسرے ضمیمہ مین خود مصنف یعنی مولانا شبلی مرحوم کے مختصر سوانح درج ہین جن مین دار... کا بھی ذکر آگیا ہے،

جنوری ۲۶ء کے رسالہ مین واقدی پر ڈاکٹر ہارویم کے جواب مین جو تنقیدی مضمون لکھا گیا تھا بحمد اللہ کہ اکثر اہل علم نے اسکی قدر افزائی فرمائی، اور اسکو اسلام کی ایک اہم خدمت قرار دیا، ایک مقیم حجاز صاحب علم نے یہ تحریک کی ہے کہ اس کا عربی مین بھی ترجمہ کیا جائے، اپریل ۲۷ء سے اسکا انگریزی ترجمہ اسلامک ریویو (ووکنگ، انگلینڈ) مین اصل مخاطب کے لیے شائع ہو رہا ہے، دیکھین اب ادھر سے اس کا جواب کب تک ملتا ہے؟

اُدھر مسیحی یورپ کے مخالف اہل قلم کی طرف سے انتظار ہو تو ہو مگر اسلامی ہندوستان کے بعض دوست اہل قلم کی طرف سے ہم کو انتظار کرنا نہیں پڑا، مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ کے ایک عالم مولانا محمد ظفر الدین صاحب قادری نے جو ہمارے کرمفرما بھی ہیں، ایک خط کے ذریعہ سے ہم کو ہماری اس لغزش پر تنبیہ کی ہے، اور چاہا ہے کہ ہم ان کا جواب رسالہ میں دیں۔

ممدوح کا والانامہ حسب ذیل ہے:۔

مولانا المحترم دام مجدکم۔ السلام علیکم معارف نمبر ۱۹ میں بجواب انقرفتو لیم آپکا مضمون دیکھکر یہ چند سطریں گذارش خدمت ہیں،

۱۔ جناب جیسے نعمانی حامی مذہب حنفیہ سے امام محمد بن عمر واقدی کے جرح کی ترجیح سخت تعجب خیز ہے جبکہ جرح کے ساتھ ساتھ زبردست توثیق بھی مذکور ہے اگر کسی نے متروک کہا تو امیر المومنین فی الحدیث کہنے والے بھی موجود ہیں ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب،

۲۔ محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام کی جلالتِ شان آپ جیسے فاضل سے مخفی نہیں وہ فتح القدیر میں وثقہ الواقدی فرماتے اور تضعیف کو مخالف کا فعل ٹھہراتے ہیں کیا آپ اپنی وسعت نظری پر امام ابن الہمام کی تحقیق کو مقدم رکھکر وسعتِ اخلاق کا ثبوت دے سکتے ہیں؟

۳۔ امام ابن دقیق العید کتاب الامام فی شرح الالمام میں فرماتے ہیں ہمارے شیخ حافظ الحدیث امام ابو الفتح رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مغازی و سیر کے شروع میں ان سب کے اقوال جمع کئے جنھوں نے واقدی کو ضعیف کہا اور جنھوں نے ثقہ کہا، پھر ان کی توثیق کو ترجیح دی اور جو کچھ جرحیں ان پر کیگئیں سب کے جواب دیئے ذکرہ المحقق فی فتح القدیر کیا ان جرحوں کی وجہ سے جنکو ایک ایک کرکے محقق سیر نے رد کردیا ہو آپ جیسے وسیع النظر کے لیے رجحان پیش نظر نہ صرف فتح القدیر ہی ہے

بلکہ کتاب الامام ابن دقیق العید و مغازی امام ابو الفتح بھی ضرور نظر سے گذری ہوگی، امام واقدی کو رد کرنا قرین صواب ہے؟ امید کہ آئندہ پرچہ میں جواب سے عزت افزائی فرمائی جائے،

اول ہم اپنے دوست کی اس عنایت و کرمفرمائی کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے ہماری تحریر کو اعتنا اور التفات کے لائق سمجھا، اس کے بعد اصل بحث کے متعلق اس پورے خط سے اتنا معلوم ہوا کہ امام ابن الہمام نے فتح القدیر کے کسی مقام پر واقدی کو ثقہ کہا ہے، اور یہ لکھا ہے کہ ہم (یعنی حنفی) اسکو ثقہ سمجھتے ہیں، افسوس ہے کہ ہمارے کرمفرما نے فتح القدیر کے کسی باب یا صفحہ کا حوالہ نہیں دیا ہے، جس سے اصل موقع کا پتہ لگ سکے، تاہم یہ عرض ہے کہ نقد و جرح کے معاملہ کو حنفی و شافعی سے کوئی تعلق نہیں، اور نہ کہیں اصول میں یہ بحث آئی ہے، یہ فرقہ بندی فقہ اور اصول میں تو بیشک ہے مگر اسماء الرجال اور نقد و جرح رجال میں نظر سے نہیں گذری، زیادہ سے زیادہ جو چیز اس بحث میں آئی ہے، وہ فقیہ راوی کو غیر فقیہ راوی پر ترجیح دینے کا مسئلہ ہے،

اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ ثابت ہوگا کہ نویں صدی کے ایک مشہور حنفی امام (ابن الہمام المتوفی سنہ ۸۶۱ھ) نے کسی وجہ سے اوسکو ثقہ تسلیم کیا ہے، اس سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، پھر آپ کی پیش کردہ عبارت کے مقابلہ میں انہی امام ہمام اور ان کی اسی کتاب فتح القدیر کی ایک عبارت ہم بھی پیش کیا چاہتے ہیں،

"قال ابن القطان هو مرسل ومع ارساله فيه قيس بن مسلم وهو ابن الربيع وقد اختلف فيه وهو ممن ساء حفظه بالقضاء وقال ابن سعد فى الطبقات من طريق ليس فيها قيس.. . لانكح نساؤهم ولا تؤكل ذبائحهم وفى سنده الواقدى" (کتاب النکاح جلد ۳ صفحہ ۱۳۰، مصر)

غور کیجئے کہ اصل معنی روایت کے ثبوت کی کوشش کے ساتھ واقدی کے ذریعہ سے اوسکو قوت بہم

پہنچانے مین امام موصوف کو کس قدر تامل ہے آپ ہی انصاف سے فرمائین کہ محدثین کے نزدیک دفی سندٖ فلان لکھنے مین یہ تنبیہ مقصود ہوتی ہے یا نہین کہ اس روایت کا یہ راوی کمزور اور ضعیف ہے، جیسا کہ اس کے اوپر ہی کی عبارت مین جسکو ہم نے نقل کر دیا ہے، آپ کو نظر آرہا ہے، یہ عام محاورہ ہے جسکو ہر عالم حدیث جانتا ہے، ورنہ ضرورت کیا تھی کہ تمام راویون مین سے امام ابن ہمام صرف واقدی ہی کا ہاتھ پکڑین، فتأمل

جناب کو اتنے ہیر پھیر سے یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ امام ابن ہمام نے فتح القدیر مین لکھا ہے کہ ابن دقیق العید نے اپنی کتاب الامام فی شرح الالمام مین لکھا ہے کہ میرے استاد امام ابو الفتح نے اپنی کتاب مغازی وسیر کے شروع مین ان سب کے اقوال جمع کر دیے ہین جنھون نے واقدی کو ضعیف کہا اور جنھون نے ثقہ کہا، پھر ان کی توثیق کو ترجیح دی اور جو کچھ جرحین ان پر کیگئین سب کے جواب دیے، صاف لکھدیتے کہ امام ابو الفتح نے اپنی مغازی مین ایسا لکھا ہے، بحمد اللہ کہ آپکے حسن ظن کے مطابق مغازی وسیر کا قلمی نسخہ ہمارے پیش نظر ہے، امام ابو الفتح کی مشہور کنیت یعنی سید الناس ہے، امام ابو الفتح محمد بن محمد المعروف بابن سید الناس الاندلسی المتوفی ۷۳۴ھ موصوف کی کتاب کا نام عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر ہے، اگر آپ معارف استیعاب سے پڑھتے ہین، تو اس کا حوالہ آپ کو مضمون واقدی کے پہلے نمبر (بجواب پروفیسر مارگولیوتھ) جنوری ۱۹۲۷ء صفحہ ۱۳ سطر ۶ مین آپکو ملے گا،

معارف مین اس موقع کی عبارت یہ ہے:-

"محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر واقدی کا حامی اور مدافع علامہ ابن سید الناس اندلسی المتوفی ۷۳۴ھ سے زیادہ کوئی نہین، انھون نے ان دونون کے متعلق جس قدر توثیق اور استناد کے اقوال تھے سب کو اپنی کتاب عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر کے مقدمہ مین یکجا کر دیا ہے"

اس مقدمہ مین امام ابو الفتح ابن سید الناس نے یہ سب کچھ نہین کیا ہے، جو کچھ کیا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے ان کی توثیق کے اقوال ایک ایک کر کے نقل کئے ہین، پھر واما الکلام فیہ فکثیر جدا (یعنی ان پر اعتراضات تو بہت زیادہ ہین) کہکر مختصر الفاظ مین انکی تضعیف کے اقوال نقل کئے ہین، اور ان سب کا ایک ہی جواب یہ دیا ہے کہ واقدی کی روایتین بے حد اور بے پایان ہین، اور جو اس کثرت سے روایت کرے گا، اوسکی روایتون مین غریب روایتون کا بھی بڑا حصہ شامل ہوگا، اسی لیے لوگون نے واقدی کو مطعون کیا ہو، اس مختصر و مجمل جواب کو اپنے اس فقرہ سے ملا کر دیکھیے کہ "اور جو کچھ جرحین ان پر کیگئین سب کے (امام ابو الفتح نے) جواب دیئے"

مولانا ذرا درس و تدریس کے گوشۂ عزلت سے باہر قدم نکالیے، اور دیکھئے کہ یہ وقت کیا ہے؟

وقت آن است کہ خیمہ بزنی در کہسار

یہ وقت حنفی اور شافعی عصبیت کا نہین ہے، یہ اسلامی عصبیت کا وقت ہے، آپ کو خدا نے جو علم و فضل دیا ہے، اس سے حنفیت و شافعیت کی نہین، بلکہ اصل اسلام کی خدمت انجام دیجئے، کہ دشمن کا حملہ اس وقت آپ کے اندرونی فرقہ وارانہ خانگی اختلافات پر نہین، بلکہ عین اسلام اور روایات اسلام پر ہے، یہ صفین و جمل کا وقت نہین بدر و حنین کا وقت ہے،

دار المصنفین کی طرف سے اس سہ ماہی (جون) مین نطشے ارکان کی خدمت مین بھیجی جا رہی ہے، اس مین اس مشہور جرمن فلاسفر کے سوانح، تصنیفات خیالات اور مسائل پر اختصار کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے، انشاء اللہ آئندہ سہ ماہی مین سیر الصحابہ کے سلسلہ مین خلفائے اربعہ شائع ہوگی، جو تقریباً نصف چھپ چکی ہے،

دارالمصنفین نے اپنی تصنیفات، تالیفات اور تراجم مین دین و دنیا دونون کو جمع کرنا چاہا ہے، اس وقت اردو زبان اور اردو دان مسلمانون کو ہمارے خیال مین دو قسم کی ضرورتین ہین ایک یہ کہ خالص اردو دانون یا عربی دانون کے لیے ہماری زبان مین جدید علوم اور جدید خیالات کا سرمایہ منتقل ہو، اور خصوصاً وہ قدیم معیاری کتابین (کلاسیکل) جنسے کسی زبان کو استغنا نہین ہو سکتا، دوسری ضرورت یہ ہے کہ نوجوان تعلیم یافتون کی توسیع علم اور واقفیت کے لیے اسلامی علوم و فنون و تاریخ پر اردو مین مواد فراہم کیا جائے،

اس وقت دارالمصنفین دوگونہ رنج و عذاب مین ہے، ادھر مذہب کے بعض دل برداشتہ اصحاب معترض ہین کہ وہ صرف مذہبی کتابون کا کارخانہ ہے دوسری طرف سے مذہبی کتابون کے شائق نئے تعلیم یافتہ حضرات کہتے ہین کہ دارالمصنفین فلسفہ اور جدید علوم کی کتابون پر بے فائدہ محنت صرف کرتی ہے، کہ ہم کو تو یہ چیزین ہر انگریزی دکان پر مل جاتی ہین، دارالمصنفین سے صرف اسلامیات کے متعلق کتابین شائع ہونی چاہئین،

ہمدم وغیرہ بعض اخبارات مین پہلا اعتراض پیش کیا گیا تھا، اور دوسرا اعتراض ابھی شملہ سے ہمارے ایک نہایت مخلص کرمفرما نے کیا ہے، غرض

دوگونہ رنج و عذاب است جانِ مجنون را

دارالمصنفین کے لیے راستہ متعین کرنے مین اس کے ارکان نے ان دونون مشکلون کو سامنے رکھا اور یہ چاہا کہ اردو زبان کی ان دونون ضرورتون کو پورا کیا جائے، اور دینی و دنیاوی دونون قسم کی کتابین تالیف و ترجمہ کیجائین، اور اس طرح دردمند قوم کے لیے دارالمصنفین کے اصلی تخیل رکھنے والے (مولانا شبلی مرحوم)

کے بنائے ہوئے نسخہ کا استعمال کیا جائے،

اے کہ پرسی کہ درین کار چہ تدبیر بود
دین و دنیا بہم آمیز کہ اکسیر بود

اس وقت تک دار المصنفین کی طرف سے جو کتابین شائع ہوئی ہین، ان پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوگا کہ ان مین ادبی، تاریخی، فلسفیانہ اور مذہبی ہر قسم کی کتابین داخل ہین، اور ہر سال کے مطبوعات مین ہم اس کا خیال رکھتے ہین، کہ مختلف مذاق والون کے لیے ہر سال اختلاف مذاق کا لحاظ رکھا جائے، اور کم از کم ایک دو کتابین بھی ضرور اسلامیات کے متعلق ہون، چنانچہ امسال بھی ایسا ہی ارادہ ہے،

سیواجی کا جشن پیدائش امسال ہر جگہ بڑی دھوم دھام سے منایا گیا، ہمارا صرف یہ کہنا ہے کہ کاش یہ سیوا کی پیدائش کا جشن منانے والے سیوا کے عہد مین ہوتے اور اسکی قزاق فوج کے کارنامے اپنی آنکھون سے دیکھتے اور کم از کم ایک دفعہ خود اسکی تاخت و تاراج کا ذاتی تجربہ رکھتے اور چوتھ کی مصیبت مین گرفتار ہوتے آج ہندو جشن منا رہے ہین، لیکن ان کو یاد رہے کہ کل جب یہ مہاراشٹری لوٹیرے تمام ہندوستان کو لوٹتے پھرتے تھے تو ان کی لوٹ مین ہندو مسلمان کی تمیز نہ تھی، اور نہ دیر و حرم اور بتخانہ و مسجد کا امتیاز تھا، آج بجھ یوجہ اور تعلیم و تربیت کے اثر سے متاثر ہوکر مرہٹہ برہمن اپنے ہیرو کے دامن سے یہ داغ مٹانا چاہتے ہین لیکن تاریخ کے دفتر کیونکر خون کے دھبون سے پاک ہو سکتے ہین، اسیلیے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ایک مدت سے پونہ کی مرہٹی تاریخی انجمن کاغذات، دستاویزات اور جعلی تاریخی کتابون اور خطوط کے بنانے کا نہایت مجرمانہ کام انجام دے رہی ہے، جنکے مطابق سیوا کو ہندو قوم کا ایک مصلح ہیرو اور نیک خیال کشور کشا اور متمدن مدبر بنایا جا رہا ہے، مگر

این خیال است و محال است و جنون

جو لوگ سیوا کو ہندو قوم کا ہیرو، اور اسکی جد و جہد کا اصلی منشا خاص مسلمانوں کو ہلاک و برباد کرنا قرار دیتے ہین، درحقیقت وہ یا تاریخ سے ناواقف ہین، یا تاریخ سے کھیل کرتے ہین، مرہٹون کی حکومت کی بنیاد ایک جاگیر سے شروع ہوتی ہے بیجاپور کے مسلمان بادشاہ عادل شاہ نے پونہ اور سوپے کے دو پرگنے سیوا کے باپ ساہو کو عطا کئے تھے، یہی جاگیر تھی جسپر سیوا جی نے اپنی حکومت تعمیر کرنی چاہی، کیا یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ ایک مسلمان بادشاہ نے اسلام کی تباہی کے لیے خود اپنے دشمن کے ہاتھ مین ہتھیار دیدے، اور اگر حقیقت ہے تو سیوا اور اسکا خاندان کس درجہ اخلاق سے گرا ہوا تھا، کہ جس نے اس کو اورنگ نشین بنایا، اسی کی تباہی و بربادی کا اس نے سامان کرکے محسن کشی کے بدترین جرم کا ارتکاب کیا،

عالمگیر کی طرف سے جو فوجی عہدہ دار و افسر سیوا سے برسرپیکار تھے، ان مین بڑے بڑے ہندو راجپوت اور راجپوتانہ کے راجہ تھے، سیوا کو دکن کی جس ریاست سے مدد مل رہی تھی وہ بیجاپور کی اسلامی ریاست تھی، سیوا کی فوج مین توپ خانہ کا تمام انصرام مسلمان افسرون کے ہاتھون مین تھا، عربون کی بڑی فوج مرہٹون کے ساتھ تھی، اہل ولایت بھی کم نہ تھے، یہ اچھی کفر و اسلام کی جنگ تھی جس مین اسلام کی طرف سے کفر اور کفر کی طرف سے اسلام شمشیر بکف اور نبرد آزما تھا، اور اگر یہ واقعہ ہے تو شاید اس ظلم و ستم اور جہالت کے دور مین آج کے عدل و انصاف اور تعلیم کے عہد سے ہندو مسلم اتحاد کہین زیادہ مستحکم اور مضبوط تھا،

کتاب الفلاحۃ

(ابوزکریا علامہ یحیی بن محمد اشبیلی کی کتاب کا ترجمہ جسے مولوی سید ہاشم ندوی نے ترجمہ کیا ہے، جس مین مصریون، بطلیوں، یونانیون اور مسلمانون کی زراعت اور باغبانی کے اصول کی تشریح کیگئی ہے، مطبوعہ معارف پریس ضخامت ۱۰۰ صفحے، قیمت للعہ)

مقالات

کیا باپ کو اپنی لڑکی کے نکاح کا کامل اختیار ہے؟

(۴)

پچھلے نمبر مین اس پر پوری بحث کی جا چکی ہے، اور یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ جوان و بالغ لڑکی کو اپنے نکاح کا خود پورا اختیار حاصل ہے، اور باپ کے لیے جائز نہین ہے کہ اسکی مرضی دریافت کئے بغیر اسکا نکاح کر سکے، اور اگر کر دیگا تو لڑکی کو جب اس واقعہ کا علم ہو وہ اسکو باطل قرار دے سکتی ہے، اسی کے ساتھ وہ تمام احکام نبوی درج کیے جا چکے ہین، جنمین لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کے نکاح کر دینے کی قطعی ممانعت کیگئی ہے، اور ان احکام مین کنواری، بیوہ اور مطلقہ ہر ایک کے لیے اس بارہ مین برابر کا اختیار اور حق ثابت کیا گیا ہی،

آج کے مضمون مین ایسے واقعات اور مقدمات کی نظیرین پیش کرتی ہین جنسے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عدالت نبوی مین جب کبھی کسی لڑکی نے اپنے باپ کے خلاف اس قسم کا مقدمہ دائر کیا ہے یعنی اسکی مرضی اور اجازت کے بغیر باپ نے اس کا نکاح کر دیا ہے، تو آنحضرت صلعم نے ہمیشہ لڑکیون کے حق مین اور باپ کے خلاف فیصلہ صادر فرمایا ہے،

۱- اس قسم کا سب سے پہلا واقعہ جو حدیث کی اکثر کتابون مین ہے، خنسا بنت خدام انصاریہ کا ہے، ان کے باپ نے ان کا نکاح ایک ایسے شخص سے کر دیا جسکو وہ بہت پسند نہیں کرتی تھین، انھون نے دربار نبوی مین جا کر اپنا معاملہ پیش کیا، آپ نے اس نکاح کو ناجائز قرار دیا، اور لڑکی کو اختیار دیا کہ وہ جس سے چاہے اپنا نکاح کرے، چنانچہ اس نے ابو لبابہ انصاری سے اپنا نکاح کیا،

یہ واقعہ صحیح بخاری (کتاب النکاح)، ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ مین ہے،

۲۔ حضرت جعفرؓ کے خاندان کی ایک خاتون کو یہ خطرہ تھا کہ ان کے ولی کسی ایسے شخص سے انکی شادی نہ کر دین، جسکو وہ پسند نہ کرتی ہون، انھون نے، انصار کے دو بزرگون کو اپنی حالت کہلا بھیجی، انھون نے جواب دیا کہ ڈرنے کی کوئی وجہ نہین، خنساء کا نکاح ان کے باپ نے کسی ایسے شخص سے کر دیا جبکہ وہ پسند نہین کرتی تھین انھون نے آکر رسول اللہ صلعم سے اپنا واقعہ عرض کیا، آپنے اس نکاح کو رد کر دیا[۱]،

۳۔ حضرت عطاء تابعی حضرت جابر صحابی سے روایت کرتے ہین کہ ایک کنواری لڑکی نے بارگاہ نبوی مین آکر دعوی کیا کہ اس کے باپنے اسکی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کر دیا، جو مجھے ناپسند ہے آنحضرت صلعم نے اسکی مرضی کے مطابق اس کا نکاح رد کر دیا[۲]،

۴۔ عکرمہ تابعی حضرت ابن عباسؓ سے اسی قسم کی ایک روایت کرتے ہین کہ ایک کمسن کنواری لڑکی (جاریۃ) نے خدمت نبوی مین آکر اسی قسم کا واقعہ عرض کیا، اور اپنی نارضامندی کا اظہار کیا، آپنے اس کو بھی اختیار دیدیا[۳]،

۵۔ حضرت نافع تابعی، حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ صحابی سے روایت کرتے ہین کہ ایک شخص نے اپنی کنواری لڑکی کا نکاح کر دیا، اور لڑکی کو یہ نکاح پسند نہ تھا، اس نے آکر بارگاہ نبوی مین شکایت کی آپ نے اس کا نکاح رد کر دیا[۴]،

۶۔ ابو سلمہ روایت کرتے ہین کہ بنی منذر کے قبیلہ کے ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح اسکی رضامندی کے بغیر کسی سے کر دیا، اس نے آکر اپنا واقعہ عرض کیا، آپ نے اسکا نکاح ناجائز قرار دیا[۵]،

۷۔ ابن بریدہ تابعی کہتے ہین کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ذکر فرمایا کہ ایک نوجوان لڑکی نے (فتاۃ)

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الحیل، [۲] دارقطنی کتاب النکاح، علامہ عینی نے اس روایت کو نسائی کی طرف منسوب کیا ہے، (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۲۳) مگر نسائی سنن صغری مطبوعہ کتاب النکاح مین مجھے یہ روایت نہین ملی، ممکن ہے کہ سنن کبری مین ہو جو غیر مطبوعہ ہے، [۳] ابو داؤد، دارقطنی و ابن ماجہ و نسائی کتاب النکاح و مسند ابن حنبل، [۴] دارقطنی، [۵] ایضاً کتاب النکاح،

ان کے پاس آکر بیان کیا کہ میرے باپ نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے اسلیے کر دیا ہے تاکہ اسکی ذلیل حالت میری نسبت سے بلند ہو جائے اور مین اسکو ناپسند کرتی ہون، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کی تشریف آوری کا انتظار کرو، آپ جب تشریف لائے تو اس نے اپنا مقدمہ پیش کیا، آپنے اس کے باپ کو بلا بھیجا، اور لڑکی کو اس کے نکاح کا اختیار دیدیا، یہ دیکھکر لڑکی نے کہا، یارسول اللہ میرے باپنے جو کچھ کیا، مین اسکو جائز کرتی ہون، اس مرافعہ سے میرا مقصود یہ تھا کہ مجھے یہ معلوم ہو کہ آیا اپنے نکاح مین عورتون کو بھی کچھ دخل ہے یا نہین[1]،

اس روایت کے اخیر فقرے بعض طریقون مین یہ ہین،

"میرے باپ نے مجھ سے پوچھے بغیر میرا نکاح کر دیا، تو کیا مجھے اپنی ذات کے معاملہ مین کوئی اختیار ہے یا نہین ؟ آپنے فرمایا، ہے، اس نے کہا تو مین اب اپنے باپ کے فیصلہ کو نامنظور کرنا نہین چاہتی لیکن مین نے چاہا تھا کہ عورتون کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان کو اپنی ذات کے معاملہ مین اختیار ہے، یا نہین[2]"،

ان تمام احادیث کو امام ابو حنیفہؒ نے تسلیم کیا ہے اور انھین سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بالغ لڑکیون کو اپنے نکاح کے معاملہ مین پورا اختیار حاصل ہے، اور باپ کو اس معاملہ مین کوئی جبری یا استبدادی حق حاصل نہین ہے، یعنی لڑکی کی مرضی کے خلاف یا اسکی نارضامندی کے باوجود وہ اس کا نکاح صرف اپنی پسند یا مرضی سے نہین کر سکتا، اور ایسا نکاح لڑکی کی مخالفت اور نارضامندی کے اظہار پر فسخ ہو جائیگا، یہ حق امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہر بالغ لڑکی کو حاصل ہے، خواہ کنواری ہو، یا بیوہ ہو یا مطلقہ ہو،

امام شافعیؒ کے نزدیک یہ حق اور یہ اختیار کنواری لڑکی کو نہین ہے، صرف اسکو ہے جسکا پہلے ایک دفعہ نکاح ہو چکا ہو اور اب وہ بیوہ یا مطلقہ ہو کر دوسرا نکاح کرنا چاہتی ہے جسکو اصطلاح مین ثیبہ کہتے ہین،

پہلی روایت مین جس خنسارؓ کا واقعہ مذکور ہے، اونکی حالت کی نسبت تین قسم کی روایتین ہین، ایک

---

[1] سنن نسائی و دارقطنی کتاب النکاح، [2] دارقطنی نکاح،

مین ہے کہ وہ ثیبہ تھین، اور بیوہ ہو کر دوسری شادی کرنا چاہتی تھین، یہ بخاری کی اس روایت مین بیان ہے، جو کتاب النکاح مین ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ وہ کنواری تھین، یہ سفیان ثوری کی روایت ہے، جسکو امام نسائی نے اپنی سنن کبریٰ (مطبوعہ نسخہ سنن صغریٰ ہے) مین نقل کیا ہے[1] تیسری روایت وہ ہے جسمین ان کے کنواری یا ثیبہ ہونے کی کوئی تخصیص نہین ہے، جیسا کہ صحیح بخاری کی اس روایت مین ہے جو کتاب الحیل مین ہے اور سنن کی دوسری کتابون مین ہے۔

بہرحال اس پہلی روایت اور دوسرے بیانات سے زیادہ تر اسی کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت خنساء اس وقت ثیبہ تھین، اسلیے امام شافعی یہ حق صرف ثیبہ عورتون کے لیے مخصوص سمجھتے ہین، آخری چھٹی روایت مین نوجوان لڑکی (فتاۃ) کا لفظ ہے، جس سے زیادہ قرینہ یہ ہے کہ وہ کنواری لڑکی ہو، لیکن چونکہ اس مین یہ ذکر ہے کہ "میرے باپ نے اپنے بھتیجے کو ذلیل حالت سے بلند کرنے کے لیے میرے ساتھ نکاح کر دیا ہے" اس سے امام موصوف نے یہ خصوصیت پیدا کی ہے کہ جب کوئی باپ اپنی کنواری لڑکی کا نکاح کسی غیر کفو مین کریگا تب لڑکی کو یہ اختیار حاصل ہوگا ورنہ نہین،

بقیہ بیچ کی روایتون کے متعلق بیہقی، دارقطنی اور ابن حجر علمائے شوافع نے زیادہ سے زیادہ جو اعتراض کیا ہے، وہ یہ ہے کہ یہ حدیثین مرفوع نہین، بلکہ مرسل ہین، لیکن جب یہ روایتین ایک طریقہ سے مرفوع اور دوسرے طریقہ سے مرسل ٹھہرتی ہین، تو کیا ضرور ہے کہ مرسل ٹھہرانے والی روایتین، مرفوع کے مقابلہ مین زیادہ صحیح قرار دیجائین، بہرحال اگر مرسل بھی مان لیجائین، تو تنہا قیاس سے وہ زیادہ معتبر ہونگی،

اصل یہ ہے کہ ان واقعات مین جو خاص خاص کیفیتین مذکور ہین کہ وہ دعویٰ کرنے والی لڑکی ثیبہ تھی، یا وہ عدم کفو کی بنا پر ناراض تھی، یا اور کوئی چیز، امام شافعی ان مخصوص صورتونکو بھی لڑکیون کے حق اختیاری کے لیے ضروری سمجھتے ہین، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ یہ کیفیتین اتفاقی ہین، ورنہ اصل وجہ لڑکی کی

[1] فتح الباری وعینی شرح حدیث مذکور۔

ناراضامندی اور ناپسندیدگی ہے، خواہ کسی بنا پر ہو، ہر صاحب نظر جو اس باب میں ان احکامی حدیثون کو جو پہلے نمبر مین کنواری لڑکیون کی اجازت کے بھی ضروری ہونے کے متعلق نقل کیگئی ہین، اور ان واقعات اور آنحضرت صلعم کے فیصلون کو پڑھیگا وہ اسکے ماننے پر مجبور ہوگا کہ اسلام مین عاقل بالغ لڑکیون کو اپنے نکاح کے معاملہ مین کامل حق یا اختیار حاصل ہے، امام بخاری کا بھی یہی مسلک معلوم ہوتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری مین خنسار کی حدیث کا عنوان یہ قائم کیا ہے،

باب اذا زوج الرجل ابنتہ وھی کارھۃ فنکاحہ مردود، — اس بیان کا باب کہ اگر کوئی شخص اپنی لڑکی کا نکاح کرے اور وہ اسکو ناپسند کرتی ہو تو وہ نکاح رد ہے،

باوجود اس کے کہ اس کے بعد خنسار کا جو واقعہ نقل کیا ہے اس مین ثیبہ کا ذکر ہے، مگر اس سے امام موصوف نے بھی یہ نہین سمجھا ہے کہ اس سے اس اختیار اور حق کی تخصیص صرف ثیبہ کے لیے ہے، بلکہ انھون نے یہ سمجھا ہے کہ یہ فیصلہ ہر اس لڑکی کے لیے ہے جو اس نکاح کو ناپسند کرتی ہو جو باپ نے اپنی مرضی سے کر دیا ہو،

بعض لوگون نے موطاے امام مالک کے اس اثر کی بنا پر کہ راوی کا بیان ہے کہ حضرت سالم تابعی اور حضرت قاسم تابعی اپنی کنواری بالغ لڑکیون کا نکاح انکی رضامندی دریافت کئے بغیر کر دیا کرتے تھے، یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ بالغ کنواری لڑکیون کے نکاح کے جواز کے لیے ان کی مرضی دریافت کرنا ضروری نہین ہے تو اول تو رسول اللہ صلعم کے صریح حکم کے بعد یہ قیاس مین نہین آسکتا کہ ایسے متبع سنت اصحاب اس کے خلاف کرتے ہون، دوسرے یہ کہ یہ راوی کا اپنا علم ہے کہ وہ ایسا سمجھتے تھے کہ انھون نے مرضی دریافت نہین کی، یہ دھوکا ان راویون کو اسلیے ہوا کہ نکاح کے وقت ان کو مرضی دریافت کرتے انھون نے نہین دیکھا، اس سے یہ کہان لازم آتا ہے کہ انھون اس سے پہلے بھی کسی مناسب موقع پر ان کی مرضی اشارۃً یا کنایۃً دریافت نہین کی یہ خانگی معاملات ہین جنکا صحیح علم کسی باہر کے آدمی کو نہین ہو سکتا، تیسرے یہ کہ یہ صورت اس وقت کے لیے ہے کہ جب نکاح کے معاملہ مین باپ اور بیٹی کے درمیان کشاکش اور اختلاف ہو، ورنہ اگر لڑکی باپ کے فیصلہ پر بخوشی رضامند ہو تو اس مین جواز و عدم جواز کی کیا بحث پیدا ہو سکتی ہے اُن سعادتمند

لڑکیون نے اپنے بزرگ باپون کے فیصلہ سے اختلاف نہین کیا، اس سے یہ کہان ثابت ہوتا ہے کہ گر اختلاف ہوتا تو یہ لڑکیان مجبور قرار دی جاتین، اور باپون کے فیصلہ کو رد نہین کر سکتی تھین۔

برخلاف اس کے اسی موطا مین روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اپنی ایک عزیز کی لڑکی کا نکاح جبکی باپ سفر مین تھے، اپنے ایک دوسرے عزیز کے لڑکے سے کردیا، حالانکہ وہ ولی نہین ہوسکتی تھین، اور نہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ وہ اس مسئلہ سے ناواقف تھین، کہ بالغ لڑکی کو اپنے نکاح کا اختیار کہان تک ہے؟ اور ایسا نکاح جائز ہے یا نہین، اس کے بعد کا واقعہ یہ ہے کہ لڑکی کے باپ عبدالرحمن سفر سے واپس آئے اور ان کو اس نکاح کا حال معلوم ہوا تو انھون نے اس بات پر ناراضی ظاہر کی اور کہا کہ مجھ جیسے (معزز) لوگون کی لڑکیان بھی باپ کی رائے لیے بغیر بیاہ دی جاتی ہین؟ حضرت عائشہؓ نے رفع نزاع کے لیے لڑکے سے اس کا تذکرہ کیا، لڑکے نے کہا مین اس کا اختیار عبدالرحمان (لڑکی کے باپ) ہی کے ہاتھ مین دیدیتا ہون، یعنی وہ چاہین تو میری طرف سے لڑکی کو طلاق دیدین، عبدالرحمان نے حضرت عائشہؓ سے کہا جو بات آپ کر چکی ہین اس کو رد نہین کرسکتا، چنانچہ یہ نکاح قائم رہا، اور یہ طلاق نہین سمجھی گئی،

اب سوال یہ ہے کہ اگر بالغ لڑکی کے نکاح کے جواز مین باپ کی رضامندی شرط ہے تو یہ نکاح کیونکر جائز ہوسکتا تھا، اور جب نہین جائز ہوسکتا تھا تو اس مین تملیک اور طلاق کی اجازت دینے کے کیا معنی ہوسکتے تھے، اور پھر بعد کو باپ کی رضامندی ظاہر کردینے سے امر فاسد صحیح کیونکر ہوسکتا تھا، اس کے صاف معنی یہ ہین کہ حضرت عائشہؓ نے بالغ لڑکی کے اختیار اور حق کو سمجھکر صرف اسکی اجازت سے اسکے باپ کی اطلاع کے بغیر اس کا نکاح کردیا، اور باپ کی واپسی کے بعد اخلاقی طور سے خانگی نزاع کو روکنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ لڑکے سے یہ کہوادیا کہ عبدالرحمان کو مین اپنی طلاق و مفارقت کا اختیار دیتا ہون، وہ جو چاہین کرین، عبدالرحمان اس سے خوش ہوگئے نزاع جاتی رہی، پھر عبدالرحمنؓ بھی یہ نہین کہا کہ میری موجودگی کے بغیر نکاح جائز نہین ہوا، بلکہ یہ کہا کہ مجھ جیسے لوگون کے ساتھ بھی ایسا کیا جاسکتا ہے اور مجھ جیسے لوگون کی رائے لیے بغیر بھی ایسا فیصلہ

[1] موطا امام مالک ما لایبین من التملیک،

کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ صرف خاندانی غرور اور نسبی جاہ اس ناراضی کا باعث تھا، کوئی مسئلہ کی صورت نہ تھی،

اسی طرح حضرت علیؓ کے عہدِ حکومت کا واقعہ ہے کہ ایک ماں نے اپنی لڑکی کی رضامندی لیکر اُسکا نکاح کر دیا، بعد کو اس کے اولیاء نے حضرت علی مرتضیٰؓ کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش کیا، حضرت علیؓ نے اس نکاح کو جائز قرار دیا،[1]

ان تمام احکام اور واقعات پر نظر ڈالنے سے یہ بھی بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کی شریعت نے لڑکیوں کو اس معاملہ میں تمامتر آزادی عطا کی ہے، اور وہ پوری طرح اسکی ذمہ دار ہیں، کہ اس نئی زندگی کے اختیار کرانے اور رفیقِ حیات کے انتخاب اور منظوری میں اسلام کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے، اگر مسلمان لڑکیاں اس بارہ میں عملاً اپنے کو معذور و محض و مجبور خیال کریں تو یہ رسم و رواج اور نقصِ تربیت کا اثر ہوگا، اسلام اس گناہ سے قطعاً پاک اور بری ہے، ضرورت ہے کہ مسلمان لڑکیاں اپنے والدین کی رضاجوئی کے ساتھ ساتھ اپنے جائز حق کو کام میں لائیں، اور خود والدین کو اپنی آئندہ زندگی کے مسئلہ میں مدد دینے کی کوشش کریں، گذشتہ واقعات میں تم نے دیکھا کہ صحابیات رضی اللہ عنہن اپنے معاملہ میں کس صفائی اور خوبی کے ساتھ آنحضرت صلعم تک اپنے مطالبہ کو پیش کرتی تھیں، ایسا کرنا نہ تو سوء ادب ہے اور نہ جائز حدود سے باہر قدم نکالنا ہے،

آئندہ سلسلہ میں ان مسائل پر مزید روشنی ڈالنے کا قصد ہے، والامر بید اللہ تعالیٰ،

سیرۃ عائشہؓ

(طبع دوم) ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالاتِ زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات، اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ ضخامت ۳۰۰ صفحے قیمت ہے

[1] مبسوط امام سرخسی جلد ۵ صفحہ ۱

ترکی ادبیات

کے

تین دور

از مولوی سید ریاست علی صاحب ندوی، رفیق دار المصنفین

مصر کے مشہور انشاپرداز شیخ محب الدین الخطیب مدیر الزہرا نے اپنے رسالہ (جلد ۲ نمبر۱) مین ترکی ادبیات پر ایک بسیط مضمون سپرد قلم کیا ہے، جسمین پہلے قدیم ترکی ادب یعنی ان کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے پیشتر کی ادبیات سے بحث کی ہے، پھر ترکی ادبیات کے تین دور قائم کئے ہین جنمین پہلا دور اسلامی ہے یعنی وہ دور جسمین وہ عربی اور فارسی ادبیات سے متاثر ہوئی، دوسرے مین اس دور سے بحث کیگئی ہے جس مین ترکی شاعری یورپ کے ادبیات سے مستفید ہوتی ہے، پھر تیسرے دور مین موجودہ ترکی شاعری سے بحث کیگئی ہے، اور جسکو مقالہ نگار نے "فرنگی تورانی ادب" سے تعبیر کیا ہے،

اہل ہند جہان ترکون کے سیاسی کارنامون کے ایک ایک حرف سے واقف ہین، وہان انکے ادبیات سے قطعاً لاعلم ہین، اسی بناپر اس مضمون کا خلاصہ اردو مین منتقل کرنا ضروری نظر آیا تاکہ اس حیثیت سے بھی ترکون کے کارنامون سے انکو واقفیت ہو،

"سید ریاست علی ندوی"

ترکون کی قدیم شاعری

قدیم ترکی ادب ترکون کا اپنے قدیم ترکی ادب کے متعلق خیال ہے کہ اسکی تاریخ ماضی کے پردہ مین چھپ گئی،

کیونکہ ترکی قوم زمانۂ تاریخ سے بہت پہلے کی قوم ہے، اور تاریخ اس قدیم قومیت کے سامنے بالکل نوخیز ہے، اسی لیے اس کے دسترس سے بالاتر تھا کہ اس قوم کے قدیم ادبیات کے متعلق کچھ لب کشائی کر سکتی،"

لیکن ترکون کی یہ توجیہ صحیح نہین کیونکہ ان پر زمانۂ قبل تاریخ کے بعد زمانۂ تاریخ مین بھی ایسے متعدد دور گذرے ہین جنمین ترکی ادبیات کا تذکرہ مل سکتا تھا، چنانچہ تاریخ کے صفحات مین ان کا ایک وہ دور موجود ہے جسمین انھون نے اسلام سے دو صدی پیشتر ابتلاء کی سرکردگی مین یورپ پر غارت گری کی، پھر ایک وہ زمانہ آیا جسمین عرب، بلادِ ترک کو فتح کرتے ہوئے ماوراء النہر کی طرف پہنچے، پھر معتصم عباسی کے ایامِ خلافت سے ان کا ایک ایسا زمانہ شروع ہوتا ہے جس مین وہ اسلامی لشکر مین فوجی خدمات انجام دینے لگے، پھر وہ ہولناک ساعت آئی جب ترکون نے ہلاکو خان کی قیادت مین اسلامی تہذیب و تمدن کا بغداد مین خاتمہ کر دیا، اور اسی وقت سے عثمانیون کے ظہور سے بہت پہلے انکی ایک جماعت نے اناطولیہ کو مستقر بنایا، لیکن کیا وہ ان مین سے کسی ایک دور مین اپنے ترقی پذیر ادبیات کا کوئی نمونہ پیش کر سکتے ہین؟

حقیقت یہ ہے کہ جس قوم کے یہان قدیم ادبیات کا سرمایہ اس کے اسلام لانے سے پیشتر موجود تھا اسکو تاریخ نے اپنے صفحات مین محفوظ رکھا، جیسا کہ ایران، ہندوستان اور چین کی قدیم ادبیات کا سرمایہ محفوظ ہے، اس لیے ہمین اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ ترک جب کوہستان اطائی اور صحرائے توران مین خانہ بدوش تھے، اس وقت وہ لطیف ادبی دلچسپیون سے آشنا نہ تھے، ورنہ عرب، یونان، چین، ہندوستان اور ایران کے قدیم ادبیات کے مثل تاریخ مین ان کے قومی ادب کو بھی ضرور جگہ ملتی، اس لیے ترکی ادبیات کی تاریخ بھی ان کے دورِ اسلامی سے شروع ہوتی ہے،

اسلامی دور،

ترکی ہجرت | ترک صحرائے توران سے ایشیائے کوچک کی طرف دو راستون سے آئے [illegible]
کاشغر، فرغانہ اور سمرقند ہوتے ہوئے ایران کو اور پھر وہان سے عراق کو جاتا ہے، اور دو [illegible]

ساحلِ جیحون کو اختیار کرکے جنوبی سواحل کی طرف بحرِ خزر مین ہوتے ہوئے کوہ قاف کو طے کر کے اناطولیہ کو آیا ہے، ان دونون راستون سے ترکون کے دو لہجے مشرق ادنیٰ مین آئے، پہلے راستہ سے جو لہجہ منتقل ہو کر آیا وہ "لہجۂ خاقانیہ" کہلاتا ہے، اور جو لہجہ دوسرے راستہ سے آیا وہ "لہجۂ اوغوزیہ" کہا جاتا ہے، اور یہی دوسرا لہجہ اناطولیہ مین ترکانون کی زبان پر اب تک باقی ہے،

ترکون کے قدیم شعراء یہ عجیب اتفاق ہے کہ ترکی شاعری تمام تر لہجۂ اوغوزیہ مین ہے لیکن ترکی شاعری مین سب سے قدیم ترین نظمین جو محفوظ رہ سکین وہ پہلے لہجۂ خاقانیہ مین ہین، یہ نظمین ایک مشہور بزرگ احمد یسوی کی ہین، جو ترکی صوفیہ کے طریقۂ یسویہ کے بانی کہے جاتے ہین، اور جنکے اتباع اس وقت بھی مشرقی ترکون مین پائے جاتے ہین، اور ان لہجۂ خاقانیہ کی نظمون کے بعد دوسرے لہجہ اوغوزیہ مین قدیم ترین نظمین بہاء الدین صدیقی قرشی کی ہین، جو سلطان ولد کے نام سے معروف ہین، شیخ بہاء الدین مولانا جلال الدین رومی کے صاحبزادے ہین، اور مولانا روم کو فارسی شاعری مین جو عظمت حاصل ہے وہی ان کے صاحبزادے کو ترکی شاعری مین حاصل ہے، بلکہ شاعری کا موضوع بھی دونون کا ایک ہی ہے، چنانچہ شیخ بہاء الدین اور احمد یسوی کی نظمون کا موضوع بھی زہد و تقویٰ اور دیگر معانیِ تصوف ہے،

دنیا کی تمام قومون کی ادبیات مین شعراء کا ایک ایسا خاص طبقہ بھی ہوتا ہے جو عوام کے لہجہ مین انکی عام ذہنیت کے مطابق اظہارِ خیال کرتا ہے، چنانچہ ترکی ادبیات مین بھی یہ طبقہ موجود ہے، جسکا سرخیل ایک شخص یونس امرہ نام کہا جاتا ہے، یونس آج سے سات صدی پیشتر شہر لولی کے قرب وجوار مین خانہ بدوش پھرا کرتا تھا، اسکی شاعری کا لب لباب ترغیب و ترہیب ہے، اور اپنی شاعری مین کائناتِ عالم کی عظمت و شان سے باری تعالیٰ کی عظمت و بزرگی پر استدلال کرتا ہے،

قدیم شعراء سے ترکون کو شکایت ترکون کو اپنے شعرائے متقدمین خصوصاً مولانا جلال الدین رومی کے صاحبزادے سے عام شکایت ہے کہ وہ اظہارِ مطالب مین عربی و فارسی زبانون سے استمداد کرتے تھے، لیکن وہ اس حقیقت

کو فراموش کر جاتے ہین کہ اگر شعرائے متقدمین صرف ترکی زبان پر قناعت کرتے تو ان کے کلام مین سطحی خیالات کے سوا، اور وہ بھی نہایت غیر موثر صورت مین، کوئی شے نظر نہین آتی، چنانچہ یونس امرہ کی مثال موجود ہے، اسکی شاعری مین صرف ترکی زبان کے الفاظ ہین، اور اس نے شاید عمداً اس مین اپنی شاعری محدود رکھی، اسی بنا پر نہ اسکی شاعری مین نوئی سلاست ہے، اور نہ جذبات مین پاکیزگی اور بلند خیالی پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ صرف ترکی زبان مین محدود ہونے کے باعث بہت سے بلند خیالات اور پاکیزہ جذبات کے ادا کرنے سے قاصر رہا، جو اسکی شاعری سے صاف طور پر عیان ہوتا ہے، اس موضوع پر آگے چلکر کچھ تفصیلی نظر ڈالی جائیگی،

ترکی زبان کے ساتھ سلاطین کا اعتنا، جس شخص نے مشرق ارنی مین ترکی زبان کو سب سے پہلی مرتبہ سرکاری زبان کے مرتبہ پر پہنچایا، وہ امیر قرمان ہے، جو سلجوقیون کے بعد قونیہ کا والی تھا، قرمان کا باپ ایک ارمنی نژاد تھا، جو بعد مین اسلام لایا، اور زہد و تقوی مین اس درجہ مشہور ہوا کہ اس کا نام ہی شیخ نورالدین صوفی مشہور ہوگیا، شیخ موصوف کو ترکی قوم کے درمیان خاص منزلت حاصل تھی، اسلئے جب اس کا لڑکا امارت پر سرفراز ہوا تو اسے باپ کی وجہ سے قوم مین اسکو غیر معمولی ہردلعزیزی حاصل ہوئی، اسی لیے لوگ اس کے امتثالِ امر کے لیے ہمیشہ تیار رہتے اور اسکی جانب سے جو تحریک اٹھتی اس کا خاص خیر مقدم کیا جاتا،

چنانچہ جب اس نے ترکی زبان کو سرکاری زبان قرار دیا تو کسی طرف سے مخالفت کی کوئی صدا بلند نہ ہوئی، اور یہ زبان بہت جلد حکومت کے تمام صیغون مین رائج ہوگئی، اس سے پہلے فارسی زبان حکومت کی سرکاری زبان اور دینی اور علمی زبان تھی، لیکن جب ترکی زبان کے ساتھ یہ اعتنا کیا گیا تو اس نے ارتقائی منزلین طے کرنا شروع کیا، اور انھین دونون زبانون کے سایہ مین پھولنے پھلنے لگی، اور رفتہ رفتہ اس نے انھی دونون زبانون کے رنگا رنگ سے اپنے دامن کو مالا مال کرلیا،

اس کے بعد عثمانیون کا دور آیا تو انھون نے ایک خاص انداز مین اس کی پرورش کی، اور وہ دنیائے ادب مین ایک خاص نام "عثمانی ترکی" سے روشناس ہوئی، یہ زبان عثمانی ترکی

عربی الفاظ کے ساتھ زبان ترکی کے افعال، اسماء اور حروف کی ترکیب پیدا ہوئی اور مختلف اجتماعی دوروں کے اختلاف وغیرہ۔ یات شعر کے لحاظ سے مختلف زبانوں میں کسی قدر ایک دوسرے دور سے مختلف رہی

ترکی ادبیات حکومت عثمانیہ کے پیشرو فرمانرواؤں کی مرہون منت نہیں، کیونکہ ان میں سے عثمان اول اور مراد اول تو بالکل امی تھے، وہ خدمت کیا کر سکتے، اور ان دونوں کے درمیان میں جو فرمانروا گذرے وہ ایک محدود رقبہ پر حکمران تھے، اس لیے وہ بھی ترکی ادبیات کی کوئی قابل ذکر خدمت انجام نہ دے سکے، آخر بایزید اول کا دور آیا، عثمانیوں میں یہی سب سے پہلے سلطان کا لقب اختیار کیا، اور اس نے نہایت شاندار اور پرشوکت محلوں کو اقامت گاہ بنایا، پھر محمد فاتح سلیم اور سلیمان کا زمانہ آیا تو انھوں نے حکومت بیزنطی اور شاہان مصر کے تمدن کا حصہ بہرہ اندوز ہو کر حکومت عثمانیہ کی جلالت و شان کو معراج کمال پر پہنچا دیا۔

حکومت کی اس شان و شوکت کے تذکرہ سے مقصود یہ ہے کہ ان ہی فلک بوس شاہی محلات نے ترکی ادبیات کی نشو و نما میں بڑی معاونت کی، لیکن آج کے سادہ لوح نوجوانان ترک، ترکی ادبیات کے اس دور پر اسلیے معترض ہیں کہ وہ فقط لفظی صناعتوں پر قائم ہے، اور اس نے دین اسلام اور فارسی ادبیات کی تقلید کی خاطر ترکی قومیت کی روح کو فنا کر دیا، اور یہ ترکی ادبیات کا ایسا شخصیت پسند دور ہے جس کا مطالعہ صرف اس عقیدہ تک رہنمائی کرتا ہے کہ "جو کچھ ہے وہ شاہی محلات ہیں"

لیکن نوجوانان ترک میں جو فہمیدہ و سنجیدہ طبقہ ہے اور جو تحریک قومیت کا بھی سب سے بڑا شیدائی ہے، خوب سمجھتا ہے کہ ترکی ادبیات کے اس دور کو چھوڑ دینے کے بعد ان کے ہاتھوں میں کیا رہ جاتا ہے؟ کہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ دور اسلامی سے پیشتر ترکی ادبیات کا صفحہ سادہ ہے، اس لیے اسکی شاندار تاریخ انھی محلات کے شعراء کے ادبی سرمایہ سے شروع ہوتی ہے، اسلیے اگر انھوں نے اس دور کو نظر انداز کر دیا تو پھر ان کے قومی ادبیات کی تاریخ اس پچھلے دو سے متجاوز نہ ہوگی جبکہ ترکی ادبیات یورپ کے ادبیات سے متاثر ہوتی ہے،

چنانچہ ترکون کے مایۂ ناز ادیب اسمعیل حبیب نے ایک کتاب[1] ترکی ادبیات کی جدید تاریخ لکھی ہے جس کو
وزارت معارف ترکی نے گذشتہ سال خاص اہتمام سے شائع کیا ہے، اس مین وہ لکھتے ہین "ادب عثمانی پر یہ باطل خیال
آرائیان صحیح نہین ہین، کیونکہ جو ادب چھ صدی تک زندہ رہ چکا ہو وہ ایک لازوال ادب ہے، ہم اسکو کسی
طرح بھی اس ادعا کے ساتھ مبتذل نہین کہہ سکتے کہ وہ ایک مصنوعی لٹریچر ہے، یا وہ محض تقلید و تتبع کا ثمرہ
ہے، قوم کا ادب اسکی زندگی کا آئینہ ہے، اگر وہ مصنوعی ہے تو اس کی ترکیب بھی اس قوم کی اجتماعی زندگی
کے مناظر کی تصویر ہوگی، اور یہ ممکن نہین کہ قومون کی اجتماعی زندگی ایسی ہو، اور حقیقت یہی ہے کہ کوئی
ادب چھ صدی تک اس وقت تک زندہ نہین رہ سکتا جب تک کہ اس مین زندگی کے عناصر موجود نہ ہون
اور اگر اس پر تصنع و نمائش کا غلبہ ہے، اگر اسکی حیثیت ایک اسلامی یا صوفیانہ ادب کی ہے تو بھی
ہم اس وقت تک اسکو علیحدہ نہین کر سکتے، جب تک اسلام و تصوف اس قوم کی اجتماعی زندگی مین موجود ہین،
اور در حقیقت کسی ادب کو مصنوعی صرف اسی وقت کہا جا سکتا ہے، جب کہ وہ اس قوم کی اجتماعی
زندگی کی ترجمانی نہ کرتا ہو، اور جب وہ ہماری پچھلی تاریخ کی تصویر ہے تو اسکی اچھائی اور برائی کا الزام
تاریخ پر ہے نہ کہ ان ادبیات پر، اس سلسلہ مین اصل غلطی جو ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس عہد کو دور حاضر کے
خیالات و معتقدات کی عینک سے دیکھتے ہین، اور اسی لحاظ سے اس پر خیال آرائیان کرتے ہین حالانکہ ہمین
اُس زمانہ پر اُسی زمانہ کی ضروریات و مقتضیات کے لحاظ سے نظر ڈالنی چاہئے"

قدیم شعرا اور دیگر زبانین اور مؤلف کو یہ بھی اعتراف ہے کہ ترکی زبان پر اسلامی شعرا کے طرز بیان کی صیقل
ہونے سے پیشتر وہ بہت سے خیالات کے ادا کرنے سے قاصر تھی، اور ان اسلامی شعرا کے لیے یہ بہت آسان
تھا کہ وہ اپنے پاکیزہ خیالات کو فارسی زبان مین بآسانی ادا کر لیتے، چنانچہ شیخ محمد بن سلیمان[2] بغدادی
جو ترکی نظم و نثر پر خاص قدرت رکھتے تھے، اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے اس لیے باوجود ترکی ...

[1] ترکی ادبیات کی جدید تاریخ ص ۳۰۳، [2] یہ ترکی ادبیات کی تاریخ مین "فضولی" کے نام سے معروف ...

لوگون نے اپنے خیالات کی ترجمانی کے لیے ترکی زبان کو ترجیح دی لیکن جن مواقع پر وہ ترکی کی کم مائیگی اور بے بضاعتی کے باعث مطالب کے ادا کرنے مین قاصر ہوئے وہان وہ عربی و فارسی سے استعانت کرنے پر مجبور رہتے اور سب سے زیادہ پر لطف اور اس کے ساتھ المناک امر یہ ہے کہ آج جو جماعت اپنے اسلاف کو عربی و فارسی الفاظ کے استعمال پر مورد طعن و طنز بنائے ہوئے ہے اس وقت وہی جماعت نہایت فخر و انبساط سے ترکی زبان مین یورپ کی زبانون کے الفاظ کو بہ کثرت استعمال کرتی ہے،

کیا اسلاف کی مساعی جمیلہ کا جنھون نے ترکی کو سہل ترین ادبی زبان کی صف مین داخل کیا یہی بدلہ ہے، نوجوانان ترک اس سے بخوبی آگاہ ہین کہ ترکی زبان کے اصول و قواعد سب سے پہلے انھین عربون نے وضع کئے، ابوحیان اندلسی کی کتاب "الادراک الی لسان الاتراک" ترکی صرف و نحو پر اب بھی موجود ہے، جو سلطان عبد الحمید کے زمانہ مین قسطنطنیہ مین طبع ہوئی تھی، اسی طرح شریف جمال الدین احمد بن مہنا صاحب کتاب عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب کی کتاب حلیۃ الانسان و حلبۃ اللسان، ایرانیون، ترکون اور مغلون کے لغت مین ہے، یہ بھی اتحادیون کے زمانہ مین قسطنطنیہ مین طبع ہو چکی ہے۔

دور اسلامی کے ممتاز شعراء اسمٰعیل حبیب بک نے دور اسلامی کے ممتاز و چیدہ شعراء پر نہایت بلیغ الفاظ مین رائے زنی کی ہے،

محمد بن سلیمان بغدادی کے متعلق لکھتے ہین "جذبات رنج و غم کا ایک بہترین مصور ہے" شاعر باقی (سنہ ۹۳۳ھ–سنہ ۱۰۰۸ھ) کے متعلق جو علمی مرتبہ کے لحاظ سے معراج کمال پر پہنچا تھا کہتے ہین "اس نے اپنی شاعری سے لوگون مین احساس غیرت اور عیب بینی

---

[1] بقیہ حاشیہ صفحہ قبل) کے شہر مین پیدا ہوئے، بغداد مین نشو و نما پائی، فارسی و ترکی ادب مین خاص تبحر تھا، جب سنہ ۹۴۱ھ مین سلطان سلیمان قانونی کی فوج نے صفویون سے بغداد کو چھین لیا، تو محمد بن سلیمان بعض امرائے حکومت کی خدمت مین بار یاب ہوئے اور ان کو بغداد کے اوقاف مین سے کچھ وظیفہ مل گیا، لیکن بعد مین منتظمین اوقاف نے کچھ برا سلوک کیا، وہ اسکی شکایت لیکر آستانہ پہنچے، ان کا شمار ترکی شعراء کے طبقہ اول مین کیا جاتا ہے، ان کے سنہ وفات مین اختلاف ہے، صاحب کشف الظنون کی روایت کے مطابق سنہ ۹۶۳ھ مین وفات پائی، اور صاحب قاموس الاعلام نے سنہ ۹۷۰ھ بتایا ہے، اور محمد جلال بک کے بیان کے بموجب سنہ ۹۷۱ھ ہے،

کا جو ہر پیدا کیا، نفعی شاعرہ کے متعلق جو سلطان مراد رابع کی ندیم خاص تھی یون اظہار خیال کیا، "وہ ایسی آبشار تھی جسمین شان وعظمت کی موجین متلاطم رہتی تھین" ندیم کے متعلق لکھتے ہین، جو بارھوین صدی کا ترکی شاعر ہے، "اسکی شاعری مین نشاط وطرب کی روح حالتِ وجد تک پہنچ گئی تھی" اور شیخ غالب مولوی (۱۱۷۱ھ تا ۱۲۱۳ھ) کی شاعری کے متعلق یہ الفاظ کہے، "اسکی شاعری مین رنگ برنگ کے خیالات کی جھلک پیدا ہوتی ہے"[1] [illegible] دور اسلامی کے یہی ممتاز ترین شعرا تھے،

ادب ترکی پر یورپ کی بیداری کا اثر اور دور اسلامی کا زوال

یورپ کی عام بیداری صنعت وحرفت، علم وفن، اور آداب ومعاشرت مین اسکی عہد بہ عہد کی ترقی اور ادھر ترکی ادبیات مین دور اسلامی کا انحطاط دونون ایک وقت شروع ہوئے، کیونکہ ادب قومون کی زندگی کا آئینہ ہوتا ہے اس لیے جس دور مین اس کے جو خط و خال ہونگے وہی اس مین نمایان ہوتے ہین، یورپ کی حیرت انگیز ترقی نے ترکون کی نگاہین خیرہ کر دین اسلیے رفتہ رفتہ ان کی دلچسپیان ان تمام چیزون سے ختم ہوگئین جنمین قدامت کا کوئی ادنیٰ شائبہ موجود تھا،

لیکن اس کا خطرناک اثر یہ مترتب ہوا کہ سرے سے ترکی شعر و شاعری ماند پڑ گئی، اور قریب تھا کہ ترکی ادبیات کا سلسلہ منقطع ہو جائے، سلطان سلیم ثالث نے ۱۲۰۸ھ مین اس خطرہ کو [illegible] کی کوشش کی، اور اعیانِ حکومت کو طلب کر کے ایک مجلسِ شوری منعقد کی، اور شعرا کو نیا [illegible] کرنے کی ترغیب دی، لیکن یہ جدوجہد یورپ کی طرف ترکون کے بڑھتے ہوئے شوق ک[illegible] شاعری مین کوئی زندگی پیدا ہوئی اسلیے سلطان محمود ثانی نے ۱۲۴۰ھ مین ایک د[illegible] نوجوانانِ ترک کو یورپ کی نظمون کو ترکی مین منتقل کرنے کی طرف مائل کیا اور پھر ۱۲۵۵ھ [illegible] عثمانیہ کا ایک خاص مشن بن گئی، چنانچہ سلطان عبد المجید نے مصطفیٰ رشید پاشا صدر اعظم [illegible] ترک کے درمیان اس تحریک کی فرمانِ سلطانی کے ذریعہ عام اشاعت کی کردی،

[1] ترکی ادبیات کی جدید تاریخ ص ۲۱۱

میں منتقل کریں، جس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی،

چنانچہ اسی فرمان سلطانی سے ترکی ادبیات کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے، جس میں نوجوانانِ ترک یورپ کی ادبی دنیا کی طرف مائل ہوتے ہیں،

ترکی شاعری کا دوسرا دور

یورپی ادبیات سے شیفتگی | ترکی ادبیات کے احیاء کا کام اس وقت شروع ہوا جبکہ رشید پاشا (۱۲۱۵ھ-۱۲۷۴ھ) ترکی میں سیاسی انقلاب کے علمبردار تھے، رشید پاشا خود اس تحریک کے زبردست حامی تھے، لیکن ان کے سیاسی مشاغل انھیں اتنی فرصت نہ دے سکتے تھے کہ وہ ادبی انقلاب کا علم بھی اپنے ہی ہاتھ میں رکھیں، اس لیے عاکف پاشا (۱۲۰۲ھ-۱۲۶۱ھ) نے یہ تحریک اپنے ہاتھ میں لی، اور اپنی بہترین مساعی سے ادبی دنیا میں بہت جلد انقلاب برپا کر دیا، چنانچہ ترکوں کے مایۂ ناز ادیب نامق کمال بک نے ۱۲۸۳ھ میں ایک مقالہ "تصویرِ افکار" میں یہ حقیقت آشکارا کی ہے.

شناسی آفندی | عاکف پاشا کے بعد مشہور نوجوان شناسی آفندی (۱۲۴۲ھ-۱۲۸۹ھ) اور جس شخص نے ترکی ادبیات کی صنعت کا قالب بدلا اسکا نام آتا ہے، ترکی ادب کے طرزِ تحریر اور اسلوبِ بیان میں انقلاب پیدا کرنے کا سہرا انھیں کے سر ہے، انھوں نے بچپن میں موسیو شاتانوف سے فرانسیسی زبان سیکھی تھی، پھر اقتصادیات کی تعلیم کے لیے یورپ سے ہوآئے تھے، وہاں ان کو فرانسیسی شعراء سے ملنے کا کافی اتفاق ہوا تھا، اور خصوصاً مستشرق دی ساسی اور ارنسٹ رینان سے خاص تقرب حاصل تھا، یہ جدید ضروریات اور یورپ کی ادبی ترقی سے خوب آگاہ تھے اور اسی طرز پر ترکی ادبیات کو لانا چاہتے تھے، لیکن افسوس ہے کہ یہ تحصیلِ علم کے بعد عملی زندگی میں زیادہ تر سیاسیات سے وابستہ رہے، مگر اس کے باوجود اپنے رسالہ "ترجمانِ احوال" اور پھر "تصویرِ افکار" کے ذریعہ انھوں نے ترکی زبان کی نمایاں خدمت انجام دی، اور اسلوبِ زبان میں اصلاح کرنے کے ساتھ زبان کو معنوی بدعات اور لفظی الٹ پھیر سے نجات دلائی،

باوجودیکہ انکی مساعی سے ترکی زبان کو گرانقدر فوائد حاصل ہوئے، اور انھون نے طرز تحریر اور اسلوب بیان کی ایک خاص بنیاد قائم کی لیکن افسوس ہے کہ اپنے اصول مین ایک حد تک کچھ متجاوز ہو گئے جیساکہ ہر تحریک کے بانی تول سے مراد اکثر مشاہدہ کر اسکا احساس بہت جلد خود ان کے ارشد تلامذہ نامق کمال بک، عبدالحمید ضیا پاشا، محمود اکرم بک اور عبدالحق حامد کو ہو گیا، اسلیے ان لوگون نے اور ان کے بعد خالد ضیا، توفیق، فکرت، اور جناب شہاب الدین وغیرہ نے اپنے پیشرو کی کامل تقلید کرنے کے بجائے ایک درمیانی راہ اختیار کرکے اس پر گامزن ہوئے،

چنانچہ ان کے مخلص دوست اور لائق شاگرد ضیا پاشا (۱۲۴۳ھ - ۱۲۹۰ھ) نے ترکی طرز تحریر کے قدیم اسلوب کو لیے ہوئے بغیر کسی تحریک اصلاح اور ادعائے تجدید کے نہایت متانت آمیز طریقہ سے جدید اسلوب کو اختیار کیا جسکی اکثر تذکرہ نویسون نے نہایت مدح و توصیف کی ہے،

ترکی ادبیات کے اساطین اربعہ اسمٰعیل حبیب کی رائے ہے کہ ترکی ادب کے اس جدید دور کے اساطین اربعہ عاکف پاشا، ادہم پرتو پاشا، شناسی آفندی، اور ضیا پاشا ہین، ان مین سے عاکف اور ادہم کا شمار ترکی شاعری کا قالب بدلنے والون مین ہے، شناسی اگرچہ کوئی بہترین شاعر اور جادو نگار انشا پرداز نہین، لیکن اسنے ان دونون کے مقصد کی تکمیل کرتے ہوئے ایک سادہ سلیس انشا پردازی اور ادبی صحافت کے ایک اعلیٰ نمونہ کی بنا ڈالی، اور ضیار پاشا نے ایسے قدیم اسلوب مین شاعری کی جو دور حاضر کے مطابق تھی،

نامق کمال بک اور جب جدید ادبیات کی صبح سعادت طلوع ہو چکی تو ایک بہترین انشا پرداز نامق کمال (۱۲۵۶ھ - ۱۳۰۲ھ) پیدا ہوا جس نے شناسی کی پیروی کرتے ہوئے اسکی بساط ادب سے اپنے نظم و نثر کو بلند ترکیا اور نیز اس کے اسلوب مین جو کمزوریان یا زیادتیان تھین انکی اصلاح بھی کی اس لیے اس کا ایک خاص اسلوب بیان پیدا ہو گیا، جسکی پاکیزگی و ندرت کے باعث اسکی شاعری بہت زیادہ مقبول انام ہوئی،

اکرم نامق کمال کے نام کے ساتھ ہی اکرم اور حامد کے نام یاد آتے ہین، اکرم (۱۲۶۳ھ - ۱۳۳۲ھ) اگرچہ نامق کمال کی طرح شیرین بیان تھین اور نہ حامد کے مثل اس کے شاعرانہ خیالات ہین، لیکن اس مین شک نہین

کہ وہ سلامت ذوق، صحت زبان، اور اسلوب بیان کی سلاست کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتا ہے،

عبدالحق حامد | دور حاضر مین ترکون کے درمیان عبدالحق حامد بک (المولود ۱۲۶۷ھ) شاعری مین سب سے بڑا استاد تسلیم کیا جاتا ہے، ان کے متعلق اسمٰعیل حبیب بک کی رائے ہے کہ "ان کی شاعری مین ترکی ادبیات کے دور اول کے شعرا کے کلام کا پرتو نہایت صحیح انداز مین موجود ہے، اور ایرانی شعرا مین سے حافظ شیرازی، سعدی، فردوسی، اور خیام، پھر دوسری طرف یورپ کے شعرا مین سے کورنی، راسین، ہیگو اور شکسپیر کے کلام کی روح موجود ہے۔"

ممکن ہے ان توصیفی الفاظ مین مبالغہ کی جھلک نظر آئے، لیکن چونکہ ترکون کے ادبیات کی قدیم و جدید تاریخ مین حامد کا کوئی نظیر موجود نہین، اسلیے وہ ان کے متعلق زیادہ سے زیادہ کہنے کا حق رکھتے ہین، مگر اس سے قطعی انکار نہین کیا جاسکتا کہ اس نے ترکی شاعری مین جدید خیالات کی ترجمانی بہترین اسلوب بیان اور سلیس بندش مین کی، اور اس کے ہمعصر اور بعد کے تمام شعرا نے ان کے اتباع کی کوشش کی اور ان مین سے اکثر کامیاب ثابت ہوئے،

اور حقیقت یہ ہے کہ حامد نے جب سے شاعری شروع کی اس وقت سے آج تک اسکی حیثیت ایک امام فن کی رہی ہے، اور غالباً آئندہ شعرا بھی اوسی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرینگے، اسی لیے ترکی ادبیات کی تاریخ مین اس کو سب سے نمایان جگہ ملی ہے، چنانچہ اسمٰعیل حبیب کی کتاب کی ضخامت ۶۰۹ صفحے ہے جنمین سے ۱۵ صفحے صرف حامد کے لیے مخصوص ہین، اور کہا جاتا ہے کہ پھر بھی بحث تشنہ ہے، اور یہی خیال عام طور پر قائم ہے، کہ حامد کے متعلق جو کچھ لکھا جاسکتا تھا، اسمٰعیل حبیب نے اس کا عشر عشیر بھی نہین لکھا،

حضرت پیر روشانؒ

اور

فرقہ روشنائی

از

مولوی نیاز الدین خان صاحب دانشمند انصاری پنشنر جج بستی دانشمندان جالندھر

اکبر کے عہد سلطنت مین، پنجاب کی سرحد پر ایک روشنائی فرقہ پیدا ہوا تھا، اس کے پیرو زیادہ تر پٹھان اور افغان تھے، انھون نے سلطنت کے خلاف کئی بغاوتین کین، ان کے دبانے مین سلطنت کو کافی دقتین پیش آئین، ہندوستان کے عام مورخین نے ان واقعات کا ذکر کیا ہو لیکن ان سے اس فرقہ، اور اس کے خیالات وعقائد اور اس کے بانی کے متعلق کوئی علم نہین ہوتا، مولوی نیاز الدین خانصاحب نے جنکو خود اس خاندان سے تعلق ہے، اپنی خاندانی فارسی تاریخ تذکرۃ الابرار سے جسکا وہ اردو مین ترجمہ کررہے ہین، اور جسمین پیر روشانؒ کے حالات درج ہین، کچھ حصہ ہمارے پاس اشاعت کی غرض سے بھیجا ہے، اس مین جابجا خود پیر روشان کی تصنیفات سے اقتباسات درج ہین، جنسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک صوفی صافی بزرگ تھے، اور مذہبی صوفیانہ خیالات رکھتے تھے، بزرگون کے عام تذکرون کی طرح جنمین تاریخی، علمی، اور اخلاقی حالات کی جگہ کرامتین لے لیتی ہین، جنسے دوسرون کو کچھ فائدہ نہین پہنچتا، یہ تذکرہ بھی معلوم ہوتا ہے،

"معارف"

پیشتر اس کے کہ ہم حضرت پیر روشان کے حالات بیان کرین ہندوستان کے چند نامور مورخون کی وہ رائے درج کرتے ہین جو انھون نے اپنی تاریخون مین ان کے بارے مین لکھی ہین۔ صاحب تاریخ فرشتہ فرماتے ہین کہ:

"اکبر نے کنور مان سنگھ پسر راجہ بھگوان داس کو بغرض اخراج، افغانان روشنائی کہ ظلمت و کفر و زندقہ مین شہرت رکھتے تھے، روانہ کیا، کہتے ہین کہ ایک ہندوستانی شخص نے اپنا نام پیر روشان مشہور کیا تھا، اس نے افغانون مین جاکر انکو اپنا مرید بنا لیا، جب وہ فوت ہوا تو اس کا بیٹا جلالہ چودہ برس کا تھا وہ بادشاہ کی ملازمت مین آیا، اور کچھ عرصہ بعد بھاگ کر افغانون مین جا ملا، اور خدمتگزارون کو اپنے ساتھ متعلق کر کے اس نے ہندوستان اور کابل کا راستہ بند کر دیا، راجہ مان سنگھ افغانان روشنائی سے بمقابل کتل خیبر لڑا، اور ایک کثیر جماعت کے خون سے زمین کو رنگین کیا، سنہ ۹۹۴ھ مین جب جلالہ نے غلبہ پایا، سید حامد بخاری کو قتل کیا، پھر علاقہ بنگش کی طرف بھاگ گیا، اس پر بادشاہ نے عبدالمطلب خان و قلی بیگ و حمزہ بیگ ترکمان کو جلالہ کے تدارک کے لیے متعین کیا، جنھون نے جلالہ کو زیر کر لیا، اور اس کے گروہ کے بہت لوگ قتل ہوئے، اسی سال شاہزادہ خسرو پیدا ہوئے"

مادہ تاریخ وفات اکبر بادشاہ ؎

جلال الدین محمد شاہ اکبر		ز دنیا گشت سوئے خلد راہی
چو رضوان دید حیران شد کہ این کیست		ندا آمد کہ یک ظل الٰہی

مولانا محمد حسین آزاد دربار اکبری مین یون دُر افشانی کرتے ہین۔

"ملا عبدالقادر بدایونی اپنی تاریخ مین سنہ ۹۸۹ھ کے حالات مین لکھتے ہین: آج سے پچیس برس پہلے ایک ہندوستانی سپاہی پیشہ آدمی نے اپنے لیے پیر روشنائی خطاب تجویز کیا، اور افغانون مین جاکر بہت سے احمقون کو اپنا مرید بنا لیا، اور اپنی بے دینی اور بد مذہبی کو رونق دی اور ایک

کتاب تصنیف کرکے خیرالبیان نام رکھا، اس میں اپنے عقائد فاسدہ کو ترتیب دیا اور چند روز میں سرکے بل اپنے ٹھکانے جا پہنچا، ایک لڑکا چودہ سالہ جلالہ نام چھوڑ گیا، سنہ ۹۸۹ھ میں جب اکبر کابل سے آتا تھا، جلالہ ملازمت میں حاضر ہوا، اور مرحمت شاہنشاہی سے معزز ہوا، شقاوت ذاتی اور موروثی لڑکے کی پیدائش میں تھی، اور خود بھی پیدا کی تھی، اسلیے کچھ عرصہ کے بعد بھاگ گیا، انھیں افغانون میں جاکر پھر راہ زنی شروع کردی اور جم غفیر کو اپنے ساتھ متعلق کرکے ہندوستان اور کابل کا راستہ بند کردیا، فرقہ روشنائی روستائی (جنگل کی کمائی) کہ حقیقت مین عین تاریکی تھی، اس کے تدارک کے لیے بادشاہ نے کابل کو مان سنگھ کی جاگیر کرکے صوبہ دار کابل کیا، کہ ان سرشورون کو تنبیہ کرے، سید خان گکھڑ، بیربر، شیخ فیضی، اور شیخ فتح اللہ شیرازی وغیرہ کو بھی بھیجدیا، اس مہم کا انجام شاہی لشکر کی تباہی پر ہوا، آخر اکبر نے راجہ ٹوڈرمل کو بہت سی سپاہ دے کر روانہ کیا، راجہ نے نہایت ہوشیاری سے کام کیا، اور اس نے افغانون کو تنگ اور پریشان کرکے چھوڑا، موسم گرما سنہ ۹۹۲ھ مین، راجہ مان سنگھ بھی فوج لیکر بڑھا، درہ خیبر کے نواح مین سخت لڑائی ہوئی اور فرقہ مذکور کے ہزارون آدمی مارے گئے، بہت سے قید ہوئے، جلالہ علاقہ بنگش کی طرف بھاگ گیا، بارہہ کے سید عبدالمطلب خان نے اس کا تعاقب کیا، وہان پھر جلالہ نے فوج جمع کرلی، اور ایک خون ریز جنگ کی، جلالہ پھر بھاگ گیا، چند روز پہاڑون مین مارا مارا پھرا، پھر بدخشان سے ہوتا ہوا عبداللہ خان اوزبک کے پاس پہنچا، مگر اس نے جلالہ کی امداد نہ کی، یہ واقعہ سنہ ۱۰۰۱ھ کا ہے، پھر واپس آکر جلالہ ملک کے امن مین، بذریعہ راہ زنی خلل انداز ہوا، کابل ہندوستان کا راستہ مسدود کردیا، پھر اکبر نے آصف خان کو سپہ سالار بناکر روانہ کیا، جلالہ پھر بھاگ گیا، اس کا بھائی واحد علی، اور اہل و عیال، خویش و اقارب کہ قریب چارسو کے ہونگے گرفتار ہوکر آئے، قریب بیس سال کے اسکا شر جاری رہا، لشکر شاہی ان لوگون کو برابر پریشان کرتا رہا، سنہ ۱۰۱۰ء مین جلالہ نے غزنی پر قبضہ کرلیا،

اور اس کا آخری جاہ و جلال یہی تھا، وہاں بھی جنگ ہوئی اور جلالہ مارا گیا، فرقۂ روشنائی کے لوگ مدت تک اس کے نام پر چراغ جلاتے رہے، اب بھی کوہستان مذکور میں جو وہابی ہیں، ان کو سنت و جماعت مذہب کے ملا خفا ہو کر فرقۂ روشنائی کا بقیہ کہا کرتے ہیں" پھر مولانا آزاد فرماتے ہیں کہ "ہم ادنکو ذرۂ تاریکی ہی سمجھیں گے" (سبحان اللہ)

حضرت پیر روشنائی کا نام بازید مسکین تھا، ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے، بازید مسکین بن عبد اللہ بن محمد شیخ بن بابا شہباز بن شیخ محمود بن شیخ سراج الدین بن حضرت مولانا ابراہیم انصاری بن خواجہ محمود بن خواجہ حمزہ بن خواجہ داؤد بن خواجہ شمس الدین بن خواجہ خلیل بن خواجہ لقمان بن خواجہ صداد بن خواجہ منصور بن خواجہ محمد بن خواجہ مست الانصاری بن حضرت ابو ایوب الانصاری میزبان رسول خدا صلعم، آپ کی جائے پیدائش قصبۂ جالندھر ہے، آپ کا حجرہ اب تک حضرت شیخ احمد غوث ولی کے مقبرہ کے سامنے موجود ہے، کتاب خیر البیان آپ کی تصنیف ہے جو نہایت فصیح و بلیغ عربی، فارسی اور ہندی زبان میں لکھی ہوئی ہے، اس تصنیف سے آپ کا عالی رتبہ ظاہر ہوتا ہے، آپ نے ایک اور کتاب مقصود المومنین عربی میں لکھی تھی، اس میں نظم بھی ہے یہ کتاب علم سلوک میں ہے، حال نامہ آپ کی ایک اور کتاب ہے، جو پندرہ جزو کی کتاب ہوئی، اس کتاب میں عجیب و غریب حالات درج ہیں، ان کتابوں کے مطالعہ سے آپ کی قابلیت اور حسن بیان کا اندازہ ہو سکتا ہے

ایک دفعہ افغانوں نے حکیم مرزا سلطان کابل برادر اکبر بادشاہ کے حضور میں درخواست دی کہ ایک شخص نزولِ وحی کا مدعی ہے، مرزا سلطان نے آپ کو طلب کیا، آپ حاضر ہوئے، قاضی صاحب قاضی خان نام نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں الہام کا مدعی ضرور ہوں، قاضی صاحب نے فرمایا الہام کبھی صحیح اور کبھی غلط ہوتا ہے، آپ نے جواب دیا کہ میں اپنے الہام کو کلام اللہ اور سنت رسول اللہ پر منطبق کرتا ہوں، ان کے مطابق ہوتا ہے، تو صحیح مان لیتا ہوں، ورنہ چھوڑ دیتا ہوں، قاضی صاحب نے جواب کی صحت اور

---

[1] معارف :- یہ نام تصحیح کا محتاج ہے

تھا، یہ حکایت غلط اور بے جا ہے،

آپ کی بہت سی کرامتین بھی منقول ہین، نقل ہے کہ ایک دفعہ پھر افغانون نے کوئی بہتان آپ پر باندھا، سلطان نے اس پر بنظر امتحان آپ کو سیاہ چاہ مین قید کر دیا، کچھ عرصہ کے بعد دیکھا تو آپ زندہ تھے، آپ کو چاہ سے نکالا، آپ وہان سے کچھ اشعار بھی لکھ کر لائے تھے، اس پر سلطان مرزا، قاضی القضاۃ قاضی خان نامی اور حکیم خان اتالیق سلطان آپکے معتقد ہوگئے، روایت ہے کہ نواحِ پشاور مین افغان لوگ بلی کا گوشت پکا کر آپ کے کھانے کو لائے، آپ نے ازراہِ کرامت و فراست معلوم کر لیا، پھر آپنے طشت کی طرف اشارہ کیا بلی زندہ ہو کر بھاگ گئی،

آپ نے اول ارادت اپنے چچازاد بھائی شیخ اسمعیل بن شیخ خداداد سے کی تھی مگر آپکے والد منع کرتے اور کہتے کہ صاحب علم اور قاضی موجود ہین، تو تم اور دن سے کیون بیعت کرتے ہو، چونکہ آپ کو مرشد کی طلب تھی، ایک روز روحانی طور پر حضرت خضر سے ملاقی ہوے، اسی دن سے باطنی ترقی شروع ہوئی اور پہنچی جہان پہنچی فرقہ روشنائی کے لوگ حضرت خضر کی ملاقات کے دن کو روزِ عید کہتے ہین، خوشی مناتے اور روزہ رکھتے ہین،

آپ کی والدۂ ماجدہ کا وطن بھی جالندھر ہی ہے، آپ کے والد بزرگوار پہلے حرم کی طرف اس واسطے کم توجہ فرماتے تھے، کہ آپنے شیخ یعقوب کی والدہ سے نکاح کر لیا تھا، ایک دن آپکے والد ماجد نے ان سے کہا کہ تم منحوس لڑکے ہو، تمھارے پیدا ہونے سے پہلے درخت [illegible] کیا کرتے تھے، اب کوئی نہین کرتا، آپ نے عرض کی کہ یہ سب کچھ میری بزرگی کے باعث تھا، آپ ذرا جنگل مین تشریف لے چلین، جب دونون صاحب باہر تشریف لے گئے، تو آپ کو درختون نے سجدہ کیا، اسپر آپ کے والد آپ کے حال پر زیادہ توجہ فرمانے لگ گئے

آپ کے والد کوہستان مین قاضی تھے، ان کے مرنے کے بعد ان کے دوسرے صاحبزادے شیخ یعقوب اور ان کے بعد ان کے بیٹے میان محمد علی و میان شیخ سلطان قاضی مقرر ہوئے، حضرت پیر قضا کے کام کو پسند نہین کرتے تھے، قاضیون سے آپ فرمایا کرتے خدا سے ڈرو اور رشوت نہ لو، نیکی اور تقوی اپنا شعار

بنائو، اس قسم کی باتون سے آپکے والد، اور بھائی وغیرہ رنجیدہ ہوا کرتے، آخر ان سب نے ناراض ہو کر آپکو وطن سے نکال دیا، آپ نواح باجوڑ اور بنگش مین آٹھہرے، وحشی افغان آپکے حالات اور کرامتین دیکھ کر آپ کے معتقد ہو گئے اور ان مین سے اکثر ہدایت یاب ہو کر آپکے حلقہ بگوش بن گئے،

آپ کا لقب پیر روشان اس واسطے ہو گیا کہ ایک شب چراغ خانہ مین تیل کم ہوا، اور چراغ گل ہونے لگا، تو آپنے فرمایا چراغ مین پانی ڈالدو، ایک مرید نے حسب الحکم پانی ڈالدیا، پانی پڑنے سے چراغ کی روشنی زیادہ ہو گئی، اس دن سے آپ کا نام پیر روشان ہو گیا، ادھر تو تمام افغان آپ کے معتقد اور مرید بن گئے،

اُدھر اکبر بادشاہ تیموری کے اہلکارون نے رعایا پر دست ستم دراز کیا، اور خوب لوٹ مچائی، ظلم اور جبر یہانتک بڑھا کہ ایک دن ان لوگون نے ایک افغان عورت کو پکڑ لیا، اور اس کے سر کے بال ایک چکی سے باندھ دیے جون جون چکی پھرتی عورت ساتھ ساتھ پھرنے پر مجبور ہوتی۔ آپ نے یہ سختی دیکھ کر حضور سرور کائنات کی طرف توجہ کی، اور آپ کا حکم اور اجازت پا جانے پر ان کے اس دست درازی کو روک دیا، اور ملک مین عدالت و انصاف کی رسم از سر نو جاری اور تازہ کر دی۔ ان دنون حضرت شیخ غوث الکرام نے جالندھر مین فرمایا، کہ کوہستان مین آگ جل اٹھی ہے خدا خیر کرے یہ آپکے بزرگون مین ہین جنکا مزار پاک جالندھر مین موجود ہے۔ افغانون مین ایک طالب علم ملا درویزہ نام علما کا عمامہ سر پر رکھ کر اسی علاقہ مین طبل بزرگی بجاتا پھرتا تھا، چونکہ آپ کا ایک جہان مرید و معتقد ہو گیا تھا، یہ شخص از راہ بدنفسی آپکی شان مین بیہودہ باتین جوالہ قلم کیا کرتا تھا،

کتاب صراط التوحید مین جو ۹۸۰ھ مین لکھی گئی تھی، آپ نے تحریر فرمایا ہے، کہ بعد حصول کمال مین تجارت کے لیے قندھار گیا، اس جگہ ایک ظالم حاکم بیرم خان نام حکومت کرتا تھا، اس کے داروغہ تجار کے مال کے گیارہ حصے کرتے، چھ حصے تو خود لے جاتے اور پانچ مالک کے پاس رہنے دیتے، لوگ مجھکو بیرم خان کے پاس لے گئے، اور مین اس کے روبرو جا کر دو زانو بیٹھ گیا، اسی وقت الہام ہوا کہ دنیا کی خاطر تم اس کے روبرو دو زانو ہو بیٹھے اوٹھو اور فوراً گھر چلے جاؤ، اور پانچ سال گھر سے باہر نہ نکلو، ورنہ تم سے یہ تمام مراتب چھین لیے جائینگے

اس مین گھر واپس چلا آیا اور گوشہ مین بیٹھ گیا، یہ اکیسوان سال ہے کہ مین محبت باطن سے وہین بیٹھا ہون نہ کسی کے دروازے تک جاتا ہون اور نہ کسی سے کچھ طلب کرتا ہون، اس پانچ سال کی میعاد گذرنے پر مریدون و معتقدون کے ہدایت کا حکم ہوا، پھر الہام ہوا کہ ایک رسالہ لکھکر بادشاہون اور امیرون کو بھیجدو، تاکہ وہ بھی معہ اپنے لوگون کے راہ ہدایت پر آجائین، اس الہام کی بناپر یہ رسالہ لکھا گیا تھا، ایک جگہ اس رسالہ مین آپ لکھتے ہین، کہ ایک طالب کا مراتب حاصل کرنا اسکی اپنی استعداد پر موقوف ہے، جس مین استعداد زیادہ اس کا راستہ نزدیک، طالب کیلیے استعداد سوزی کا کام دیتی ہے، اور اس استعداد سے مطلب، خدا سے ڈرنا ہے اگرچہ صاحب کتاب "مقصد قصی" نے ایک با استعداد طالب کے منزل پر پہنچ جانے کے لیے ۳۰-۴۰ بلکہ ۶۰ سال کی میعاد مقرر فرمائی ہے لیکن ہمارے نزدیک ایک با استعداد طالب ۲-۳ یا زیادہ سے زیادہ سات سال مین ہمارے خلیفہ کے رتبہ پر پہنچ سکتا ہے، اگر طالب مین استعداد نہ ہو تو وہ مراتب عالی پر نہ سات سال مین نہ نو سال مین نہ بارہ سال مین نہ پندرہ سال مین پہنچیگا، اور اپنا مطلب حاصل کر سکتا ہے،

اپنی تصوف کی کتابون مین ان مقامات کا آپ نے اکثر ذکر کیا ہے، آپ فرماتے ہین، کہ اول مقام شریعت ہے، اس مین رسولون کے ارشادات ہین، مثلاً لغو اور فحش سے زبان کو پاک رکھنا، صدق اور راستی سے بات کرنا، دوسرا مقام طریقت ہے اور یہ انبیاء کا عمل ہے اس مین اعضاء کو برے کامون سے دور کرنا ہے، اور نیک کامون کے لیے ان کو زندہ کرنا ہے، سوئم مقام حقیقت ہے، اور یہ انبیا کا حال ہے، اس مین ذکر خفی اور فکر دائم ہوتا ہے. چہارم مقام معرفت ہے، اور یہ رسولون کے اسرار ہین، یہان ہر حال مین چشم دل سے خدا کو دیکھنا ہے، پنجم مقام قربت ہے، اس مین حق کی آواز سنائی دیتی ہے اور ہر شے کی تسبیح سنی جاتی ہے، ششم مقام وصلت ہے، اس مقام مین اپنی ہستی ذات خدا مین فنا ہو جاتی ہے سننا، دیکھنا، پکڑنا، لینا سب خدا سے ہوتا ہے ہفتم مقام وحدت ہے جسکی نسبت رسول خدا صلعم کی حدیثین ہین، مثلاً جس نے مجھ کو دیکھا اس نے خدا کو دیکھا، مین محمد بلا میم ہون، وغیرہ وغیرہ بعض کتابون مین آپنے ہشتم مقام سکونت بھی لکھا ہے، جہان روح کو ہر چیز سے سکونت حاصل ہو جاتی ہے،

سوشیالزم کے مختلف نظریئے

اور

مختلف سوشیالسٹ قومین

(۲)

از

مولانا عبد السلام ندوی،

سوشیالسٹ گروہ کے مختلف نظریات وخیالات کی تحلیل اگرچند محدود اصول مین کیجائے تو اس کا مختصر طریقہ یہ ہے کہ ہم نظام اجتماعی کے اساسی اصول کا سراغ لگائین،

نظام اجتماعی کے دو متناقض اصول نہایت قدیم زمانے سے باہم معرکہ آرا ہین، اور تمدن جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے اسی قدر انکی نزاع زیادہ بڑھتی جاتی ہے، اور آج چونکہ تمدنی ترقیان ذروۂ کمال کو پہنچ گئی ہین، اسلیے ان دو قوتون کی جنگ بھی باہم نہایت سخت ہو گئی ہے،

ان مین پہلے اصول کی تعبیر فردیت سے کیجاتی ہے جس کے معنی یہ ہین کہ انسان تمام مہمات امور کا خود ذمہ دار و متکفل ہو، اور حکومت کی اعانت و مداخلت سے بہت کم فائدہ اٹھائے،

اگرچہ یہ بدیہی ہے کہ تمدن کے تمام اہم عناصر مثلاً علوم و فنون، فلسفہ، مذہب اور اختراعات و ایجادات وغیرہ افراد کا کارنامہ ہین، جماعت کو ان سے کوئی تعلق نہین ہے، یہی وجہ ہے کہ جن قومون مین فردیت زیادہ ترقی کرجاتی ہے، وہی تمام دنیا کے تمدن کی فرمانروا بنجاتی ہے، لیکن باایں ہمہ قدیم زمانے مین چونکہ حکومتون کا اثر و اقتدار نہایت وسیع ہو گیا تھا، اس لیے حکومت سے الگ ہو کر افراد کی کوئی قدر و قیمت باقی نہین رہتی تھی، اسلیے

سب سے پہلے فردیت کی حمایت مین شورش فرانس نے حصہ لیا اور افراد کو آزاد کر کے حکومت بلکہ خاندان، سوسائٹی اور مذہب سب کے دائرۂ اثر سے الگ کر لیا، لیکن اس کے بعد اس نے افراد کو بالکل خودسر اور مطلق العنان چھوڑ دیا، اسلیے قومیت کے تمام اجزار رفتہ رفتہ پراگندہ ہوگئے، کیونکہ جو قومین خود اعتمادی کے وصف سے معرا ہوتی ہین وہ اس قسم کی خودسرانہ فردیت سے کوئی مستقل فائدہ نہین اٹھا سکتین، وہ مساوات کی تو بڑی حریص ہوتی ہین، لیکن حریت و آزادی کی بہت کم پروا کرتی ہین، کیونکہ حریت ایک دائمی جنگ کا نام ہے جو ترقی کا سنگِ بنیاد ہے، اور اس جنگ مین صرف وہی لوگ فتحیاب ہوتے ہین، جو ذاتی قابلیت رکھتے ہین، باقی کمزور لوگون کو یہ کشمکش فنا کر دیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ صرف طاقتور لوگ انفرادی زندگی بسر کر سکتے ہین، اور ضعیف لوگ ہمیشہ غلامانہ اور محکومانہ زندگی کو ترجیح دیتے ہین، لیکن چونکہ ان کو مساویانہ حقوق حاصل ہوتے ہین، اسلیے ان کو اس غلامی کا احساس نہین ہوتا، بہرحال نتیجہ جو کچھ بھی ہو، لیکن سوشیالزم اصول فردیت کی علانیہ مخالفت کرتی ہے، اور اسی اصول کی مخالفت کی بنا پر سوشیالسٹون نے یہ اصول قائم کیا ہے کہ انفرادی فوائد کو اجتماعی فوائد پر قربان کر دینا چاہیئے، اور قدرت نے جو عدم مساوات پیدا کر دی ہے، اسکی تلافی مافات کے لیے تمام قومی دولت کی تقسیم خود قوم کے ہاتھون سے ہونی چاہیئے،

اسی اصول کا اصطلاحی نام تنوعیت ہے، جو انسان کے استقلال ذاتی کو ایک مرکزی حکومت کے تابع کر دیتا ہے، اس لیے حکومت کی تیار کردہ روش کے سوا وہ کسی راستہ پر قدم ہی نہین رکھ سکتا، سوشیالسٹ گروہ اگرچہ حکومت کے لفظ کو ناگواری کے ساتھ سنتا ہے، اسلیے اس کے بجائے جمہوریت یا جماعت کا لفظ استعمال کرتا ہے، تاہم نتائج دونون کے ایک ہی ہین، یعنی اس اصول کے رو سے دنیا کا اجتماعی نظام یہ قائم ہوگا کہ:-

(۱) حکومت کے اختیارات وسیع اور افراد کے اختیارات محدود ہو جائینگے،

(۲) تمام دنیا کا راس المال، تمام دنیا کی کانین، اور تمام دنیا کی جائدادین حکومت یا جماعت کے قبضہ مین آجائین گی، سرکاری ملازمتون کے ذریعہ سے وہی تمام دنیا کی روزی تقسیم کرے گی،

(۳) حقوقِ وراثت کا خاتمہ ہوجائے گا، اور کوئی شخص مال و دولت کے جمع کرنے کا مجاز نہ ہوگا،

(۴) شخصی آزادی، عملی استقلال، اور باہمی کشمکش و مقابلہ کی بیخکنی ہوجائے گی، اور تمام دنیا ایک عام خانقاہ یا لنگرخانہ بنجائے گی،

(۵) افراد کی شخصی حیثیتیں فنا ہوجائینگی اور ان کو صرف کھانا کپڑا ملا کرے گا،

ان نتائج کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک نہایت طاقتور اور خودمختار مرکزی حکومت قائم ہوجائے گی، جو فرد فرد کو اپنا غلام بنائے گی، اور وہ سرکاری ملازمین کے دستِ نگر ہوکر اپنا کام اسی طرح انجام دینگے جس طرح قیدی جیلر کی ماتحتی مین کام کرتے ہین، ان کی تمام ذاتی قابلیتین فنا ہوجائینگی، اور کام کرنے کے بعد ان کا کام صرف مویشیون کی طرح کھانا، پینا اور سونا ہوگا، کیونکہ جب کوئی محرکِ عمل باقی نہ رہے گا، تو کوئی شخص اپنی بگڑی ہوئی تقدیر کے بنانے کی فکر کیون کرے گا، اور یہی وہ غلامی ہے جس سے آزاد ہونے کی کوئی توقع باقی نہ رہے گی، ایک مزدور جو سرمایہ دارون کے شکنجے مین جکڑا ہوا ہے، کم از کم یہ تخیل تو قائم کرسکتا ہے کہ وہ جد و جہد کرکے خود ایک سرمایہ دار کی حیثیت حاصل کرسکتا ہے، لیکن جو شخص اس قسم کی مرکزی حکومت کا غلام ہوگا، جو اسکی تمام ضروریات کو پورا کرتی ہے، وہ اس قسم کا تخیل بھی نہین قائم کرسکتا، لیکن بایں ہمہ ایک سوشیالسٹ مزدور کو ان غلامانہ نتائج کی کوئی پروا نہین ہے، کیونکہ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، جو لوگ خود اعتمادی کے وصف سے معرا ہوتے ہین، وہ مساوات کے زیادہ خواہشمند ہوتے ہین، آزادی و استقلال کی پروا نہین کرتے، اس حالت مین تمدن کے دوسرے اہم اجزا، مثلاً علوم و فنون کا بھی اگرچہ خاتمہ ہوجائے گا، کیونکہ وہ صرف شخصی قابلیتون اور انفرادی کوششون کا نتیجہ ہوتے ہین، اور سوشیالزم حکومت مین شخصیت و انفرادیت کا وجود ہی باقی نہین رہتا، تاہم مزدورون کو انکی بھی کوئی پروا نہین ہے، وہ صرف فرق و امتیاز کو مٹا کر مساوات کو پیدا کرنا چاہتے ہین، اور وہ اس حکومت مین بظاہر پیدا ہوجاتی ہے،

یہی وجہ ہے کہ جن ممالک مین استبداد و خودمختاری نے رعایا کے استقلال و آزادی کو جس قدر فنا کیا ہے

اوسی قدر وہان سوشیالزم کو زیادہ ترقی ہوئی ہے، مثلاً تمام یورپین ممالک مین جرمنی نے سوشیالزم کو سب سے زیادہ قبول کیا ہے جسکی وجہ صرف یہ ہے کہ وہان ایک مدت سے عام فوجی نظام قائم ہے، اور دنیا مین صرف یہی ایک ایسا نظام ہے، جو افراد کی شخصی آزادی کو بالکل فنا کر دیتا ہے، ان کے مصالح کو جماعت کے مصالح پر قربان کر دیتا ہے اور ایک ایسا استبدادانہ اور خود مختار مرکزی اقتدار قائم کر دیتا ہے، جو سوشیالزم کے لیے بالکل موزون ہوتا ہے، اور پروشیا کے زیر اقتدار جو جرمن اتحاد قائم ہوا وہ اسی قسم کا خود مختارانہ اتحاد تھا، کیونکہ جرمنی نے اسٹریا اور فرانس کو مغلوب کر کے اپنے ساتھ متعدد چھوٹی چھوٹی سلطنتون کا الحاق کر لیا، اس کے بعد محض تلوار کی طاقت سے ایک عام مرکزی اور فوجی حکومت قائم کر لی جس نے مقامی اور عقلی زندگی کا خاتمہ کر کے تمام شخصی اعمال و اختیارات سلب کر لیے، اور چونکہ سوشیالزم بھی اسی قسم کی با اقتدار مرکزی حکومت قائم کرنا چاہتی ہے، اسلیے اس نے قدرتی طور پر اپنی اشاعت و ترقی کے لیے جرمنی مین ایک وسیع میدان پا لیا، اور ابتدا مین بسمارک نے اوس کی حمایت بھی کی، لیکن اس کے بعد چونکہ جرمن سوشیالسٹون نے حکومت کیساتھ گستاخانہ آویزشین پیدا کین اس لیے حکومت نے بہت سے لوگون کو سزائین دین، اس کے بعد سزا کے خوف اور اس غلامانہ روح نے جس کو جرمن فوجی نظام نے قائم کر دیا تھا، وہان کے سوشیالسٹون کے خیالات و نظریات مین بھی بہت کچھ اعتدال پیدا کر دیا اور انھون نے یہ رائے قائم کر لی کہ سرمایہ دارون کا عام استیصال بالکل ایک خیالی چیز ہے، کیونکہ وہ جس طرح ایک مدت مین پیدا ہوئے ہین، اسی طرح ایک مدت کی تدریجی کوششون کے بعد بھی ان کا خاتمہ ہو سکتا ہے، اس لیے وہ نہایت آہستہ آہستہ جمہوری طریقون سے مزدورون کی حالت کو بہتر بنا رہے ہین، اور اس عملی حقیقت کے ساتھ وہ عقلی حیثیت سے بھی اپنے خیالات مین تغیر پیدا کر رہے ہین، اور اب شیوعیت کا نظریہ اون کی نگاہون سے گرتا جاتا ہے، حالانکہ فرنچ سوشیالسٹ ایک مقدس مذہبی خیال کی طرح اس کا احترام کرتے ہین،

اس کے بالکل برعکس جن قومون مین آزادی و استقلال، عزم و ارادہ، اور باہمی تکفل و اعانت کے اوصاف پائے جاتے ہین، وہ اصول شیوعیت کے بالکل مخالف حکومت کے دائرے کو تنگ اور افراد کے اختیارات

کو وسیع کرتی ہین، اور اس مین حکومت کی مختلف شکلون کو کوئی دخل نہین ہوتا، مثلاً انگریزون کے یہ اوصاف انگلستان کی شخصی اور امریکہ کی جمہوری حکومتون مین یکسان طور پر نمایان نظر آتے ہین، اور ان دونون حکومتون مین تمام پبلک چیزین، مثلاً ریلوے، بندرگاہ اور یونیورسٹیان وغیرہ انگریزی قوم کے افراد نے بنائی ہین، حکومت نے ان کو ہاتھ نہین لگایا ہے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ اس قوم مین سوشیلزم کو بارآور ہونے کا بہت کم موقع ملا ہے، کیونکہ سوشیلزم حکومت کے اقتدار کو وسیع، اور افراد کے اختیار کو محدود بلکہ مسلوب کر دیتی ہے، اور سوشیلزم کا یہ نتیجہ اس قوم کے فطری اخلاق کے بالکل منافی ہے۔

انگلستان مین سوشیلزم کا سب سے زیادہ حامی صرف مزدورون کا گروہ ہوسکتا ہے لیکن عملی طور پر یہ تمام اوصاف اس مین بھی پائے جاتے ہین، اور علمی حیثیت سے اوسکو اپنے مواقع حاصل ہین کہ ان واقعات کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرسکتا ہے۔ مثلاً جن اخبارات مین جدید آلات کی ایجاد و اختراع کا حال شائع ہوتا ہے اُن کو مزدورون ہی کا گروہ پڑھتا ہے، عام مقامی اخبارات بھی نہایت صحیح اقتصادی اور صنعتی خبرین شائع کرتے ہین، اور ان سے یہ گروہ باخبر رہتا ہے، موسیو (دورزیہ) کہتے ہین کہ مین نے ایک کارخانے کے مزدور سے چاندی اور سونے کے نظام و اصول پر گفتگو کی، تو گو وہ واضح اور فصیح الفاظ مین جواب نہ دیسکا لیکن اس کے خیالات عملی اور صحیح تھے"۔ اعانت، احسان اور رفاہیت عامہ کی بہت سی کمپنیان خود مزدورون نے قائم کی ہین، اور حکومت اور سرمایہ دارون سے بے نیاز ہوکر وہی ان کو چلاتے ہین، ان کے ذریعہ سے علمی اور عملی دونون حیثیتون سے ان کے ذاتی اوصاف نمایان ہوتے ہین، موسیو (دورزیہ) فرماتے ہین کہ "یہ تعلیمی، اعانت باہمی کی کمپنیان اور انسداد مسکرات اور صدقات و خیرات کی جو بکثرت انجمنین قائم ہین وہ ایک ایسی نسل پیدا کر رہی ہین، جو عملاً طاقتور ہوگی، اور بغیر شورش و بغاوت کے سیاسی انقلاب پیدا کرسکیگی۔ یہی اقتصادی معلومات کی بنا پر ایک انگریزی مزدور یہ جانتا ہے کہ سرمایہ دارون کے مقابلہ مین وہ اپنے حقوق و مصالح کا تحفظ کیونکر کرسکتا ہے؟ اور اوسکو اسٹرائک کیونکر کرنی چاہیئے؟ اوسکو یہ معلوم رہتا ہے کہ

سرمایہ دار کتنا خود لیتا ہے؟ اور کتنا اس کو دیتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ راس المال کے منافع اور اجرت مین جب غیر معمولی فرق ہوجاتا ہے تب وہ اسٹرایک پر آمادہ ہوتا ہے، اور بیکاری کے وظیفہ اور پنشن کو عقل و اخلاق دونون کے مخالف سمجھتا ہے، اسکو اقتصادی مشکلات اگر پیش آتی ہین تو وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ صرف سرمایہ اور محنت کے تصادم کا نتیجہ نہین، بلکہ ان دونون کے درمیان خریدارون کی ایک اور مضبوط کڑی حائل ہے جو سرمایہ اور محنت دونون پر یکسان اقتدار رکھتی ہے، اسلیے جب کساد بازاری اور بیکاری اجرت کی کمی پر مجبور کردیتی ہے تو وہ اسکو بخوشی گوارا کرلیتا ہے، یا اپنی عملی قوت کی بناپر اپنے پیشے کو بدل کر دوسرا پیشہ اختیار کرلیتا ہے،

یہ سچ ہے کہ انگلستان مین بھی چند سال سے سوشیالسٹ خیالات کی اشاعت ہورہی ہے، لیکن ان خیالات کی حمایت یا تو وہ مزدور کرتے ہین جنکو نہایت کم اجرت ملتی ہے یا وہ نالائق لوگ ان کے حامی ہوجاتے ہین جنکو کوئی مدنی مشغلہ نہین ملتا، امریکہ مین بھی حامیان سوشیالزم کی ایک فوج گران تیار ہورہی ہے، لیکن وہ ان اجنبی لوگون سے مرکب ہے جو باہر سے آکر یہان آباد ہوگئے ہین، اور ان مین وہ استعداد اور قابلیت موجود نہین ہے، جو اس جدید وطن کی قومی اور تمدنی زندگی مین ان کو کامیاب کرسکے، خود ولایات متحدہ بھی اس تمدنی نقصان کو محسوس کررہے ہین، اور عنقریب وہ زمانہ آنے والا ہے جس مین ان کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے گا، کیونکہ افراد کی مقدس آزادی اور تمدن کا تحفظ، صرف اسی قسم کی قربان گاہون کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے،

عربون کے جنگی بیڑے

جریدۂ "الفیحا" دمشق جلد۴ نمبر۱، مین "الاساطیل العربیۃ یعنی "عربون کے جنگی بیڑے" کے عنوان سے ایک مختصر مقالہ آیا ہے، جسمین وہ لکھتے ہین:-

"امیر معاویہ کے زمانہ سے اسلامی مملکت مین جنگی بیڑے داخل ہوئے، اور سب سے پہلے عبداللہ بن قیس کو امیر البحر بناکر بحر روم مین رومی جزائر پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا گیا، جنھون نے کم وبیش پچاس حملے کیے اور ان بحری حملون مین ایک مسلمان سپاہی بھی غرقاب نہین ہوا، اور انھین کے حملون کے سلسلہ مین جزیرۂ قبرص (سائپرس) ۲۸ھ مین اسلامی اقتدار مین داخل ہوا،

ان کی شہادت کے بعد جو انھی بحری جنگون کے سلسلہ مین نصیب ہوئی سفیان بن عوف ازدی امیر البحر مقرر کیے گئے، جنھون نے عبداللہ بن قیس کے خون کا پورا انتقام لیا،

اسلامی اور بیزنطی رومی حکومت مین سب سے پہلے اہم باقاعدہ بحری جنگ ۳۱ھ مین ہوئی ہے جسمین قسطنطین بن ہرقل چھ سو جنگی جہازون کے ساتھ شام پر حملہ آور ہوا اور اسکے مقابلہ کے لیے مصر کے گورنر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور شام سے معاویہ بن ابی سفیان روانہ ہوئے، سمندر مین اسلامی اور بیزنطی رومی بیڑے معرکہ آرا ہوئے اور نہایت خونریز جنگ کے بعد عربی بیڑے رومی بیڑون پر فتحیاب ہوئے، دونون طرف سے اس قدر کثرت سے جہاز تھے کہ سمندر مین جھنڈیان ہی جھنڈیان نظر آتی تھین اور اسی مناسبت سے عرب مورخین نے اس جنگ کا نام "غزوۃ الصواری" رکھا ہے

امیر معاویہ کے عہد حکومت مین جنگی جہازون کی تعداد ایک ہزار سات سو تک تھی، جو زیادہ تر لبنان کی لکڑی سے خاص عربون کی نگرانی مین بنائے گئے تھے، امیر معاویہ کو انھی جہازون کے ذریعہ سے بحر روم کے اکثر جزائر پر غلبہ حاصل ہوا، اور پھر ۵۲ھ مین بحیرۂ مارمورا مین پہنچکر قسطنطنیہ کا بھی محاصرہ کیا گیا، لیکن چھ سال تک محاصرہ کے بعد رومیون نے ایک خاص قسم کی سیال آگ سے جسکو عام طور سے "یونانی آگ" کہا جاتا ہے، ان عربی بیڑون کو تباہ و برباد کر ڈالا، اور پھر اسلامی فوجون کو اپنے باقی ماندہ بیڑے واپس لانا پڑے،

اگرچہ قسطنطنیہ کے محاصرہ مین اکثر جہاز خاکستر ہوکر غرقاب ہوگئے، لیکن عربون نے بہت جلد اپنی بحری قوت کی طرف ازسرنو توجہ کی، چنانچہ رفتہ رفتہ بہت جلد ثابت کردیا کہ عربون کے جنگی بیڑے بحر روم پر منڈلانے لگے، یہانتک کہ ولید بن عبدالملک اموی چھٹے خلیفہ کے عہد خلافت مین انھی بیڑون کی مدد سے جزیرۂ اندلس پر اسلامی پرچم لہرانے لگا"

اس کے بعد فاضل مضمون نگار موسیو سیدیو کے الفاظ مین ہندوستان پر حملہ آور اسلامی بیڑون کا تذکرہ کرتے ہین:-

"۱۵ھ مین عمان سے کچھ اسلامی جہاز ہندوستان کو فتح کرنے کے لیے بھیجے گئے جنھون نے جزیرۂ تھانہ پر جو بمبئی کے قریب تھا اقتدار حاصل کرلیا، اور جزیرۂ بحرین سے بھی کچھ اور جہاز آئے جنھون نے خلیج کھنبائت مین آکر شہر بڑودہ کو روند ڈالا، ان کے علاوہ ایک تیسرا بیڑا اور آیا جو دریائے سندھ کے دہانے تک پہنچا تھا، پھر عبداللہ بن عامر نے ۲۳ھ مین بلاد کرمان اور سیستان پر قبضہ کرلیا"

پھر قتیبہ بن مسلم کی آمد کا تذکرہ کرکے موسیو سیدیو اپنی "تاریخ عرب" مین لکھتے ہین:-

پھر وہ اپنے جہازون پر دریائے سندھ ہو کر ملک کے اندرونی حصہ مین داخل ہوا، اور ایک لشکر جو مکران مین تھا وہ بھی مدد کو آپہنچا، پھر اس نے اپنے لشکر کو کشمیر کی ہموار زمین (پنجاب)

...بن پھیلا دیا اور دریائے سندھ کے ساحلی شہروں نے مقابلہ کی جرأت نہ کی لشکر نے ان سب کو زیر نگیں
ہزیمت دی،

ان کے بعد عباسیوں کا عہد حکومت آیا جس میں عربوں کے جنگی بیڑے اپنے عروج کے کمال پر پہنچ گئے،
اس دور میں ایک طرف عباسیوں کے بیڑے بحر روم میں، دوسری طرف اموییوں کے بیڑے اندلس
فاطمیوں کے جنگی بیڑے مصر میں عربوں کی بحری عظمت و شوکت کا سکہ بٹھائے ہوئے تھے،
فاضل مضمون نگار نے اس مقالہ میں اس درجہ اختصار سے کام لیا ہے کہ اجمالی حیثیت سے بھی جو
ہستے تھے ان کا تذکرہ نظر انداز ہوگیا،

اصل یہ ہے کہ اولوالعزم عربوں نے حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اسلامی بیڑے کی ضرورت محسوس
دربار خلافت سے اس کی استدعا بھی کی گئی، لیکن حضرت فاروق اعظمؓ عرب اور روم و عجم کے درمیان
[illegible] کے حائل ہو [illegible] کے خواہاں تھے اور [illegible] ممالک اسلامی کے خواہاں نہ تھے، اسی لیے
سب سے پہلے کی اسلامی تاریخ میں عربوں کی کوئی منظم بحری طاقت عالم وجود میں نہیں آئی، پھر جب
عثمانؓ کا دور آیا تو جنگجو عربوں نے بحری حملہ کی اجازت کے لیے نئے سرے سے سلسلہ جنبانی شروع
ان کو بڑی قیل و قال کے بعد مجبور ہو کر [illegible] اجازت کامیابی نصیب ہوئی، چنانچہ جیسا کہ مقالہ
بیان کیا امیر معاویہؓ نے حضرت عبداللہ بن قیس الجاسی امیر البحر کو جزائر بحر روم پر حملہ آوری کے لیے
اور ان کے بعد سفیان بن عوف ازدی بھیجے گئے

اس دور کے صرف دو چار سال میں جزیرہ قبرص کے علاوہ بعض دیگر اہم جزائر کریٹ، کوس اور روڈس
حکومت اسلامی کے زیر علم آگئے، اور سب سے پہلے اسلامی بیڑے کی طاقت کا صرف اس سے اندازہ
ہو سکتا ہے کہ وہ بحر روم کے سب سے اہم ترین جزیرہ صقلیہ (سسلی) کے ساحل پر لنگر انداز ہو کر معرکہ آرا ہوئے
اس کے بعد اگرچہ بحر روم پر ایک آدھ حملہ ہوا لیکن درحقیقت بحر روم میں اسلامی بیڑوں کا

حقیقی مظاہرہ حضرت معاویہ بن خدیج کندی کی ولایت افریقہ سے شروع ہوتا ہے، یہ ۴۵ھ (۶۶۵ء) سے ۵۰ھ (۶۷۰ء) تک والی رہے، اور اس اثنا میں بحرِ روم کے ایسے متعدد جزائر پر جنگی بیڑون کے ذریعہ اقتدار حاصل کیا جو افریقہ کے قرب وجوار مین واقع تھے،

اس کے بعد بھی ۵۰ھ (۶۷۰ء) سے ۶۰ھ (۶۸۰ء) تک بحری حملون کا سلسلہ جاری رہا اور اسی اثنا مین بحری اقتدار حاصل کرنے کے لیے عربون کا سب سے پہلا "دار الصناعۃ" یعنی جہاز سازی کا کارخانہ فسطاط کے سامنے جزیرہ روضہ مین قائم ہوا، اس کے بعد خلیفہ عبد الملک بن مروان کے حکم سے حسان بن نعمان والیِ افریقہ (۷۰ھ-۸۲ھ ۶۹۰ء-۷۰۱ء) نے جنگی جہاز اور بحری آلاتِ حرب تیار کرنے کے لیے ٹیونس مین ایک "دار الصناعۃ" قائم کیا، لیکن اس سے پہلے اس وقت ٹیونس سمندر سے بارہ میل دور تھا، اس لیے یہ "دار الصناعۃ" بحری قوت کے استحکام مین کچھ زیادہ مفید ثابت نہ ہو سکا، مگر جب موسیٰ بن نصیر والیِ افریقہ ہوا تو اس نے سب سے پہلے اسی طرف توجہ کی اور بارہ میل کی ایک نہر کھود کر بحرِ روم کی موجون کو ٹیونس کی دیوارون سے ٹکرا دیا، اور پھر ۸۶ھ (۷۰۵ء) سے ایک منظم صورت مین جہاز سازی کا کام شروع ہو گیا، اور بہت جلد اس کارخانہ کے بنے ہوئے سو جہازون کا ایک نہایت زبردست مستحکم بیڑا تیار ہوا، اور اسی کے بعد عربون کی بحری قوت دنیا کی لاثانی قوت ہو گئی اور اندلس، شام اور مصر وغیرہ مین جہاز سازی کیلئے کثیر تعداد مین دار الصناعۃ قائم ہو گئے، چنانچہ اغالبہ کے ستارۂ اقبال غروب ہونے سے پہلے شجاعانِ عرب بحرِ روم کی تلاطم خیز موجون پر تنہا حکومت کرتے تھے اور اس کے تمام جزائر سرڈانیہ (SARDINIA) صقلیہ (SICILY) قیطنہ (C. SPARTIVENTO) مالطہ (MALTE) کریٹ اور قبرس وغیرہ مین جنکے ساتھ نہایت اہم تاریخی عظمتین وابستہ ہین، اسلامی تہذیب وتمدن جلوہ ریز تھی، اور اس کے علاوہ بحرِ شامی (COROSTOLS) کو عبور کرکے اٹلی کے شمالی حصص صوبہ موڈنیہ (MODENA) مین سے ریلو (REGGIO) وغیرہ اور یہان تک کہ جینوا ( ) تک پہنچے اور پھر ادھر اندلس جیسے

ظیم الشان جزیرہ پر صرف عربون کے جنگی بیڑون کی شوکت و قوت کے باعث اسلامی پرچم لہرانے لگے،

"ر"

حال قال والے مسیحی صوفی

مسیحی دنیا مدت سے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دو عظیم الشان فرقون مین منقسم ہے، لیکن عیسائیون کے ذیل
ے دو جدید فرقون کے حالات خاص طور پر جاذب توجہ ہین، جنکو الهلال مصر نے اپنے مارچ کے رسالہ مین شایع کیا ہے
یہ دونون فرقے موسیقی و ترنم اور رقص و سرود (یا سماع اور حال وقال) کے سلسلہ مین عالم وجود مین
ے ہین، ترنم و موسیقیت یون تو اسلام کے سوا باقی اکثر مذہبون مین کم و بیش پائی جاتی ہے لیکن مسیحیون
ے اسکو اپنی عبادتون اور دعاؤن مین کشش اور دلفریبی پیدا کرنے کے لیے اس افراط سے داخل کر دیا کہ
رف اسی کی بنا پر ان مین دو اہم فرقے پیدا ہو گئے،

چنانچہ اسی مناسبت سے ان مین سے پہلا فرقہ جھومنے والون (QUAKERS)
ے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اسکی عبادت مین اگرچہ صریحی رقص و سرود داخل نہین ہے لیکن طریقۂ عبادت
ص سے اس درجہ مشابہ ہے کہ قریب قریب اسکو رقص ہی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، یہ فرقہ انگلستان
ن اس وقت بھی موجود ہے، اور دوسرا فرقہ جو اسی پہلے فرقہ سے پیدا ہوا، اسکو ارباب وجد
(SHAKERS) کہہ سکتے ہین، یہ سنہ ۱۷۴۷ء مین انگلستان مین پیدا ہوا، اور امریکہ مین نشو و نما پایا، انکی
بادت کا خاص طریقہ یہ ہے کہ سب کے سب یکشنبہ کو ساڑھے دس بجے گرجا مین جمع ہوتے ہین، اور پہلے
ن کے مذہبی پیشوا یکے بعد دیگرے پند و نصیحت کرتے ہین، اس کے بعد تمام کرسیان دیوار سے لگا کر ایک
اص انداز سے رقص و وجد مین مصروف ہو جاتے ہین، اور اس کے ساتھ ساتھ ترنم و موسیقی کی
امعہ نواز آواز آتی رہتی ہے،

اس فرقہ کی بانی ایک مسیحی خاتون "ہان لی" نامی ہے جو پہلے جماعت "ہنزین" مین داخل تھی،

اس نے اپنے جدید مذہب کو ایک خواب کی بنیاد پر قائم کیا، اس کا بیان ہو کہ حضرت مسیح نے ارشاد فرمایا کہ ہر انسان پر فرض ہے کہ اپنی تمام مملوکہ اشیاء کو فروخت کر کے اشتراکی زندگی بسر کرے، اور انھون نے سلسلۂ ازدواج کی سختی سے ممانعت فرمائی، کیونکہ وہ عورت مرد کو دو قسمون مین منقسم کرنا پسند نہین فرماتے؟

اس نے اپنا خواب اپنے گروہ کے سامنے پیش کیا، لیکن اسکو انگلستان مین کوئی کامیابی نصیب نہین ہوئی، اسلیے وہان سے اسی سال ۱۷۷۴ء مین امریکہ چلی گئی، اور وہان اپنے دعوت کی نشر و اشاعت مین مصروف ہوئی جسمین اسکو نمایان کامیابی حاصل ہوئی،

اس جماعت سے ایک مرتبہ اس کے عقائد دریافت کئے گئے تو اس کے جواب مین اس نے کہا،

۱"ہمارا ایمان علم سینہ ہے علم سفینہ نہین، اسلیے اوراق کتاب اس کے متحمل نہین ہو سکتے

۲- قتل، خونریزی اور جنگ سے اجتناب کرنا،

۳- ملکی سیاست سے ہمارا کوئی علاقہ نہ ہوگا،

۴- ہماری جماعت مین کوئی شخص پر شان و شوکت الفاظ سے مخاطب نہین کیا جا سکتا،

۵- ہم اپنی گفتگو کو کبھی حلف اور قسم سے موکد نہین کرتے، کہ ہماری زبان سے سوائے سچ کے جھوٹ نہین نکلتا؛"

انکے ان مجموعی عقائد کے بارے مین تو کوئی فیصلہ نہین کیا جا سکتا کہ ان اصولون کی کہانتک پابندی کیگئی، لیکن ان کی مختصر تاریخ شاہد ہے کہ یہ اپنے عدم تشدد کے عقیدہ پر نہایت مضبوطی سے قائم رہے، چنانچہ اسی اثنار مین امریکہ اور انگلستان کی جنگ عظیم چھڑ گئی تھی جسمین لازمی طور پر ہر باشندہ امریکہ نے شرکت کی، اسی سلسلہ مین اس جماعت کو بھی شرکت کی دعوت دیگئی، لیکن اس نے اپنے اسی مذہبی عقیدہ کی بنا پر اسکی شرکت سے قطعی انکار کر دیا،

چونکہ اس وقت تک ان کی جماعت نہایت قلیل تھی اسلیے اس واقعہ کا حکومت پر کوئی خاص

ترتیب نہین ہوا، اور جنگ اپنے مفید نتیجہ یعنی آزادیِ امریکہ کے ساتھ ختم ہو گئی،

لیکن اس واقعہ سے اس جماعت کی اخلاقی بلندی کا ملک کے ایک خاص طبقہ پر کافی اثر پڑا، سلئے کثیر

دمین لوگ اس مذہب مین داخل ہونے لگے، اور یہی سلسلہ ۱۸۳۰ء تک جاری رہا،

مگر تا اسکی اس روزافزون ترقی نے حکومت امریکہ کو اپنی جانب پھر متوجہ کر لیا، اور اس نے اس کے قطعی

یصال کا فیصلہ کر لیا، چنانچہ ۱۸۱۰ء کے بعد حکومت نے خاص اس کے استیصال کے لیے فوج کا ایک دستہ

نہ کیا، تاکہ جبری طور پر اس جماعت کو منتشر کر دیا جائے،

جب فوج روانہ ہوئی تو اس کے پیچھے پیچھے عوام کا ایک انبوہ بھی غیظ و غضب سے بھرا ہوا ساتھ ہولیا

ان کے انتشار و پراگندگی مین ان کے سیم و زر اور مال و دولت پر چھاپہ مارین، لیکن اس فوجی دستہ کے

پہ سالار نے موقع شناسی سے کام لیا، اور ان کو فوری طور پر منتشر ہونے کا حکم دینے کے بجائے، ایک ماہ

مہلت دی کہ وہ اس کے اندر اندر اپنی جماعت کو منتشر کر دین، اس طرح عوام کے ساتھ ہو جانے کی وجہ

ظلم و تعدی اور غارت گری کا جو خطرہ پیش آگیا تھا اس کا انسداد کر دیا،

لیکن یہی مہلت اس جماعت کے لیے نہایت مغتنم ثابت ہوئی، کیونکہ کچھ ایسے اتفاقات پیش آگئے

ہل حکومت پھر انکی طرف سے غافل ہو گئے، اور ان کی جماعت بدستور روز بروز ترقی کرتی گئی،

اور یہی سلسلہ یون ہی جاری رہا، یہانتک کہ ۱۸۶۱ء مین امریکہ مین اندرونی جنگ چھڑ گئی، اور جنوبی و

لی امریکہ مین غلامون کے آزاد کرنے کے بارے مین ہولناک معرکہ آرائی شروع ہو گئی، یہ موقع پھر اس جماعت

آزمائش کا آیا، اور بالآخر حکومت کے مجبور کرنے پر ان کو تلوار ہات مین لینی پڑی، مگر عین موقع جنگ پر ایسی

مین کین کہ ان کو سپہ سالار نے میدان جنگ چھوڑ دینے کا حکم دیا، اور یہ خوش خوش وہان سے واپس گئے

باوجودیکہ یہ لوگ ایسی یکجہ اور یکسان زندگی بسر کرتے تھے، مگر رفتہ رفتہ اس مین بھی دو جماعتین

ا ہو گئین، ایک اہل لبنان اور دوسرے اہل داتیون اور ان کے اختلافات

بھی بڑی حد تک ترقی کر گئے، آجکل بھی یہ جماعت امریکہ کے دو شہر لبنان (   ) اور واشنگٹن

(   ) مین موجود ہے، مگر روز بروز تعداد مین کمی ہوتی جاتی ہے، چنانچہ اسوقت صرف ۔۔ ۵ شخص

اس جماعت سے تعلق رکھتے ہین جنکو امریکہ مین "مسیحی فقرا" یا مسیحی صوفیون کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

افغانستان مین علمی اور تعلیمی جدّ و جہد

شاہ امان اللہ خان کے دورِ حکومت نے افغانستان کے سیاسی، تمدنی، تجارتی، زرعی، تعلیمی اور علمی فضا مین ایک حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا ہے، خصوصاً ان چند سالون مین علمی و تعلیمی حیثیت سے جو کارنامے انھون نے انجام دیئے ہین وہ افغانستان کی پوری تاریخ مین زرین حروف سے لکھے جانے کے قابل ہین،

اس بیدار مغز نوجوان فرمانروا نے سیاسی مطلع صاف ہونے کے بعد خاص اپنی نگرانی مین وزارتِ معارف ترتیب دیکر نظامِ تعلیم کا ایک مکمل خاکہ تیار کیا، اور وزارتِ معارف کے زیرِ اہتمام نہایت قلیل مدت مین ملک مین جابجا سیکڑون ابتدائی، ثانوی اور رشدیہ مدارس قائم کر دیئے، اور خاص دار السلطنت مین ایک عظیم الشان مدرسہ دار العلوم کابل کے نام سے قائم کیا، جس کے نصاب مین دار العلوم ندوۃ العلماء کے طرز پر ہر فن کی قدیم و جدید کتابین نظر آتی ہین، اس کے علاوہ افغانی طلبہ کی ایک کثیر تعداد یورپ کی مختلف درسگاہون مین اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کے لیے روانہ کیگئی،

اس وقت وزارتِ معارف کے سامنے اس تعلیمی سلسلہ کے علاوہ ایک علمی نظامِ عمل بھی ہے، مدت گذری کر ۱۳۲۵ھ مین امیر حبیب اللہ خان کے عہدِ حکومت مین وہان دار التالیف کے نام سے ایک علمی بزم کی بنا پڑی تھی، لیکن سوءِ اتفاق سے اس مجلس نے اپنے اس بست سالہ دور مین کوئی نمایان خدمت انجام نہ دی، چنانچہ اس بست سالہ جد و جہد کا تمام تر خلاصہ یہ ہے کہ ابتدائی چھ سالون مین کل ۱۸ رسالے تالیف ہوئے، پھر بعد کے چھ سالون مین ۲۰ سے ۲۵ تک رسائل شایع ہوئے، یہانتک کہ اوسط

کے لحاظ سے گویا ہر سال پچاس پچاس صفحون کی تین کتابین، اور ایک کتاب کا کچھ حصہ تالیف ہوا، اس طرح ۴ سال کے اندر تقریباً کل ۸۰ کتابین تالیف و ترجمہ ہوئین جنمین سے اکثر ابتدائی مکاتب کے لیے چھوٹے چھوٹے رسائل ہین،

اب وزارت معارف نے موجودہ فرمانروائے افغانستان کی سرپرستی مین اس دار التالیف کی طرف بھی خاص توجہ کی ہے، اور اس وقت اس مجلس کے ماتحت ابتدائی مکاتب، و ثانوی و رشدیہ مدرسون کے لیے مکمل نصاب تعلیم تیار کیا جارہا ہے، اور اسکے علاوہ مختلف علوم و فنون کی اعلیٰ اور بلند پایہ کتابین تالیف و ترجمہ ہورہی ہین،

اگرچہ موجودہ فرمانروائے افغانستان کے ابتدائی دو تین سال ملک کے سیاسی مطلع کے غبار آلود ہونے کے باعث ایسے پر آشوب گذرے کہ وہ اس اثنا مین اس مجلس کی طرف کوئی توجہ مبذول نہ کرسکے، لیکن اس کے باوجود ان سالون مین اس مجلس کی شائع شدہ کتابون کی تعداد ۲۰۰،۲۰ سے متجاوز ہے،

پھر جب حکومت دوسرے ملکی صیغون کی ترقی و ترتیب اور اندرونی اصلاحات کی طرف متوجہ ہوئی تو یہ مجلس بھی سامنے آئی، اور اس کا دائرہ وسیع کرکے اعلیٰ پایہ پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری ہوا، اور اسکے علاوہ دیگر زبانون کی اعلیٰ و بلند پایہ کتابون کے ترجمہ کا بھی خاص اہتمام کیا گیا، اور افغانستان کے ممتاز اہل قلم کی ایک بڑی جماعت نے اس علمی مجلس مین حصہ لیا، اور اپنی کوششون سے ایک قلیل مدت مین بیش قیمت علمی و ادبی سرمایہ فراہم کرلیا،

چنانچہ اس وقت تک اس مختصر مدت مین اس مجلس کے زیر اہتمام مختلف علوم و فنون مثلاً تاریخ، سوانح، سیر، جغرافیہ طبعی و ملکی، جدید و قدیم علم ہیئت، حساب، مساحت، کیمیا، قدیم و جدید فلسفہ، علم کلام، سیاست، علم الاقتصاد، علم طب، تشریح، علم التعلیم اور علم تدبیر منزل کی تقریباً ۲۰۰ کتابین تالیف و ترجمہ ہوچکی ہین جنکا اوسطاً ایک سال مین سو سو صفحون کی تقریباً ۴۰ کتابین نکلتا ہے،

مسرت کی بات یہ ہے کہ غیر زبانون کی کتابون کے ترجمہ کے سلسلہ مین ہماری زبان اردو کا بھی انتخاب ہوا، اور اس وقت تک اس کی متعدد بلند پایہ کتابین فارسی مین منتقل کیجاچکی ہین، جنمین سے

مولانا شبلی مرحوم کی المامون کے دونوں حصے، شعر العجم کی کل جلدیں، مولانا حالی کی حیات سعدی، ڈپٹی نذیر احمد صاحب کی بنات النعش، مولانا عبد الماجد کی فلسفۂ جذبات، اور موسیو لیبان کی کتاب کے اردو ترجمہ تمدن عرب کے ترجمے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مجلس دار التالیف کی نگرانی میں دار الحکومت کابل سے ایک ماہوار رسالہ بھی "آئینۂ عرفان" کے نام سے جناب ہاشم شائق ناظم دار التالیف کی ادارت میں نکلتا ہے، جس کے تین پرچے اب تک ہمیں موصول ہوئے ہیں، رسالہ کتابت و طباعت کے معائب کو نظر انداز کرکے، تاریخ، ادب، اخلاق اور فسانہ کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے، ہم نے اسی آئینۂ عرفان میں کابل کے علم و عرفان کا عکس دیکھا جس کی ایک جھلک آپ کے سامنے پیش کردی گئی،

(ر)

الفاروق

مولانا شبلی مرحوم کی اس مشہور آفاق تصنیف کے بیسوں اڈیشن مسخ شدہ صورت میں اور معمولی کاغذ پر بکثرت فروخت ہو رہے ہیں، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت، اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ، دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت للعہ

"منیجر"

اخبار علمیّہ

چین کے دو قدیم نقشے، پروفیسر سوتھل نے انگلستان کی جمعیت جغرافیہ میں خطبہ دیتے ہوئے چین کے دو قدیم نقشوں کا تذکرہ کیا، جو صوبہ شنسی کے پایۂ تخت سیانگو میں دستیاب ہوئے تھے، ان کا بیان ہے کہ ان دونون مین سے جو بڑا نقشہ ہے وہ در اصل اس نقشہ کا ایک حصہ ہے جو ۱۱۳۷ء مین بنایا گیا تھا، اور آٹھوین صدی کے نقشہ تیسری صدی کے ایک نقشہ مین تغیر و تبدل کر کے تیار کیا گیا تھا، اس لیے اس نقشہ سے آٹھوین صدی عیسوی کے چینی شہر واضح ہوتے ہین، اور دوسرا نقشہ اس کے بعد کا ہے جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ آٹھوین سے گیارھوین صدی کے اثنا مین بنایا گیا ہو گا، اگر پروفیسر موصوف کا بیان صحیح ہے تو ان نقشون سے ملک چین کے قدیم جغرافی و تاریخی حالات مین عظیم الشان انقلاب کی امید کیجاتی ہے اسلیے کہ اب تک علمی دنیا مین چین کے قدیم نقشون مین صرف دو نقشے مشہور تھے، ان مین سے ایک بطلیموس کا شہرۂ آفاق نقشہ ہے، اور دوسرا شریف ادریسی کا جو بارھوین صدی کا ایک عرب جغرافیہ دان گذرا ہے۔

جزیرۂ عرب مین بعض حجری تحقیقات، پروفیسر لنگڈن مدت سے حجری تحقیق کے سلسلہ مین عراق اور جزیرۂ عرب کے شمالی حصہ کی صحرا نوردی مین مصروف ہین، لیکن انھین سرزمین عراق مین کسی قسم کی کوئی کامیابی نصیب نہین ہوئی، عراق کے بعد انھون نے جزیرۂ عرب کے شمالی حصہ کا دورہ شروع کیا، اور انھین فلسطین و عراق کے درمیان نصر نامی ایک گاؤن مین اور عمان کے مشرقی جانب ایک مقام حرہ مین پتھر کے چند ہتھیار دستیاب ہوئے، جنکے متعلق ان کا بیان ہے کہ ان کی تاریخ بیس ہزار سال پیشتر کی طرف لوٹتی ہے، اور اسی سلسلہ مین پروفیسر موصوف کا یہ بیان بھی ہے کہ قدیم زمانہ مین جزیرۂ عرب کے یہ صحرا بارش اور چراگاہون کی کثرت کی

وجہ سے ترائی بنے رہتے تھے، اور ان مین بکثرت جانور پائے جاتے تھے، جس کا شکار ابھی ہتھیار ون سے کیا جاتا تھا

ایک مشرقی طبیب کی بیش بہا ایجاد، طبیہ کالج بیروت کے ایک تعلیم یافتہ نے جو موصل کے رہنے والے ہین، ایک طبی آلہ ایجاد کرکے علم طب مین ایک خاص اضافہ کیا ہے، اس آلہ کے ذریعہ سے بانجھ عورتون کے اسباب مرض دریافت کئے جا سکتے ہین کہ یہ بانجھ پن رحم اور بیض کی جو ملانے والی نالی ہوتی ہے اس کے بند ہو جانے کی وجہ سے ہے یا اس کے کچھ دوسرے اسباب ہین، اگر پہلی صورت ہوگی تو اس کا کوئی علاج ممکن نہین ہے، کیونکہ یہ اس عورت کی خلقی و فطری بیماری ہے، اور اگر دوسرے اسباب ہون گے تو ان کا ازالہ اس آلہ کی ایجاد کے بعد بآسانی ہو جائے گا، کیونکہ یہ آلہ مرض کے اصلی سبب کی تعیین کر دے گا، ڈاکٹر موصوف نے اپنی اس ایجاد کو پیرس کی "انجمن ولادت و امراض نسوانی" کے سامنے پیش کیا ہے، چنانچہ اس انجمن کے نگران کار ڈاکٹر ڈوبے نے اس آلہ کو نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا، اور اعلان کیا کہ اس سلسلہ مین یہ ایجاد سب سے بہتر اور زیادہ بکار آمد ہے۔

لینن انسٹی ٹیوشن، لینن روسی انقلاب کے بعد وہان کا زندۂ جاوید ہستی بن گیا، جس کا یہ ادنیٰ ترین مظہر ہے کہ وہان اس کے نام پر شہر کالج، اور اسپتال وغیرہ قائم ہونے کے علاوہ ابھی حال مین "لینن انسٹی ٹیوشن" کے نام سے ایک "لینن میوزیم" قائم ہوا ہے جس مین اس کے قلم کا ایک ایک حرف جہان تک دستیاب ہو سکا جمع کیا گیا ہے، چنانچہ اس انسٹی ٹیوشن مین اس کی تالیفات، خطوط، اور مختلف کتابون پر اس کے جو حواشی ہین وہ تمام کتابین، اور ان کے علاوہ تمام قلمی سودات یکجا کئے گئے ہین، اور ایک دوسرے کمرے مین اس کی مختلف مواقع کی تقریرین، ان کے اقتباسات، اس کے سوانح اور روسی انقلاب کی تاریخ کا وہ حصہ جس کا تعلق لینن سے ہے، جمع کیا گیا ہے، اور ایک شیشہ کے برج مین اس کے تمام متروکات جن کو

...آثار سینن کہا جاتا ہے موجود ہیں، اور ایک دوسرے کمرے میں دارالمطالعہ قائم کیا گیا ہے جسمین ایسی تمام کتابین جمع کیگئی ہیں، جو یا تو لینن پر لکھی گئین، یا اس کا ان مین تذکرہ موجود ہے،

یونان کا قدیم پایۂ تخت، ایک زمانہ تھا کہ ہومر کی الیڈ مین رزمیون کے جو واقعات منظوم ہین وہ فسانہ سمجھے جاتے تھے، یہانتک کہ اثری تحقیقات سے وہ پایۂ ثبوت کو پہنچ گئے، اب اسی سلسلہ مین اثری تحقیق کا دائرہ اور وسیع ہوا ہے، چنانچہ گذشتہ سال کے آثار قدیمہ کے انکشاف سے ثابت ہوا ہے کہ ہومر سے پانچ سو برس پیشتر ملقان، یونان کی مرکزی حکومت کا پایۂ تخت تھا،

دنیا کی زندہ زبانین، دنیا کی تمام زبانون کے آخری اعداد وشمار سے واضح ہوا ہے کہ اس وقت ساری دنیا مین ۲۷۹۶ زبانین زندہ ہین، جسمین سے ۸۰۶ زبانین ذیل کی ترتیب سے خاص طور پر قابل ذکر ہین

یورپ	۱۴۸،	ایشیا	۱۵۳
افریقہ	۱۱۸،	جنوبی وشمالی امریکہ	۴۲۴
اوشینیا	۱۱۷		

انسان کی عمر مین اضافہ، عام خیال تو یہ ہے کہ بہ نسبت پہلے کے اب انسان کی متوسط عمر مین روز بروز کمی ہوتی جاتی ہے، لیکن پروفیسر فشر نے اعداد وشمار سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آئندہ پچاس سالون مین انسان کی متوسط عمر مین زیادتی ہوتی جائے گی، چنانچہ ان کا بیان ہے کہ آجکل متوسط عمر ۵۸ سال کی ہوتی ہے، ۱۹۳۰ء مین ۶۱ ہوگی ۱۹۴۰ء مین ۶۵، ۱۹۶۰ء مین ۶۹، ۱۹۷۰ء مین ۷۵، ۱۹۹۰ء مین ۸۰ اور ۲۰۰۰ء مین ۸۲ سال کی ہوگی.

عرب اکاڈیمی کا ایک ہندوستانی ممبر، دمشق مین عرب ایکاڈیمی (المجمع العلمی العربی) کے نام سے

جو علمی مجلس قائم ہے، اور جو عربی زبان کی ترقی و اصلاح اور وضعِ اصطلاحات کے کام نہایت خوبی سے انجام دے رہی ہے، اسمین تقریباً تمام عربی ممالک عراق، شام، مصر، تونس، الجزائر اور عرب کے دوسرے مصنوں کے ممتاز اہل علم اعزازی ارکان ہین، یورپ کے مشہیر مستشرقین بھی اس کے رفیق ہین لیکن افسوس کی بات تھی کہ اب تک ہندوستان کے، کروڑ مسلمان جنمین عربی جاننے والے اور عربی علوم کے ماہرین کی کمی نہین قطعاً اس شرف سے محروم تھے، اور شام کا کوئی علمی تعلق ہندوستان سے نہ تھا، اب اہل شام نے اس کمی کو خود محسوس کیا، اور ہندوستان مین سے جناب مسیح الملک حکیم اجمل خان صاحب کو، وتین مہینے ہوئے کہ اس عرب اکاڈیمی نے اپنا اعزازی رکن منتخب کیا ہے،

شیخ خضری کی وفات، شیخ خضری کا جو مصر کے مشہور علماء مین تھے، پچھلے مہینہ مین انتقال ہوگیا، یہ مفتی عبدہ کے صحبت یافتہ تھے، اور وہان کی جامعہ مصریہ مین اسلامی تاریخ کے پروفیسر رہ چکے تھے، اور کئی مفید کتابون کے مصنف تھے جنمین سے ان کی تاریخ اسلام سب سے مشہور کتاب ہے، جسکی تلخیص، یا ترجمہ جامعہ ملیہ مین تاریخ امت کے نام کر کیا گیا ہے، جو عام طور سے نہایت پسند کیگئی، اور بیحد مقبول ہوئی،

یورپ کی ایک قدیم رسم ایک مدت سے دستور تھا کہ پوپ کسی کے ساتھ کھانا نہین کھاتے تھے، اور کھانے کی معیت کا یہ شرف وہ کسی کو عطا نہین کرتے تھے، ویٹیکن (اٹلی کے پایۂ تخت رومہ کا وہ قدیم حصہ جو پوپ کا مسکن ہے) کے حدود مین اس قدیم رسم کی نہایت سخت پابندی کی جاتی تھی، کچھ دن ہوئے کہ ویٹیکن والون کی نارضامندی کے باوجود موجودہ پوپ پیوس دہم نے اس رسم کو توڑ دیا، اور اس نے علانیہ بعض مخصوص لوگون کے ساتھ کھانا شروع کر دیا ہے،

"ر"

نگاہِ حقیقت

از مولنا وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی ،

حیرت مین ہے نگاہ، جدھر دیکھتا ہون مین ۔۔۔ آئینہ خانہ پیش نظر دیکھتا ہون مین

ایک آرزو نے ڈال دی ہلچل سی ناگہان ۔۔۔ دنیائے دل کو زیر و زبر دیکھتا ہون مین

تیری نگاہ لطف تماشا دکھا گئی ۔۔۔ دنیا و دین کو شیر و شکر دیکھتا ہون مین

اُلٹے گا ایک دن یہ تمناؤن کا جہان ۔۔۔ ثبت اپنے قلب پر یہ خبر دیکھتا ہون مین

ناکامیون کا پردہ اُلٹا ہون جب کبھی ۔۔۔ روئے عروسِ فتح و ظفر دیکھتا ہون مین

ہون جب سے غرق تیرے کرم کے خیال مین ۔۔۔ بحرِ جہان کو تا بہ کمر دیکھتا ہون مین

بخشش مین مرے ذرہ کو تونے دی وہ رفعتین ۔۔۔ سجدہ مین آفتاب کا سر دیکھتا ہون مین

سورج کی زد مین گرچہ فنا کا یقین ہے ۔۔۔ شبنم کو پھر بھی سینہ سپر دیکھتا ہون مین

دیکھون مین تیرا جلوہ بے رنگ کس طرح ۔۔۔ نیرنگیون کا دل پہ اثر دیکھتا ہون مین

دل سے کس آفتاب کے اُٹھنے کا وقت ہے ۔۔۔ رگ رگ مین اپنے نورِ سحر دیکھتا ہون مین

مین خوب دیکھتا ہون، کدھر دیکھتے ہو تم ۔۔۔ تم دیکھتے نہین، کہ کدھر دیکھتا ہون مین

مزدور کو یہ ایک مبصر نے دی صدا ۔۔۔ محنت کے سنگریزون مین زر دیکھتا ہون مین

کس بام پر ہے مرغِ تخیل کا اب گذر ۔۔۔ لرزہ مین جبرئیل کا پر دیکھتا ہون مین

کن کن بتون کو سجدہ کیا تیرے سامنے ۔۔۔ پیشانی اپنی شرم سے تر دیکھتا ہون مین

دولت کی بستیون سے ہے ہستی تری بعید ۔۔۔ اجڑے دلون مین تیرا گذر دیکھتا ہون مین

زر کو غرور زر نے یہ دی زور سے صدا ۔۔۔ خرمن مین تیرے رقص شرر دیکھتا ہون مین

بھولے نہ بندگی کہین دامن خدائی کا ۔۔۔ معراج ارتقائے بشر دیکھتا ہون مین

آنکھین کھلین نہ دل کی ان آنکھون کے ساتھ حیف! ۔۔۔ کچھ دیکھتا نہین ہون، اگر دیکھتا ہون مین

یہ خاک مفلسی مین جو ذرے چمکتے ہین ۔۔۔ پوشیدہ ان مین شمس و قمر دیکھتا ہون مین

رگ رگ مین ہے شریعت کی نہرین بن روان ۔۔۔ حاسد کے دل مین نار سقر دیکھتا ہون مین

کرتا ہے منع دل کو پریشان نگاہی سے ۔۔۔ شاید نہ رک سکے وہ مگر دیکھتا ہون مین

محنت بدلنے والی ہو راحت سے بیگمان ۔۔۔ خون جگر برنگ دگر دیکھتا ہون مین

آ رہبر کے ایک نقطہ پہ آتی ہے ہر نگاہ ۔۔۔ بحر جہان کو ایک بھنور دیکھتا ہون مین

ڈھونڈھون کہان تجھے کہ تری جلوہ گاہ مین ۔۔۔ اڑتا ہوا غبار نظر دیکھتا ہون مین

کلام اکبر

از جناب جلال الدین صاحب اکبر بی اے، لاہور

وہ ہین اور لطف جور سے انکار ۔۔۔ مین ہون اور ذوق لذت آزار

اور بھی بڑھ گیا تغافل یار ۔۔۔ دیکھ کر میرے پے بہ پے اصرار

کرکے انکار مسکرا دینا ۔۔۔ آہ یہ طرز دلکش اقرار

تھے رہ عشق مین نشیب و فراز ۔۔۔ شوق نے کر دیئے مگر ہموار

ہر ستم مین ہے لطف کا پہلو ۔۔۔ کس طرح ہون مین خوگر آزار

نہ کیا کام وہ جو کام آئے کٹ گئے زندگی کے دن بیکار

جانۂ دلفریب مین ہے خزان ہم کو معلوم ہے فروغِ بہار

جھک گئین ان کے روبرو آنکھین ہوگیا فرطِ شوق کا اظہار

ہے فقط تیرے غم کا پاس مجھے ورنہ مرنا تو کچھ نہین دشوار

حالِ دل اب سنا بھی دے اکبرؔ

دے رہے ہین وہ رخصتِ اظہار

فکرِ حزین

سید محمد حزینؔ، نوگانوی، ایچ، پی،

جامے زمئے ارغوانی خواہم ظاہر ندہی گریہ نہانی خواہم

اے ساقیِ مہ پارہ فدایت گردم یک بار دگر کیفِ جوانی خواہم

قطعاتِ عزیز

از مرزا عزیز دارا پوری، لاہور

چشم گریان دلِ تپان دادست لذتِ دردِ بیکران دادست

چہ عجب منعم است و بندہ نواز انچہ من خواستم ہمان دادست

تو نگوئی کہ دید یار خوش است نغمۂ و بادۂ و بہار خوش است

منِ فرقت نصیب را لیکن تا دمِ مرگ انتظار خوش است

سرِ پوشیدۂ خلوتِ من دارد رازِ سربستۂ الفتِ من دارد

برزبانہاست قصۂ صد قیس کس نداند حکایتِ من دارد

باب التقریظ والانتقاد

باقیاتِ فانی

از

جناب جلیل قدوائی، بی اے (علیگ)

بڑے انتظار اور بڑی تمناؤن کے بعد یہ کتاب دیکھنے کو نصیب ہوئی ہے، ایک وقت تھا کہ علی گڈھ مین ہر شخص کی زبان پر فانی کا کلام تھا، اوران کے تازہ رشحاتِ فکر کے لیے "علی گڑھ میگزین" کے ہر نئے نمبر کا بےچینی سے انتظار کیا جاتا تھا جس مین ان کا کلام بالالتزام ہرماہ بہترین طباعت وزیبائش کے ساتھ پیش ہوتا تھا، پھر یہ ہوا کہ (یاد ش بخیر!) خواجہ منظور (خواجہ منظور حسین صاحب ایم اے علیگ حال متعلم آکسفورڈ) کو فانی کا منتشر کلام منضبط کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور ہمین مسودہ کی ترتیب، تیاری اور صفائی کے مراحل سے گذرنے کا شرف حاصل ہوا، "میگزین" مین اس کے زیر طبع ہونے کا اعلان بھی بڑی دھوم دھام سے کیا گیا مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا اور ع

آن قدح بشکست وآن ساقی نماند

"میگزین" کے انتظامات میں تبدیلیاں ہوئیں اور یہ تمام "کاروبار" میگزین کی ملکیت قرار پاکر نذر انجمن ہوا، ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اس کے بعد ؎

داغِ دل پہ کیا گذری نقشِ مدعا ہوکر

"میگزین" میں فانی صاحب جلوہ گر بھی ہوتے رہے ان کے ارادت مندوں کے دل بھی ان کی طرف سے نہیں پھرے تاہم ؎

ترا عاشق شود پیدا و لے مجنون نخواہد شد

کوئی بات تھی کہ آج کئی برس کے بعد وہ مجموعہ ہمیں "باقیاتِ فانی" کی صورت میں دیکھنے کو ملا ایک صاحب نے ہماری میز پر دیکھ کر فرمانے لگے یہ فانی صاحب کون ہیں؟

شوکت علی خان صاحب فانی، بی اے، ال ال بی (علیگ) اردو کے ان چند شعرا میں سے ہیں جنھوں نے اردو شاعری میں تغزل کی اصلاح نہیں کی ہے اسکی بنیاد ڈالی ہے، ان کا تعارف کسی لمبی چوڑی تمہید کیساتھ دنیائے ادب سے کرانا ایک امر فضول ہی نہیں انکی شاعری کی ہمہ گیر مقبولیت و عظمت کی توہین ہے، ان کی شاعری پر کوئی بسیط مقالہ سپرد قلم کرنا ہماری استعداد سے بالا ہے، آنے والے ناقدین کو کلامِ فانی پر تبصرہ کرتے وقت اس کے لیے پہلے سے بہت کچھ تیاری کرنا پڑے گی، اس صحبت میں ہم "باقیاتِ فانی" پر مختصراً اظہارِ خیال کرنا چاہتے ہیں،

"باقیاتِ فانی" چھوٹے سائز کی ایک خوشنما کتاب ہے، جسے فانی صاحب نے عالی جناب مہاراجہ سر کشن پرشاد شاد کے نام سے معنون کیا ہے، پھر فانی صاحب کا فوٹو ہے جو افسوس ہے کہ ٹھیک نہیں آیا، اس کے بعد رشید صاحب (پروفیسر رشید احمد صدیقی ایم اے علیگ) نے ۲۰ صفحات کا ایک طولانی مقدمہ لکھا ہے، اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ کلامِ فانی کے شیدائیوں میں مقدمہ نویسی کے فرض سے اس سے بہتر طور پر شاید ہی کوئی اور عہدہ برآ ہو سکتا ہے پھر کچھ صفحات حضرت جگر مرادآبادی کے لطیف تبصرہ نے لیے ہیں، اس کے بعد ۱۲۰ صفحات پر اصل دیوان محیط

رشید صاحب نے اپنے مقدمہ کو دو حصون مین تقسیم کیا ہے، پہلا حصہ جو "سہیل مین" اردو شاعری پر ایک تبصرہ اور عالمانہ کتابی صورت مین "سرد و بستان" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، ایک اجمالی تبصرہ ہے اور دوسرے حصہ مین حالی صاحب کو اس تبصرہ کے معیار پر تولا گیا ہے، اردو شاعری مین یہ مقدمہ اس قابل ہے کہ ہمارے شعرا کو شمع ہدایت کا کام دے اور ہر وقت ان کے زیر نظر رہے، صفحہ ۱۹ پر رشید صاحب لکھتے ہین :-

"شاعری کو حقیقت اور "انسانیت" کا ترجمان ہونا چاہیئے، یہ کہ وہ کس زبان، کس قوم، کس ملک، کس زمانہ اور کن روایات کی ترجمانی ہے، شعرائے اردو کے سامنے میر، غالب، انیس، حالی، اکبر یا اقبال، حسرت، اصغر، فانی و سہیل نہ ہونے چاہئین، بلکہ ان کے سامنے الوہیت کے وہ اسرار ہونے چاہئین، جنسے انسانی ہستی مرکب ہے، جنکے دریافت کرنے یا اظہار کرنے کی آرزو و شرف انسانیت و معیار ترقی ہے، اور جنکا حصول انسانی زندگی کا مقدس نصب العین ہے، بالفاظ دیگر ان کے سامنے شعراء کے دواوین کے بجائے صحیفۂ فطرت ہونا چاہیئے، الفاظ اور فقرون کی ترتیب کے بجائے انکو واقعات اور حالات کی ترتیب پر نظر رکھنی چاہیئے، محاورہ اور روزمرہ کے بجائے زمانہ کے نشیب و فراز اور قلزم حیات کے جزر و مد کو ملحوظ رکھنا چاہیئے، ردیف اور قافیہ سے زیادہ خیالات اور جذبات کی موزونی پیش نظر ہو، رقص ترکیب اور ترنم الفاظ کے ساتھ اس کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ الفاظ و معانی مین باہم توازن بھی ہے یا نہین، یہ نہین تو ممکن ہے واہ واہ کا خلعت و انعام حاصل ہو جائے، بقائے دوام کا خلعت اور ہم صفیریٔ ملائک کا طغرائے امتیاز کہان!"

شاعری کا جو بلند معیار اور نصب العین اوپر کی عبارت مین پیش کیا گیا ہے، کتنے شعرا ہمارے یہان ایسے ہین جو بغیر خجل ہوئے اس کے احساس کا اعتراف کرینگے، ایک طرف تو وہ گروہ ہے جو الفاظ کا بندہ ہے جسکی کم نظری اور کم نصیبی اسے اس بات کا موقع نہین دیتی ہے کہ وہ لکھنے سے پہلے پڑھے اور سوچے، جس کے یہان شاعری نام ہے چند بے کیف الفاظ کو ترتیب دے دینے کا، احساسات دل مین پیدا ہوئے ہون یا نہ ہوئے

ہون کسی حقیقت کو نظم کرنے سے پہلے اس پر کچھ وقت صرف کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو، الفاظ اور محاورہ کی ترتیب سے شعر کا وجود مین آجانا اور کہنے والے کا شاعر بن جانا ناگزیر ہے، دوسری طرف وہ طبقہ ہے جو فلسفہ و معارف سے "حقیقت آشنا" ہونے کے زعم مین اسکی خبر نہین رکھتا کہ اسکی "بکواس شاعری ہے یا بقول مرحوم سجاد انصاری کے الفاظ مین "ایک مصیبت"! ہمین امید ہے کہ رشید صاحب کے ان الفاظ سے فائدہ اٹھا کر ہمارے شعرا اس باہمی کشاکش سے نکل کر ایک بین بین راستہ نکال لین گے، اور یہ ہماری قومی شاعری کے لئے فالِ نیک ہوگی،

رشید صاحب کے مقدمہ کا پہلا حصہ صحتِ ذوق، اصابتِ رائے، علوِ خیال، اور لطافتِ انشا کے لحاظ سے اردو مین بالکل ایک نئی چیز ہے، جو معیار اس مین شاعری کا پیش کیا گیا ہے وہ یقیناً ایک مستحسن خیال ہے اور دنیا کی شاعری کے معیار کا نچوڑ ہے، لیکن دوسرے حصہ مین جہان رشید صاحب نے فانی صاحب کو اس معیار پر تولا ہے، ہمین افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ انھین خود محسوس ہوا ہوگا کہ اس مین انھین کامیابی نہین ہوئی ہے،

فانی صاحب بلاشبہ اردو کے ایک بہت اچھے شاعر ہین، ہم ان کے ارادت مندون کے زمرہ مین شریک ہونے کی سعادت ہمین بھی حاصل ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہین کہ شاعری مین جو کچھ کرنا تھا وہ سب فانی نے ختم کر دیا اور اب اردو شعرا کے لیے میدان خالی ہے، ہر شاعر کا ایک انفرادی رنگ ہوتا ہے، اور یہ رنگ ہی اس کا اصلی جوہر ہے، یہی اسے بقائے دوام بخشتا ہے اور یہی اسکی مستقل ہستی ہوتی ہے، لیکن شاعری کا ایک بلند معیار پیش کر کے کسی شاعر کو ہر رنگِ سخن (بیش یا افتادہ اور جدید) مین کوشش کر کے پیش کر دینا ہم نہین سمجھتے کہانتک حق بجانب ہے، ہمین رشید صاحب کے آرا، کا احترام ہے، ہمین شکایت تو اس سے ہے کہ فانی صاحب کی اصلی جگہ ان سے لے لی گئی اور (شاعری کی مناسبت سے) ان کے ذراتِ ہستی کو منتشر کر کے تھوڑا تھوڑا ہر جگہ بکھیر دیا گیا، رشید صاحب نے شعر و شاعری پر اسقدر غائر نظر ڈالی ہے کہ "باقیاتِ فانی" پر مقدمہ لکھنے کا مقصد فوت ہو گیا، تنقید و تبصرہ کا اگر یہ مقصد ہے کہ شاعری اپنی اصلی صورت مین نظر آنے لگے تو افسوس ہے کہ یہ مقدمہ ایک جلبی آئینہ ہے جو فانی کو ان کے اصلی گوشت پوست اور ضخامت سے کہین زیادہ بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے، اور فانی سے زیادہ خود رشید صاحب کی غمازی کرتا ہے، رشید صاحب لکھتے ہین

"استعارہ ... ہے تم کو ڈراما بنا دینا چاہیئے جس میں الفاظ بمنزلہ ایکٹر ہوں۔ ان کی ترتیب ڈرامے کا پلاٹ ہو، ان کا ترنم ڈرامے کی موسیقی، ان کا اتار چڑھاؤ اسٹیج کے نغمہ و سرود کی ہم آہنگی ہو۔۔۔"

ہم نہیں کہہ سکتے یہ رشید صاحب کا ذاتی خیال ہے یا کہیں سے ماخوذ، مگر ناظرین خود انصاف کریں ایک طرف تو یہ معیار شاعری ہے جس کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ یہ اردو میں قبل از وقت ہے، اور دوسری طرف کلام فانی کی جو خصوصیات انھوں نے گنائی ہیں ان میں سے بعض یہ بھی ہیں:-

۱۔ مومن کی طرح فانی کا مقطع ان کی غزل کی جان ہوتا ہے،

۲۔ معاملہ بندی اور لگاوٹ۔

۳۔ زبان و محاورہ"

رشید صاحب کے مقدمہ پر مفصل اظہار خیال کرنے کے لیے خود ایک مستقل مضمون درکار ہے۔ اس وقت ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے مقدمہ نویسی جیسے سنجیدہ فرض کو ظریفانہ انداز سے نباہ کر نفس موضوع کی سنجیدگی کو ناظرین پر بار نہیں بنایا، اردو میں عام طور پر ایک بے راہ رو طبقہ نے آرٹ کا جو مفہوم سمجھ رکھا ہے اس کے بیان کے سلسلہ میں لکھتے لکھتے ایک دفعہ پھر چھری لیتے ہیں:-

"۔۔۔۔۔ ان بزرگوں کے نزدیک ان کی ہر لغزش یا برہنگی کا جواز آرٹ میں مل سکتا ہے، ان کے نزدیک دو اور دو چار کہنا بھی آرٹ ہے، اور دو اور دو چار سو کہنا بھی آرٹ، اپنی کمزوریاں بھی آرٹ اور دوسروں کی بیویاں بھی آرٹ۔۔۔۔"

رشید صاحب کی "ضحک نگاری" کے دلدادوں کو یہ معلوم کرکے ملال ہوگا کہ وہ اپنے قدیم رنگ کو اپنے لئے باعث ننگ سمجھتے ہیں، حالانکہ وہی ایک رنگ تھا جس میں وہ اپنی انفرادیت قائم رکھ سکتے تھے، اور وہ ان کے ساتھ خصوصیت کیساتھ منسوب ہو سکتا تھا۔ اس صنف سے علاوہ کچھ عرصہ سے انھیں سنجیدہ ادبی کاموں سے دلچسپی ہوگئی ہے، مگر جو بات طبیعت میں رچ گئی ہو اس سے دست برداری رفتہ ہی رفتہ ہو سکتی ہے، ان کی "سنجیدہ شوخی" یا "شوخ

۔۔۔ گی، بعض حلقون مین اب تک ما بہ النزاع ہے، لیکن اس خیال سے کم لوگون کو اختلاف ہوگا کہ اب ان کی ۔۔۔فت کی حیثیت محض ثانوی "دخل در معقولات" کی رہ گئی ہے، یا یون سمجھئے کہ وہ اب ۔ان کے گذشتہ کیف افزا ۔۔۔ور انگیز طرزِ انشاء کا ایک بے محل "غمزۂ پیری" ہے، جو ان کے ارادت مندون کو بے دل و مایوس بناتا ہے ۔۔۔نے خیال کی تائید مزید کی خاطر ہم ذیل کی عبارت پیش کرتے ہین جہان انھون نے اپنے خیال مین نہایت پر لطف ۔۔۔ور مناسب طریقہ پر اپنی صفائی پیش کی ہے، ابتدا مین کہی آپنے ۔

"۔۔۔ ہر روقت اور اس مین غالباً کچھ سرقہ اور آشنا ہی توارد شامل تھا، دو مصرعے گھڑے گئے لیکن قبل صحیح اڈیشن کے ایک استاد نے

عیسیٰ کی تھین جس نے آنکھین دیکھین

بتایا کہ ایک مصرعہ تو موزون نہین ہے، اور دوسرا بے معنی ہے، مین نے پی کرا کرکے ، یافت کیا کہ اگر دونون ملا دیئے جائین تو کچھ کام کی بات نکل آئے گی؟ انھون نے کہا دو مہمل ملکر ایک معقول کب ہوتا ہے، مین نے ذرا ڈھیٹ ہو کر کہا کیا آخر انگریزی مین "بیننگ" بس "بھی تو مروج ہے" ہنسنے لگے اردو مین زٹل قافیہ بھی تو ہے .....!"

مطلب یہ ہے کہ جو چیز پہلے مخصوص دلون کو گرماتی اور روح کو مسرور کرتی تھی، اب وہ وقف عام ہے ۔۔۔ور ہر شخص اس سے اپنی استعداد کے مطابق لذت یاب ہو سکتا ہے، جو چیز پہلے دل کے پردون کو کھولتی تھی اور لب پر خفیف تموج لاتی تھی، اب وہ قہقہون سے بازاری تماشائیون کے پیٹ مین بل ڈالکر منہ سے کف آبد ۔۔۔کرا سکتی ہے ... ہمارا یہ پر خلوص مشورہ ہے کہ رشید صاحب آئندہ سے اپنے راستہ کے انتخاب مین صحیح فیصلہ ۔۔۔کرتے، اور اپنے دل سے اس خیالِ خام کو دور کر دین کہ ایک ہی وقت مین وہ دو راستے اختیار کر کے دونون فریق ۔۔۔کو راضی رکھ سکتے ہین، فریقین کی رضامندی، برطرف، ہمین اندیشہ ہے کہ کہین وہ جگر کے قول کے خلاف "منزلِ مقصد پر پہنچنے" سے قبل ہی "کھو نہ جائین"۔

رشید صاحب نے جو توقعات ، پتہ مقدمہ کے پہلے حصہ مین ناظرین کے دلون مین پیدا کی ہین ، انھین دوسرے حصے مین پورا نہین کر سکے ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلا حصہ لکھتے وقت کتاب زیر غور نظر کے سامنے نہ تھی ، انھون نے غالب اور فانی کے بعض اشعار کا مقابلہ بھی کیا ہے ، اور فانی کے اشعار کو غالب کے اشعار پر ترجیح دی ہے ، کہین کہین یہ مقابلہ بہت خطرناک حد تک پہنچ گیا ہے ، ہم نہین کہہ سکتے یہ طریقۂ تنقید کہان تک محفوظ اور حق بجانب ہے ، کتنے اشعار ایسے ہین جنمین فانی کو غالب کے مقابلہ مین شکست بھی ہوئی ہے ، لیکن کیا اس سے غالب اور فانی کی عظمت مین کوئی فرق نہین آتا ، چونکہ ہم اس طرز تنقید کو مناسب نہین سمجھتے اس لئے محض لطف اٹھانے کے لیے اور غور کرنے کے لیے ہم بعض جگہ فانی کا کلام پیش کرتے ہین ، اگر ان کے معاصر شعراء کا کلام پیش کرین تو ناظرین اس سے کسی غلط فہمی مین نہ مبتلا ہون ،

حضرت جگر مرادآبادی کے تبصرہ کے متعلق صرف اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ وہ ایک مجسم لطافت و محسوسات شخص کا لکھا ہوا ہے ، اور اس لیے یقینی طور پر لطیف ہے اور دلون کو زیادہ قابل قبول ، اس قدر لکھنے کے بعد اب ہم "باقیات فانی" پر مختصراً اپنے ذاتی خیالات قلم بند کرنا چاہتے ہین ، یہ بتا دینا شروع ہی مین بہتر ہوگا کہ ہمارا یہ خیال غلط نکلا کہ "باقیات فانی" وہی مسودہ ہے جو ہماری نظرون اور ہمارے خیالون مین کبھی چکا تھا ، یہ وہی مسودہ ہے لیکن اس مین کافی تراش و خراش ہوئی ہے اور بہت سی اور غزلین اضافہ کیگئی ہین ،

صاحب شعر الہند نے فانی صاحب کے متعلق ذیل کے خیالات ظاہر کئے ہین :-

"حسرت کے ہم بزم و ہمنوا ہین ، پہلے قدیم لکھنؤ کے رنگ مین کہتے تھے ، . . . . لیکن بعد کو غالباً حسرت ہی کے اثر صحبت سے دلی کے رنگ مین کہنے لگے . . . . . ان کے کلام مین جا بجا تصوف و فلسفہ کے رموز و اسرار بھی نظر آتے ہین اور یہ بھی اسی رنگ کے امتیازی خصوصیات ہین . . . "

ہمارا خیال ہے کہ شعر الہند مین فانی سے بڑھ کر کسی اور شاعر پر شاید اس قدر صحیح تنقید نہین کیگئی ، فانی ، حسرت ہی کے ہم بزم و ہمنوا ہین ، اور ان کے تمام کلام مین وہی حصہ بہترین ہے جسمین حسرت کا رنگ پایا جاتا ہے ، اور شاید

یہی وجہ ہے کہ فانیؔ "یاسیات کے امام" کہے جاتے ہین، ایک ہلکا ہلکا افسردگی اور حزن کا رنگ ان کے تمام کلام مین پایا جاتا ہے، جو بجائے آنکھون سے آنسو بہانے کے دل مین چپکے چپکے نشتر چبھوتا ہے اور میٹھا میٹھا درد پیدا کرتا ہے، ذیل کی غزلین جو حسرتؔ کی غزلون سے ملتی جلتی ہین ملاحظہ ہون:-

لاؤ کچھ تکملۂ شوق کا سامان کرلین — دلِ بیتاب کو بھی دیدۂ حیران کرلین

ہر نفس وقفِ خیالِ رخِ جانان کرلین — زندگی ہجر مین دشوار ہے آسان کرلین

آزردہ کیون ہوئے مری آشفتگی سے تم — آخر یہی تو زلف شکن در شکن مین تھی

اس کے سوا نہین خبرِ آشیان مجھے — مین تھا اسیرِ دام تو بجلی چمن مین تھی

وہ گل ہے جسے تری خلوت مین بار تھا — وہ شمع شمع ہو جو تری انجمن مین تھی

یون سادگی مین طور کچھ اب بانکپن کے ہین — کل تک تو سادگی کی ادا بانکپن مین تھی

بدلا ہوا تھا رنگ گلون کا ترے بغیر — کچھ خاک سی اڑی ہوئی سارے چمن مین تھی

ہم اپنے جی سے گذرے یون سحر کی — شبِ غم بڑھ چلی تھی عمر بھر کی

تمھین کس دل سے اپنی جان کہیے — وفا اس نے تو کی اور عمر بھر کی

مرا قتل ان کے ہاتھون یہ تو باتین — یہ ان کے منہ کی ہین کچھ نامہ بر کی

یہ ہستیِ دو روزہ گو یا کہ نہین فانیؔ — اللہ رے ترا اے دل اندازِ پریشانی

سن میری خموشی سے افسانۂ غم میرا — وزدیدہ نگاہی سے کر پرسشِ پنہانی

مانا کہ غمِ جانان غارت گرِ سامان ہو — رکھا ہی یہان کیا ہے جز بے سر و سامانی

ناظرین اندازہ فرمائیں، مندرجۂ بالا غزلین ظاہری و معنوی دونوں اعتبار سے حسرت کی معلوم ہوتی ہیں یا نہیں، وہی روانی و سلاست، وہی ندرتِ ادا، وہی لطیف نزاکتیں، اور وہی دھیما دھیما اثر، ان خصوصیات کے علاوہ بحرین بھی وہی ہیں جو حسرت سے مخصوص سمجھی جاتی ہیں، ردیف و قافیہ اور ردیف بھی وہی،

بعض جگہ پرانے رنگ کے اشعار اور پرانی طرز کی غزلیں عجیب اچھوتے اور پرکیف طریقہ سے کہی گئی ہیں

ادا سے آڑ مین خنجر کے منھ چھپائے ہوئے مری قضا کو وہ لائے دلھن بنائے ہوئے

بلائے جان ہو مگر پھر بھی آرزو ہے تری ہم اس کو اپنے کلیجہ سے ہیں لگائے ہوئے

سحر ہوئی کہ وہ یادش بخیر آتا ہے چراغ ہیں مری تربت کے جھلملائے ہوئے

تمھیں کہو تمھیں اپنا سمجھ کے کیا پایا مگر یہی کہ جو اپنے تھے سب پرائے ہوئے

اجل کو مژدۂ فرصت کہ آج فانیِ زار
امیدِ وصل سے بیٹھا ہے لو لگائے ہوئے

ذیل کے اشعار مین قدما کا رنگ کس درجہ جاری وساری ہے:۔

آہ تو ان پر دل کیا آیا، ہاتھ ہی سے نادان گیا خیر بلا سے دل ہی جاتا، جان گئی ایمان گیا

اک فسانہ سن گئے اک کہہ گئے میں جو رویا مسکرا کر رہ گئے

یا ترے محتاج ہیں اے خونِ دل یا انھیں آنکھوں سے دریا بہہ گئے

تو سلامت ہے تو ہم لے دردِ دل مر ہی جائیں گے جو جیتے رہ گئے

پھر کسی کی یاد نے تڑپا دیا پھر کلیجہ تھام کر ہم رہ گئے

ان اشعار سے بخوبی اندازہ ہو سکے گا کہ فانی کس حد تک حسرت موہانی کے "اثر صحبت" کے ممنون ہیں اور ان کے رنگ کی ان کے کلام مین کہاں تک جھلک ہے، ہمارا یہ یقین ہے کہ فانی صاحب کے کلام کا بھی

رنگ ان کا انفرادی رنگ ہے جس مین سادگی، نرمی اور گھلاوٹ پائی جاتی ہے، حسرت کے فیض اثر کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ فانی صاحب بعض جگہ ان مین گم ہو جاتے ہین اور پڑھنے والے کو امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس ساز مین کون پردہ نغمہ سرا ہے، اس اثر کو رشید صاحب نے اپنے مقدمہ مین نہین ظاہر کیا ہے، حالانکہ یہی پہلا اثر تھا جس نے فانی کی شاعری کو مقبول و محبوب بنایا ہو اور جس سے ان کے کلام کا ایک بہت بڑا حصہ بھرا پڑا ہے، مشق سخن نے آگے چل کر انھین پختہ کار بنا دیا اور وہ ایسے اشعار کہنے لگے جن مین ان کی استادی اور انفرادیت پوری پوری قائم رہتی ہے،

پھر دلِ بیتاب ہے آرامِ جانِ اضطراب
پھر تمنا ہے کسی کی میہمانِ اضطراب

ہم کیون ہوئے جاتے ہین قائل آہ کی تاثیر کے
اس نے کیا کیا بڑھا دی آج شانِ اضطراب

مجھ کو مضطر دیکھکر ان کو حجاب آنے لگا
ہو چلی ہین وہ نگاہین رازدانِ اضطراب

اشک ایک اک کرکے سب آوارۂ دامن ہوئے
رفتہ رفتہ مٹ گیا نام و نشانِ اضطراب

وقت عرضِ حالِ دل اس فکر نے مارا مجھے
کیجئے آغاز کیونکر داستانِ اضطراب

دشمنِ جان تھے تو جانِ مدعا کیون ہو گئے
تم کسی کی زندگی کا آسرا کیون ہو گئے

کچھ نہ کہنا وہ کسی مجبور خاموشی کا ہائے
وہ جنازہ پر ترا کہنا خفا کیون ہو گئے

کیا تمھین اندازۂ ضبطِ محبت ہو گیا
چشم بد دور اب ستم حد سے سوا کیون ہو گئے

اور فانی بڑھ گئی بیتابیِ دل بعد مرگ
کیا کہین مر کر گرفتارِ بلا کیون ہو گئے

وحشتِ عشق نے جب ہوش مین لانا چاہا
عقلِ کج فہم نے دیوانہ بنانا چاہا

پھر کچھ اسے بیخبری تجھ مین کمی ہوتی ہے
درد نے کیا مجھے پھر ہوش مین لانا چاہا

اے اجل اے جانِ فانی تونے یہ کیا کر دیا | مار ڈالا مرنے والے کو کہ اچھا کر دیا
جب ترا ذکر آگیا ہم دفعتہً چپ ہو گئے | وہ چھپایا رازِ دل ہم نے کہ افشا کر دیا
یون چرائین اس نے آنکھین سادگی تو دیکھئے | بزم مین گویا مری جانب اشارا کر دیا
دردمندانِ ازل پر عشق کا احسان نہین | درد یان دل سے گیا کب تھا کہ پیدا کر دیا
بچ رہا تھا ایک آنسو دار وگیرِ ضبط سے | جوششِ غم نے پھر اس قطرے کو دریا کر دیا

اب لب پہ وہ ہنگامۂ فریاد نہین ہے | اللہ رے تری یاد کہ کچھ یاد نہین ہے
آتی ہے صبا سوئے لحدان کی گلی سے | شاید مری مٹی ابھی برباد نہین ہے
آمادۂ فریاد رسی ہے وہ ستم گر | فریاد! کہ اب طاقتِ فریاد نہین ہے
دنیا مین دیارِ دلِ فانی کے سوا ہائے | کوئی بھی وہ بستی ہے جو آباد نہین ہے

دوسرا گہرا اور پائدار اثر فانی کے کلام پر غالب کا ہے، اسے ہم دوسرا درجہ دیتے ہین، غالب کے رنگِ سخن کی اتباع مین فانی کے کلام کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کا نصف سے زیادہ کلام اسی رنگ مین ہے، اور جسطرح غالب کے کلام مین اسکی سادگی اور غالبیت کا علحدہ علحدہ ذائقہ ہے، اسی طرح فانی کے کلام مین بھی ہر دو طرح کے کلام کا اپنا جدا جدا مزہ ہے، اس مین شک نہین کہ فانی اب جو کچھ لکھتے ہین، وہ غالب کے رنگِ سخن سے متاثر ہو کر لکھتے ہین، اور دنیا انھین اسی حیثیت سے جانتی ہے اور شاید اپنے لیے بھی وہ اس آخری اثر کو قابلِ فخر سمجھتے ہون، مگر ہمارا خیال ہے کہ ہر چند کہ انھین اس رنگ مین کامیابی اور مقبولیت حاصل ہوئی ہے، اور ممکن ہے آیندہ اور مقبولیت حاصل ہو، "باقیاتِ فانی" کا بہترین حصہ وہی حصہ ہے، جو حسرت کے اثر کا ممنون ہے، اس مین جو آمد اور بے ساختہ پن ہے وہ اس دوسرے حصہ مین کم ہے، ہم اپنے بیان کو مثالون سے واضح کرینگے،

فانی غالب کی طرح ادق و دشوار لکھ سکتے ہین:-

فصلِ خبر بڑھا گئے عمر کے باب راز مین
یادِ وصال مختصر لِ کے شبِ دراز مین

جلوۂ آفتاب سے نسبتِ جبر ہے مجھے
شعلۂ آرمیدہ ہون وادیٔ برقِ ناز مین

ہم نہ ازل سے آج تک سجدے سے سر اٹھا سکے
چھپ رہے جلوہ ہائے دوست کے حریمِ ناز مین

حشر مین حشر چاہئے حشر پہ حشر چاہئے
دفن ہین سجدہ ہائے شوق ناصیۂ نیاز مین

چشم براہِ یار ہون منتظرِ فنا رہون
سبزۂ رہگذر ہون عالمِ عرضِ ناز مین

چارۂ تپِ فراق کا شکر نہین تو کچھ نہین
بوئے مزاجِ یار ہے نبضِ بہانہ باز مین

ہر تصورِ جلوۂ صورت کا کفر انگیز ہے
خانۂ دل اللہ اکبر کیا ہی کافر خیز ہے

ہوش کا سرمایہ وحشت کے سوا ممکن نہین
عالم اک مجموعۂ ذراتِ صحرا بیز ہے

تھی شکستِ دل مگر تا حدِ آوازِ شکست
ٹوٹ کر بھی دل طلسمِ شوق یاس آمیز ہے

ہے فنا آبادِ غم اک معنیِ لفظ آفرین
صورت آبادِ جہان اک لفظِ معنی خیز ہے

تمہیدِ صد ہزار قیامت ہے ہر نفس
عنوانِ شوق ہون گلہ ہائے دراز کا

عبرت سرائے دل مین ہون آوازۂ دور باش
مارا ہوا ہون خاطرِ حسرت نواز کا

فردائے حشر خیز سے آنکھون کا تھا قصور
ہر رخ مری نگاہ کا تصویرِ دوش تھا

محرومیان ذریعۂ الہامِ ذکر تھین
نامون پہ انحصار پیامِ سروش تھا

لیکن وہ کلام ملاحظہ ہو جہان وہ غالب کے کلام کی سادگی اور جوش اور فارسی کی لطیف ترکیبون کی آمیزش سے اپنے کلام کو ایک خاص اثر سے مملو کر دیتے ہین ؛

نہین کہ وحشتِ دل چارہ گر نہین ہے مجھے | جنونِ چارۂ وحشت مگر نہین ہے مجھے
خرابِ لذتِ جانکاہیِ محبت ہون | مآلِ عشق سے قطعِ نظر نہین ہے مجھے
نہین یہ مردنِ دشوار بے سبب یعنی | یقین مژدۂ پیغام پر نہین ہے مجھے
جنون سہی اثرِ بےخودیِ غم نہ سہی | تمھین خبر ہے کہ اپنی خبر نہین ہے مجھے
نہ بارِ منتِ ناخن نہ خطرۂ سوزن | مجالِ بخیۂ زخمِ جگر نہین ہے مجھے
یہ کیا ہے پھر کہ مجھے اک جہان نظر آیا | خمارِ بادۂ وحدت اگر نہین ہے مجھے
یہ جستجو ہے کہ ہے عالمِ مجاز کہان | تلاشِ چشمِ حقیقت نگر نہین ہے مجھے

ہلاکِ تلخیِ تاثیرِ شکوہ ہون فانی
شکایتِ گلۂ بے اثر نہین ہے مجھ

غالب کے رنگ کی تمام غزلون مین فانی صاحب کی یہ غزل ہمارا خیال ہے ہر حیثیت سے بہترین ہے، اور اس مین فانی صاحب نے اپنے کو غالب مین اسی طرح گم کر دیا ہے کہ امتیاز مشکل ہو جاتا ہے تاہم ان کا ایک خاص رنگ ہر شعر مین نمایان ہے۔ بعض اور غزلین ملاحظہ ہون:۔

مر کر ترے خیال کو ٹالے ہوئے تو ہین | ہم جان دے کے دل کو سنبھالے ہوئے تو ہین
بیزار ہو نہ جائے کہین زندگی سے دل | تاثیر سے خفا مرے نالے ہوئے تو ہین
ہان دردِ عشق ان پہ کرم کی نظر رہے | صبر و قرار تیرے حوالے ہوئے تو ہین
یہ صحبتین بھی دیکھئے لاتی ہین رنگ کیا | مہمانِ خار پاؤن کے چھالے ہوئے تو ہین
کیا جانئے کہ حشر ہو کیا صبحِ حشر کا | بیدار تیرے دیکھنے والے ہوئے تو ہین

فانی ترے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی
سانچے مین اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہین

مشتاق خبردار رہیں دل سے جگر سے — ملتی ہے زمانہ کی نظر ان کی نظر سے

یہ سایہ بھی اٹھا مری امید کے سر سے — منہ موڑ لیا آہ نے دنیائے اثر سے

دل جن سے ملے اب وہ نگاہیں نہیں ملتیں — ملنے کو تو ملتی ہے نظر انکی نظر سے

پیکان کے بھی ٹکڑے ہیں رگوں کے بھی ہیں تاگے — سینہ میں دھواں خیر ہو اٹھتا ہے کدھر سے

امید اثر اور اُن آہوں کو جو نکلیں — اللہ کا گھر پھونک کے اللہ نے گھر سے

کیا پھر ترے ناوک نے کیا عزم نوازش — لبیک کی آتی ہے صدا جانِ جگر سے

بیکاری وحشت میں ہم اے گریۂ وحشت — دیوانہ کی صورت کو دعا لیتے ہیں در سے

کس صبح کے مشتاق کا ماتم ہے کہ فانی
روتی ہے گلے ملکے سحر شمع سحر سے

مندرجۂ بالا غزلوں سے جو فانی کے رنگ میں ہیں اندازہ لگائیے اور بتائیے کہ غالب کی طرح فانی کی بھی وہ غزلیں جو انھوں نے سلیقہ انداز بیان اور ایک خاص اثر کے ماتحت لکھی ہیں، داغ، ذوق اور دوسرے شعرا کی غزلوں سے بہتر ہیں یا نہیں، اس طرح بھی یہ نتیجہ نکلا کہ فانی کے کلام کی خصوصیت ان کی آمد [illegible] ہے جسکی بنا پر ان کا کلام زندہ رہ جائے گا،

ہم نے قصداً فانی کی پوری پوری یا قریب قریب پوری غزلیں بلا خوف طوالت لکھی ہیں، تاکہ ناظرین کو اندازہ ہو سکے کہ ان کی غزلیں عام طور پر کس رنگ کی ہوتی ہیں، ہم یہ کر سکتے تھے کہ ایک ایک یا دو دو شعر سے لیکر ان کی تشریح کرکے اُن کے معنی اور نکات بیان کرتے اور فلسفہ و حقایق سے بھی فانی صاحب کے کلام کو مالا مال دکھانے کی کوشش کرتے، لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ہم ہی نہیں ناظرین بھی مندرجۂ بالا انتخاب سے اندازہ لگا لیں گے، کہ فانی کے یہاں اس قسم کا مواد کم ہے، کہیں کہیں اگر معنی خیز یا بلند اور ارفع خیالات مل جائیں تو اُن سے اس شاعر کی عظمت نہیں ہو سکتی، یہ حصۂ شاعری ہم سمجھتے ہیں اصغر صاحب اور جگر

مرادآبادی کے یے مخصوص ہو چکا ہی جنکی پوری کی پوری غزلین سرتاپا اسرار ... ن اور حسن و محبت انتہائی عمیق و لطیف نکات سے لبریز ہوتی ہین ،

کتاب صاف ستھرے کاغذ پر آگرہ اخبار پریس مین اچھی خاصی چھپی ہے، اور ... ردیہ مین مصنف سے اٹاوہ کے پتہ پر مل سکتی ہے ،

ادب العرب

از

مولوی ابو الجلال صاحب ندوی

یہ عربی بولنے والون اور ان کے علمی، ادبی، اور دماغی کارنامون کی ایک مجمل تاریخ ہے، اور معارف سائز پر ۲۰۰ صفحات کا مجموعہ ہے، مولوی زبید احمد صاحب ایم اے، لکچرار الہ آباد یونیورسٹی نے اس کو مرتب کیا اور غالباً اردو زبان مین یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے، اور یہی کیا کم شکریہ کا مقام ہے کہ ہمارے جدید تعلیم اصحاب نے بھی اپنے اسلاف کے پرانے اندوختہ کی دیکھ بھال کی کوشش شروع کی ہے ،

فاضل مصنف نے عربون کی ادبی تاریخ کو چار دور مین تقسیم کیا ہے، (۱) ایام جاہلیت، اور (۲) سے خلافت بنو امیہ تک، پیش نظر کتاب مین انھین دو دورون کا ذکر ہے (۳) تیسرا دور بنو عباس کا۔ چوتھے دور مین حملۂ ہلاکو سے لیکر آج تک کے انقلابات شامل ہین، ان آخری دو دورون کا بیان دوسری جلد مصنف نے جابجا اپنے حوالے کم بتائے ہین، اور اس کے یے معذرت کی ہے، صرف اتنا لکھ دیا ہے اور عربی اور اردو مصنفین کی کتابون سے فائدہ اٹھایا ہے، امید ہے کہ وہ نکلسن صاحب کی لٹریری ہسٹری کی پیروی نہ کرین گے ،

اس پہلی جلد مین مصنف نے سب سے پہلے اپنے موضوع کی تشریح کی ہے، پھر عرب کے قبیلون اور حکومتون کے مواقع و مساکن کا بیان ہے، اسکے بعد زبان، عربی زبان، اور زبان عربی کی

ارتقاء، اور خصائص سے بحث کی ہے،

فاضل مصنف بالکل ہمارے ہم خیال نکلے، انکی رائے ہے کہ عربی زبان مین اگرچہ بہت کچھ تغیرات ہوئے مگر وہ اپنی قدیم ترین اصل سے اتنی زیادہ مشابہ ہو کہ اسی کو کم از کم سامی زبانون کی ام الالسنہ کہدیا جائے تو یہ حقیقت سے خلاف نہ ہوگا، ان کے نزدیک بابل کی حمورابی زبان کو بھی حجازی عربی کی ایک شاخ قرار دیا جاسکتا ہے؛ وہ صاف صاف بتاتے ہین کہ بابل کی کوئی مخصوص زبان نہ تھی جس جس قوم کی حکومت ہوئی اس کے دوران عہد مین اسی کی زبان وہان مروج ہو گئی؛ جب سامی عربون نے عیلامیون کو شکست دیکر ایک سلطنت عظیمہ کی بنیاد ڈالی تو ان کی زبان وہان کی زبانون پر غالب آئی ۔ عربی وہان جانے کے بعد خالص نہ رہی، سومری، اکادی سابقہ زبانون کے بہت سے الفاظ اسمین داخل ہو گئے، روایت اگر صحیح ہو تو یہی خیال حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا بھی تھا، ان کے نزدیک یعرب نے بابل کو چھوڑتے وقت عرب کی راہ اس لیے لی تھی کہ انکو بتایا گیا تھا، کہ جو اس طرف جائے گا اسکی زبان فرشتون کی سی ہوگی، ان کے نزدیک تو بابل کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ وہان کی زبانون مین تبلبل (گڈ مڈ) پیدا ہوگیا تھا[1]،

خصائص زبان اور حروف ابجد کی بحث کے بعد انھون نے دورِ جاہلیت، علوم جاہلیت، شعرائے مخضرمین، عہد نبوت، عہد خلافت اور عہد بنوامیہ کے ادبی، علمی، تاریخی، اور دماغی کارنامون پر ریویو کیا ہے، یہ مباحث نہایت مختصر لیکن پُر مغز عبارتون مین ادا کیے گئے ہین،

کتاب کی پوری ستایش کے ساتھ اوسکے چند خیالات سے ہمین اختلاف بھی ہے،

صفحہ ۹ پر ادب بمعنی لٹریچر کو "تادیب" سے ماخوذ بتایا گیا ہے، مناسبت یہ بتائی گئی ہے کہ ادب کے معنی دعوت طعام کے ہین اور کسی کو کھانا کھلانا بہترین اخلاق ہے، اسلیے ادب کے معنی تہذیب اخلاق کے ہوئے، ظہور اسلام کے بعد دور اموی مین بعض لوگ معلمین کو مودبین کہنے لگے، اس طرح ادب مین شان تعلیم داخل ہوگئی؛

---

[1] صحیح یہ ہے کہ بابل اصل مین باب ایل ہے۔

پھر آگے چل کر چونکہ ادبی تعلیم کی بنیاد شعر و لغت وغیرہ پر تھی اسلیے انھیں علوم عربیہ پر اس کا اطلاق ہونے لگا"

ہمارے خیال میں یہ صحیح نہیں کیونکہ مؤدب کا لفظ اس معنی میں عہد بنی امیہ کی ایجاد نہیں (آدبنی ربی فاحسن تادیبی) کی خبر تو عہد نبوت سے اس لفظ کو رائج بتاتی ہے، علاوہ بریں اگر ادب بمعنی تہذیب و شائستگی کا کوئی تعلق "دعوتِ طعام" سے ہوتا تو "ادیب" کا لفظ کبھی تو ضیافت کے معنی میں بولا گیا ہوتا، اصل یہ ہے، ادب کے اصلی معنی ہیں

والادب الذی یتادب بہ الادیب من الناس سمی ادبا لانہ یادب الناس الی المحامد و ینھاھم عن المقابح (رسان)

اور وہ ادب جس سے ادیب آدمی ادیب ہوتا ہے، اس کو ادب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ہر آدمی کو اچھی اور محمود باتوں کی طرف بلاتی اور بری باتوں سے منع کرتی ہے،

یہ وہ مفہوم ہے جو ادب نفس (خوش اخلاقی) ادب درس (لٹریچر) اور ادب عقل (خوش تمیزی) وغیرہ تمام معانی پر صادق آتا ہے، عربی اشتقاق میں اسکی کافی مثالیں ہیں کہ لفظ کثرت استعمال کے باعث بعض خاص معانی کے ساتھ وابستہ ہو جاتا ہے، ادب اصل میں (الادب الی المحامد) کا مخفف ہے،

(۲) دوسری چیز جس سے ہم کو اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ صفحہ ۱۰ پر فاضل مصنف نے فرمایا ہے کہ

"عربوں کے یہاں ۱۲ مہینے ہوتے تھے اور شمسی و قمری حساب کو برابر رکھنے کے لیے لوند کا مہینہ ہر تیسرے سال زیادہ کر لیتے تھے، عربی میں اس زیادتی کو کبس اور نسی کہتے ہیں"

کبس اور نسی ہم معنی نہیں، کبس کا حساب یہود میں رائج تھا اور بعض قبائل نسی کیا کرتے تھے، نسی کوئی حسابی کارروائی نہیں تھی بلکہ محض لوٹ مار کے لیے بعض قبیلے ایسا کیا کرتے تھے، کہ ہر سال حج کے بعد ایک شخص اعلان کرتا تھا کہ فلاں مہینہ کو ہم نے پیچھے ہٹا دیا، اس طرح اشہر حرم میں سے بھی ایک مہینہ ان کو لوٹ مار کے لیے مل جاتا تھا اسی لئے خدا نے فرمایا کہ (انما النسی زیادۃ فی الکفر)

نسی کا تعلق شمسی اور قمری سال کی تحویل باہم سے نہیں لیکن کبس کا تعلق شمسی اور قمری سنین کے موازنہ باہمی سے ہے، کبس اور نسی دونوں مرادف ہوں تو مسلمانوں کے لیے "لوند" کا حساب رکھنا جرم ہو جاتا ہے، حالانکہ

مشتاق خبردار رہیں دل سے جگر سے — ملتی ہے زمانہ کی نظر ان کی نظر سے

یہ سایہ بھی اٹھا مری امید کے سر سے — منہ موڑ لیا آہ نے دنیائے اثر سے

دل جن سے ملے اب وہ نگاہیں نہیں ملتیں — ملنے کو تو ملتی ہے نظر ان کی نظر سے

پیکان کے بھی ٹکڑے ہیں رفو کے بھی ہیں ٹانکے — سینہ میں دھواں خیر یہ اٹھتا ہے کدھر سے

امید اثر اور اُن آہوں کو جو نکلیں — اللہ کا گھر پھونک کے اللہ کے گھر سے

کیا پھر ترے ناوک نے کیا عزمِ نوازش — لبیک کی آتی ہے صدا چاکِ جگر سے

بیگانہ ہی وحشت میں ہم اے گریۂ وحشت — دیوار کی صورت کو ملا لیتے ہیں در سے

کس صبح کے مشتاق کا ماتم ہے کہ فانیؔ
روتی ہے گلے ملکے سحر شمع سحر سے

مندرجۂ بالا غزلوں سے جو غالبؔ کے رنگ میں ہیں اندازہ لگائیے اور بتائیے کہ غالب کی طرح فانیؔ کی بھی وہ غزلیں جو انھوں نے لطیف اندازِ بیان اور ایک خاص اثر کے ماتحت لکھی ہیں، [illegible] غزلوں سے بہتر ہیں یا نہیں، اس طرح بھی یہ نتیجہ نکلا کہ فانیؔ کے کلام کی خصوصیت ان کی آمد، بانکپن اور روانی ہے جس کی بنا پر ان کا کلام زندہ رہ جائے گا،

ہم نے قصداً فانیؔ کی پوری پوری یا قریب پوری غزلیں بلا خوفِ طوالت لکھی ہیں، تاکہ ناظرین کو اندازہ ہو سکے کہ ان کی غزلیں عام طور پر کس رنگ کی ہوتی ہیں، ہم یہ کر سکتے تھے کہ ایک ایک یا دو دو شعر لیکر ان کی تشریح کرکے اُن کے معنی اور نکات بیان کرتے اور فلسفہ و حقایق سے بھی فانیؔ صاحب کے کلام کو مالامال دکھانے کی کوشش کرتے، لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا کیونکہ ہم ہی نہیں ناظرین بھی مندرجۂ بالا انتخاب سے اندازہ لگالیں گے، کہ فانیؔ کے یہاں اس قسم کا مواد کم ہے، کہیں کہیں اگر معنی خیز یا بلند اور ارفع خیالات مل جائیں تو اُن سے اس شاعر کی عظمت نہیں ہو سکتی، یہ حصۂ شاعری ہم سمجھتے ہیں اصغرؔ صاحب اور جگرؔ

مرادآبادی کے لیے مخصوص ہوچکا ہی، جنکی پوری کی پوری غزلین سرتاپا اسرار و معارف اور حسن و محبت کے انتہائی عمیق و لطیف نکات سے لبریز ہوتی ہین،

کتاب صاف ستھرے کاغذ پر آگرہ اخبار پریس آگرہ مین اچھی خاصی چھپی ہے، اور سے روپیہ مین مصنف صاحب سے اناؤ کے پتہ پر مل سکتی ہے،

ادب العرب

از

مولوی ابو الجلال صاحب ندوی

یہ عربی بولنے والون اور ان کے علمی، ادبی، اور دماغی کارنامون کی ایک مجمل تاریخ ہے، وہ معارف کے سائز پر ۲۰۰ صفحات کا مجموعہ ہے، مولوی زبید احمد صاحب ایم اے، لکچرار الہ آباد یونیورسٹی نے اس کو مرتب کیا ہے، اور غالباً اردو زبان مین یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے، اور یہی کیا کم شکریہ کا مقام ہے کہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ اصحاب نے بھی اپنے اسلاف کے پرانے اندوختہ کی دیکھ بھال کی کوشش شروع کی ہے،

فاضل مصنف نے عربون کی ادبی تاریخ کو چار دور مین تقسیم کیا ہے، (۱) ایام جاہلیت، اور (۲) آغاز اسلام سے خلافت بنو امیہ تک، پیش نظر کتاب مین انھین دو دورون کا ذکر ہے (۳) تیسرا دور بنو عباس کا ہے اور چوتھے دور مین حملہ ہلاکو سے لیکر آج تک کے انقلابات شامل ہین، ان آخری دونو دورون کا بیان دوسری جلد مین آئیگا مصنف نے جابجا اپنے حوالے کم بتلائے ہین، اور اس کے لیے معذرت کی ہے، صرف اتنا لکھدیا ہے کہ انگریزی اور عربی اور اردو مصنفین کی کتابون سے فائدہ اٹھایا ہے، امید ہے کہ وہ نکلسن صاحب کی لٹریری ہسٹری آف عرب کی پیروی نہ کرین گے،

اس پہلی جلد مین مصنف نے سب سے پہلے اپنے موضوع کی تشریح کی ہے، پھر عرب کے قبیلون، اقوام اور حکومتون کے مواقع و مساکن کا بیان ہے، اسکے بعد زبان، عربی زبان، اور زبان عربی کی پیدائش

ارتقار، اور خصائص سے بحث کی ہے،

فاضل مصنف بالکل ہمارے ہم خیال نکلے، انکی رائے ہے کہ عربی زبان مین اگرچہ بہت کچھ تغیرات ہوئے مگر وہ اپنی قدیم ترین اصل سے اتنی زیادہ مشابہ ہو کہ اسی کو کم از کم سامی زبانون کی ام الالسنہ کہدیا جائے تو یہ حقیقت کے خلاف نہ ہوگا، ان کے نزدیک بابل کی عمومی زبان کو بھی حجازی عربی کی ایک شاخ قرار دیا جاسکتا ہے وہ صاف صاف بتاتے ہین کہ بابل کی کوئی مخصوص زبان نہ تھی جس جس قوم کی حکومت ہوئی اس کے دوران عہد مین اسی کی زبان وہان مروج ہوگئی، جب سامی عربون نے عیلامیون کو شکست دیکر ایک سلطنت عظیمہ کی بنیاد ڈالی تو ان کی زبان وہان کی زبانون پر غالب آئی . . عربی وہان جانے کے بعد خالص نہ رہی، سومری، اکادی سابقہ زبانون کے بہت سے الفاظ اسمین داخل ہوئے: روایت اگر صحیح ہو تو یہی خیال حضرت ابن عباسؓ وغیرہ کا بھی تھا، ان کے نزدیک نمرود نے بابل کو چھوڑتے وقت عرب کی راہ اسی لیے لی تھی کہ انکو بتایا گیا تھا، کہ جو اس طرف جائے گا اسکی زبان فرشتون کی سی ہوگی، ان کے نزدیک تو بابل کی وجہ تسمیہ بھی یہی ہے کہ وہان کی زبانون مین تبلبل (گڈمڈ) پیدا ہوگیا تھا[1]

خصائص زبان اور حروف ابجد کی بحث کے بعد انھون نے دور جاہلیت، علوم جاہلیت، شعراء مخضرمین، عہد نبوت، عہد خلافت اور عہد بنوامیہ کے ادبی، علمی، تاریخی، اور دماغی کارنامون پر ریویو کیا ہے، یہ مباحث نہایت مختصر لیکن پرمغز عبارتون مین ادا کئے گئے ہین،

کتاب کی پوری ستایش کے ساتھ اسکے چند خیالات سے ہمین اختلاف بھی ہے،

صفحہ ۹ پر ادب بمعنی لٹریچر کو تادیب سے ماخوذ بتایا گیا ہے، مناسبت یہ بتائی گئی ہے کہ ادب کے معنی "دعوت طعام" کے ہین اور کسی کو کھانا کھلانا بہترین اخلاق ہے، اسلیے ادب کے معنی تہذیب اخلاق کے ہوئے، ظہور اسلام کے بعد دور اموریہ مین بعض لوگ معلمین کو مودبین کہنے لگے، اس طرح ادب مین شان تعلیم داخل ہوگئی"

[1] نتیجہ یہ ہے کہ بابل اصل مین باب ایل ہے،

ہونے لگے چل کر چونکہ ادبی تعلیم کی بنیاد شعر و لغت وغیرہ پر تھی اسلیے انہیں علوم عربیہ پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔

ہمارے خیال میں یہ صحیح نہیں کیونکہ مودب کا لفظ اس معنی میں عہد نبی امیہ کی ایجاد نہیں (ادبنی ربی فاحسن تادیبی) کی خبر تو عہد نبوت سے اس لفظ کو رائج بتاتی ہے۔ علاوہ برین اگر ادب بمعنی تہذیب و شائستگی کا کوئی تعلق "دعوت طعام" سے ہوتا تو "ادیب" کا لفظ کبھی تو مہمان (بلانا) کے معنی میں بولا گیا ہوتا۔ اصل یہ ہے، ادب کے اصلی معنی ہیں

والادب الذی یتادب بہ الادیب من الناس	اور وہ ادب جس سے ادیب آدمی ادیب ہوتا ہے اس کو
سمی ادبا لانہ یادب الناس الی المحامد و	ادب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ چیز آدمی کو اچھی اور محمود باتوں کی طرف
ینھاھم عن المقابح (لسان)	بلاتی، اور بری باتوں سے منع کرتی ہے،

یہ وہ مفہوم ہے جو ادب نفس (خوش اخلاقی) ادب درس (لٹریچر) اور ادب عقل (خوش تمیزی) وغیرہ تمام معانی پر صادق آتا ہے، عربی اشتقاق میں اسکی کافی مثالیں ہیں کہ لفظ کثرت استعمال کے باعث بعض خاص معانی کے ساتھ وابستہ ہوجاتا ہے، ادب اصل میں (الادب الی المحامد) کا مختصر ہے،

(۲) دوسری چیز جس سے ہم کو اختلاف ہے وہ یہ ہے کہ صفحہ ۱۰۱ پر فاضل مصنف نے فرمایا ہے کہ

"عربوں کے یہاں ۱۲ مہینے ہوتے تھے اور شمسی و قمری حساب کو برابر رکھنے کے لیے لوند کا مہینہ ہر تیسرے سال زیادہ کر لیتے تھے، عربی میں اس زیادتی کو کبس اور نسی کہتے ہیں"

کبس اور نسی ہم معنی نہیں، کبس کا حساب یہود میں رائج تھا اور بعض قبائل نسی کیا کرتے تھے۔ نسی کوئی حسابی کاروائی نہیں تھی بلکہ محض لوٹ مار کے لیے بعض قبیلے ایسا کیا کرتے تھے، کہ ہر سال حج کے بعد ایک شخص اعلان کرتا تھا کہ فلان مہینہ کو ہم نے پیچھے ہٹا دیا، اس طرح اشہر حرم میں سے بھی ایک مہینہ ان کو لوٹ مار کے لیے مل جاتا تھا اسی لئے خدا نے فرمایا کہ (انما النسی زیادۃ فی الکفر)

نسی کا تعلق شمسی اور قمری سال کی تحویل باہم سے نہیں، لیکن کبس کا تعلق شمسی اور قمری سنین کے موازنہ باہمی سے ہے، کبس اور نسی دونوں مرادف ہوں تو مسلمانوں کے لیے "لوند" کا حساب رکھنا جرم ہوجاتا ہے، حالانکہ

اس حساب کی طرف تو خود قرآن مجید مین بھی اشارہ ہے،

فلبثوا فی کہفہم ثلٰث مائۃ سنین وازدادوا تسعا　　اصحاب کہف اس مین ۳۰۰ برس رہے اور زیادہ ہوئے نو سال،

۳۰۰ برس شمسی کے ۹ ۳۰ برس قمری ہوتے ہین، کیا اس کی بنیاد اسی حساب پر ہے، کیا یہ بھی الہام ہے؟

مصنف نے غالباً اختصار کے خیال سے مضامین کے استقصا کی فکر نہین کی ہے، ورنہ علوم کے بیان مین کافی تفصیل کی گنجائش ہے،

یہ صحیح نہین ہے کہ علم حدیث کی باقاعدہ تدوین کا آغاز عہد اموی مین نہین ہوا اور نہ یہ صحیح ہے کہ سعد بن ابراہیم قاضی مدینہ حدیث کے پہلے مدون ہین یا وہ پہلے شخص ہین جنھون نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے حکم کی تعمیل کی، بلکہ وہ منجملہ دو اشخاص کے ایک ہین، ابتدائی مدونین حدیث کی ترتیب یہ ہے، ابوبکر بن محمد عمر بن حزم المتوفی سنہ ۱۰۰ھ، امام زہری المتوفی سنہ ۱۲۴ھ، سعد بن ابراہیم سنہ ۱۲۶ھ، سعید بن ابی عروبہ سنہ ۱۵۶ھ، ربیع بن صبیح سنہ ۱۶۰ھ امام مالک کی موطا سنہ ۱۳۰ھ سے سنہ ۱۴۰ھ تک تالیف ہوئی،

ابوزیاد کلابی کی کتاب النوادر تمامتر جغرافیہ نہین ہے، وہ اصل مین لغت کی کتاب ہے، اور اسی لغت کے ضمن مین اس مین ایک باب مقامات کا بھی ہے، کلابی گو مہدی کے زمانہ مین بغداد آیا، لیکن عمر کا بڑا حصہ اموی دور مین بادیہ مین گذر چکا تھا،

جبکہ مصنف نے ہر جگہ اپنی اس جلد کے دائرہ بیان کی بنا پر اموی دور سے آگے پاؤن نہین بڑھایا ہے تو تعجب آتا ہے کہ تصوف کے بیان مین یہ پابندی کیون قائم نہ رہی،

بہرحال جمع معلومات اور موضوع کے لحاظ سے مصنف کی یہ تالیف اردو مین پہلی کتاب ہے اس لیے وہ ہر طرح داد و تحسین کی مستحق ہے، امید ہے کہ آئندہ جلد مین ہمارے دوست دوسرون پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود اپنی قوت بازو پر بھروسہ کرین گے، قیمت ۳ روپے پتہ:- مصباح الدین احمد پروپرائٹر نور بک ڈپو ٹاؤن ہال، بریلی،

مطبوعاتِ جدیدہ

ویدا اور قرآن، مولوی خلیل احمد صاحب المعروف بہ "بابا خلیل داس چتر ویدی" جو انگریزی کے ساتھ سنسکرت بھی جانتے ہیں، چند سال سے مناظرہ کے میدان میں آئے ہیں، اور اسی سلسلہ میں چھوٹے چھوٹے رسالے بھی شائع کئے ہیں جنمیں سے بعض اسلام کے محاسن کے بیان میں ہیں، اور بعض ہندو مذہب کی تردید و تنقید میں پہلی قسم میں ایک رسالہ قرآن پاک اور غذائے انسانی ہے جسمیں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ "اصطلاح قرآنی میں حلال غذائے انسانی کا وہ نوع ہے جو ممد روحانیت اور معاون حصول حقایق ہے" حجم ۸ صفحے قیمت ۲؍

اس کے علاوہ دیگر رسائل مختلف مباحث پر حسب ذیل ہیں:

نام رسالہ	موضوع	حجم	قیمت
قرآن پاک اور ذات و صفات الٰہی	باری تعالیٰ کے اسماء و صفات قرآن مجید سے بتائے گئے ہیں،	۳۲ صفحے	۳؍
اسلام اور فطرت،	فطرت کے اصول کی تشریح کرکے اسلام کو فطرت کے مطابق بتایا گیا ہے،	۱۱ "	۵؍
قرآن پاک اور سائنس،	قرآن مجید اور سائنس ایک دوسرے کے مؤید ہیں،	۴۴ "	۶؍
قرآن پاک اور توحید،	قرآن مجید میں توحید کی تعلیمات،	۱۶ "	۲؍
قرآن پاک اور اطاعت والدین،	قرآن مجید میں حقوق والدین،	۱۱ "	۱۱؍
اعتراضات قرآنی کا قلع قمع،	قرآن مجید پر بعض اعتراضات کے جوابات	۴۰ "	۵؍

اپنے ایک رسالہ کو مؤلف موصوف نے وحی الٰہی کے حقیقی معیار سے موسوم کیا ہے، جسمیں کسی کتاب کے الہامی و غیر الہامی ہونے کے متعلق چند اصول وضع کرکے ان کی تشریح کیگئی ہے، حجم ۱۶ صفحے قیمت ۲؍

اس کے بعد ہندو مذہب کے متعلق ان کے چند رسالے ہیں جنمیں سے پہلا رسالہ ویدوں کے متعلق دو دو باتیں

ہے، جس مین پہلے ہندو مذہب کی مقدس کتابون کے نام اور ان کے فن اور موضوع سے روشناس کیا گیا ہے، اس کے بعد ویدون کے متعلق چند باتین بیان کیگئی ہین جنھین گویا ان پر ایک اجمالی تبصرہ کہا جا سکتا ہے، حجم ۲۴ صفحے قیمت ۴ر۔ اس کے بعد وید وژند کا ماخذ ہے، جس مین پہلے وید کو غیر الہامی کتاب ثابت کیا گیا ہے، پھر ان کا ماخذ پارسیون کی مذہبی کتاب ژند اوستا کو قرار دیا گیا ہے، اور استدلال یہ ہے کہ ان دونون کتابون مین مضامین مماثلہ، مختلف عناصر کی تعریف و توصیف، آتش پرستی کی تعلیم، اور پھر ژند مین جن بارہ چیزون کو معین طور پر معبود قرار دیا گیا ہے، انھین بارہ چیزون کو وید مین بھی معین طور پر معبود قرار دیا، اور اسی قسم کی چند اور چیزین بھی ان دونون مین یکسان طور پر پائی جاتی ہین، اس کے علاوہ ان دونون مذاہب کے مراسم اور عبادت وغیرہ بھی ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہین، اور پھر مؤلف نے ثبوت مین ایسے بہت سے الفاظ پیش کئے ہین جو بعینہ اسی طرح یا خفیف تغیر کے ساتھ دونون کتابون مین ایک معنی مین استعمال ہوئے ہین، اور آخر مین ایران و ہندوستان کے قدیم تجارتی تعلقات کی طرف اشارہ کرکے اس نظریہ کی تائید کیگئی ہے، رسالون کی زبان صاف اور شستہ ہے، بعض رسائل کی طباعت اچھی اور بعض کی ناقص ہے، اس کے علاوہ بعض رسائل مین کتابت کی مسلسل غلطیان ہین، مثلاً "مسیح" کو "سیح"، "توضیح" کو "توضیع" وغیرہ، یہ تمام رسالے جناب مؤلف سے ہیڈ آفس ملت حنفیہ سیوان ضلع سارن (صوبہ بہار) سے ملین گے،

تشریح الکافر، اس رسالے کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے، اس مین مولنا عبد الرحیم صاحب سلیم وکیل ہنم کنڈہ دکن نے قرآن مجید کی مختلف آیتون سے ثابت کیا ہے کہ لفظ "کافر" کے معنی انکار کرنے والے یا ناشکر (؟) کے ہین، یہ کوئی گالی نہین ہے، خواہ نخواہ ہمارے اہل وطن ہنود اس لفظ کو توہین آمیز سمجھتے ہین، جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے تبلیغی سلسلہ مین اسکو شائع کیا ہے، اسلئے یہ حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی سے ملیگا، حجم ۲۸ صفحے قیمت ۴ر

آئینۂ عالم نما، جناب محمد سمیع صاحب سکندہ ماسٹر دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے طلبائے دار العلوم کے

فائدے کیلئے مختصر جغرافیہ عالم "آئینۂ عالم نما" کے نام سے شائع کیا ہے، جس مین پہلے ضروری جغرافی اصطلاحات بتانے کے بعد ان کی تفصیل کیساتھ سارے عالم کا جغرافیہ پیش کیا ہے، رسالہ کے ساتھ مختلف ملکون کے مطبوعہ نقشے بھی منسلک ہین، رسالہ کی زبان نہایت سلیس، اور طلبہ کے لیے موزون ہی، حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۰۴ صفحے، کاغذ، لکھائی چھپائی معمولی ہے، قیمت ۱۲؍ جناب منیجر صاحب شبلی بکڈپو لکھنؤ سے ملیگی،

قواعد اردو، جناب مولوی عبد الحق صاحب بی، اے سکریٹری انجمن ترقی اردو کی گرانمایہ تالیف قواعد اردو کا یہ نیا اڈیشن ٹائپ مین شائع ہوا ہے، لیکن شاید جناب مؤلف نے اس موقع پر ان تنقیدون پر کچھ زیادہ توجہ نہین کی، جو طبع اول پر شائع ہوئی تھین، بہرحال وہ اس وقت اردو قواعد کی معیاری کتابون مین ہے اور اسلیے جب تک اس سے بہتر کوئی کتاب نہ لکھی جائے، وہ قابلِ قدر ہے، حجم ۱۰۳ صفحے قیمت عہ؍ انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد دکن،

کتاب النحو جدید، جناب آسی امرتسری کا خیال ہے کہ وہ عربی علم نحو کی کمل تعلیم پندرہ دن مین دیسکتے ہین اور اسی کو پیش نظر رکھکر انھون نے ایک رسالہ "کتاب النحو جدید" نام تالیف کیا ہے جس مین نحو کے تمام قواعد کو پریسیڈنٹ ولسن کی طرح ۱۴ اصول مین منضبط کر دیا ہے، رسالہ کی ترتیب یون ہے کہ پہلے ایک کلیہ پیش کیا گیا ہے، مثلاً پہلا کلیہ یہ ہے "جملہ اپنے پہلے جزء کے نام سے مشہور ہوتا ہے" اور اس کے بعد مثالون سے اسکے جزئیات سمجھائے ہین، چنانچہ پہلے کلیہ کی توضیح کے لیے جملہ کی تمام قسمون انشائیہ، خبریہ، دعائیہ، شرطیہ وغیرہ کی ایک ایک مثال دی ہے، اور پھر مزید توضیح کے لیے "تشریحات" کے نام سے ہر کلیہ کے بعد ایک باب بڑھایا ہے، جناب آسی کی یہ جدت لائق ستائش ہے، اور ممکن ہے کہ وہ اپنے دعوی مین بڑی حد تک کامیاب ہون، حجم چھوٹی تقطیع پر ۶۰ صفحے قیمت ۸؍ کاغذ، لکھائی چھپائی خاصی ہے، جناب مؤلف سے مدرسۃ المسلمین امرتسر کے پتہ سے ملے گی،

"ن"

اس حساب کی طرف تو خود قرآن مجید مین بھی اشارہ ہے،

فلبثوا فیہا ثلثمائۃ سنین وازدادوا تسعا اصحاب کہف اس مین ۳۰۰ برس رہے اور زیادہ ہوئے نو سال،

۳۰۰ برس شمسی کے ۳۰۹ برس قمری ہوتے ہین، کبس کی بنیاد اسی حساب پر ہے کیا یہ بھی حرام ہے؟

مصنف نے غالباً اختصار کے خیال سے مضامین کے استقصا کی فکر نہین کی ہے، ورنہ علوم کے بیان مین کافی تفصیل کی گنجائش ہے۔

یہ صحیح نہین ہے کہ علم حدیث کی باقاعدہ تدوین کا آغاز عہد اموی مین نہین ہوا اور نہ یہ صحیح ہے کہ سعد بن ابراہیم قاضی مدینہ حدیث کے پہلے مدون ہین، یا وہ پہلے شخص ہین جنھون نے حضرت عمر بن عبد العزیز کے حکم کی تعمیل کی، بلکہ وہ منجملہ ان اشخاص کے ایک ہین، ابتدائی مدونین حدیث کی ترتیب یہ ہے، ابوبکر بن محمد عمرو بن حزم المتوفی سنہ ۱۲۰ھ، امام زہری المتوفی سنہ ۱۲۴ھ، سعد بن ابراہیم سنہ ۱۲۶ھ، سعید بن ابی عروبہ سنہ ۱۵۶ھ، ربیع بن صبیح سنہ ۱۶۰ھ، امام مالک کی موطا سنہ ۱۳۰ھ سے سنہ ۱۴۰ھ تک تالیف ہوئی،

ابو زیاد کلابی کی کتاب النوادر تمامتر جغرافیہ نہین ہے، وہ اصل مین لغت کی کتاب ہے، اور اسی لغت کے ضمن مین اس مین ایک باب مقامات کا بھی ہے، کلابی گو مہدی کے زمانہ مین بغداد آیا، مگر اسکی عمر کا بڑا حصہ اموی دور مین بادیہ مین گذر چکا تھا،

جبکہ مصنف نے ہر جگہ اپنی اس جلد کے دائرۂ بیان کی بنا پر اموی دور سے آگے پاؤن نہین بڑھایا ہے تو تعجب آتا ہے کہ تصوف کے بیان مین یہ پابندی کیون قائم نہ رہی،

بہرحال جمع معلومات اور موضوع کے لحاظ سے مصنف کی یہ تالیف اردو مین پہلی کتاب ہے اس لیے وہ ہر طرح داد و تحسین کی مستحق ہے، امید ہے کہ آئندہ جلد مین ہمارے دوست دوسرون پر بھروسہ کرنے کے بجائے خود اپنی قوت بازو پر بھروسہ کرین گے، قیمت ۳ روپے، پتہ:۔ مصباح الدین احمد پروپرائٹر نور بک ڈپو ٹاؤن ہال، بریلی،

مطبوعات جدیدہ

ویدا اور قرآن، مولوی خلیل احمد صاحب المعروف بہ "بابا خلیل داس چتر ویدی" جو انگریزی کے ساتھ سنسکرت بھی جانتے ہیں، چند سال سے مناظرہ کے میدان میں آئے ہیں، اور اسی سلسلہ میں چھوٹے چھوٹے رسالے بھی شائع کئے ہیں جنمیں سے بعض اسلام کے محاسن کے بیان میں ہیں، اور بعض ہندو مذہب کی تردید و تنقید میں، پہلی قسم میں ایک رسالہ قرآن پاک اور غذائے انسانی ہے جسمیں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ "اصطلاح قرآنی میں حلال، غذائے انسانی کا وہ نوع ہے جو ممد روحانیت اور معاون حصول حقایق ہے" حجم ۸ صفحے قیمت ۲؍

اس کے علاوہ دیگر رسائل مختلف مباحث پر حسب ذیل ہیں:

نام رسالہ	موضوع	حجم	قیمت
قرآن پاک اور ذات وصفات الٰہی	باری تعالی کے اسماء وصفات قرآن مجید سے بتائے گئے ہیں،	۳۲ صفحے	۳؍
اسلام اور فطرت،	فطرت کے اصول کی تشریح کرکے اسلام کو فطرت کے مطابق بتایا گیا ہے،	۱۱ "	۵؍
قرآن پاک اور سائنس،	قرآن مجید اور سائنس ایک دوسرے کے مؤید ہیں،	۴۸ "	۶؍
قرآن پاک اور توحید،	قرآن مجید میں توحید کی تعلیمات،	۱۶ "	۲؍
قرآن پاک اور اطاعت والدین،	قرآن مجید میں حقوق والدین،	۱۱ "	" ؍
اعتراضات قرآنی کا قلع قمع،	قرآن مجید پر بعض اعتراضات کے جوابات	۴۰ "	۵؍

اپنے ایک رسالہ کو مؤلف موصوف نے وحی الٰہی کے حقیقی معیار سے موسوم کیا ہے، جسمیں کسی کتاب کے الہامی وغیر الہامی ہونے کے متعلق چند اصول وضع کرکے ان کی تشریح کیگئی ہے، حجم ۱۶ صفحے قیمت ۲؍

اس کے بعد ہندو مذہب کے متعلق ان کے چند رسالے ہیں جنمیں سے پہلا رسالہ ویدوں کے متعلق دو دو باتیں

ہے، جس مین پہلے ہندو مذہب کی مقدس کتابون کے نام اوران کے فن وار موضوع سے روشناس کیا گیا ہے، اس کے بعد ویدون کے متعلق چند باتین بیان کیگئی ہین جنھین گویا ان پرایک اجمالی تبصرہ کہا جا سکتا ہے، حجم ۲۴ صفحے قیمت ۴ر اس کے بعد "ویدوز کا ماخذ" ہے، جسمین پہلے ویدکو غیرالہامی کتاب ثابت کیا گیا ہے، پھر ان کا ماخذ پارسیون کی مذہبی کتاب ژند اوستا کو قرار دیا گیا ہے، اور استدلال یہ ہے کہ ان دونون کتابون مین مضامین ومائیہ، مختلف عناصر کی تعریف وتوصیف، آتش پرستی کی تعلیم، وہ چیز ژند مین جن بارہ چیزون کو معین طور پر معبود قرار دیا گیا ہے، انھین بارہ چیزونکو وید مین بھی معین طور پر معبود قرار دیا، اور اسی قسم کی چند اور چیزین بھی ان دونون مین یکسان طرح پر پائی جاتی ہین، اس کے علاوہ ان دونون مذاہب کے مراسم اور عبادت وغیرہ بھی ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہین، اور پھر مؤلف نے ثبوت مین ایسے بہت سے الفاظ پیش کئے ہین جو بعینہ اسی طرح یا خفیف تغیر کے ساتھ دونون کتابون مین ایک معنی مین استعمال ہوئے ہین، اور آخر مین ایران وہندوستان کے قدیم تجارتی تعلقات کی طرف اشارہ کرکے اس نظریہ کی تائید کیگئی ہے، رسالون کی زبان صاف اور شستہ ہے، بعض رسائل کی طباعت اچھی اور بعض کی ناقص ہے، اس کے علاوہ بعض رسائل مین کتابت کی مسلسل غلطیان ہین، مثلاً "مسیح" کو "مسیع"، "توضیح" کو "توضیع" وغیرہ، یہ تمام رسالے جناب مؤلف سے ہیڈ آفس ملت حنفیہ سیوان ضلع سارن (صوبہ بہار) سے ملین گے،

تشریح الکافر، اس رسالے کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے، اس مین مولنا عبدالرحیم صاحب سلیم وکیل ہم کنڈہ دکن نے قرآن مجید کی مختلف آیتون سے ثابت کیا ہے کہ "لفظ "کافر" کے معنی انکار کرنے والے یا ناشکر (؟) کے ہین، یہ کوئی گالی نہین ہے، خواہ نخواہ ہمارے اہل وطن ہنود اس لفظ کو توہین آمیز سمجھتے ہین:" جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے تبلیغی سلسلہ مین اسکو شائع کیا ہے، اسلئے یہ حلقہ مشائخ بکڈپو دہلی سے ملیگا، حجم ۲۸ صفحے قیمت ۲ر

آئینۂ عالم نما، جناب محمد سمیع صاحب سکنڈ ماسٹر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے طلبائے دارالعلوم کے

فائدے کیلئے مختصر جغرافیہ عالم "آئینۂ عالم نما" کے نام سے شائع کیا ہے، جس میں پہلے ضروری جغرافی اصطلاحات بتانے کے بعد اجمالی تفصیل کیساتھ سارے عالم کا جغرافیہ پیش کیا ہے، رسالہ کے ساتھ مختلف ملکوں کے مطبوعہ نقشے بھی منسلک ہیں، رسالہ کی زبان نہایت سلیس اور طلبہ کے لیے موزون ہے، حجم چھوٹی تقطیع پر ۴۰ صفحے، کاغذ، چھاپہ اور لکھائی چھپائی معمولی ہے، قیمت ۱۲؍ جناب منیجر صاحب شبلی بکڈپو لکھنؤ سے ملیگی،

قواعد اردو، جناب مولوی عبدالحق صاحب بی اے سکریٹری انجمن ترقی اردو کی گرانمایہ تالیف "قواعد اردو" کا یہ نیا اڈیشن ٹائپ میں شائع ہوا ہے، لیکن شاید جناب مؤلف نے اس موقع پر ان تنقیدوں پر کچھ زیادہ توجہ نہیں کی، جو طبع اول پر شائع ہوئی تھین، بہرحال وہ اس وقت اردو قواعد کی معیاری کتابوں میں ہے اور اسلیے جب تک اس سے بہتر کوئی کتاب نہ لکھی جائے، وہ قابلِ قدر ہے، حجم ۳۰۱ صفحے، قیمت عہ، انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن،

کتاب النحو جدید، جناب آسی امرتسری کا خیال ہے کہ وہ عربی علم نحو کی کمل تعلیم پندرہ دن میں دے سکتے ہیں اور اسی کو پیش نظر رکھ کر انھون نے ایک رسالہ "کتاب النحو جدید" نام تالیف کیا ہے، جس میں نحو کے تمام قواعد کو پرسیڈنٹ ولسن کی طرح ۱۴ اصول میں منضبط کر دیا ہے، رسالہ کی ترتیب یون ہے کہ پہلے ایک کلیہ پیش کیا ہے، مثلاً پہلا کلیہ یہ ہے "جملہ اپنے پہلے جزء کے نام سے مشہور ہوتا ہے" اور اس کے بعد مثالون سے اسکے جزئیات سمجھائے ہیں، چنانچہ پہلے کلیہ کی توضیح کے لیے جملہ کی تمام قسمون انشائیہ، خبریہ، دعائیہ، شرطیہ وغیرہ کی ایک ایک مثال دی ہے، اور پھر مزید توضیح کے لیے "تشریحات" کے نام سے ہر کلیہ کے بعد ایک باب بڑھایا ہے، جناب آسی کی یہ جدت لائق ستائش ہے، اور ممکن ہے کہ وہ اپنے دعوی میں بڑی حد تک کامیاب ہون، حجم چھوٹی تقطیع پر ۱۶۰ صفحے قیمت ۸؍ کاغذ اور لکھائی چھپائی خاصی ہے، جناب مؤلف سے مدرسۃ المسلمین امرتسر کے پتہ سے ملے گی،

کلیات، مولانا کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات، قطعات کا مجموعہ، جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستۂ گل، بوے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے، اس میں سب یکجا کر دیئے گئے ہیں، ۲۰ پونڈ کے ولیتی کاغذ پر نہایت عمدہ چھپا ہے، قیمت عہ

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جسمیں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف جلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور کی مسجد، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی تھیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چھ سال کی جد وجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے لکھائی چھپائی کاغذ اعلی عہ

مولانا حمید الدین صاحب بی اے

عربی زبان میں مولانا نے قرآن پاک کی تفسیر کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اس کے حسب ذیل نمبر چھپکر تیار ہیں، یہ تفسیر بالکل جدید طرز پر لکھی گئی ہے جس کی خاص خصوصیت قرآن پاک کی باہم آیتوں کا ربط و نظام اور بعض عجیب حقایق مستورہ کا تسلی بخش انکشاف ہے،

تفسیر سورۂ والذاریات، ۶ر

تفسیر سورۂ الہب، ۴ر

تفسیر سورہ والتین، ۴ر

تفسیر سورہ والکوثر، ۴ر

تفسیر سورہ القیامہ، ۴ر

تفسیر سورہ عبس، ۴ر

تفسیر سورۂ والمرسلات، ۴ر

الرای الصحیح فی من ہو الذبیح، عربی میں حضرت اسمعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر ایک مدلل اور پر زور رسالہ جسمیں یہودیوں اور عیسائیوں کے اس باب میں ہر قسم کے اعتراضات کا قلع قمع کر دیا ہے، ۱۲ر

اسباق النحو حصہ اول و دوم، اردو میں سہل طرز پر عربی گرامر، ۲ر ۵ر

دیوان حمید، مولانا کا فارسی دیوان جو صحت زبان اور خوبی بیان میں اس عہد میں بے نظیر ہے، ۱۲ر

تحفۃ الاعراب، عربی کی نحو جدید اردو نظم میں چھوٹے بچوں کے حفظ کے لئے، ۲ر

خرد نامۂ منظوم، خاص فارسی زبان میں حضرت سلیمان کے امثال کا ترجمہ، ۸ر

دیوان فیض، مشہور ادیب زمانہ مولانا فیض الحسن صاحب سہارن پوری کے عربی قصائد کا مجموعہ جو بڑی محنت سے مولانا حمید الدین صاحب نے فراہم کیا ہے، عہ

مولانا سید سلیمان ندوی،

سیرۃ نبوی حصہ معجزات، قیمت عہ، سے.

ارض القرآن حصہ اول، عرب کا قدیم جغرافیہ، عاد، ثمود، سبا، اصحاب الایکہ، اصحاب الحجر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے، جس سے قرآن مجید نے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسرائیلی لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی ہے، قیمت عہ

ارض القرآن جلد دوم، اقوام قرآن میں سے مدین، اصحاب الایکہ، قوم ایوب، بنو اسمعیل، اصحاب الرس.

اصحاب، بجر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ، اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث صفحہ ۲۵۰ قیمت ۲/ ع

سیرت عائشہؓ، طبع دوم، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالات زندگی اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات اور اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات ع

دروس الادب، عربی کی پہلی ریڈر طبع سوم مع ترمیم قیمت ۲/

دوسری ریڈر طبع سوم ۴/

رسالہ اہل السنت والجماعہ، فرقہ اہل سنت والجماعہ کے اصولی عقائد کی تحقیق، طبع دوم ۸/

حیات مالک، امام مالک کی سوانح عمری اور موطائے امام مالک پر تبصرہ عہ

خلافت اور ہندوستان، آغاز اسلام سے اس عہد تک مسلمانان ہند اور خلفائے اسلام کے تعلقات اور سلاطین کے سکوں اور کتبوں سے ان کا ثبوت ۸/

دنیائے اسلام اور خلافت، موجودہ عہد میں خلافت عثمانیہ کے قیام و بقا کیلئے دنیا کی مسلمان قومیں کیا جد و جہد کر رہی ہیں، مصنف کے سفر یورپ کے دلچسپ معلومات ہیں، قیمت ۶/

خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام، اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ خلافت عثمانیہ نے مسلمانوں اور اسلامی ملکوں کی گذشتہ صدیوں میں کیا کیا خدمتیں انجام دی ہیں، عہ/

بہادر خواتین اسلام، مسلمان عورتوں کے مجلسی اور اخلاقی بہادری کے کارنامے طبع سوم ۴/

اسوۂ نبوی، عیسائیوں کا اعتراض تھا کہ مسلمانوں کا خدا قہار و جبار ہے، اس میں اس کا جواب دیا گیا ہے اور دکھایا گیا ہے کہ اسلام میں محبت اور رحمت الٰہی کا کیا درجہ ہے، اور مذہب کس قدر ہمہ تن محبت ہے اور اس باب میں اسلام کی تعلیم کیا ہے؟ قیمت ۸/

لغات جدیدہ، چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری مطبوعہ معارف پریس قیمت عہ

خطبات مدراس یعنی سیرۃ نبوی کے مختلف پہلوؤں پر آٹھ لکچر جو گویا آنحضرت صلعم کی تمام پیغمبرانہ زندگی کا خلاصہ ہیں، قیمت عہ

مولانا عبد السلام ندوی،

اسوۂ صحابہ جلد اول، صحابہؓ کے عقائد، عبادات، اخلاق اور معاشرت کی صحیح تصویر، اور قرون اولی کے اسلام کا عملی خاکہ، اس کا مطالعہ ہر مسلمان کا فرض ہے، ضخامت ۴۰۰ صفحے قیمت ع

ایضاً جلد دوم، صحابہؓ کے سیاسی انتظامی اور علمی کارناموں کی تفصیل ضخامت ۴۰۰، قیمت للعہ

انقلاب الامم، ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ، طبع دوم قیمت ۵/

اسوۂ صحابیات، صحابیات کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارناموں کا مرقع، عہ/

سیرت عمر بن عبد العزیز، حضرت عمر بن عبد العزیز

مسعود علی ندوی منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ،